

خواتین کے لیے صاف سُحرا تفریحی آڈیو

اچھا نامہ

کچی

aanchalnovel.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

قیمت = 60 روپے

پاکستان کے مشہور شاعریں

ابتدائیہ

12	مدنیہ	سرگوشیاں
13	بہنوں کی مثنوی	حمد و نعت
14	مدنیہ	درجہ جواب آں

ناولٹ

23	طلعت نظامی	شب تمہارا کرم ہے آقا
13	ام صوم	مجھے ہے حکم ازاں
139	شازیہ فاروق	عہد نئے سال کا

افسانہ

	عنیقہ محمد بیگ	دوسری ماں
137	نزهت جمیل فیاض	دل میں کچھ واہمے تھے
207	صبا نور	چھوٹی سی بات
251	سویا فلق	سر پرانز
257	سمیرا غزل صدیقی	ستارہ سحر
261	ام قاضی	پڑھی لکھی
265	ایمن رحمان	تمہیں وطن کی
275	نظیر فاطمہ	189 امید نو

دانش کدہ

18	مشاق احمد قریشی	مالک یوم الدین
		ہمارا آنچل
23	ملیہ احمد	رابعہ سلیم / سدا منتہی جائزہ یافت / آمنہ قبائل

بہنوں کی عدالت

27	ادارہ	نازیہ کنول نازی
		سلسلہ وار ناول
77	راحت وفا	سوکانی محبت
149	سمیرا شریف طور	ٹوٹا ہوا تارہ

مکمل ناول

33	سیدہ غزل زیدی	کراؤ سجدہ ایک خدا کو
189	انعم خان	عشق بے درد

پبلشر: مشتاق احمد مستر نی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہائی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتہ: 7-منیر پور چیمبرز عبد اللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400



سرورق: سدرہ... آرائش: روز بیونی پادر... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

293	ہما احمد	دوست کا پیغام	277	حافظ شبیر احمد	عانی مسائل کا عمل
300	جویریہ سالک	یادگار لمحے	279	میمونہ رومان	بیاض دل
305	شہلا عامر	آئینہ	281	طلعت آغاز	ڈش مقابلہ
313	شائلہ کاشف	ہم سے پوچھئے	285	روبین احمد	بیوٹی گائیڈ
317	ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا	آپ کی صحت	287	ایمان وقار	نیرنگ خیال
321	حنانہ	کام کی باتیں			

خط و کتابت کا پتہ: امانت پوسٹ بکس نمبر 75، ایف 74200، فون نمبر 2/021-35620771
 فیس: 021-35620773 کے ذریعے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز، بنی میل
 info@aanchal.com.ph



مسلمانوں اپنے سے بڑوں کے پاس بیٹھا کر دعا لکھوں سے سوال کیا کرو اور دانش مندوں سے ملا کرو۔
(طبرانی)

سیرتِ نبویہ

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
فروری ۲۰۱۵ء کا پہلا آچل حاضر مطالعہ ہے۔

آپ کے محبت ناموں کا ایک انبار میرے سامنے تھا ہوا ہے۔ بیشتر خطوط میں بہنوں نے عیسوی سال کی مبارک باد کے پیغامات بھیجے ہیں۔ تمام بہنوں کا شکریہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو بہت ساری خوشیاں نصیب فرمائے۔ بہت سی بہنوں نے پرچے کے بارے میں سوال کیا ہے کہ نئے نئے والے پرچے کا کیا ہوا ان کے لیے اطلاع ہے کہ نئے پرچے کے اجرا کے لیے سرکار کو درخواست دے سکی ہے۔ یہ سب کتب منظور ہوتی ہے۔

تمام لکھنے اور پڑھنے والی بہنوں کا شکریہ کہ ان کے تعاون اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ آپ کا یہ جریدہ آچل آچل قدم قدم کامیابی کی منازل طے کرنا جا رہا ہے یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ کا کرم خاص اور انعام ہے اور آپ تمام بہنوں کی سرپرستی آپ کا آچل ایک منفرد اور نمایاں مقام حاصل کر گیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ ہمیشہ کی طرح ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی اور اپنے آچل کو سجانے سنوارنے میں میرا ہاتھ بٹائی رہیں گی۔ جیسا کہ آپ بہنوں کو علم ہے کہ ہر سال اپریل کا شمار بطور سالگرہ نمبر شائع ہوتا ہے تو اس کی تیاری شروع کی جا چکی ہے تمام کلم کار بہنوں سے گزارش ہے کہ سالگرہ نمبر کے لیے اپنی خصوصی تحریریں جلد از جلد ارسال فرمادیں اور تمام قارئین بہنوں سے بھی درخواست ہے کہ وہ اپنے قیمتی مشورے، تجاویز اور آراء سے بھی ہماری رہنمائی کریں۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ سب کا تعاون ہمیں یوں ہی حاصل رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہماری اور پیارے وطن پاکستان کی ہر بلا ہر مصیبت آفات سے حفاظت فرمائے۔

﴿پہلے کے ستارے﴾

- ☆ آج کی سیرتِ نبویہ کا ایک نیا اور دلچسپ باب ہے۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔
- ☆ اس باب میں سید غزالی کی شاہکار تحریر جو رب تعالیٰ پر آپ کا ایمان مضبوط کر دے گی۔

دعا گو
قیصر آغا

نعمتیں

کے مالک

مدینے کی حسرت سے قربان جاؤں یہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
 کہ اس سبز شہد کا ہر دم تصور عبادت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
 منور مدینے کے دن ہیں درخشاں درخشاں مدینے کی راتیں
 معطر مدینے کی ہستی یہ جنت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
 طبیب کریم ہم و جان کے آگے ہمارے مقدر جو سونے تھے چائے
 نبی کریم ﷺ کی ہم عصیوں پر عنایت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
 ترے سبز شہد پر ہر دم نغمہ ہے نہ سوزا ہے نہ دردا جگر ہے
 نہ اپنی خبر ہے نہ دل کی خبر ہے یہ راحت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
 قبا چربا ہوں اُحد چربا ہوں میں اپنے مقدر پر اترا رہا ہوں
 مقدر کی اب اور کیا ہوئی رفعت یہ رفعت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
 جہاں سر جھکاتے ہیں آ کر فرشتے وہاں ہم گناہگار کرتے ہیں حمد سے
 یہ بخشش نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے یہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
 کہ ان کا دیکھو مصلحت ان کی دیکھو نغمہ و دشمنی ان کی دیکھو
 ہے بہتر اور جو غمخیز یہ دیکھو یہ نعمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

پایا نہ جب سہارا اے دو جہاں کے مالک
 میں نے تجھے پکارا اے دو جہاں کے مالک
 مغموم ہوں بدل دے اب تو مسرتوں سے
 تقدیر کا ستارا اے دو جہاں کے مالک
 طوفان کی تیزیوں میں جب ڈمگائی کشتی
 تو نے دیا سہارا اے دو جہاں کے مالک
 مخلوق کی اذیت مخلوق کی مصیبت
 تجھ کو ہے نب تو ارا اے دو جہاں کے مالک
 گردور ناخدا ہے شامل تری عطا ہے
 ہر موج ہے کنار اے دو جہاں کے مالک
 حق ہمارے بگڑے کاموں کو ہے بناتا
 ادنیٰ ترا ایشمارہ اے دو جہاں کے مالک
 دنیائے بندگی میں بہر ادا نے ہمیشہ
 سجدہ تجھے گزارا اے دو جہاں کے مالک

(سہرا لکھنوی)

اقرآ صغیر جلد ایک نئے ناول کے مصروف آج کل کے روبرو ہوں گی۔
عشتا کوثر سے سلسلہ وار ناول لکھنے کی آپ کی فرمائش ہم ان تک
پہنچا رہے ہیں۔ امید ہے کہ آپ جلد انہیں دیکھ پائیں گی۔
تعارف ارسال کر دیں۔



مدیر

بلغو تفسیہ مثل فنون لاہور

اسلام علیہم اوسلوا میں خوش رہیں سلامت رہیں۔ آج کل مجھے باقاعدگی
سے ملتا ہے میں آپ کی بے حد ممنون ہوں۔ آج کل خواتین کا
پسندیدہ اور معیاری ڈائجسٹ ہے خواتین میں لکھنے کے رجحان کو
فروغ دینے میں آج کل کا کردار بہت نمایاں ہے۔ آج کل میں لکھنے
والی بے شمار خواتین نے جو شہرت اور عزت پائی وہ اس بات کا ثبوت
ہے کہ آج کل خواتین میں بے حد مقبول ہے۔ آج کل والوں اور اس
کے قارئین کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ اللہ تعالیٰ سبھی کو سائیاں
عطا فرمائے اور سائیاں تقسیم کرنے کا شرف بخشے (آمین)

ہم قابل فخر ہم سبھی وقت کار شاد آ باد رہیں، طویل عرصے بعد
بزم آج کل میں آپ کی شرکت ہادصا کے جمونے کی باتندول فریب
گئی۔ آپ جیسی نامور قلم کار نے آج کل کے متعلق چند تعریفی
کلمات ادا کیے ہیں تو یقیناً ہمارے لیے باعث فخر اور قابل رشک
ہے ہم تو آپ سے اتنی ہی گزارش کریں گے کہ

کل پچھلے لوگوں کی طرف بلکہ شرم بھی
اسے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی
کبھی اپنی زندگی کے مصروف دوڑتے بھاگتے لمحات میں
سے چند لم نکال کر ہمارے نام کریں اور آج کل سے رابطہ استوار
اور رشتہ بحال رکھیے گا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا
فرمائے آمین۔

تمینہ فیاض کو اچھی

پیاری تمینہ، سدا خوش رہو آپ کی تحریر "سونے کے کلنگن"
موصول ہوئی آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے مطالعے اور
محنت سے مزید اچھا لکھ سکتی ہیں ابھی مختصر تحریر پر ہی طبع آزمائی
کریں تاکہ کہانی کو بخوبی سنبھال سکیں۔

تمینہ، طلحہ، جوڑیہ تحصیل گوجر خان
ڈیر فریڈنڈ شاد آ باد رہو۔ بزم آج کل میں شرکت پر خوش
آمدید انداز میں اگرچہ بہت شوق نہیں ہے لیکن اگر آپ کے دل
تک ہماری بات پہنچتی اور اثر کرتی ہے تو ہمارے لیے باعث اعزاز
ہے آپ کے یہ خوب صورت الفاظ ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔

حمیرا قریشی لاہور

ڈیر حمیرا، جتنی رہو آپ کی دوسری تحریر "ڈراما بھول کا نام"
قبولیت کا درجہ ملے کر چکی ہے ابھی اور معیاری چیز کے رو ہونے
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا بے فکر رہیں آپ کی پہلی تحریر جلد ہی
آج کل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالے گی البتہ تھوڑا انتظار تو آپ کو کرنا
پڑے گا۔ ان کامیابیوں پر مبارکباد۔ دعا گو ہیں آپ کا قلمی سفر
کامیابی کی منازل طے کرتا رہے آمین۔

افرا چغت کو اچھی

ڈیر افر! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "کچھ ایسا کر جاؤں"
موصول ہوئی پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو بہت محنت
کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں گو کہ آپ کا
موضوع قدرے بہتر تھا۔

نورین مسکن سرور سیالکوٹ

ڈیر نورین! شاد آ باد رہو آپ کی تین تحریروں کے ساتھ ایک
خط بھی موصول ہوا۔ ہر انسان کی ذات میں کئی اللہ تعالیٰ نے رکھی
ہے تاکہ ہم اس سے رجوع کریں۔ بہت سی قلم کار بہنوں نے اس
تصنیف کو اپنی کہانوں کے ذریعے آپ تک پہنچایا آپ کی تحریر
"اے مژدہ محبت" "آفتاب عشق" اور اعتبار لازم ہے" کے نام
سے موصول ہوئیں ناول بنانے کے چکر میں آپ کہانی کو ٹھیک
سے سنبھال نہیں پائیں۔ پھر ان کہانوں میں عمیرہ احمد، سمیرا اور
نازیہ کے انداز سے متاثر ہو کر کافی مماثلت نظر آ رہی ہے۔ کہانی کا
اپنا رنگ اور آپ کی پہچان کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ موضوع کا چناؤ
"اے مژدہ محبت" میں بہتر ہے لیکن ابھی آپ مختصر افسانے پر طبع
آزمائی کریں مختصر اور موثر لکھنے کی کوشش کریں جب آپ کا افسانہ
کامیابی کا مرحلہ طے کر جائے پھر ناول اور ناول کی طرف آئیے
گا۔ امید ہے اس ناکامی پر باپوسی اختیار کرنے کے بجائے ان
باتوں سے اپنی اصلاح کی کوشش جاری رکھیں گی۔

مبشرہ خالد کو اچھی

پیاری مبشرہ! سدا آ باد رہو، آپ کی تحریر "عزت نفس"
موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو محنت کی ضرورت ہے
اس لیے اپنے مطالعہ میں نامور لکھاری بہنوں کی کہانیاں شامل
کریں جس سے آپ کو لکھنے میں مدد ملے گی۔

مصدق فطرت غفلو..... کو اچھو
 پیاری بہن نہت! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "جگنو میرے
 آنجل میں" کے نام سے موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ کافی
 اچھن کا شکار ہونے کے ساتھ کچھ باتوں میں غیر واضح پن بھی ہے
 موضوع بھی بہت پرانا ہے کسی اور موضوع کو اپنے مزاج کا حصہ بنا
 کر قلم کی قید سے آزاد کریں۔

دیبا آفرین..... لاہور

ڈیر دیا! جگ، جگ جیو آپ کی تحریریں موصول ہوئیں "توجہ"
 اور "خبر رشت" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے کہانی کو جلدی اختتام
 دے دیا جس کی وجہ سے قلمی کا احساس ہوا ہے مطالعہ کے ساتھ
 کوشش جاری رہیں۔

فوجت، جبیں فوری..... دل لہنتی

پیاری بہن فوجت! سدا خوش رہو، آپ کی تحریر "دل کے
 رشتے" موصول ہوئی اور قسط وار انداز میں لکھی یہ تحریر کمزور موضوع
 کے ساتھ انداز تحریر بھی متاثر کن نہیں ہے اس لیے مطالعہ کریں
 اور مختصر تحریر پر طیارہ آزمائی کریں۔ قسط وار لکھنے کے لیے باقاعدہ
 اجازت لینا پڑتی ہے۔

مشائلی مسکن..... میٹھوالی

ڈیر مشا جگ جگ جیو آپ کی تحریر بلا عنوان موصول ہوئی
 مزہ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اپنے
 خالق کو سچ کریں اور مختصر موضوع کا اپنی تحریر کا حصہ بنائیں۔

دلہ کنول..... نامعلوم

پیاری بہن دلہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "عشق ظالم" کا
 حصول موصول ہو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی
 ضرورت ہے۔ اس لیے نامور لکھنویوں کے ناول اور افسانے
 پڑھیں پھر لکھنے کی آہش کریں اور پہلے مختصر موضوع کو قلم کی قید
 سے آزاد کریں اس کے بعد ناول پر طبع آزمائی کریں۔

حقیقہ ملنگ..... قاک خفہ رفت والی

پیاری جیو! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "مک سچ جلا کر دیکھیں"
 آنجل کے معیار پر پورا نہ آتی اس لیے ہم محضت خواہ ہیں موضوع
 کے لحاظ سے کہانی کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہری۔

کوٹو ٹو..... جڑنوالہ

ڈیر کوٹو، جگ جگ جیو آپ کے خط کے پہلے ہی دلکش جملے
 نے "دل پریر بنی رہو پریرائی کرتی رہو" ہماری توجہ اپنی جانب
 مبذول کرانی بہت ہی خوب صورت الفاظ اور مربوط جملوں میں لکھا
 آپ کا خط اور خوب مصحت شعر کے ساتھ آنجل کی پسندیدگی کا

انگہار لیے بہت اچھا لگا آپ آنجل کے دیگر سلسلوں میں شرکت
 کر سکتی ہیں۔ آئندہ بھی اپنی قیمتی آثار اور تجاویز سے لوازی رہیں گے۔

ام ایمان فاضلی..... کوٹ چھتہ

پیاری امی! سدا سکر آؤ سب سے پہلے تو کامیاب قلمی سفر
 کے تیزی سے آغاز اور شہرت کی منازل طے کرنے پر مبارکباد
 بے شک رب تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ آنجل آپ
 کے لیے وسیلہ بنا اس میں شکر ہے کی کوئی بات نہیں آنجل نے بہت
 سی مایاؤں مصنفین کو ہاتھ پکڑ کر ہام عروج تک پہنچایا ہے یہ اور بات
 ہے کہ کچھ لوگ اس دیرینہ ہم سفر کو بھول کر شہرت کے نئے جہان
 میں پہنچ کر اسے بالکل ہی بھول جاتے ہیں اور بہر حال یہ ان کی
 سوچ اور معاملہ ہے اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو اور سن
 سب کو کبھی بہت سی کامیابیاں عطا فرماتا رہے آمین۔

آنصہ شبیب..... ٹوگہ گجرات

ڈیر آنصہ، سدا سکرانی رہو، شکوہ و شکایات سے مبرا صرف
 خف ملاقات کی آرزو میں بسا آپ کا خط موصول ہوا اور لفظوں
 کے تمام رنگ ہمیں متاثر کرنے میں کامیاب ٹھہرے دعاؤں کے
 لیے جزاک اللہ۔

ملوہ کنول ملھی..... چک وردلی

ڈیر مانی! شاد و آباد رہو سب سے پہلے تو بھائی کی مگنی پر
 ڈیروں مبارکباد۔ بعض نواقات تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر
 نگارشات شامل اشاعت ہونے سے محروم رہ جاتی ہیں بہر حال ہم
 نے آپ کے خط کا جواب عنایت کر دیا ہے لہذا کھلی دہر کر لیجیے۔

نبیلہ ملک..... چوٹالہ

ڈیر نبیلہ! جنتی رہو آپ کا خط پڑھ کر والد کی وفات کے
 متعلق جان کر بے حد غم و غم ہوا۔ بے شک باپ کے سایہ شفقت
 سے محروم ہو جانا ایک کڑا سانحہ اور شہمی کے اس دور میں مقابلا ایک
 سنگین مرحلہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے
 اور والد مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔
 تحارف جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔

گل..... دولتکنہ، گوجر خلی

ڈیر گل! گلوں کی طرح مہکائی رہو آنجل سے ایک بار پھر
 رابطہ ستوار کرنے کا جان کر خوشی ہوئی۔ اگر آنجل کی کسی تحریر کے
 ذریعہ آپ اپنے رب کے قریب تر ہوئی ہیں تو یہ ہماری کامیابی
 اور اصلاح کا فریضہ سر انجام دینے میں اہم کردار ہے۔ آنجل کی
 پسندیدگی کا شکر یہ آئندہ بھی سیکھنے کا عمل جاری رکھیے گا لوم آنجل
 سے شتا ستوار اور رابطہ برقرار رکھیے گا۔

تائین کیا، یعنی کیسے شامل کریں؟

انعم پھوہدری..... جتنوسی

پیاری انم! شادوآ بادروہوآ چل سے آپ کے درینہ تعلق کے متعلق جان کر بے حد خوشی ہوئی اور آپ سے یہ پہلی ملاقات بھی بہت اچھی گئی۔ بے شک آپ کا کہنا بجائے الفاظ اور لہجوں کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ گفتہ انداز و اخلاق میں کی گئی آپ کی بات بہت جلد اثر کرتی ہے اسی لیے تو اچھے اور عمدہ اخلاق کو اپنانے کی تاکید کی گئی ہے۔ بہر حال آپ کے خیالات جان کر بہت اچھا لگا: عاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

دانشہ جمیل دانشی..... صلح آباد

ڈیر راشدہ! جگ جگ جیو، آپ کی جانب سے پہلا خط موصول ہوا خط کے ساتھ ہی 20 روپے کا ایک نوٹ بھی موجود تھا یہ آپ نے کس سلسلے میں بھیجا ہم سمجھنے سے قاصر ہیں بہر حال اب یہ تمہا آپ کی جانب سے کسی سختی کو دے دیا جائے گا اور ہم کئی بار بہنوں سے یہ درخواست کرتے رہتے ہیں کہ خدا مالک نے رقم رکھ کر نا بھیجا کریں پر کوئی مستثنیٰ نہیں خیر دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

منیبہ احمدہ زینب سلطان..... ٹوہی، صوابی

ڈیر سسرز! شادوآ بادروہوآ آپ کا خط اور ناول "پاکیزہ محبت" موصول ہوا آپ نے پہلے ہی قدم برنوال کی صنف پر طبع آزمائی کی ہے بہتر ہوتا کہ مختصر افسانے پر کوشش کرتی بہر حال ناول کا موضوع انتہائی کمزور اور فرسودہ ہے انداز تحریر بھی طوالت کی بنا پر جگ جگ کمزور پڑتا محسوس ہوتا ہے۔ مطالعہ اور وسیع مشاہدہ کی بنا پر آپ بہتر لکھنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں ہماری دعا ہے کہ بتعالیٰ آپ کو باعمل اور نیک عالمان دین بننے میں کامیابی عطا فرمائے آپ آچل کے دیگر سلسلوں میں شرکت کر سکتی ہیں۔

حافظہ وزیہ ظفر..... قلم گنگ

پیاری وزیہ! جیتی رہو آپ کی تحریر "تقدیر کے کہیں" پڑھا ڈال لیکن کچھ خاص تاثر قائم نہ کر سکی۔ آپ کا نہ صرف انداز تحریر کمزور ہے بلکہ لہجہ بھی بہت سی اغلاط موجود ہیں۔ آپ کو ابھی بہت محنت اور وسیع مطالعے کی ضرورت ہے فی الحال دیگر رائٹرز کا بخور مطالعہ کریں اور اپنا مشاہدہ وسیع کریں۔ لکھنے پر فی الحال توجہ مت دیں بلکہ صرف پڑھیں اور انداز بیان پر غور کریں امید ہے اس تفصیلی جواب سے آپ مطمئن ہو پائیں گی۔ دوسری کہانی بلا عنوان ابھی زیر مطالعہ ہے۔

عاب..... سرگودھا

ڈیر گڑیا! جگ جگ جیو آپ سے پہلی نصف ملاقات

سنم ملک..... قلم گنگ

پیاری بہن! جیتی رہو آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی آپ نے دست کر کے جس طرح خط لکھ بیجا ہے اسی طرح آپ آچل کے دیگر مستقل سلسلوں میں بھی شرکت کر سکتی ہیں۔

صبا جلویہ..... بھولہ نور

پیاری صبا! شادوآ بادروہو، طویل عرصہ بعد آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی۔ گڑیا آپ کی تحریر کچا گھڑا تو لگ گئی ہے جبکہ شکستوں کا جہل ہمارے پاس محفوظ ہے۔ صفحات کی کمیابی کی بنا پر تاخیر کا شکار ہے البتہ "دل شکن لب کیوں" تو ناقابل اشاعت میں تھی جس کے متعلق ہم جواب دے چکے ہیں غالباً آپ کی نظر سے نہیں گزرا آپ کی دیگر تحریریں موصول ہو گئی ہیں جلد پڑھ کر آپ کا گاہ کروں گے۔

سیدہ شبانہ عظیم..... خانیوال

ڈیر شبانہ! سدا ہستی مسکراتی رہو آپ کی جانب سے موصول خط موصول ہوا پڑھ کر اچھا لگا آپ کے شکوہ و شکایت بجائے ہیں۔ 2003ء سے آپ کا آچل سے رابطہ ہے اور ایسے میں شہر کا نام نہ ہونا واقعی نا انصافی ہے۔ بہر حال خط میں آپ نے جگ جگ نام نہیں لکھا تھا اسی لیے ایسا ہوا آپ اپنی باتیں بلا جھجک ہم سے شیئر کر سکتی ہیں اگر پناہ ماں مانا جائے ہیں بچوں کی تربیت و بہترین پرورش بے شک ایک کڑا مرحلہ ہوتا ہے کوشش کریں کہ سب کے سامنے سر پیش کرنے کے بجائے تمہائی میں اچھے اور نرم الفاظ میں بچوں کو سمجھا دیر مزید اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کے بچوں کو نیک اور عمدہ سیرت کے ساتھ آپ کے لیے باعث فخر بنا دے، آمین۔ آپ کی تحریر "وہ میری قربتوں میں شامل تھا" ہمارے پاس محفوظ ہے جلد شامل اشاعت کر لیں گے۔

دانی اسلام..... گوجرانوالہ

ڈیر مانی، سدا خوش رہو آپ کا کہنا اور شکایت بجائے ہیں لیکن پھر بھی یہ تو دیکھیں کہ آپ کی غیر موجودگی میں بھی ہم نے آپ کے خطوط اور اشعار کو شامل اشاعت کیا بہر حال اب باقی کو ترک کر دیں اور آچل سے رابطہ نئے سرے سے استوار کر لیں۔ حکم اذلا اپنے اختتامی مراحل میں ہے پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کروں گے۔

شگفتہ خلیہ..... بھولہ نور

ڈیر شگفتہ! سدا سلامت رہو، آپ کی جانب سے یہ شکوہ بالکل بجائے نہیں کیونکہ ہم گاہے بگاہے آپ کی نظموں کو شامل اشاعت کرتے رہتے ہیں۔ بہر حال بعض اوقات تاخیر سے ڈاک موصول ہونے کی بنا پر رہ جاتی ہے ایسے میں "تم ہی تھلاؤ کہ ہم

منظوم اشاعت

عشق طلاطم، پریم نگر کے شام سویرے، میرے دل سے
تیرے دل تک، کھل پیار کے آنچل میں ادھورا پیار، توجہ غبار
دشت، کیوس آئیڈیل، ذرہ بنا سکہ ماہ، شہید کی موت، تمہیں کھویا
تمہیں پایا، اے دل نادان، نٹائے دل، یاسیت بھری محبت، محبت
فکست فاتحانہ، دل کے رشتے، زندگی گزار ہے ذرا سی بھول کا
نعام، قسمت کا فیصلہ، پہلی محبت، کاش کہ وہ دن پھر لوٹ آئے،
پاکیزہ محبت، محبت میری دھڑکن، اک شمع جلا کر دیکھیں، سونے
کے نکلن، تقدیر کے کھیل، تو ہی ہے میرا راستہ، قسمت، اچھائی، کبھی
مرنا نہیں، چھپا رستم، تیری یادیں، ہمیں ایسی محبت ہے دل
قرباں، جگنو میرے آنچل میں، جگنو میرے آنچل میں، اے مژدہ
محبت، اعتبار لازم ہے، آفتاب عشق، کچھ ایسا کر جاؤں، عزت
نفس، تقدیر کے ہیر پھیر۔



بذریعہ مفصل خط بہت اچھی لگی۔ آپ کی سوچ بہت پختہ اور عظیم
ہے بے شک تعلیم انسان کو سنواری اور اسے آگاہی اور شعور کی
منازل عطا کرتی۔ بس آپ گھر مردہ کر پرائیویٹ تعلیم کے ذریعے
اپنا شوق بخوبی پورا کر سکتی ہیں۔ دیگر نصابی کتب کے مطالعے سے
بھی یہ پیاس بجھائی جاسکتی ہے آپ کے ساتھ کی جانے والی حق
تلقی واقعی قابل مذمت ہے بس آپ کی محنت اور لگن کا ضیاع ہے
بہر حال ہمیں آپ کی کہانی موصول ہوئی ہے پڑھنے کے بعد ان
شاہ اللہ اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔ آنچل کے معیار کے
مطابق ہونی تو ضرور جو صلا افزائی کی جائے گی۔

حفظہ بقول..... بھولہ پور

پیاری حفظہ! جیتی رہو، آپ کا کہنا بجا ہے نو آموز رائٹرز کو
ہماری جانب سے اصلاح کا بھرپور انداز میں کہا جاتا ہے اور
کمزوریوں کی نشاندہی بھی کر دی جاتی ہے تاکہ آپ اپنی
صلاحیتوں کو احسن طریق پر مدئے کار لائیں۔ آپ کا افسانہ اگر
نا قابل اشاعت بھی ہوا پھر بھی آپ کو رہنمائی تو مل جائے گی خوف
نکال کر امید کا دامن تھام لیجئے اور ارسال کر دیں۔

صدمہ مقلد..... گوجرانوالہ

ڈیئر مضم! شادا! یاد رہو آپ کا خط پڑھ کر محسوس ہوا کہ آپ
حساس دل کی مالک۔ اور بے حد قلمیں ہیں جب ہی اس سانچہ پر
ہماری کلمیں اور رہنبدہ ہیں ان سچ یا دوں سے چھٹکارہ حاصل
رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود کو دیگر کاموں میں مشغول
کر لیں۔ اللہ تعالیٰ تمام شہداء کے لواحقین کو صبر و استقامت اور ان
شیاطین کو راہ ہدایت، نصیب فرمائے بے شک یہ لوگ گمراہی کے
آخری درجے پر ہیں۔

نوٹ:-

(۱) ہم علی میاں پہلی کیشنز لاہور کے انتہائی مشکور و ممنون ہے
کہ انہوں نے اپنی نئی طباع زاد کتب ہمیں ارسال کی جس میں
بہن نصابہ اکرم چوہدری، بہن رضوانہ پرنس کی بھی خوب
صورت طباع شدہ کتب بھی شامل ہم تمام لکھاریوں کو مبارک باد
پیش کرتے ہیں۔

(۲) ہم انقریش پہلی کیشنز لاہور کے بھی مشکور و ممنون ہے کہ
انہوں نے بھی ہم کو اپنی نئی طباع زاد کتب ارسال کی ہیں جس میں
بہن نیلہ عزیز، بہن امیرا شریف طوطا اور بہن فاخرہ گل کی خوب
صورت طباع شدہ کتب ہیں ہم سب بہنوں کو انتہائی دل سے
مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہے کہ اللہ آپ سب کو ایسی
ہزاروں کامیابی نصیب فرماتا رہے آمین۔

مصنفین سے گزارش
☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی
ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں
اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قطعہ وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل
کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر
ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے
نا قابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط
تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے
ارسال کیجئے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

ملائکہ

مشتاق احمد قریشی

جہنم

عذاب الہی پانے والوں کا ٹھکانا.....!

جہنم (HELL) دوزخ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جہنم کے معنی بہت زیادہ گہرائی کے ہیں۔ جہنم کا لفظ اسی سے نکلا ہے۔ جہنم دراصل آگ کا وہ گھر ہے جہاں اللہ کے نافرمان اور بد اعمال کفار مشرکین کو روزِ آخرت میدانِ حشر سے ان کا حساب کتاب کرنے کے لئے بھیجا جائے گا۔ قرآن حکیم میں جہنم کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہنم آگ کی بھیجی کا نام ہے۔

جہنم بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہزار برس تک آگ پھوٹی گئی یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی پھر ہزار برس تک مزید تیز کر دی گئی جس پر اس کا رنگ سفید ہو گیا پھر ہزار برس تک مزید تیز کر دی گئی حتیٰ کہ وہ سیاہ ہو گئی سو دوزخ کی آگ سیاہ تاریک ہے اس میں روشنی برز نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ)

جہنم کی گہرائی کے بارے میں ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر اس میں کنگر پھینکا جائے تو وہ کنگر ستر برس میں بھی اس کی (تھاہ) نیچے بالکل آخر تک نہیں پہنچے گا۔ (مسلم شریف)

جیسا کہ آپ نریشہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روزِ آخرت تمام انسانیت کو مرنے کے بعد زندہ کر کے ان ہی جسموں کے ساتھ جو انہیں دنیا کی زندگی میں حاصل تھے میدانِ حشر میں جمع کرے گا جہاں ہر کسی کو اس کے اعمال کے مطابق ہی جزایا سزا سنائی جائے گی اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی عادل منصف ہے جو اپنے بندوں کے ایک ایک عمل سے پوری طرح باخبر ہے وہ اس روز کسی کے ساتھ کسی بھی قسم کا معمولی سے معمولی ظلم و زیادتی بھی نہیں کرے گا ہر مجرم کو اس کے جرم کے مطابق ہی سزا سنائے گا۔

اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے نہایت واضح الفاظ میں آخرت میں مکافات و عقوبت کا عقیدہ بیان کیا ہے اور جہنم کا ذکر بھی بار بار واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق جہنم بے ایمان مرنے والوں اور ایسے گناہ گاروں کا ٹھکانہ ہے جن کے جرم ناقابلِ معافی ہیں۔ جہنم کا سب سے نمایاں وصف آگ ہے۔ قرآن کریم میں جہنم کی جگہ نار بھی جہنم کے ہی معنوں میں آیا ہے۔

قرآن کریم اللہ تبارک و تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل فرمائی ہے تاکہ اس کے بندے یہ جان لیں کہ کیا غلط ہے کیا درست ہے اور وہ اپنی زندگی راہِ راست پر بسر کرنے کے لئے قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کریں۔ قرآن کریم اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے محبوب رسول ہیں کو بھی اللہ نے بشیر یعنی خوش خبری دینے والا اور نذیر یعنی ڈرانے والا بنا کر بھیجا تا کہ احکامِ الہی کو عملی طور پر نافذ کر کے لوگوں کو آگاہ کر سکیں اور

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

بتا سمجھا سکیں کہ غلط کیا ہے اور درست کیا ہے۔ قرآن کریم کھل اور آخری ہدایات نامہ ہے جو تمام انسانیت کی فلاح و بھلائی کا ضامن بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ بڑا ہی انصاف کرنے والا عادل اور رحیم و کریم ہے۔ وہ اپنے کسی بھی بندے کے ساتھ نہ کسی کی زیادتی و ظلم کو پسند فرماتا ہے نہ خود کسی پر کسی بھی طرح سے ظلم فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے روزِ آخرت جب وہ مجرمین الہی کا فیصلہ ان کے اعمال و اقوال کے مطابق فرمائے گا تو سب مجرمین کو نہ تو برابر کی سزا ملے گی نہ ایک ہی لکڑی سے بانکا جائے گا۔ اسی وجہ سے جہنم کے بھی کئی درجات و طبقے ان سزاؤں کے اعتبار سے ہوں گے جن کی تحقیق مفسرین اور محققین نے کی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ جہنم کے سات طبقے ہوں گے۔ کیونکہ جہنم کے بارے میں ایک یہ رائے بھی ہے کہ وہ قید خانہ نہیں بلکہ شفا خانہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی خیال و منشا کے مطابق وہاں روج انسانی اپنی غلط کاریوں کو تائب و توبہ کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہوگی اور جوں ہی وہ ان سے عبیدہ برآ ہوگی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سرفرازی پا کر اس عذاب سے نکال کر بہشت میں داخل کر دی جائے گی۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے اس خیال کی تصدیق بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہاں تک جب دوزخیوں کو گنہوں سے خالص کر لیا جائے گا اور وہ پاک و صاف ہو جائیں گے تب انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ ایک روایت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جہنم پر ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب اس میں کوئی نہ ہوگا اور اس کے خالی دروازے کھڑا کھڑا میں گئے۔ (مسلم۔ مسند احمد)

دوزخ کے سات طبقات جن کا ذکر قرآن کریم میں بھی ملتا ہے۔

(۱) جہنم۔ دوزخ کا ایک درجہ جہنم ہے۔ جہنم کا لفظ قرآن حکیم کی ۷ آیات میں آیا ہے جو اس امت مرحومہ کے عذاب و عتاب کا مکان ہے۔ جہنم ان کافروں کو دور سے ہی میدانِ حشر میں دیکھ کر غصے سے کھول اٹھے گی اور ان لوگوں کو اپنے دامنِ غضب میں لینے کے لئے چلائے گی اور جھنجھلائے گی، جہنم کی اس کیفیت کو اللہ ذوالجلال نے سورۃ الفرقان میں اس صرح ارشاد فرمایا۔

ترجمہ:- جب وہ (جہنم) انہیں دور سے دیکھے گی تو یہ اُس کا غصے سے پھرنا اور دھاڑنا سنیں گے۔ (الفرقان-۱۲)

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جہنم کی کیفیت کا اظہار فرما دیا ہے کہ جہنم اپنی آگ اپنی شدت میں کیسی غضب ناک جلد ہوگی کہ وہ اپنی خوراک کے لئے کیسی چمیں و بے قرار ہوگی اس کیفیت کا سورۃ الملک میں بھی اظہار ہوا ہے۔

ترجمہ:- جب جہنمی، جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ جوشِ غضب سے اچھلتی ہوگی ایسے لگے گا کہ وہ غصے سے پھٹ پڑے گی۔ جب کبھی اُس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اُس سے جہنم کے داروغے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ (الملک-۷ اور ۸)

جہنم کا دیکھا اور چلانا ایک حقیقت ہے یہ کوئی استعارہ نہیں ہے۔ اللہ جو بڑا قادر مطلق ہے اس کے

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 19

لئے ہر چیز ممکن ہے۔ اللہ کے لئے اس کے اندر احساس و ادراک کو قوت پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ آخر اسی خالق نے آگ کے تعلق سے جنوں کو ایک صاحب اختیار مخلوق کے طور پر پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو بھی قوت و یابی عطا فرما سکتا ہے جہنم کے بارے میں سورۃ ق میں ہے کہ جہنم اُس روز۔ ”ہل من مزید“ یعنی کیا پتہ اور بھی ہے؟ کی صدا بلند کرے گی۔

ترجمہ:- درحقیقت جہنم ایک گھات ہے سرشوں کا ٹھکانہ ہے جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔
(النساء-۲۱-۲۳)

گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو شکار پھانسنے کے لئے بنائی جاتی ہے یا جہاں چھپ کر دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ بے خبری میں آئے تو اچانک حملہ آور ہو کر قابو پا لیا جائے۔ انسان دنیا میں احکام الہی عذاب الہی سے بے خوف و خطر ہو کر خوب اچھلتا کودتا پھرتا ہے اسے کسی گرفت کا کوئی خطرہ محسوس ہی نہیں ہوتا لیکن جہنم ان کے لئے ایک ایسی ہی چھپی ہوئی گھات ہے جس میں وہ روز آخرت پھنسنے والے ہیں اور وہ وہیں پھنس کر رہ جائیں گے۔

دوسری آیت کریمہ میں لفظ احتساب استعمال ہوا ہے جس کے معنی پے درپے آنے والے طویل زمانے ایسے مسلسل ادوار کہ ایک دور ختم ہوتے ہی دوسرا دور شروع ہو جائے۔ اس لفظ سے بعض نے استدلال کرتے ہوئے بیعتی کے معنی لئے ہیں جبکہ جنت کی زندگی میں تو بیعتی ہوگی ہی مگر جہنم میں بیعتی نہیں ہوگی کیونکہ یہ مدتیں خواہ کتنی ہی طویل ہوں آیت میں جب اللہ تعالیٰ نے مدتوں کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو اس سے یہی تصور ابھرتا ہے کہ دو لامتناہی نہیں ہوں گی طویل بہر حال ضرور ہوں گی کیونکہ جب جس کی سزا پوری ہو جائے گی اللہ رحیم اس پر رحم فرمائے گا اور سزا ختم ہونے پر اسے جہنم سے نجات دل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی انصاف کرنے والا عادل ہے۔

(۲) سببیر۔ یہ دوزخ کا دوسرا درجہ ہے یہ نصاریٰ کا مقام خاص ہے۔ سحر کے معنی آگ بھڑکانے کے ہیں۔ یہ سحر کی جمع سے جس کے معنی جنون بے عقلی جب انسان کے دماغ میں گرمی بھڑک اٹھتی ہے تو وہ پاگل ہو جاتا ہے سحر کے معنی آگ کے ہیں۔ سورۃ لقمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:- اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ انہی کی پیروی کریں گے خواہ شیطان ان کو بھڑکتی ہوئی آگ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو۔ (شمن-۲۱)

آیت مبارکہ میں دوزخ کے دوسرے طبقے السعیر کا ذکر آیا ہے قرآن حکیم میں جہنم کے اس درجے کا ذکر نو مقامات پر آیا ہے۔ سورۃ الملک میں تین بار اور سورۃ الحج لقمان سبا الاحزاب فاطر اور شوریٰ میں ایک ایک بار ہوا ہے۔

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔
(الاحزاب-۶۴)

آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ جس سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے لئے کفر

کرنے والوں کو ناصرف لعنت کی بلکہ ان کے لئے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ بھی دکھارکھی ہے۔ انسان دنیا کی زندگی لاکھ اپنی مرضی و منشا کے مطابق بسر کرے لیکن اسے ایک روز تو اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہی ہونا ہے اور وہ دن اس کے اعمال کے حساب کتاب کا دن ہوگا ایسے ہی لوگوں کو جو بے پرواہ زندگی بسر کرتے ہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ ناصرف ان کو بلکہ ان کی آخرت کو بھی اللہ تعالیٰ نے لعنتی قرار دے دیا اگر زندگی کے وقفے سے فائدہ نہیں اٹھا سکے تو پھر ان کا مقدر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہوگا اور جب وہ اس آگ میں پھینک دیئے جائیں گے تو اس وقت کی کیفیت سے بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آگاہ فرما رہا ہے تاکہ اگر کوئی پلٹنا چاہے سدھرنا چاہے تو ابھی وقت سے دنیا میں ہی سدھر جائے۔

ترجمہ:- اور وہ کہیں گے کاش ہم سنتے یا سمجھتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاواروں میں شامل نہ ہوتے۔ (الملک-۱۰)

جب روزِ آخرت اللہ جل شانہ فیصلہ صادر فرمادے گا اس وقت پچھتاوے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا جب آگ میں ڈالے جانے کا حکم ہو جائے گا تب احسب اندامت پچھتاوا ہونا بے معنی ہوگا۔ اسی سبب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کیفیت کو بھی قبل از وقت ہی اپنے بندوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے تاکہ کل بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے اگر خبر ہوتی کہ میرے ساتھ ایسا ہوگا تو میں برگز کفر نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی رحیم و کریم ہے وہ اپنے بندوں سے بے پناہ بے حد و حساب شفقت و محبت فرماتا ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو جو آزادی دی ہے اس میں وہ مداخلت نہیں کرتا وہ تو چاہتا ہے کہ بندہ پوری آزادی کے ساتھ بغیر کسی دباؤ کے اس کی بندگی و اطاعت کرے اور اپنی آخرت کی دائمی زندگی کا خود بند و بست کرے۔ نیک و بد یکساں نہیں ہو سکتے جب وہ نیکو کا رشتی افراد کو جزا و انعام دے گا تو لازمی بات ہے بغاوت و کفر کرنے والوں کو سزا بھی دے گا تب ہی انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے۔

(۳) **حطمة**۔ یہ بھی دوزخ کا ایک طبقہ ایک درجہ ہے حطمہ کے معنی روندنے والا ریزہ ریزہ کر دینے والا یہ حطم سے مشتق ہے صیغہ مبالغہ واحد اس سے مراد دوزخ ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ الاحقرہ میں دو بار استعمال ہوا ہے۔ مفسرین نے اسے یہودیوں کا ٹھکانا لکھا ہے۔

ترجمہ:- ہرگز نہیں وہ شخص تو چمٹا چور کر دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا اور تم کیا جانو کہ وہ کیا ہے چمٹا چور کر دینے والی۔ (احقرہ-۵-۴-۵)

نہ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کسی چیز کو حقیر سمجھتے ہوئے پھینک دینا تنگ انسانیت کو دوزخ میں پھینکنے کا ذکر کرتے ہوئے اس لفظ حطمہ کا استعمال ہوا ہے جو اس مفہوم کو ادا کرنے کے ساتھ اس کی حقیر اور تذلیل کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ حطمہ حطم سے ہے جس کے معنی توڑنا ہیں ڈالنا اور ریزہ ریزہ کر دینا ہے یہ دوزخ کے اس طبقے کا نام ہے جس کی آگ انتہائی تیز ہوگی جو بھی چیز اس آگ میں پھینکی جائے گی وہ آگ میں اس کو پس کر رکھ بنا دے گی اس آگ کی شدت کے اظہار کے لئے ہی اس سورۃ کی چھٹی آیت میں اس آگ کو اللہ کی آگ کہا گیا ہے یہ وہ آگ ہے جسے اللہ نے جلایا ہے جو ہمیشہ بھڑکتی ہی رہے گی بھی بجھے گی نہیں۔ یہ آگ اتنی شدید ہوگی کہ انسانی فہم

و ادراک اس کی شدت کو سمجھ نہیں سکتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تو انسانوں کو ہر چیز کے بارے میں خوب کھول کھول کر بار بار بار انداز بدل کر سمجھا رہا ہے کہ احکام الہی کونہ ماننے کا کیسا شدید انجام ہونے والا ہے ابھی وقت ہے کہ عقل سے کام لے کر سنبھل سکتے ہو تو سنبھل جاؤ۔

(۳) **الظلی**۔ دوزخ کے ایک طبقے کا نام ہے۔ دہکتی ہوئی آگ دہکتا شعلہ زن ہونا بغیر دھوئیں کے اٹھتا ہوا شعلہ لپٹ بھڑک اس سے دوزخ مراد ہے۔ یہ دیوں اور (جنوں) اور ابلیس کا ٹھکانا ہوگا کیونکہ جن کو بھی اللہ تعالیٰ نے آگ کے شعلے یعنی لپٹ سے ہی پیدا فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں صرف دو ہی جگہ استعمال ہوا ہے۔

ترجمہ:- (مگر) ہرگز یہ نہ ہوگا۔ یقیناً وہ شعلہ والی آگ بھڑک رہی ہوگی۔ (المعارج-۱۵)
آہستہ آہستہ میں رب ذوالجلال نے جہنم کے اس طبقے کی آگ کی شدت کا اظہار فرمایا ہے یہ بڑی ہی شدید بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی جو آگ سے پیدا شدہ مخلوق کو بھی جلا ڈالے گی اس آگ کی شدت جہنم کے دوسرے طبقات سے کہیں زیادہ تیز اور شدید ہوگی۔

ترجمہ:- میں نے تمہیں شعلے مارتی آگ سے ڈرا دیا ہے۔ (اسیل-۱۳)
اللہ تعالیٰ بھی انسانوں کا خالق و مالک ہے وہ اپنی حکمت و مشیت اور اپنے عدل اور رحمت کی بنا پر اس بات کا ذمہ دار ہے کہ انسان کو دنیا میں بے خبر نہ رہنے دے۔ اسے باخبر کر دے۔ اسے بتا دے سمجھا دے کہ کونسی راہ راست ہے اور کونسی غلط نیکی کیا ہے بدی کیا ہے حلال کیا ہے حرام کیا ہے کونسی روش اختیار کر کے فرمانبردار بندہ بنو گے اور کونسا رو یہ اختیار کر کے نافرمان بن جاؤ گے اور یہ بھی بتا دیا سمجھا دیا کہ دنیا سے آخرت تک کہیں بھی اس مالک کی گرفت سے باہر نہیں ہو خواہ تم اللہ کی بتائی ہوئی راہ پر چلو یا نہ چلو۔ مگر ایہ اختیار کرو گے تو خود اپنے آپ پر ظلم کرو گے اپنا ہی نقصان کرو گے اور اگر راہ راست اختیار کرو گے تو بھی تمہیں ہی نفع پہنچے گا خود ہی نفع نہاؤ گے یہ کام تمہارا ہے کہ تم آخرت کی بھلائی چاہو یا دنیا کی بھلائی سب اختیار اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ اللہ تمہارا مالک ہے اور تمہارا مالک ہے کہ اگر تم نافرمانی کرو گے جس درجے کا تمہارا جرم ہوگا وہی ہی تمہیں سزا ملے گی۔

(جاری ہے)



رنگِ گل

سویٹ اینڈ سوسائٹی قارئین اور آنچل کے تمام ممبران کو بلدیولت کی طرف سے استلام علیکم! دس سال پہلے شرکت کی تھی اس وقت حالات اور خیالات مختلف تھے اس وقت زندگی خواہوں جیسی تھی آج زندگی نے اور روپ دھارا ہے شادی کے بعد پریکٹیکل لائف میں جو تبدیلیاں آئیں وہ ابھی اچھی لگیں زندگی تب بھی دلکش تھی۔ زندگی اب بھی اللہ پاک کے کرم سے بہت حسین ہے میرا تعلق رحیم یار خان سے ہے اور جب سے پیدا ہوئی یہی ہوں مطلب، یہ کہ اور کوئی شہر جگہ نہیں دیکھی۔ یکم فروری 1986ء کو دنیا میں تشریف لائی زندگی بہت خوب صورت لگی جب تک خواہوں کی دنیا میں گزرے اور جب زندگی کی کئی حقیقتوں سے واسطہ پڑا تو زندگی کا لفظ زندگی رہائی لگنے لگا مگر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

زندگی کے پرچے میں
سب سوال لازم ہیں
سب سوال مشکل ہیں

اگر یہ حساب کتاب کھول کر بیٹھوں تو ایک اور بات بھی ذہن کے در پہلوں سے جھانک کر پرانی یادوں کو کھینچ لانی ہے۔ جی جناب! بچپن کا دور بھی کیا حسین دور تھا امی ابو کا پیار، بہن بھائیوں کی محبت سب کچھ ملا اور اب تک بھی سب کی محبت دیکھا ہی ہے۔ چہ بہن بھائی ہیں ہم تین بھائی اور تین بہنیں۔ شادی کے بعد سسرال میں سب سے چھوٹی بہو ہوں۔ پانچ ننہیں دو جیٹھ ہیں اور ماشاء اللہ سب بہت ناکس ہیں۔ عمران کی ماما ہیں پاپا کی ڈیڈہ ہو چکی ہے۔ ارے ارے رکے ذرا عمران کا تعارف کروادوں عمران میرے شوہر نامدار ہیں بہت خوب صورت بہت کیرنگا، بہت سویٹ غرضیکہ اتنے اچھے ہیں

نسا بھی رات کے بارہ بجے مجھے لکھنے کا وقت ملا تو میرے سپے چائے بھی بنا کر لے آئے۔ ہر کام میں بہت مدد کرتے اور سب سے بڑی بات کہ مجھے میرے ٹائم پر رسالہ بھی لادیتے۔ میری کہانیوں کی رجسٹری بھی کرواتے بہت کام پڑیو ہیں اور اللہ پاک کے کرم سے تین بیٹیاں ہیں علیشاہہ، بشرہ، لیہا۔ بہت پیاری اور ہماری جان ہیں اور جناب دوستی کے معاملے میں فرینڈز کی طویل فہرست ہے اچھے اخلاق کے مالک، سلیبی ہوئی طبیعت، صاف اور شفاف لوگ جو زندگی کے ہر معاملے میں فیئر ہوں۔ مجھے اٹریکٹ کرتے ہیں دل میں بغض رکھنے والے غلط بیانی کرنے والے لوگوں سے چڑھے اور مجھے غلط بیانی پر غصہ آتا ہے مگر میرا غصہ بھی عجیب سا ہے جلدی آتا ہے جلد ہی بھاگ جاتا ہے۔ دراصل میں چاہتی ہوں جس طرح میں سب کے ساتھ قلمس ہوں سب کے لیے اچھا سوچتی سب کا احساس کرتی ایسے ہی پروڈوکول مجھے بھی ہے۔

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا
جو گلے ملو گے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے
ذرا فاصلے سے ملا کر دو

بارش کا موسم بہت اٹریکٹ کرتا ہے بارش ہونے کے بعد جو مٹی کی خوشبو اٹھتی ہے وہ مجھے بہت پسند ہے۔ فلورٹ خوشبو Do it جو فلورٹ کلر سرخ بلیک اور ہر وہ کلر جو موسم کی حساب سے آنکھوں کو اچھا لگے۔ شاعری سے جذباتی وابستگی ہے اور میں خود بھی شاعری کرتی ہوں۔ پڑھنا اور لکھنا میرا شوق ہے مطالعے کی عادت تو چاہنے کے باوجود بھی ختم نہیں کر سکی میوزک پسند ہے۔ ڈبمیر کا مہینہ بہت پسند ہے اور جنوری کا مہینہ اس لیے کہ 4 جنوری کو میری شادی ہوئی بہت سے دن لے لیے ایسے ہوتے ہیں جنہیں انسان چاہ کے بھی نہیں بھول سکتا۔ نانی امی کی ڈیڈہ کا دن زندگی کا سوگوار دن تھا اور جس دن پاکیزہ ڈائجسٹ میران اول چھپا وہ زندگی کا یادگار دن تھا۔ پھر بہت سی کہانیاں شائع ہوئیں شادی کے

چار سال چھوٹے دو جڑواں بھائی حکیم عمران حسین بادل تو حیدری اور رضوان حسین عرف لالہ جی ہیں اور پھر چار سال بعد ہم آگئے اس دنیا کی رونق کو مزید جلا دینے۔ اللہ کے فضل و کرم سے دو بھانجیاں سویرا اناز پری ریحاب فاطمہ شہزادی اور دو بھانجیوں محمد ابو بکر محمد ابو زرا اور ایک جی مسرہ سے یہ چھوٹا آشیانہ آباد ہے۔ تعلیمی قابلیت گریجویشن کمپیوٹر کورس کے ساتھ ساتھ ترجمہ القرآن کے کورس سے دل و دماغ کو منور کیا ہوا ہے پھر ایک سال نیچنگ کے شعبے سے وابستہ رہنے کے بعد اب گھر کی ذمہ داریوں میں الجھے ہیں ہم تو نام تو آپ جان ہی گئے ہیں ذرا کام و ہنر بھی جان لیں۔ اپنی تعلیم کے سولہ سترہ سال فرسٹ پوزیشن لینے آئے ہیں اور حمد و نعت، تقریریں اور کمپیوٹرنگ کے ساتھ ساتھ دی بیسٹ اسٹوڈنٹ اور دی بیسٹ میجر کا انعام بھی پانچکے ہیں۔ کھانا بنانا، سہل چار پائیاں بنانا بھی آتا ہے۔ ہم کسی سے کم نہیں، ناسلانی کٹائی بھی خود کرتی ہوں، رسہ کشی اور دوڑ پسندیدہ گیمز ہیں، قرآن پاک فہرست کتاب ہے۔ بلیک اور وائٹ کلر پسند ہے، کھانے میں ہر وہ چیز جو بھوک کے وقت ہاتھ لگ جائے ویسے برگر، برائے اور کدو کا حلوہ بہت پسند ہیں۔ پہننے میں بھی کھانے کی طرح جوتل جائے پہن لیا ویسے چوڑی دار پاجامیا اور فراک دل ک بھائی ہے۔ کزنوں میں موڈی سعدیہ تبسم ہزار شکورے کرتی شہر بانو اور لاش پیش کرتی جیلہ کنول سے خوب بنتی ہے جب بھی اکٹھی ہوں تو ساری ساری رات نہیں سوتیں۔ فرینڈز میں سب ہی زبردست ہیں مگر بہت محتاط رہنے والی تمثیلہ حد سے زیادہ حساس مہرین اور ہنستا چہرہ میرا سے زیادہ بنتی ہے۔ ہر مسئلے کا یہ کوئی نہ کوئی حل نکال ہی لاتی ہیں، مجھے پریشان نہیں ہونے دیتیں۔ میرے نزدیک رشتے تو سب ہی اصول ہوتے ہیں ماں باپ کا رشتہ تو بیان سے باہر ہے مگر اس سے ہٹ کر زوج کا رشتہ ہمارے لیے اہم ہے۔ (ویسے آپس کی بات ہے ہم ابھی کنوارے ہیں) اپنی خامی یہ ہے کہ ہر ایک پر ائمہ کا اعتماد کرتی ہوں ہر کسی کو اپنا اور صرف اپنا سمجھتی ہوں۔ دھوکے

بعد یہ سلسلہ کچھ رک سا گیا بہر حال اب بچے بھی ساتھ ہیں اور سب کام بھی ساتھ ساتھ۔ پہلے بچے چھوٹے تھے تو بہت مستہ ہوتا تھا، رائرز لسٹ میں اپنا نام دیکھ کر اچھا لگا تھا اور مصروفیت کے باعث لسٹ سے نام بھی کٹ گیا اور کسی نے یاد بھی نہیں کیا۔ آج کل رائرز بہت اچھا لگتی ہیں چند ایک کا نام لکھنا زیادتی ہوگی۔ اب آج کل کو دوبارہ اوزہ لیا تو ان شاء اللہ اب نہیں اتارنا۔ بہت خوب صورت آج کل ہمارا۔ ہمیشہ جھگڑاتے رہیں مسکراتے رہیں دعاؤں کے ساتھ مجھے اجازت دیجیے گا اللہ تمہارا۔

سقاہت

انداز بیان اگرچہ بہت شوخ نہیں شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات کیا سمجھے؟ تین میں نہ تیرہ میں نا جی نا ہم تو ہیں پانچ سواروں میں۔ دیکھتی آکھوں دیکھو..... ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں آجی سنتے کانوں پڑھتی زبانوں سب کو سدرۃ المنتہیٰ معصومہ، عاتمی انصاری کا سلام۔ جی مابدولت کا نام تو یہی ہے پر کہتے بہت کچھ ہے مثلاً چاند ہیرا منجھا، گند اور ملی وغیرہ وغیرہ۔ آپ کا جودل ہو اس نام سے پکارے کیونکہ گلاب کو جس نام سے بھی پکارا جائے گلاب گلاب ہی رہتا ہے۔ جی ہماری تاریخ پیدائش دل جلانے کی بات کرتے ہیں سنا نہیں لڑکیاں اپنی عمر نہیں بتاتیں۔ خیر جوئے شیر لانا اولام کام ہے ہماری دادی اماں کہتی تھیں کہ 31 جیٹھ کی گرمی میں ہم ٹھنڈک بن کر آئے امی حضور کہتی ہیں کہ 4 شوال عید الفطر کے چوتھے دن ہم عید کو مزید بڑھانے آئے۔ ابو جی فرماتے ہیں 13 یا 25 جون کو ہم گرمیوں کی چمشی کی نوید لے کر آئے اور ہماری استاد پر یہ سنہری حروف، کتدہ ہیں یکم مئی 1989ء یعنی ہم یوم مزدور کو مزورور بن کر آئے آئے ہی ہی۔ ہم 4 بہن بھائی ہیں سب سے بڑی آپا مصباح نورین یں ان سے

دو چھوٹے بھائی ہیں اور ہم اکلوتی اور بڑی بہن ہونے کے ناطے عباسی دلا میں ان دونوں پر (جبراً ہی مگر) حکومت کرتے ہیں۔ ہم ہو میو میڈیکل کالج کے اسٹوڈنٹ ہونے کے ساتھ ساتھ بی ایس سی کی اسٹوڈنٹ بھی ہوں۔ حیران مت ہوئے جناب ہمیں واقعی پڑھنے کا بہت شوق ہے اور شاید ہمارے علم کی پیاس کچھ کم ہو جائے اسی لیے ہم نے دونوں جگہ ایڈمیشن لے لیے۔ ہم نہایت حساس اور بہت خوددار طبیعت کے مالک ہیں اور بقول ہمارے چند طے والوں کے ہم میں انا اور ضد تو کوٹ کوٹ کے بھری ہے۔ ہمیں سارے رنگ بہت پسند ہیں رنگوں سے کھیلنا اور تھلیاں پکڑنا ہمیں بہت پسند ہے۔ اپنا علم کسی سے شیئر نہیں کرتے اور لوگوں کی باتوں سے زیادہ لہجے ہم پر بہت اثر کرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونا آجاتا ہے منہ بھٹ نہیں ہیں۔ دکھاوا اور حیلے بہانے بالکل نہیں آتے بد میسر لوگوں پر بہت غصہ آتا ہے اور زیادہ لوزنا کنگ بھی بالکل پسند نہیں اور جہاں تک دوستوں کا سوال ہے تو ہماری بہن ہماری دوست ہماری تنہائی کا سانس ہی تو ہے۔ اللہ آج کل کو دن گئی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔ شاعری ہمارا جنون ہے جس میں احمد فراز وحی شاہ مرزا غالب اور پروین شاکر تو کمال ہی ہیں۔ میوزک کے بھی ہم دیوانے ہیں کھانے میں سب کچھ کھا لیتے ہیں مگر چکن ہر روپ میں پسند ہے۔ میرا پاکستان میری عاشقی ہے اور اپنے وطن کے تمام باسی ہمیں بہت پیارے ہیں اور پاک فوج کا ہر جوان میرا آئیڈل ہے جو غلط جذبات کے ساتھ سچا مسلمان اور پکا پاکستانی ہے اللہ حافظ۔

آمنہ مکتبہ

قارئین! آج آپ کی آنچل کی محفل میں ہارعب

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 25

کھانے کے باوجود اس محفل کے بارے میں دل میں میل نہیں آتا۔ مدنی بہت ہوں، خوبی یہ ہے کہ ہر ایک سے خوش ہو کر ملتی ہوں، مجھے تو آپ ہی کا انتظار تھا اور ایک بات جو خاندان اور محلہ بھر جگہ مشہور ہے ویسے وہ آپ جان ہی گئے ہوں گے، بس بولتی بہت ہوں۔ یہ خانی ہے یا خوبی میرے خیال میں سننے والے کی سماعت پر منحصر ہے کہ جس طرح مجھوں نے کہا تھا میری سلی نہیں کالی تیری آنکھ نہیں دیکھنے والی۔ لکھنا پڑھنا جنون ہے اپنا سب سے بڑی خواہش سچ کرنا ہے۔ کسی بھی ڈائجسٹ میں یہ ہماری پہلی آمد ہے، آنچل سے رشتہ تب کا ہے جب ہم فوراً کلاس میں تھے۔ جنون کی حد تک ریڈنگ کے شوق سے ہمیں ڈائجسٹوں کی دنیا بھی دکھا ڈالی اور آج گریجویٹیشن کے بعد ٹیچنگ سے گھر تک آگئے پھر آنچل کا ساتھ ہے۔ پڑھتے ہوئے خیال آیا کہ کیوں نہ ہم بھی تعارف کی دنیا میں قدم رچھ فرمائیں اپنے لیے یہی کہوں گی کہ ”عجب ہوں میں“ عجب میری خطائیں میں اپنے گناہ کہاں لے جا کر دفن کروں۔“ ہم پھر آئیں گے آپ ساتھ رہنا، آنچل میں ہونا، آنچل ہی عزت ہے، آنچل کو تھا صدمہ کھو جب تک ہم ی تازہ اور نئے چھوٹے کے ساتھ نہیں آتے تب تک کے لیے رتہ راکھا۔

حالیہ وقت

آنچل کی پوری ٹیم اور بزم آنچل میں شرکت کرنے والی تمام پریوں کو ہمارا محبتوں بھر سلام قبول ہو۔ آج سے ٹھیک 18 سال پہلے 29 مئی کی نہایت سانی دوپہر کو تحصیل مری کے ایک چھوٹے سے مگر نہایت خوب صورت گاؤں دیو میں رہنے والے زندہ دل لوگوں کے ساتھ ہم بھی زندگی کی دوڑ میں شامل ہو گئے۔ سب گھور کیوں رہے ہو ملکہ کو ہمارے یعنی مری کو ہم ہی کی بدولت تو رونق ملی ہے، ہاں نہیں تو..... سبحان اور علی ہمارے

ہوں۔ زیادہ گلنا ملنا مجھے پسند نہیں لیکن جس سے اچھے منٹ ہو جائے پھر اس سے ہر بات شیر کر لی ہوں۔ ہنسی مذاق کرنا مجھے بہت پسند ہے ہر وقت ہنسی ہنسانی رہتی ہوں اگر کبھی سیریس ہو جاؤں تو سب کہتے ہیں کہ روکیوں رہی ہو (مطلب کہ سنجیدگی میرے منہ پر اچھی نہیں لگتی) جن سے فریٹکنس نہ ہوں ان کے ساتھ سنجیدگی سے پیش آتی ہوں اس لیے مجھے اکثر لوگ مغرور بھی سمجھتے ہیں خواہواہ ہر کسی سے ہی ہا ہا کرنا اور مسکرا مسکرا کر خوش اخلاقیوں دکھانا مجھے قطعاً نہیں آتا حالانکہ خوش اخلاقی سب سے اچھی عادت ہے (پر مجھ سے نہیں ہوتا یہ) رنگوں میں مجھے شوخ اور بھڑکیلے رنگ پسند نہیں۔ لباس میں مجھے صرف شلوار قمیص بڑے سے دوپٹے کے ساتھ پسند ہے۔ نت نئے فیشن مجھے متوجہ نہیں کرتے (بھئی عالمہ جو ہوں)۔ مجھے اپنے والدین سے بہت پیار ہے 7 بہ بھائیوں میں میرا پہلا نمبر ہے دوستوں میں اقراء رحمانہ جویریہ اسماہ تمیرا ثناء سحرش اور ماریہ ہیں (ماریہ تو زبردستی ہمارے گروپ میں شامل ہوئی ہے ہا ہا ہا)۔ بیزاریت آپ کے چہروں پر ظاہر ہو رہی ہے چلو اس دعا کے ساتھ اہتمام کرنی ہوں کہ اللہ ہمیں اپنے دین کے اصولوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور سب مسلمانوں میں باہمی اتفاق و محبت قائم کرے آمین۔



سی شخصیت شرکت کر رہی ہیں آئندہ اقبال۔ میں 13 اکتوبر 1991ء کو اس دنیا کی سنجیدگی میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تشریف لائی (ڈرے نہیں میں اتنی بھی سنجیدہ نہیں ہوں) گھر میں ہی آج کل رہتی ہوں اور نت نئی ڈشز کے نام پر چیزوں کا کہاڑا کرتی ہوں اور ساتھ ساتھ پرائیویٹ بی اے بھی کر رہی ہوں۔ رسالوں کی بے حد شوقین ہوں اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کھانا پینا بھول جاتی ہوں بلکہ ہوتا یوں ہے کہ اگر میں نے کوئی رسالہ پڑھنا ہو تو ساتھ میں کھانا ضرور ہے اور اگر کچھ کھا رہی ہوں تو ساتھ میں پڑھنا ضرور ہے۔ شروع شروع میں جب ڈائجسٹ پڑھنے شروع کیے تو میں اپنے کام بنانا کر فوراً عشاء کی نماز کے بعد بستر پر لیٹ جاتی تھی آپ سمجھے ہوں گے کہ سونے کے لیے نہیں بھئی میں نے لیٹ کر ایک کہانی سوچتی ہوتی تھی کہ فلاں کہانی میں یوں ہو اور پھر یوں ہو اور سوچتے سوچتے نیندا جتی تھی۔ کئی سالوں تک یہ معمول رہا اب طبیعت میں رسالوں کے معاملے میں کچھ اعتدال آ گیا ہے۔ خوبیاں میرے اندر کچھ نہ کچھ ہیں دل میں بات نہیں کہتی چاہے دوسرے کی غلطی بھی ہو صبح کرنے میں ہل کرتی ہوں۔ لوگ مجھ سے ناراض بھی بہت ہوتے ہیں بقول شاہین کہ تمہارے منانے کا انداز اتنا اچھا ہے کہ دل چاہتا ہے بندہ ہر وقت ناراض ہوتا رہے۔ شہری پردہ کرتی ہوں کوشش کرتی ہوں کہ کسی کی دل آزاری کا سبب نہ ہوں نرم دل ہوں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ آنسو کسی کے بھی برداشت نہیں ہوتے۔ خامیوں کی بات ہو تو وہ بے شمار ہیں غصہ کی تیز ہوں۔ خلاف مزاج بات برداشت نہیں ہوتی لڑائی کرنے میں مجھے بہت مزہ آتا ہے (اب یہ مت سوچنے کا کہ سچ سچ کی لڑائی) مطلب پیار کی لڑائی زور و شور سے لڑتی ہوں۔ حساس حد سے زیادہ ہوں چھوٹی چھوٹی باتیں بھی محسوس کرتی ہوں اور پھر سونے کے بہانے منہ پر کپڑا ڈال کر ڈھیروں ڈھیروں

سنو پ کچھ لوں سے حال ایسا ہے
کوئی جتنی اذیت دے
کوئی جتنی رعوت سے ہمیں روندے
پر لہا نکل نہیں لگتا

سکوں محسوس ہوتا ہے

دعالب سے نکلتی ہے

عزیز دوستو! ہنسی مسکراتی زندگی کی ہزاروں پر خلوص
دعاؤں کے ساتھ میری کوشش تھی کہ بہنوں کی عدالت کی
یہ پیشی آخری پیشی ثابت ہو مگر باوجود کوشش کے ایسا ممکن نہ
ہو سکا ان شاء اللہ اگلی پیشی آخری پیشی ہوگی۔

اب آپ کے دل چاہے سوالات کے جوابات!

آنچل کی معرفت میرے ہاتھ میں یہ سب سے
پہلا خط ہے بہن نور بیگم کا ٹوبہ ٹیک سنگھ سے بہت زیادہ
کما نظہار کے بعد آتی ہیں۔

نازیہ جی پلیز مجھے بتادیں نازیہ کنول نازی کیا
ہے مجھے ابھی تک اس کی سمجھ نہیں آتی؟

بہت مشکل سوال نور بیگم، دنیا میں کچھ لوگ دل کش
ٹائٹل والی دل چاہ کتاب کی مانند ہوتے ہیں ایسی
کتاب جو ہم پڑھنا چاہتے ہیں مگر وہ کتاب جس زبان
میں لکھی ہوئی ہے وہ زبان ہمیں نہیں آتی نازیہ کنول نازی
بھی کسی بہت قدیم زبان میں لکھی ہوئی کتاب کی مانند ہے
جس کی گہرائی اور اس کے ہر باب کے درد بھرے راز شاید
اس کے دنیا سے جانے والے بعد ہی کوئی سمجھ سکے

نازیہ نازیہ جی میں آپ سے آپ کی اداسیوں کا سبب
نہیں پوچھوں گی کیونکہ آپ اداسیوں کی فاختہ ہیں آپ
بس اس لمحے کا بتادیں جس لمحے میں آپ نے زندگی کی
سب سے زیادہ خوشی محسوس کی؟

وہ لمحہ جب روزنامہ جنگ کے سنڈے میگزین میں

میری پہلی تحریر شائع ہوئی۔

☆ کوئی ایسا شخص جس کی وجہ سے آپ کی لائف
بہت ڈسٹرب ہوئی ہو؟

کوئی ایک شخص نہیں، میری لائف ہمیشہ اس وقت
بہت ڈسٹرب ہوئی جس وقت کسی نے میرا اعتبار توڑا جب
مجھ سے میرا کوئی بہت عزیز رشتہ چھینا، میری امید توڑی
ایسے ہر لمحے میں ہمیشہ میری زندگی بہت ڈسٹرب ہو کر رہ
جاتی ہے۔

☆ آپ شعاع خواتین میں کب لکھیں گی؟

فروری ۱۵ء کے خواتین میں آپ میرا مکمل ناول پڑھ
سکیں گی ان شاء اللہ۔

☆ آپ کو اپنی زندگی میں سب سے زیادہ پیار کس
سے ملا؟

ہر اس رشتے سے جس نے میری روح کے تاروں کو
چھیڑا اور میرے لیے زندہ رہنے کا سبب بنا۔

☆ کوئی ایسا گفٹ جسے لیتے وقت آپ کو بہت خوشی
محسوس ہوتی ہو؟

گفٹ میں ہمیشہ دیتی ہوں لیتی نہیں، پھر بھی کوئی
پسندیدہ کلمہ میں سوٹ گفٹ کرتے تو بہت اچھا لگتا ہے۔

☆ بہاول نگر سے بہت پیاری بہن شہینا ظلیل
پوچھتی ہیں۔

☆ کیا آنچل والوں نے کبھی سوچا تھا کہ آپ آنچل کی
پہچان بن جائیں گی؟

ڈیر شہینا میں آنچل کی آنچل میری پہچان ہے۔
دوسری بات، ہر ادارہ بہت محنت سے اپنی مخصوص رٹرنز بناتا
ہے اور اس میں سال ہا سال لگ جاتے ہیں تب کہیں وہ
مقام آتا ہے کہ آپ کی تحریر پرچے کی مانگ بڑھائے۔
نازیہ کنول نازی کو بنانے میں بھی آنچل نے دس سال
صرف کیے ہیں یہ سب اتنا آسان نہیں ہوتا میری جان
بے شک اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس سے
چاہے عزت چھین لیتا ہے۔

☆ کبھی کسی نے بہت قریبی دوست بن کر دھوکا دیا؟

کھریج پھینکوں تو باقی شاید کچھ بھی نہیں بچتا۔
☆ آج کل کہاں کم ہیں فیس بک پر نظر ہی نہیں آتے؟

میں آج کل کہیں بھی نظر نہیں آتی ڈیز، کیونکہ گھر میں بھائی اور بہن کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں سر کھجانے کی فرصت نصیب نہیں آپ کی محبتوں کا بے حسم شکر ہے۔

☆ صباحت رشتہ چیمہ، لویلاں والا سے لگتی ہیں
☆ السلام علیکم نازیہ کیسی ہیں آپ؟ مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ مجھے گائیڈ کریں گی کہ میں آن لائن کیسے اپنی تحریریں ادارے کو ارسال کروں۔ میں آنچل کی بہترین لکھاری بننا چاہتی ہوں بالکل نازیہ کنول نازیہ کی طرح مگر میں کچھ پوسٹ نہیں کروا سکی۔ میرا دعویٰ ہے کہ میرا لکھا ہوا رو نہیں ہوگا۔ یا آنچل اور بہنوں کی عدالت میں میری پہلی حاضری ہے مایوس مت کیجیے گا۔

صباحت ڈیز

ہم کہاں کے سچے تھے ہم کہاں کے دانا تھے بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان، اپنا آنچل کی بہترین لکھاری بننے کے لیے آ۔
نگارشات آنچل کے ہر سلسلے کے لو پر لکھی میل ایہ پر میل کر سکتی ہیں اپنی شاعری بھی اور کہانیاں بھی ان شاء اللہ ضرور حوصلہ افزائی ہوگی۔

☆ کنول سحر نامعلوم مقام سے پوچھتی ہیں۔
☆ آئی میرا آپ سے صرف ایک سوال ہے کہ آپ پلیز اس شعر کی وضاحت کریں۔

یقین مانو کوئی مجبوریاں نہیں ہوتیں لوگ یہاں عادتاً وفا نہیں کرتے ڈیز کنول لوگ کہتے ہیں۔

کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی یوں کوئی بے وفا نہیں ہوتا مگر میں لوگوں کی اس بات سے زیادہ اتفاق نہیں کرتی۔ آپ کا خیال سہی ہے آج کل یہاں لوگ بنا کسی مجبوری کے عادتاً وفا نہیں کرتے۔

☆ ہیلو ڈیز، میری زندگی میں "کیفیہ خان" ایک ایسی دوست رہی ہے جس نے میری زندگی کو نکھارنے میں بہت اہم کردار ادا کیا اسی کی وجہ سے دوستی میری نظر میں دنیا کا سب سے خوبصورت رشتہ تھا ایک دوست نوشین ابرار ناروے کی وجہ سے بھی مگر حال ہی میں دو دوستوں نے ایسے بھیا تک چہرے دکھائے دوست بن کر کہ مجھے لفظ دوستی سے ہی نفرت ہوگئی میں ہمیشہ کہتی ہوں کہ بہت گہرے دار ہمیشہ بہت قریب سے لگتے ہیں مجھے ان دو دوستوں کی اصلیت دکھانے کا اتنا دکھ نہیں جتنا دکھ اس بات کا ہے کہ آنچل کی میری ایک بہت اچھی دوست رائیڈ ان فری دوستوں کے جھوٹ اور بہکاوے میں آ کر مجھ سے بدگمان ہوگئی۔

☆ جھنگ شی سے شانزے خان کا سوال، پوچھتی ہیں۔

☆ مجھے آپ کی شاعری اور ناول بہت اچھے لگتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ مجھے آپ اچھی لگتی ہیں ایسا لگتا ہے جیسے میرا آپ سے بہت پرانا رشتہ ہو جو مجھے آپ کا دیوانہ بنا دیتا ہے جتنا نہیں کیوں آتی، مجھے سمجھ نہیں آتی میرے کچھ سوال ہیں لوگ کہتے ہیں کہ شاعری وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں دھوکہ ملتا ہے یا جو ناکام ہوتے ہیں آپ کیا کہتی ہیں؟

☆ ڈیز شانزے زندگی کے ہر احساس کے بارے میں ہر انسان کا اپنا مختلف نقطہ نظر ہوتا ہے۔ جہاں تک میری بات ہے تو میں تو پیدائشی اداسیوں کی فاختہ ہوں۔ شعور سنبھانے پر محض تین یا چار سال کی عمر میں جو پہلا احساس مجھے یا آتا ہے وہ اس پہلے لمحے اور پہلے احساس میں اپنے ہاتھوں کو ہونٹوں پر رکھ کر اپنی سسکیوں کا گلہ گھونٹ رہی تھی۔ اس وقت تو کسی کے دھوکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

☆ آپ ہمیشہ اتنی اداس کیوں رہتی ہیں؟
میرنا ذات کے دروازے پر جوتی لگی ہے اس معنی نیا عبارت اداس کی سیاقی سے ہی لکھی گئی ہے شاید اسی لیے اداسیوں کی عادی ہوگئی ہوں اگر اس لفظ کو زندگی سے

دیشانی فتح بنگ سے بہت پیاری بہن ثمنینہ ناز پوچھتی ہیں
 ☆ آپ کو کون سا ناول ہے جو سب سے پہلے
 انجیل میں شائع ہوا؟

☆ نازیبا آپ کوئی مزاحیہ ناول کب لکھیں گی؟
 فی الحال تو میں کوئی ناول ہی نہیں لکھ رہی میری جان،
 مزاحیہ ناول کبھی اللہ کو منظور ہوا تو ضرور لکھوں گی، آپ کی
 محبتوں اور دعاؤں کا بے حد شکر ہے۔

”اک تیرے طنز کا موسم“
 ☆ لکھنے کے علاوہ اور کس چیز میں زیادہ دلچسپی ہے؟
 اذیت دینے اور اذیت لینے میں ساری دنیا کے دکھوں
 کو دل سے محسوس کر کے ہمدردی پریشان رہنے اور خواب
 دیکھنے میں۔

☆ سرگودھا سے بہن کشف فاطمہ پوچھتی ہیں۔
 ☆ آپ اگر آپ کو تین ممالک کی سیر کا موقع ملے تو وہ
 تین ممالک کون سے ہوں گے؟
 فرانس، ترکی اور ہندوستان۔

☆ اگر آپ رائٹرز ہوتیں تو کیا ہوتیں؟
 وکیل سیاح یا ڈاکٹر۔
 ☆ آپ کا وہ کون سا ناول ہے جو خود آپ کو بہت پسند
 ہے؟

☆ آپ کی کیا آپ کو شکل و عادات کے لحاظ سے کسی رائٹر
 کی کہانی میں اپنا عکس نظر آیا؟
 جی کشف میرے اپنے ہی ناول ”اے مرکانِ محبت“
 کی زریبا میرا ہی عکس تھی۔ عادات کے لحاظ سے عمیرہ احمد
 کے ناول ”زندگی گلزار ہے“ کی کشف میں بھی میرا ہی عکس
 تھا۔ ”ریب دشتِ فراق ہے“ کی عشا اور پتھروں کی پلکوں
 پر کی ”انزلہ“ میں بھی میرا ہی عکس تھا۔ ابھی ایک زیر تکمیل
 ناول کی ہیروئن ”عائشہ“ بھی میرا ہی عکس ہے۔ جمیل کنارہ
 کنکر کے حور عین کا کردار بھی میں نے خود کو سامنے رکھ کر
 لکھا تھا۔

☆ ”اے مرکانِ محبت“ جس کا دوسرا شاندار ایڈیشن جلد
 آرہا ہے تمام مکمل معروف ناؤز کے ساتھ۔
 ☆ اگر تقدیر آپ کو ملک کا وزیر اعظم بنا دے تو پہلا کام
 کیا کریں گی؟

☆ آپ کیسے خواب دیکھتی ہیں؟
 بالکل ویسے ہی جیسے ناول لکھتی ہوں۔ میرے بیشتر
 ناول میری کھلی آنکھوں سے دیکھے گئے خوابوں پر لکھے
 ہوتے ہیں۔ آپ کہہ سکتی ہیں کہ میں خوابوں میں رہنے
 والی لڑکی ہوں۔

☆ کٹر عبدالقدیر خان کو ملک کا صدر بنا کر ملک میں
 اور صرف اسلامی شریعت کا قانون نافذ کروں گی
 خواہ کتنی ہی مشکلات کیوں نہ اٹھانی پڑیں۔ میں سندھی،
 بلوچی، پٹھان اور پنجابی لوگوں میں بنے ہوئے نہیں دیکھ
 سکتی۔

☆ اگر آپ کو کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو آپ کا
 رتی ایکشن کیا ہوگا؟
 بہت زیادہ گھبرا جاتی ہوں کہ اللہ خیر کرے کیوں اٹھایا
 ہے میری تحریروں اور شاعری کے لیے آپ کی بہت زیادہ
 پسند کا بے حد شکر ہے۔

☆ آئیڈیل شخصیت کون ہے؟
 پیارے رسول ﷺ اور ان کے صحابہ کے بعد قائد اعظم
 محمد علی جناح، علامہ اقبال اور ہر وہ انسان جو کردار کا مضبوط،
 قول کا سچا اور دھن کا پکا ہو۔

☆ اگر آپ کو کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو آپ کا
 رتی ایکشن کیا ہوگا؟
 بہت زیادہ گھبرا جاتی ہوں کہ اللہ خیر کرے کیوں اٹھایا
 ہے میری تحریروں اور شاعری کے لیے آپ کی بہت زیادہ
 پسند کا بے حد شکر ہے۔

☆ پسندیدہ شاعر، نوز کا ستر اور اخبار؟
 پسندیدہ شاعر علامہ اقبال، نصیر احمد ناصر، پروین شاکر،
 پسندیدہ نوز کا ستر عاشقہ، شمس اور شاہجہ پسندیدہ اخبار میں ہر
 وہ اخبار جو وطن سے محبت کا حقیقی معنوں میں کردار ادا
 کرتے ہوئے اپنے مفاد کو سائیڈ پر رکھ کر پاکستانی لوگوں
 کے مفاد کو ترجیح دے اور صرف سچ لکھے۔

☆ بہت خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں دلچسپ
 انداز تحریر کے ساتھ ایک بہن نے خط لکھا مگر اپنا اور اپنے
 شہر کا نام لکھنا شاید بھول گئیں، بہر حال لکھتی ہیں۔
 ☆ خط لکھنے کا یہ ہمارا پہلا تجربہ ہے جب آپ کو یہ خط

ہے جہاں تک دوسرے پرچوں میں لکھنے کا سوال ہے تو آنجل کے ساتھ ساتھ میں نے خواتین، شعاع، کرن، پاکیزہ، دلکش، نازنین، حنا، سب رنگ اور شیم کے لیے بھی لکھا ہے۔ مگر پچھلے چار پانچ سال سے صرف آنجل میں ہی لکھا ہے آپ کی محبت اور دعاؤں کا بے حد شکر ہے۔

✽ کوٹ سب سے بہن مسکان جاوید اور ایمان نور پوچھتی ہیں۔

☆ آپ کا نام کنول کے پھول کی طرح پیا مارا ہے خوب صورت اسم گرامی کس نے رکھا؟

میری مرحوم دادی جان نے، اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین۔

☆ نازیبا پی کوئی ایسی پینٹنگ یا تصویر جسے دیکھ کر کوئی ایسا لحوہ یا منظر یا آہ ہو جسے آپ کبھی بھی نہیں بھول سکتیں؟

بہت سی ایسی تصاویر ہیں جنہیں دیکھ کر میں بہت متاثر ہو جاتی ہوں مگر ابھی مصروفیت کی وجہ سے ذہن اتنا الجھا ہوا ہے کہ چاہتے ہوئے بھی میں آپ کے اس سوال کا تفصیلی جواب نہیں لکھ پارہی آپ کی محبت کا بے شکریہ۔

✽ حنا احمد بہاولپور سے پوچھتی ہیں

☆ نازیبا پی ایسی ہیں آپ؟ اللہ آپ کو ہمیشہ رکھے، آمین اور آپ کو اپنی پناہ و امان میں رکھے تم آمین۔

میں آپ کو بہت زیادہ پسند کرتی ہوں آپ کے ناؤز کو بھی میری زندگی کی ایک حسرت ہے اور وہ یہ کہ میں آپ سے ملنا اور آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں کیا میری یہ حسرت پوری ہو سکتی ہے۔

حنا زینر،

ہزاروں خواہش ایسی کہ ہر خواہشیں پر دم نکلے ان شاء اللہ میں جب بہاولپور آئی اور آپ سے ملنا نصیب میں ہوا تو ضرور طوں کی آپ کی محبت کا بے حد شکر ہے۔

✽ کاموگی سے پیاری ارم آپ کا محبت بھرا طویل خط میرے پاس ہے۔ آپ جو بھی لکھنا چاہتی ہیں ضرور لکھیں آنجل کے پلیٹ فارم پر میں آپ کی ہر طرح سے

✽ کاموگی سے پیاری ارم آپ کا محبت بھرا طویل خط میرے پاس ہے۔ آپ جو بھی لکھنا چاہتی ہیں ضرور لکھیں آنجل کے پلیٹ فارم پر میں آپ کی ہر طرح سے

✽ کاموگی سے پیاری ارم آپ کا محبت بھرا طویل خط میرے پاس ہے۔ آپ جو بھی لکھنا چاہتی ہیں ضرور لکھیں آنجل کے پلیٹ فارم پر میں آپ کی ہر طرح سے

✽ کاموگی سے پیاری ارم آپ کا محبت بھرا طویل خط میرے پاس ہے۔ آپ جو بھی لکھنا چاہتی ہیں ضرور لکھیں آنجل کے پلیٹ فارم پر میں آپ کی ہر طرح سے

ملے گا۔ رمضان گزر چکا ہوگا اور شاید عید بھی آنجل شعاع اور خواتین، باقاعدگی سے ہمارے گھر آتے ہیں۔ میں نے پچھلے سال سے صرف آنجل کو پڑھنا شروع کیا جب مجھے پتا چلا کہ آپ ”بہنوں کی عدالت“ میں آئیں گی میری خوشی کی انتہا نہ ہی اسی روز سے میں آپ کو خط لکھنے کا سوچ رہی ہوں پائیز ہمارے سوال ضرور شامل کیجیے گا میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو لازمی آپ کے ناول کے کردار ارش احمد جیسا ہم سفر نصیب کرے آمین۔

ڈیزیز انجینی، بہن آپ کا بے حد خوب صورت خط پا کر اور پڑھ کر میں بے حد مسرور ہوں مگر ساتھ ہی بہت شرمندہ بھی

کسا آپ کے سوالات کے جوابات بہت لیٹ ہو گئے۔ رمضان اور عید الفطر کے بعد بڑی عید بھی گزر گئی۔ بہر حال

آپ کی محبت اور پر خلوص دعاؤں کا بہت شکر ہے۔ ارش حزر جیسے مراد حقیقت کی دنیا میں نہیں ملتے شاید اسی لیے حقیقت کی دنیا بہت تلخ ہوتی ہے۔

☆ آپ کی وی کی لیے کیوں نہیں لکھتیں، پلیز آپ جتنو کے لیے کام کریں آگے بڑھیں ترقی کریں؟

ڈیزیز، بہن میں بہت موڈی رائٹر ہوں۔ میں نے ادب کی اس انیلڈ کو پروفیشن کے طور پر بھی نہیں لیا جب بھی جتنا

بھی لکھا ہے صرف اپنے اندر کی بے چین روح کے جنون کو شفا کرنے کے لیے لکھا ہے۔ نی وی میری منزل نہیں ہے نہ ہی جتنو کے لیے کام کرنے کو میں اپنی ترقی سمجھتی

ہوں۔ ایک طویل عرصے کے بعد دوبارہ جب بھی لکھنا شروع کیا میرے پلیٹ فارم یہ ادبی پرچے ہی ہوں گے۔

ان شاء اللہ

☆ کیا آپ نے آنجل کے علاوہ بھی کسی ڈائجسٹ میں لکھا ہے؟ میری خواہش ہے آپ صرف اور صرف

آنجل میں لکھیں کیونکہ میں صرف آنجل پڑھتی ہوں کیا آپ میری یہ خواہش پوری کر سکتی ہیں؟

جی ڈیزیز آپ کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے ایک طویل عرصے سے میں صرف آنجل کے لیے لکھ رہی ہوں

اب چند بہنوں کے اصرار پر شعاع میں ایک تحریر بھجوائی

مذکورے کو تیار ہوں۔ آپ کا سوال،
 ☆ آپنی جی کرا آپ نے کبھی سوچا تھا کہ ایک دن
 آپ اتنی بڑی رائٹرز بن جائیں گی؟
 کوئی بھی رائٹرز اتنی آسانی سے بڑا رائٹرز نہیں بنایا

سالوں کی ریاضت کے بعد کہیں یہ مقام آتا ہے کہ لوگ
 صرف اس کا نام دیکھ کر ہی کوئی چیز خرید لیں۔ ہر ادارہ اپنے
 رائٹرز بناتا ہے اور اس میں سالوں لگ جاتے ہیں تب کہیں
 جا کر پہچان پتی ہے۔

☆ کراچی۔ سے اسی ایمان کا سوال۔
 ☆ عید کا دن کپے گزارتی ہیں؟
 عید کا دن صرف سو کر ہی گزارتا ہے ڈیزیزی اور تو کچھ
 خاص نہیں کرتی۔

☆ کسی بھی ناواں یا کہانی سے ملنے والا معاوضہ آپ
 کہاں اور کس مصرف میں استعمال کرتی ہیں؟
 ڈیزیزی، مجھ پر اور میری ہر چیز پر میری ماں کا حق ہے۔
 میں اپنا معاوضہ اپنے رشتوں پر ہی خرچ کر کے دلی سکون
 محسوس کرتی ہوں۔

☆ ادب کے شعبے میں آپ کا ٹارگٹ یا نصب العین
 کیا ہے؟
 جو ٹارگٹ تھا وہ کسی حد تک حاصل کر لیا ہے اب تو بس
 یہی خواہش ہے کہ جب میں قلم سے کنارہ کشی اختیار کروں
 تو میرے ریڈرز مجھ جیسے لفظوں میں یاد رکھیں بس۔

☆ چناری آزاد کشمیر سے الفت اور فائزہ پوچھتی
 ہیں۔
 ☆ آپ زیادہ تر سیاست دانوں اور جاگیرداروں کے
 بارے میں لکھتی ہیں کبھی ڈرنکس لگتا؟
 ذرا صرف اللہ رب العزت کی پاک ذات کا ہونا چاہیے
 الفت باقی سارے ڈر بے کار ہیں ویسے بھی میں نے کبھی
 کسی کی زندگی کو نہیں اویڑا۔ میں صرف ان بھیا تک
 حقیقتوں کا سینہ اپنے قلم سے چیرتی ہوں جو ہماری زندگی
 کے لیے ناسور بنتی جا رہی ہیں مگر کوئی سوچتا ہی نہیں دیکھتا
 ہی نہیں بولتا ہی نہیں۔

☆ نازی جی آپ کی ہر کہانی ایسی کیوں ہوتی ہے کہ
 جسے پڑھ کر نا چاہتے ہوئے بھی آنسو نکل آتے ہیں؟
 بس ڈیزیزی الفت ایڈ فائزہ دل سے جو بات لکھتی ہے اثر
 رکھتی ہے۔
 ☆ گجرات سے میرے پاس یہ خط ہے عائنہ مظہر
 کا۔
 ☆ نازی جی آپ نے کبھی ان بہنوں کے بارے میں
 سوچا ہے جو انٹرنیٹ استعمال نہیں کرتیں نہ کر سکتی ہیں
 ہمارے گاؤں میں تا حال انٹرنیٹ کی سہولت موجود نہیں تو
 ہم ہمیں جو آپ سے بے تحاشا محبت کرتی ہیں وہ آپ
 سے کیسے رابطہ کریں؟
 عائنہ میری جان آپ جب چاہیں آن لائن کی معرفت
 مجھے خط لکھ سکتی ہیں۔ میں انٹرنیٹ پر بھی زیادہ وقت
 دستیاب نہیں ہوتی۔
 ☆ آپ اتنے زیادہ خوش مزاج ہنس رکھنے کے
 باوجود اداس کیوں رہتی ہیں؟
 اسیوں کا کوئی ہو سبب تو بتلائیں
 کہ ہم اداس کبھی بے سبب بھی رہتے ہیں
 میں آپ کی بہن ہوں اور میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو
 زندگی کے ہر میدان میں کامیاب کرے آمین۔
 ☆ کراچی سے بہت پیاری رائٹرز بہن سیدہ فرزین
 حبیب پوچھتی ہیں۔
 ☆ نازی جی میں بہنوں کی عدالت میں ہر ماہ آپ
 کے جوابات پڑھتی ہوں آپ بہت پیار سے سب سوالات
 کے جوابات دیتی ہیں میرا آپ سے سوال ہے آپ زیادہ تر
 خواتین کے حواس معاشرتی موضوعات کو زیر قلم لاتی ہیں
 کیا کسی بھی کردار کے لکھنے سے پہلے آپ حقیقت میں اس
 کردار سے ملتی ہیں اور آپ ان تمام موضوعات کے لیے
 ریسرچ ورک کہاں سے کرتی ہیں میں بھی ایک رائٹرز ہوں
 امید ہے آپ میرے سوال کا جواب ضرور دیں گی؟
 ڈیزیزی فرزین سب سے پہلے تو میں چاہوں گی کہ آپ
 آن لائن کے لیے بھی ضرور لکھیں اس کے بعد میں آپ کی

خواب تھے“ کے عنوان سے مکمل ناول بھجوا دیا مگر اس کے ایک کردار پر مدیرہ کو اختلاف تھا لہذا وہ ناول میں نے ماہنامہ رشمن میں بھجوا دیا جہاں وہ من و عن شائع ہوا اور بے پناہ پسند کیا گیا تو یہ سب چلتا رہتا ہے۔ رائٹرز عمل کل نہیں ہوتے ان کی حوصلہ افزائی بھی ضروری ہوتی ہے اور اصلاح بھی۔ ابھی خواتین میں ایک ناول ”شہر خواب“ آپ ان شاء اللہ جلد پڑھ سکیں گی۔ اس ناول پر میری اور مدیرہ کی بہت ویر ڈسکشن ہوئی اور میں نے مدیرہ کی اصلاح پر واقعی اس ناول میں اپنی غلطیوں کو برکھا اور درست کیا اور مدیرہ کا شکر یہ بھی ادا کیا تو جہاں مجھے لگتا ہے کہ واقعی مجھے بہتر سیکھنے کو مل رہا ہے۔ وہاں میں وہی کرتی ہوں جو مجھے بتایا جاتا ہے دوسری صورت میں تحریر واپس منگوا کر کسی دوسری جگہ من و عن شائع کرا لیتی ہوں۔ آپ کی محبت اور دعاؤں کا بے حد شکر ہے۔

ذیرہ غازی سے مسز طارق کا محصوم سا مشورہ اور گزارش لکھتی ہیں۔

☆ میں آپ کی دیوانی ہوں اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں پلیز آپ اس شدہا کریں۔
جی ٹھیک ہے آپ کا حکم سہرا لکھوں پر اور کسی سے مجھ میں دکھ والی کوئی بات نہیں۔ اس بار اتنا ہی باقی خطوط ان شاء اللہ اگلی آخری نشست میں اپنی محبت اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا، خدا حافظ۔

(جاری ہے)



محبت کا شکر یہ ادا کروں گی انشاء آپ کی اس محبت کا بہترین جزائے خیر عطا کرے جہاں تک حساس معاشرتی موضوعات پر لکھنے کی بات ہے تو اس راستے پر بھی مجھے میرے پیارے اللہ پاک نے لگایا ہے۔ صرف تفریحی کے لیے لکھنا کوئی بڑی بات نہیں بڑی بات یہ ہے کہ آپ اپنے فرائض کو پہچانتے ہوئے۔ معاشرے کے چبھتے کالج اپنے لفظوں کی پوروں سے نکالیں اور ہاتھ زخمی ہونے کی پروا نہ کریں۔ دس سرچ جو رک کے لیے میرا بہترین ذریعہ کسی بھی ایسے موضوع سے متعلق کتابیں اور انٹرنیٹ ہے۔ میں نے بہت سے ایسے کردار لکھے جن سے میں پہلے حقیقی زندگی میں مل چکی تھی مگر ہمیشہ ہر ناول میں ایسا نہیں ہوتا۔

☆ اسوہ شاہ، گجرات سے پوچھتی ہیں۔
☆ جیسی ہیں آپ، امید کرنی ہوں بخیر وعافیت ہوں گی مجھے آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ کیا کبھی ایسا ہوا کہ آپ نے کہانی کے کرداروں کو لے کر پا اس کے انجام کو لے کر ایڈیٹر سے آپ کا اختلاف ہوا ہوا گرایا ہوا تو آپ کیا کرتی ہیں؟

اوپر ڈیڑہ آٹھل میں یہ اتفاق صرف ایک بار ہوا جب میں نے ”پتھروں کی پلکوں پر“ میں ایک طوائف کا کردار لکھا۔ اوپر سے کی مدیرہ محترمہ فرحتہ ماہ صاحبہ (مرحومہ) نے ساتویں قسط میں مجھے کہا کہ میں وہ کردار بدل دوں یا ختم کر دوں لہذا میں نے وہ کردار ختم کر دیا جس پر آج تک ہمیں مجھ سے سوال کرتی ہیں کہ وہ کردار کہاں گیا؟ اس کے علاوہ آج تک بھی میرا اور آٹھل ایڈیٹر کا کسی ایسے معاملے پر بھی اختلاف نہیں ہوا ہاں کرن اور شعاع میں ایسا ہوا۔ میرا ایک ناول ”ایک محبت عہد کا دن“ جو دو قسطوں پر مبنی تھا اس کے لیے مدیرہ نے مجھے کہا کہ میں اسے شارٹ کر کے ایک ہی قسط میں شائع کراؤ تو زیادہ بہتر رہے گا مگر میں نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور وہ ناول کرن کے بجائے ماہنامہ ”نازنین ڈائجسٹ“ میں دو حصوں میں ہی شائع کر لیا اور اللہ رب العزب کے کرم سے وہ دو حصوں میں بے حد پسند کیا گیا۔ شعاع میں میں نے ”ہم کسی کا



سوسائٹی
ڈاٹ کام

سیدہ زینب



کعبہ کی طرف ہو اب جو بھی سفر ہو
اس آرزو میں اب میرے شب و روز بسر ہوں
پیغام یہ دے دینا صبا تو جا کر حرم میں
بیٹھا ہے کوئی ظلمت میں، اس کی بھی سحر ہو

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

انصار صاحب اور رقیہ بیگم کے بچے دانیال اور نائلہ اپنے والدین کی طرح دین دار ہیں۔ دانیال حافظ قرآن ہے اور زندگی کو قرآن و سنت کے مطابق گزار رہا ہے لیکن اچانک ہی اسے ایک عیسائی لڑکی جینی سے محبت ہو جاتی ہے اور وہ جینی سے شادی کرنے کے لیے والدین کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ایک عیسائی لڑکی کا سن کر انصار صاحب اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہتا ہے انصار صاحب اسے جائیداد کا حصہ دے کر گھر سے نکال دیتے ہیں۔

دانیال جینی کے گھر آ جاتا ہے اور اسے ساری حقیقت سے آگاہ کر کے شادی کے لیے کہتا ہے جینی اپنے والدین سے بات کرتی ہے اور پھر دانیال کو اپنے مذہب عیسائیت میں شامل کر کے اس سے شادی کر لیتی ہے۔
خالدہ ہاس قرآن و سننی کے پروفیسر ہیں اور جیرہ ان کے شاگردوں میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔

عہادہ صاحب کی دو بیٹیاں جیرہ عہاد اور عالیہ عہاد ہیں۔ جیرہ کی منگنی اپنے کزن احمد کے ساتھ ہو چکی ہے اور جلد ہی ان دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔

عدیل، جان کا بہترین دوست ہونے کے ساتھ جیرہ اور احمد کا کزن بھی ہے۔ جان نے جیرہ کو پہلی بار اسلامک اسٹڈیز ڈیپارٹمنٹ میں دیکھا تھا جان کو مسلمانوں سے نفرت ہے اور یہ نفرت اس کے دل میں اپنی ماما جینی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے وہ ہمیشہ جان کے سامنے مسلمانوں کو برا

بھلا کہتی ہیں اور جان کو ان سے دور رہنے کی ہدایت کرتی ہیں لیکن یہ اتفاق ہے کہ جان کا بہترین دوست عدیل ہے تقریباً چار سال بعد دانیال کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کہ اس نے جذباتیت میں ایک غلط فیصلہ کیا تھا اسے اپنے ماں باپ کی بات مان لینی چاہیے تھی۔ دانیال ان سے معافی مانگنے گھر جاتا ہے لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے انصار صاحب اور رقیہ بیگم نائلہ کو رخصت کرنے کے بعد اس جہان فانی میں نہیں رہے۔ دانیال بچھتاوے دل میں لیے ان کی قبروں پر جاتا ہے۔

جان کا اب چہرچ میں دل نہیں لگ رہا اسے لگ ہے کوئی ہے جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا ہے لیکن وہ سے قاصر ہے لیکن پھر یونیورسٹی میں ہی غیر محسوس طریقے سے وہ ایک بار پھر اسلامی اسٹڈیز ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ جاتا ہے اور وہاں جیرہ اس کی رہنمائی کرتی ہے۔

جینی جان کو جیرہ سے دور رہنے کے لیے کہتی ہے لیکن ساتھ یہ بھی جانتی ہے کہ جان اب اس کی محبت میں گرفتار ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے لیے جیرہ سے دور رہنا ممکن نہیں ہے۔ جینی جان کی شادی ریٹا سے کرنا چاہتی ہے لیکن وہ انکار کر دیتا ہے۔

جیرہ عہاد ایک کلاس میں انٹرن شپ کے تحت پڑھا رہی ہے اور جان بہت خاموشی سے اس کی کلاس سن رہا ہے لیکن ایک جگہ جان عیسائیت اور اسلام دونوں کو ہی ایک مذہب کہتا ہے جس پر جیرہ عہاد مسکرا کر اس کی ہر بات کا جواب دیتی ہے۔

کے لیے مسلمان ہونے کے لیے بھی تیار ہے۔
تین دن سے لا پتا عبیرہ عہاد جب اپنے گھر کے
دروازے پر جان کے ساتھ پہنچتی ہے تب احمد اس پر تہمت
لگا کر اسے طلاق دے دیتا ہے۔ عہاد صاحب کو بیٹی کے خوا
ہونے اور اس کے طلاق یافتہ ہو جانے کے دکھ سے اٹک
ہوتا ہے۔ ڈاکٹر مشکل سے ان کی جان بچاتے ہیں۔

جان عہاد صاحب کی عیادت کو آتا ہے تب اس کی
ملاقات پروفیسر خالد عہاس سے ہوتی ہے۔ جان کو پروفیسر
خالد عہاس کی باتیں اس وقت سمجھ نہیں آتیں اور وہ عبیرہ
سے اجازت لے کر وہاں سے چلا جاتا ہے۔

پانچ سال بعد کاشان فریدی پاکستان لوٹا ہے یہاں سے
جب وہ پانچ سال پہلے گیا تھا تو اس کا ارادہ واپس آنے کا نہیں
تھا مگر اب وہ بتا ارادہ ہی واپس آیا ہے۔ اس کا استقبال اذان
سمیت تمام اہل شاف کرتا ہے۔ کاشان فریدی کا ارادہ اذان کے
ساتھ لے کر ایک پروجیکٹ پر کام کرنے کا ہے۔

عبیرہ عہاد بہت خوب صورت خواب دیکھ رہی ہوتی ہے
جب ہی اس کی اماں اسے جھنجھوڑ کر اٹھاتی ہیں۔ اور اسے
عالیہ کا بتاتی ہیں جو ابھی تک اپنے سینٹر سے واپس نہیں آئی
ہے عبیرہ پریشان ہو کر پہلے عالیہ کو فون کرتی ہے لیکن مسلسل
نیل جانے پر بھی وہ کال ریسیو نہیں کرتی جس پر عبیرہ مزید
پریشان ہو کر عالیہ کی تلاش میں گھر سے نکل جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



دو گھنٹے سے بھی زیادہ وقت ہو گیا ہے عبیرہ کو گئے وہ
پریشانی کی حالت میں محن میں ٹہل رہی تھیں۔ یک دم دروازہ
بجا اور وہ بجلی کی رفتار سے دروازے کی طرف چلی گئیں۔

”آگئیں عبیرہ..... عالی کو.....“ انہوں نے دروازہ
کھولتے ہوئے کہا مگر ان کی بات ادھوری ہی رہ گئی تھی
کیونکہ دروازے پر عبیرہ نہیں بلکہ عدیل کھڑا تھا۔

”اسلام علیکم آئی۔“ اس نے آگے بڑھ کر انہیں سلام
کیا۔ انہوں نے دیکھا عدیل کے ساتھ بھی کوئی کھڑا تھا مگر
گلی میں اندھیرا ہونے کے سبب وہ اسے دیکھ نہیں پائیں۔

دانیال کے گھر۔ بیٹے کی ولادت ہوتی ہے وہ اس کے
کان میں اذان دینے کے ساتھ بچے کا نام اذان رکھتا ہے۔
اس کی خواہش ہے کہ جو گناہ اس نے مذہب سے گمراہ ہو کر
اختیار کیا اور جس کی سزا برحق ہے اس میں کمی اس کا بچہ
(اذان) دین کی پھری کر کے اس سزا میں کمی کر دے۔
دانیال جینی سے اسلام قبول کرنے کو کہتا ہے جینی اس کو
دکھانے کے لیے اسلام قبول کر لیتی ہے۔

جان جینی کے ساتھ اپنی خالہ کے گھر ان سے ملنے آتا
ہے وہاں اسے محسوس ہوتا ہے جیسے عبیرہ کسی بڑی مشکل
میں ہے وہ سوچتا ہے کہ وہ عبیرہ کے لیے کیا کر سکتا ہے
اسے عبیرہ کی کمی ہوئی ات یا آتی ہے اگر انسان کو لگے کہ
اس پر یا اس کے کسی اپنے پر کوئی مصیبت آنے والی ہے تو
اسے چاہیے کہ اللہ کی راہ میں اپنی یا اس شخص کی طرف سے
صدقہ کرنے سے وہ مشکل یا تو حل جائے گی یا کم ہو جائے
گی۔ ”جان اب تین مریقوں سے صدقہ دیتا ہے جو عبیرہ
نے اپنے لپچر میں بتائے تھے۔“

عبیرہ کو سنسنی نامی ایک ہندو لڑکی کے خواگے کیس میں
گرفتار کر لیا جاتا ہے جان کو یہ خیر اس کا دوست عدیل دیتا ہے
جس سے جان پریشان ہو کر اس کی ضمانت کی کوشش کرتا ہے
اور اپنی ماما (جینی) سے کہتا ہے جینی کچھ سوچ کر اس کے
سامنے اپنی بھانجی اور جان کی کزن رینا کی شادی کا پرنسپل
رکھ کر عبیرہ کو ضمانت پر دم کرانے کی شرط رکھ دیتی ہیں۔

جان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا وہ شرط
مان لیتا ہے ضمانت سے کچھ دن بعد عبیرہ عہاد کا نکاح اپنے
کزن احمد سے ہو جاتا ہے دوسری طرف جان کی مکمل رینا
سے ہو جاتی ہے۔

عبیرہ عہاد پر مسٹر مہرا یہ اہرام رکھتے ہیں کہ عبیرہ نے ان
کی بیٹی سنسنی کو بہکا کر اسلام قبول کرنے پر اکسایا ہے اس
لیے پہلے مسٹر مہرا نے عبیرہ کو گرفتار کر لیا اس کے بعد اپنے
چند آدمیوں کے ہاتھوں اسے اغوا کر لیتے ہیں۔ اس بات
کی خبر جب جان کو ہوئی ہے تو وہ وہاں سے بھی عبیرہ کو آزاد
کراتا ہے۔ جان اب عبیرہ سے محبت کرنے لگا ہے اور اس

”وعلینم السلام!“ انہوں نے اب عدیل کی اٹھا تھا۔

”میرے خیال میں پولیس کو انفارم کرنا بہتر ہوگا۔ آئی طرف دیکھا۔“

”آئی میرا دوست جان ہے۔ اسی نے غیرہ کو جیل سے رہائی دلوائی تھی اور اسپتال میں بھی غیرہ کی مدد کی۔“

عدیل بولا: ”جان چند قدم آگے بڑھ کر روشنی میں آکھڑا ہوا تھا۔ انہوں نے اوپر سے نیچے تک اسے بغور دیکھا، بلیک جینز، بلیک شرٹ، بلیک ہی جیکٹ، صاف رنگت۔“

”ہیلو آئی! عباد انکل کیسے ہیں؟“ وہ جواب دینے کے بجائے غیر یقینی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا، پھر عدیل ان سے مخاطب ہوا۔

”آئی! جان آپ سے عباد انکل کی طبیعت پوچھ رہا ہے۔“ عدیل انکس حواس میں واپس لایا۔

”ہاں..... ہاں..... وہ ٹھیک ہیں۔“ ان کا لہجہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر غیر یقینی نگاہوں سے جان کو دیکھا۔

”اندر جاؤ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔“ وہ دروازے سے بیٹے ہوئے، پولیس۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے، جان نے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا گھر بہت سادہ طرز پر بنا ہوا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر ایک کمرہ تھا جس کے اچھے دروازے سے عباد صاحب چارپائی پر لیٹے نظر آ رہے تھے۔ مہن میں ایک تاور درخت کے نیچے تخت بچھا تھا، مہن کے اختتام پر ایک لکڑی کی گیلری سی بنی تھی جس میں بائیں طرف مہن تھا جس کے باہر ٹیلی فون رکھا تھا۔ وہ دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔

”آئی! آپ سے عباد انکل کی طبیعت پوچھ رہا ہے۔“ عدیل انکس حواس میں واپس لایا۔

”ہاں..... ہاں..... وہ ٹھیک ہیں۔“ ان کا لہجہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر غیر یقینی نگاہوں سے جان کو دیکھا۔

”اندر جاؤ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔“ وہ دروازے سے بیٹے ہوئے، پولیس۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے، جان نے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا گھر بہت سادہ طرز پر بنا ہوا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر ایک کمرہ تھا جس کے اچھے دروازے سے عباد صاحب چارپائی پر لیٹے نظر آ رہے تھے۔ مہن میں ایک تاور درخت کے نیچے تخت بچھا تھا، مہن کے اختتام پر ایک لکڑی کی گیلری سی بنی تھی جس میں بائیں طرف مہن تھا جس کے باہر ٹیلی فون رکھا تھا۔ وہ دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔

”آئی! آپ سے عباد انکل کی طبیعت پوچھ رہا ہے۔“ عدیل انکس حواس میں واپس لایا۔

”ہاں..... ہاں..... وہ ٹھیک ہیں۔“ ان کا لہجہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر غیر یقینی نگاہوں سے جان کو دیکھا۔

”اندر جاؤ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔“ وہ دروازے سے بیٹے ہوئے، پولیس۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے، جان نے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا گھر بہت سادہ طرز پر بنا ہوا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر ایک کمرہ تھا جس کے اچھے دروازے سے عباد صاحب چارپائی پر لیٹے نظر آ رہے تھے۔ مہن میں ایک تاور درخت کے نیچے تخت بچھا تھا، مہن کے اختتام پر ایک لکڑی کی گیلری سی بنی تھی جس میں بائیں طرف مہن تھا جس کے باہر ٹیلی فون رکھا تھا۔ وہ دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔

”آئی! آپ سے عباد انکل کی طبیعت پوچھ رہا ہے۔“ عدیل انکس حواس میں واپس لایا۔

”ہاں..... ہاں..... وہ ٹھیک ہیں۔“ ان کا لہجہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر غیر یقینی نگاہوں سے جان کو دیکھا۔

”اندر جاؤ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔“ وہ دروازے سے بیٹے ہوئے، پولیس۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے، جان نے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا گھر بہت سادہ طرز پر بنا ہوا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر ایک کمرہ تھا جس کے اچھے دروازے سے عباد صاحب چارپائی پر لیٹے نظر آ رہے تھے۔ مہن میں ایک تاور درخت کے نیچے تخت بچھا تھا، مہن کے اختتام پر ایک لکڑی کی گیلری سی بنی تھی جس میں بائیں طرف مہن تھا جس کے باہر ٹیلی فون رکھا تھا۔ وہ دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔

”آئی! آپ سے عباد انکل کی طبیعت پوچھ رہا ہے۔“ عدیل انکس حواس میں واپس لایا۔

”ہاں..... ہاں..... وہ ٹھیک ہیں۔“ ان کا لہجہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر غیر یقینی نگاہوں سے جان کو دیکھا۔

”اندر جاؤ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔“ وہ دروازے سے بیٹے ہوئے، پولیس۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے، جان نے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا گھر بہت سادہ طرز پر بنا ہوا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر ایک کمرہ تھا جس کے اچھے دروازے سے عباد صاحب چارپائی پر لیٹے نظر آ رہے تھے۔ مہن میں ایک تاور درخت کے نیچے تخت بچھا تھا، مہن کے اختتام پر ایک لکڑی کی گیلری سی بنی تھی جس میں بائیں طرف مہن تھا جس کے باہر ٹیلی فون رکھا تھا۔ وہ دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔

”آئی! آپ سے عباد انکل کی طبیعت پوچھ رہا ہے۔“ عدیل انکس حواس میں واپس لایا۔

”ہاں..... ہاں..... وہ ٹھیک ہیں۔“ ان کا لہجہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر غیر یقینی نگاہوں سے جان کو دیکھا۔

”اندر جاؤ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔“ وہ دروازے سے بیٹے ہوئے، پولیس۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے، جان نے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا گھر بہت سادہ طرز پر بنا ہوا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر ایک کمرہ تھا جس کے اچھے دروازے سے عباد صاحب چارپائی پر لیٹے نظر آ رہے تھے۔ مہن میں ایک تاور درخت کے نیچے تخت بچھا تھا، مہن کے اختتام پر ایک لکڑی کی گیلری سی بنی تھی جس میں بائیں طرف مہن تھا جس کے باہر ٹیلی فون رکھا تھا۔ وہ دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔

”آئی! آپ سے عباد انکل کی طبیعت پوچھ رہا ہے۔“ عدیل انکس حواس میں واپس لایا۔

”ہاں..... ہاں..... وہ ٹھیک ہیں۔“ ان کا لہجہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر غیر یقینی نگاہوں سے جان کو دیکھا۔

”اندر جاؤ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔“ وہ دروازے سے بیٹے ہوئے، پولیس۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے، جان نے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا گھر بہت سادہ طرز پر بنا ہوا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر ایک کمرہ تھا جس کے اچھے دروازے سے عباد صاحب چارپائی پر لیٹے نظر آ رہے تھے۔ مہن میں ایک تاور درخت کے نیچے تخت بچھا تھا، مہن کے اختتام پر ایک لکڑی کی گیلری سی بنی تھی جس میں بائیں طرف مہن تھا جس کے باہر ٹیلی فون رکھا تھا۔ وہ دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔

”آئی! آپ سے عباد انکل کی طبیعت پوچھ رہا ہے۔“ عدیل انکس حواس میں واپس لایا۔

”ہاں..... ہاں..... وہ ٹھیک ہیں۔“ ان کا لہجہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر غیر یقینی نگاہوں سے جان کو دیکھا۔

”اندر جاؤ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔“ وہ دروازے سے بیٹے ہوئے، پولیس۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے، جان نے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا گھر بہت سادہ طرز پر بنا ہوا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر ایک کمرہ تھا جس کے اچھے دروازے سے عباد صاحب چارپائی پر لیٹے نظر آ رہے تھے۔ مہن میں ایک تاور درخت کے نیچے تخت بچھا تھا، مہن کے اختتام پر ایک لکڑی کی گیلری سی بنی تھی جس میں بائیں طرف مہن تھا جس کے باہر ٹیلی فون رکھا تھا۔ وہ دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔

”آئی! آپ سے عباد انکل کی طبیعت پوچھ رہا ہے۔“ عدیل انکس حواس میں واپس لایا۔

”میں کال کرتی ہوں اسے۔“ طوبی نے جھگ آ کر کہا۔ ”ہیلو اذان! میں اور احرام آپ کا کب سے انتظار کر رہے ہیں آپ کہاں رہ گئے؟“ اس کے کال ریسیو کرتے ہی طوبی نے کہا۔

”اوہ..... میں تو بھول ہی گیا تھا۔ دراصل میں ایک پریشانی میں مبتلا ہوں، میری والدہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا ہوا تھا اس پریشانی میں میں آپ دونوں کو انفارم کرنا بھول گیا آئی ام سوئی۔“ اذان نے تفصیلی بتایا۔

”اوہ یہ تو بہت افسوس کی بات ہے۔ ویسے اب طبیعت کیسی بہان کی۔“ طوبی نے افسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ اب بہت بہتر ہیں اب تو ہم گھر بھی آ گئے ہیں۔“ اذان نے نہر سکون بچے میں کہا۔

”دیے میں اور احرام آپ کے گھر آ جائیں تو آپ ہانڈ تو نہیں آریں گے؟“ طوبی نے نہر سوچ لہجے میں پوچھا۔ ”بالکل بھی نہیں بلکہ مجھے بہت خوشی ہوئی اور مجھ سے زیادہ خوشی تو میری والدہ کو ہوگی۔ آپ ان کی خوشی کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں طوبی!“ اذان کا لہجہ چمھ ڈومنی تھا۔ طوبی چونگی۔

”کیا مطلب؟“ اس نے کچھ سمجھ نہ آنے والے انداز میں کہا۔

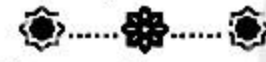
”مطلب آپ کو خود سمجھا جائے گا۔ آپ احرام کو فون دیں میں اسے ایڈریس سمجھاتا ہوں۔“ اذان نے اسے مزید الجھا دیا مگر اس نے مزید کچھ پوچھنے کے بجائے احرام کی طرف فون بڑھا دیا۔

”بمیرہ تمہارے بابا کی طبیعت خراب ہو رہی ہے جلدی چلو۔ وہ تمہیں بلارہے ہیں۔“ وہ نماز پڑھ کر بیٹھی ہی تھی اور درود شریف کی تسبیح پڑھ رہی تھی آج جمعہ تھا وہ فوراً ہی اٹھی اور بہت تیزی سے ان کے کمرے کی طرف بڑھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دیکھا عباد صاحب کے ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا وہ جلدی سے ان

لہجے میں کہا جان کو اس کا یہ رویہ سمجھ نہیں آیا اچانک اسے کیا ہو گیا تھا۔

”مجھے پتا ہے کہ آپ کو میری مدد کی ضرورت نہیں ہے مگر شاید آپ اپنی ہی کمی ہوئی بات بھول گئیں کہ یہ میرا رب ہی جانتا ہے کہ وہ کس سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے فی الحال میرے لیے یہی لکھا ہے کہ میں برپر ایلم میں آپ کی مدد کروں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا کس عبیرہ؟“ جان نے اس کے انداز میں ہی کہا اور عبیرہ لاجواب ہو کر رہ گئی۔

”چلو عدیل!“ اس نے عبیرہ کی جانب دیکھتے ہوئے عدیل سے کہا اور دروازے کی طرف پیش قدمی کی۔ جب کہ عبیرہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔



”پانچ بج کر بیس منٹ۔“ احرام نے کہا اور طوبی نے ایک بار پھر دروازے کی طرف دیکھا۔

”پتا نہیں اذان! کہاں رہ گئے۔“ طوبی نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

”پانچ بج کر اکیس منٹ۔“ احرام ایک بار پھر بولا۔ طوبی نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

”اگر اب تم نے کچھ بولا تو.....“ طوبی نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

”اوکے.... اوکے۔ سوئی بھئی لیکن اب ہم صرف دس منٹ اور انتظار کریں گے تمہیں پتا ہے نا آج مہا بابا آرہے ہیں انگل آئی سے ملنے تاکہ شادی کی تاریخ طے کر دیں اور اب کی بار کچھ نہیں کرنا طوبی ورنہ میں قاضی سے کہوں گا زبردستی نکاح پڑھا دے۔“ احرام نے ایک ہی سانس میں کہا اور طوبی انہس دی۔

”ہاں تو پڑھا لینا نکاح! اتنی لڑکیاں ہوں گی شادی میں۔“ طوبی نے اسی کے انداز میں کہا۔

”طوبی.....!“ اس نے مصنوعی خشکی سے کہا اور پھر دونوں ایک ساتھ ہنس دیئے۔ وہ دونوں اس وقت ایک کیفے میں تھے اذان طوبی سے ملنا چاہتا تھا۔

اس نے تیسری بار مجیرہ کا لیفٹ لائن نمبر ڈائل کیا تھا۔
 پچھلی دو بار کسی نے کال اٹینڈ کی نہیں تھی اب کی بار دو تین
 مینٹ میں ہی کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔
 ”ہیلو مجیرہ!“ وہ فوراً بولا۔

”آپ کون؟“ دوسری طرف سے کسی بچی نے کہا۔
 ”مجیرہ سے بات کروا دیں۔“ اس نے جواب دینا
 مناسب نہیں سمجھا۔

”مجیرہ ہاجی بہت دیر سے بے ہوش ہیں، عباد انکل کا
 انتقال ہو گیا ہے۔“ اس بچی نے جواب دیا۔
 ”کیا..... یہ..... کیا ہوا؟“ وہ شاک کے سبب
 بول نہیں پا رہا تھا۔

”آج دوپہر ظہر کے بعد۔“ اس بچی نے اب بھی
 ویسے ہی جواب دیا اس نے موبائل کان سے ہٹایا اور دیوار
 سے ٹیک لگا کر غیر تقیہی حالت میں کھڑا ہو گیا۔

”یہ کیسے ممکن ہے وہ کل رات تک تو بالکل ٹھیک تھے
 پھر اچانک ایسا کیا ہو گیا! نہیں۔“ جان خود کلامی کرنے لگا۔
 ”جان چلیں۔“ اس کی ممانے کارپوریج میں داخل
 ہوتے ہوئے کہا وہ اس وقت ان کے ساتھ کمرس کی
 شاپنگ کے لیے جا رہا تھا۔ ”رینا اور اس کی ممانے بھی آ رہی
 ہیں شاپنگ کے بعد تم اور رینا ڈنر پر جے جانا اور میں اور
 جلیگر گھرا جائیں گے۔“ انہوں نے اسے مطلع کیا۔ وہ اپنی
 جگہ اب بھی بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

”کیا ہوا جان!“ انہوں نے پٹ کر اس کی
 جانب دیکھا۔
 ”ممانے! مجیرہ کے قادر کی ڈیوٹی ہو گئی ہے۔“ اس نے
 بہت افسوس کیا۔

”تو پھر..... اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات
 ہے وہ کوئی تمہارے رشتہ دار نہیں تھے اور نہ ہی وہ لڑکی
 تمہاری رشتے دار ہے۔“ انہوں نے بہت بے پروا لہجے
 میں کہا۔

”ممانے! ایک انسان کی زندگی ختم ہو گئی اور آپ کے لیے
 یہ ایک بہت نازل بات ہے۔“ جان حیرت عم سے نڈھال

کی چارپائی پر آ بیٹھی اور ان کا ہاتھ تھاما ہاتھ بالکل ٹھنڈا
 تھا۔ چہرے پر شدید کرب کے آثار تھے۔
 ”بابا! ہم ابھی اسپتال چلتے ہیں آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔“
 اس نے کانپتے لہجے میں کہا اور انہیں اٹھانے کی کوشش کی
 مگر انہوں نے ننگی میں سر ہلا دیا۔

”..... اب نہیں..... مجیرہ! اب یہ کوشش مت کرو
 زندگی کے لیے ایک بار جدوجہد کی جاتی ہے بار بار نہیں۔“
 انہوں نے لڑکھرائی زبان سے کہا۔ ”میرا وقت پورا ہو گیا
 نے مجھے، اب اپنے رب کے پاس واپس جانا ہے۔“ وہ
 بمشکل اپنی بات مکمل کر پارہے تھے۔ ان کی اس حالت پر
 مجیرہ کی اماں نے آہ و بکا شروع کر دی تھی خود مجیرہ کی
 آنکھوں سے بھی آنسو بہ رہے تھے۔ صبح تک تو ان کی
 طبیعت بالکل ٹھیک تھی پھر اچانک نہ جانے کیا ہو گیا
 انہیں۔ مجیرہ کو کچھ نہیں آ رہا تھا۔

”مجیرہ! آخری خواہش ہے مجیرہ..... میں تمہاری آواز
 میں سورۃ الرحمن سننا چاہتا ہوں تاکہ میرا دم اپنے رب کی شکر
 گزاری کرتے ہوئے نکلے۔“ انہوں نے اب انک انک
 کر اپنا جملہ مکمل کیا۔ مجیرہ نے ان کا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ
 کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھا اور آنکھیں بند کر کے
 پڑھنا شروع کیا مگر آج اس کی آواز لڑکھرائی تھی۔ عباد
 صاحب کی آنکھیں اس پر ہی جمی تھیں جیسے جیسے مجیرہ
 تلاوت کر رہی تھی ان کے چہرے پر سکون پھیلتا جا رہا تھا
 ان کی آنکھیں دھیمے دھیمے پتھرانے لگی تھیں اور مجیرہ کے
 تلاوت ختم کرتے ہی بالکل بے جان ہو گئی تھیں۔ مجیرہ کو
 پل بھر کے لیے محسوس ہوا کہ اس کے دل کی دھڑکن ختم ہو گئی ہو
 اس کی اس کی آہ و بکا میں اضافہ ہو گیا۔ مجیرہ نے کانپتے اور
 بے جان ہوتے ہاتھوں سے ان کی آنکھیں بند کی اور دعا
 پڑھی۔ اس کے حواس اب اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے
 اور گرد کی ہر شے دھندلانے لگی تھی۔ اس نے کوشش کی
 حواس بحال رکھنے کی مگر وہ کامیاب نہ ہو پائی اور چکرا کر
 زمین پر آ گری۔ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا۔



پرفاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی جب کہ جان کا ذہن عجیرہ میں اٹکا ہوا تھا۔

”جان! بچہ مت۔ بنو دنیا میں روز ہزاروں لوگ مرتے ہیں وہ کوئی خاص نہیں۔“ ان کے لہجے میں سفاکی تھی۔

”وہ عجیرہ کے فارستھے۔“ جان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”اور عجیرہ بھی خاص نہیں ہے ہمارے لیے۔“ ان کا انداز اب بھی ویسا ہی تھا۔

”لیکن میرے لیے ہے۔“ جان اب بھی اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

”کیوں بےوقوف بن رہے ہو جان! کیوں نہیں دیکھ سکتے جان تم وہ لڑکی تمہیں صرف استعمال کر رہی ہے۔ اپنے کام نکلوا رہی ہے اور اس کے بعد وہ تمہیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکے گی۔“ انہوں نے بہت تیز لہجے اور بلند آواز میں کہا۔

”آپ سے ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ آپ عجیرہ کو غلط سمجھتی ہیں وہ ایک بہت اچھی لڑکی ہے۔ کیوں نہیں سمجھتی آپ یہ بات؟“ جان کی آواز ان سے بھی زیادہ بلند تھی وہ شپٹا گئیں۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی جان کہ کبھی تم مجھ سے اس طرح بات کرو گے۔ میں تمہاری ماں ہوں شاید تم آج یہ بات بھی بھول گئے ہو اس لڑکی کے باپ کی موت کا اتنا غم ہے اور اپنی ماں تمہیں نظر نہیں آتی۔“ انہوں نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

”کبھی نہیں جا رہی میں تمہارے ساتھ جاؤں تم اس لڑکی کے باپ کا غم منانے وہاں جانا تمہارے لیے زیادہ ضروری ہوگا جاؤں تم.....“ وہ جانے لگی تھیں مگر جان نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر انہیں روک لیا۔

”پلیز مام! ایسے مت کہیں آپ میرے لیے اس دنیا میں سب سے ضروری ہیں..... پہلے آپ ہیں اس کے بعد کوئی اور۔“ وہ زبردستی ان کے گلے لگ گیا۔

”ہم چل رہے ہیں کرسٹن شاپنگ کے لیے اور میں ریٹا کو ڈزیر بھی لے کر جاؤں گا لیکن آئندہ آپ ایسا کبھی نہیں کہیں گی کہ آپ میرے لیے اہم نہیں۔“ ان کے لبوں

وہ بہت دیر سے ان کی گود میں سر رکھا نکھیں بند کیے لیٹی تھی وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر رہے تھے۔

”بابا جانی! جب آپ اتنے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو مجھے بہت سکون ملتا ہے۔“ وہ آنکھیں بند کیے ہی ان سے مخاطب تھی۔

”عجیرہ! آپ میری سب سے پیاری بیٹی ہیں۔“ ان کا لہجہ محبت و شفقت سے پُر تھا۔ ”اور آپ سب سے زیادہ بہادر بھی ہیں۔ مجھے پتا ہے آپ کبھی بھی ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہیں آپ ہر حال میں زندگی گزار سکتی ہیں۔“ وہ ایک لمحے کے لیے رکے۔

”تہدیلیاں ہر انسان کی زندگی میں آتی ہیں کبھی خوش گوار اور کبھی ناخوش گوار۔ مگر بہادر وہی کہلاتا ہے جو ناخوش گوار تہدیلی کو خوش دلی سے قبول کر لے۔ اپنے رب کی رضا میں راضی ہو جائے و جو ختم ہو جاتے ہیں وقت کے ساتھ مگر رشتے اور رشتوں میں چھپی محبتیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ جیسی آپ کی محبت میرے لیے اور میری محبت آپ کے لیے لیکن اب اگر فرق آئے گا تو صرف اتنا کہ آپ کو زندگی میں آگے بڑھنا ہے اور مجھے اس زندگی کو الوداع کہنا ہے۔“ انہوں نے ایک گہری سانس لی تھی۔ عجیرہ کی بند آنکھوں سے پانی بہت تیزی سے بہنے لگا۔

”بابا جانی میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں ہمیشہ.....“ اس نے نم لہجے میں کہا۔

”ہمیشہ کا ساتھ کسی کو بھی نصیب نہیں ہوتا ایک دن زندگی کا سفر ختم ہونا ہے اور یہ نال ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا اور آپ تو میری سب سے بہادر بیٹی ہیں ناں آپ نے تو ہر حال میں اپنے رب سے صبر کی توفیق مانگی ہے ہمیشہ تو پھر آج صبر کا دامن کیوں چھوڑ رہی ہیں۔ کیوں اپنے رب کی رضا کو نظر انداز کر رہی ہیں اٹھیے اور یہ ثابت کر دیجیے کہ آپ اپنے پاک رب کے صابر بندوں میں

”اوہ مجھے پتا نہیں تھا۔“ ریٹا شرمندہ ہو گئی۔ ویٹر کھانا لے آیا کھانا سرو ہوتے ہی جان نے بہت تیزی سے کھانا کھانا شروع کر دیا۔

”لگتا ہے آپ کو بہت جلدی ہے جان!“ ریٹا کو اس کا یہ انداز بہت عجیب لگ رہا تھا۔

”ہوں..... ہاں! وہ دراصل میرے ایک بہت کلوز فرینڈ کے فادر کی ڈیوٹی تھی اور مجھے وہاں جانا ہے۔“ اس نے اسی طرح کھاتے ہوئے کہا۔

”اوہ! آئی سی اس کا مطلب آپ یہاں زبردستی آئے ہیں اپنی مرضی سے نہیں۔“ ریٹا نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ جان کے تیزی سے چلتے ہوئے ہاتھ رک گئے مگر اس نے پھر کھاتے ہوئے کہا۔

”تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟“ جان نے بے پروائی سے کہا۔

”آپ کچھ زیادہ جلدی میں ہیں؟“ ریٹا نے چستے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہاں میں ہوں، لیکن اگر آپ کو پریشانی ہے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا اگر آپ یہ رشتہ ختم کرنا چاہیں۔“ جان کے لہجے میں اب بھی بے پروائی تھی۔

”اس کا مطلب تو بنتا ہے کہ ہمارا رشتہ آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔“ ریٹا نے پلیٹ میں چمچ گھماتے ہوئے کہا۔

”میرے لیے سب سے زیادہ ضروری میری ماما ہیں اور آپ ان کی پسند ہیں۔“ جان اپنی پلیٹ ختم کر چکا تھا۔ مینوکا رڈ میں پیسے رکھتے ہوئے وہ اٹھنے لگا۔

”تو آپ کی پسند کون ہے؟“ ریٹا کا انداز اب بھی وہی تھا جان نے جواب دینے کے بجائے کہا۔

”میں باہر ہوں اپنی پلیٹ ختم کر کے جاؤ۔“

”نہیں مجھے اور بھوک نہیں ہے۔“ ریٹا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔“ جان نے بہت روکھے لہجے میں کہا اور پلیٹ کر ہوٹل کے گیٹ کی طرف قدم

سے ہیں۔ آپ اس کی رضا میں راضی ہیں۔ اٹھیے جیرہ اٹھیے... مجھے آخری بار الوداع تو کہہ دیجئے۔“ ان کا لہجہ ڈوب گیا تھا اس نے دھیسے سے آنکھیں کھولیں۔ وہ اپنے کمرے میں زمین پر پڑی تھی بابا جانی کہیں بھی نہیں تھے۔ باہر صحن سے اسے بے تحاشا رونے کی آوازیں آرہی تھیں ان میں ایک واضح آواز اس کی اماں کی تھی۔

”مت لے کے جاؤ انہیں! ابھی تو عالی بھی نہیں آئی۔ میری جیرہ کو بھی تو بلاؤ وہ بھی تو آخری بار اپنے بابا کو دیکھ لے۔ اے کوئی تو سن لے میری ہائے اللہ! یہ کیا کر دیا تو نے..... یہ کیا کر دیا۔“ جیرہ کا ذہن اب بھی مکمل طور پر نہیں جاگا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بار پھر اپنے بابا کے آخری جملے گونجے تھے۔

”اٹھیے جیرہ اٹھیے..... مجھے آخری بار الوداع تو کہہ دیجئے۔“ ان جملوں نے اسے جھنجھوز دیا تھا۔ وہ بہت پھرتی سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی مگر گیلری میں پہنچتے ہی اس کے قدم ٹھہر گئے جنازہ گھر سے باہر لے جایا جا رہا تھا۔ اس نے پٹلیں جھپکیں اور آنسو رخساروں پر بہہ گئے۔

”الوداع بابا جانی..... الوداع..... اگر میں نے کبھی آپ کو تکیف دی ہو تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔ الوداع..... الوداع.....“ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتی چلی گئی اس کا دل گواہ تھا کہ وہ اب اپنے بابا جانی کو بھی نہیں دیکھ پائے گی اور نہ ان کی آواز سن پائے گی۔



”یہ لیس جان! آپ کا کمرس کا گفت۔“ ریٹا نے ایک چمک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اس وقت شہر کے ایک معروف ہوٹل میں بیٹھے تھے۔ جان نے ایک نظر اس چمک کو پھر ریٹا کو دیکھا۔

”سیری! میں گفتس لینا پسند نہیں کرتا کیونکہ مجھے کسی کی بھی مائی ہوئی چیزیں پسند نہیں آتیں۔ اس لیے میں گفتس قبول ہی نہیں کرتا۔“ جان نے بے حد بے ہزار لہجے میں کہا۔

علائیے۔

میں انہوں نے دم سے دیا اور میں..... "عیرہ کی آواز اس کا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔

"عیرہ! تم کو کس طرح کی مشکل پیش آئے تو میرا نماز سے مدد لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ مسجد سے فجر کی اذان کی آواز آ رہی تھی وہ اپنی اماں کے سینے پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ تمام رات آنکھوں میں ہی لٹ گئی تھی محلے کی عورتیں جنازے کے فوراً بعد ہی چلی گئی تھیں جب کہ خاندان کی کچھ عورتیں رکی تھیں مگر ان کے نیور بھی کچھ خاص ٹھیک نہیں تھے وہ سرگوشیوں میں عباد صاحب کی موت کا زمرہ دار عیرہ کو ٹھہرا رہی تھیں۔ وہ اٹھی اور نمو کے لیے کمرے سے باہر نکل گئی فجر کی نماز پڑھ کر وہ حن میں بچھے تخت پر آ بیٹھی اس کے بابا جانی روزانہ فجر کی نماز کے بعد یہاں بیٹھ کر تلاوت کیا کرتے تھے اور وہ خود بھی ان کے ساتھ تلاوت کیا کرتی تھی مگر آج وہ یہاں کیلی بیٹھی تھی۔ عیرہ کا دل ڈوبنے لگا اور آسوؤں نے لگے اس نے پللیں مضبوطی سے بند کر کے آسوؤں کو ضبط کیا اور وہ کامیاب رہی تھی۔ کالی دیر تک وہ بیٹھی رہی اور اپنے بابا کی باتوں کو یاد کرتی رہی تھی۔ فون کی بیل اسے سوچ کے صحرے سے باہر لے آئی۔ وہ اٹھ کر فون کی طرف بڑھی۔

"ہاں مجھے یاد ہے لیکن میں نے کبھی بھی بابا جانی کے بغیر اپنی زندگی کا تصور ہی نہیں کیا تھا شاید اسی لیے بہت کوشش کے باوجود بھی میں آسویں نہیں کر پار رہی۔" عیرہ کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔

"عیرہ! زندگی میں صبر کرنے کا سب سے آسان حل یہ ہے کہ ہم اپنے سے کمتر کو دیکھیں آپ ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں عیرہ! جس نے باپ کی شفقت و محبت لادنی پیار نصیب سب کچھ دیکھا ہے لیکن مجھے دیکھو میں اپنے بابا کے نام کے سوا ان کے بارے میں مکمل طور پر کچھ بھی نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ میں نے تو آج تک ان کی کوئی تصویر بھی نہیں دیکھی تو ان کی محبت اور شفقت تو بہت دور کی بات ہے میرے لیے لیکن مجھے اس پر کوئی پتہ تھا تو نہیں ہے اور نہ کہ یونکہ میں یہی سوچتا ہوں کہ شاید یہی بہتر تھا۔ اسی لیے ایسا ہوا۔" جان نے اس کی دل جوئی کی اور کسی حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔ اس کے ان جملوں نے عیرہ کی ہمت بڑھائی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جان! شکر یہ مجھے اتنا اچھا سبق پڑھانے کے لیے۔" عیرہ کچھ حد تک نارمل ہوئی۔ "عالی کا کچھ پتا چلا جان! وہ تو بابا جانی کو آخری بار دیکھ بھی نہیں سکی۔" عیرہ نے ایک گہری سانس لی۔

"پولیس اپنی کوشش کر رہی ہے میری مسٹر مہرا سے بھی بات ہوئی تھی مگر ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے عالیانہ کو انخواہ کرانے کی کوشش کی تھی تاکہ آپ کو دھمکا کر ایمان کا پتا پوچھ سکیں مگر وہ ان کی قید میں آنے سے پہلے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔" جان نے مفصلی طور پر جواب دیا۔

"وہ بھوٹ بول رہے ہیں جان! اگر وہ فرار ہونے

"مسلمانو! تم کو کس طرح کی مشکل پیش آئے تو میرا نماز سے مدد لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ مسجد سے فجر کی اذان کی آواز آ رہی تھی وہ اپنی اماں کے سینے پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ تمام رات آنکھوں میں ہی لٹ گئی تھی محلے کی عورتیں جنازے کے فوراً بعد ہی چلی گئی تھیں جب کہ خاندان کی کچھ عورتیں رکی تھیں مگر ان کے نیور بھی کچھ خاص ٹھیک نہیں تھے وہ سرگوشیوں میں عباد صاحب کی موت کا زمرہ دار عیرہ کو ٹھہرا رہی تھیں۔ وہ اٹھی اور نمو کے لیے کمرے سے باہر نکل گئی فجر کی نماز پڑھ کر وہ حن میں بچھے تخت پر آ بیٹھی اس کے بابا جانی روزانہ فجر کی نماز کے بعد یہاں بیٹھ کر تلاوت کیا کرتے تھے اور وہ خود بھی ان کے ساتھ تلاوت کیا کرتی تھی مگر آج وہ یہاں کیلی بیٹھی تھی۔ عیرہ کا دل ڈوبنے لگا اور آسوؤں نے لگے اس نے پللیں مضبوطی سے بند کر کے آسوؤں کو ضبط کیا اور وہ کامیاب رہی تھی۔ کالی دیر تک وہ بیٹھی رہی اور اپنے بابا کی باتوں کو یاد کرتی رہی تھی۔ فون کی بیل اسے سوچ کے صحرے سے باہر لے آئی۔ وہ اٹھ کر فون کی طرف بڑھی۔

"پوری رات ہو گئی ہے اس فون کو بجتے اٹھانے پر کوئی بولتا ہی نہیں۔" اندر سے کسی خاتون کی آواز آئی تھی۔

"السلام علیکم! عیرہ نے ریسورٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"عیرہ..... خدا کا شکر ہے آپ ٹھیک تو ہیں نا۔"

دوسری جانب جان تھا۔

"جان! عیرہ نے اس کی آواز پہچانتے ہوئے کہا۔

"لیس جان! آپ ٹھیک تو ہیں نا۔ مجھے پتا چلا تھا عباد

انکل کا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا ایک رات پہلے تک تو وہ

بالکل ٹھیک تھے پھر....." جان اپنا جملہ مکمل نہیں کر پایا۔

"پتا ہی نہیں چلا انہوں نے کیا ہوا۔ وہ صبح تک تو بالکل ٹھیک

تھے۔ میں نے صبح ان سے بات بھی کی تھی پھر اچانک

دوپہر میں ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور صرف چند لمحوں

میں..... میری آنکھوں کے سامنے..... میرے ہاتھوں

پچھے ہو گئی اور وہیں سے عدیل سے بات کی اور لڑنے آہٹوں سے دروازہ بند کیا۔ اسے اپنے پورے وجود سے پسینے چھوٹے محسوس ہوئے۔

”کیا ہو رہا ہے یہ مجھے؟“ اس کے ذہن میں جان کر آواز گردش کر رہی تھی۔

”عیرہ کیوں سوچ رہی ہو تم اس کی باتوں کو وہ پاگل ہے بالکل پاگل۔“ عیرہ کو الجھن ہو رہی تھی اپنی اس حالت سے۔

”وہ ایک نون مسلم ہے عیرہ! تم بھول گئیں اس کا دھوکا اسلام کو جاننے اپنانے کی خواہش نہیں رکھتا وہ شخص اور تم سے اسلام کے بہانے ملتا رہا۔ وہ شخص اللہ سے محبت تو درکنار اسے جانتا بھی نہیں۔ ایسے شخص کی کوئی بھی بات تمہیں اس کی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔ ہرگز نہیں۔“ اس نے اپنے دل کو مطمئن کیا اور اس لمحے وہ جان کے ہر احسان کو فراموش کر گئی تھی۔



کار بہت تیزی سے کراچی ہائی وے پر دوڑ رہی تھی۔ اس نے گھڑی میں ٹائم دیکھا پونے چھ بج رہے تھے۔ اس نے گردن گھما کر ایک پار پھر عیرہ کی جانب دیکھا وہ اب تک پتھر کے ٹکڑے کی طرح بیٹھی تھی۔

”عیرہ آخر پر اہم کیا ہے؟ کچھ تو بولیں آپ اپنی والدہ کو اس طرح اکیلا چھوڑ کر کہاں جا رہی ہیں اور کیوں؟“ جان نے بہت الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ پچھلے ایک گھنٹے میں وہ یہ سوال کئی بار پوچھ چکا تھا مگر عیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ایک گھنٹے پہلے اس نے عیرہ کو گھر سے سفری بیگ اٹھائے باہر نکلنے دیکھا تھا۔ اسے دیکھ کر عیرہ اس کی جانب آگئی تھی اور اسے کراچی بس اسٹاپ ڈراپ کرنے کا کہا تھا مگر اس نے بس اسٹاپ ڈراپ کرنے کے بجائے خود اسے کراچی چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

”اماں نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔“ بہت دیر بعد عیرہ بولی۔

”کیا..... لیکن کیوں؟“ جان سمجھ نہیں پایا تھا۔

”وہ مجھے ہمیشہ کے لیے کھونا نہیں چاہتیں جس طرح

میں کامیاب ہو گئی ہوتی تو کیا گھر نہ پہنچ گئی ہوتی۔“ عیرہ تڑپ کر بولی۔

”نہیں عیرہ! مجھے نہیں لگتا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ اگر عالیانہ ان کے پاس ہوتی تو اب تک آپ کے پاس وہم کی آمیز فون کال آچکا ہوتا۔“ جان نے وضاحت پیش کی۔

”تو پھر وہ کہاں چلی گئی؟“ عیرہ کے لہجے میں پریشانی کا عنصر نمایاں تھا۔

”بس آپ دعا کریں کہ وہ جہاں بھی ہو محفوظ ہاتھوں میں ہو اور جلد مل جائے۔“ جان نے تسلی بخش لہجے میں کہا۔

”ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔“ عیرہ نے ہر عزم لہجے میں کہا تبھی دروازہ بجا۔

”دروازہ بج رہا ہے شاید دودھ والا ہوگا اسے تو پتا بھی نہیں ہے بابا کے بارے میں۔“ عیرہ نے پراسسوں لہجے میں کہا۔

”دودھ والا نہیں ہے عدیل ہے۔ ناشتے کا پوچھنے آیا ہے۔“ جان نے اسے مطلع کیا۔

”آپ کو کیسے پتا؟“ عیرہ چونکی۔

”میں پچھلی رات سے آپ کے گھر کے سامنے کھڑا ہوں۔“ جان کا لہجہ متعجب تھا۔

”یوں؟“ عیرہ کی حیرت مزید بڑھی۔

”آپ پریشان ہوں تو میں کیسے آرام سے رہ سکتا ہوں۔“ جان کا لہجہ اب بھی متعجب تھا۔

”جان.....!“ عیرہ کو اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی مگر اب وہ خاموش رہا۔ عیرہ کو جنجلاہٹ محسوس ہوئی اس نے تیزی سے ریسیور کھدیا۔

”یہ پاگل ہے بالکل پاگل۔“ عیرہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولنے پر واقعی عدیل دروازے پر کھڑا تھا۔ عدیل سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہیں کچھ فاصلے پر کھڑی جان کی کار پر گئی تھیں۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی عیرہ کا پورا وجود کانپ گیا۔ وہ جلدی سے دروازے کے

انہوں نے بابا جان اور عالی کو کھو دیا ہے۔“ مجیرہ کی آواز کسی گہری کھائی۔ سنائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”آئی کا یہ سوچنا غلط تو نہیں مجیرہ! آپ کا کوئی بھی خیر خواہ یہی چاہے گا۔“ جان نے بہت جذب سے کہا۔ مجیرہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

”وہ میرا اچھا سوچ سکتی ہیں لیکن کیا ان کا اچھا سوچنا میرا حق اور فرض نہیں ہے۔“ مجیرہ نے تیز لہجے میں کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مجیرہ! لیکن اس وقت سوال آپ کی زندگی کا ہے۔ آئی محفوظ ہیں۔“ جان نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

”جس انسان نے میری بہن کو نہیں چھوڑا وہ میری اماں کو کیونکر چھوڑے گا۔ یہ کیسی کم عقلی کی باتیں کر رہے ہیں آپ جان۔“ مجیرہ نے چڑ کر کہا۔

”اگر میں کہ عقل لگ رہا ہوں اور کم عقلی کی باتیں کر رہا ہوں تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے سنیتا کو مسلمان کر کے کون سا عقل کا کام کیا؟ کیا لگ گیا آپ کو اسے مسلمان کر کے؟ میری نظر میں تو آپ صرف خسارے میں ہی ہیں۔“ جان نے پہلی بار اسے طنز کا نشانہ بنایا تھا۔

”یہ آپ کبھی سمجھ نہیں سکتے کہ میں نے کیا پایا کیونکہ آپ اللہ کی محبت کو نہیں جانتے اور نہ ہی جان سکتے ہیں کیونکہ آپ کو اس کی حقیقی جستجو نہیں ہے آپ صرف مجھے دھوکا دے رہے تھے۔“ مجیرہ کا ٹیپہر ایک دم لوز ہو گیا۔ بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں جا رہی تھی۔ جان کو غصہ آنے لگا اس نے غصہ ضبط کرنے کے لیے اسٹیئرنگ کو مضبوطی سے پکڑا اور کار کی رفتار بڑھا دی مگر مجیرہ کو کچھ نہیں کہا دونوں طرف اب بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

”آئی ایم سوری شاید میں ٹینشن میں ضرورت سے زیادہ بول گئی تھی مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔“ مجیرہ نے بہت شرمندہ لہجے میں کہا۔ جان نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

”کتنا بہتر بن طریقہ ہے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا۔ جو چاہے کہہ دو اور پھر ایسا سکویا کر لو۔“ جان کے لہجے میں خشکی تھی۔ مجیرہ کچھ نہیں بولی۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں مجیرہ! بظاہر آپ کے کیے ہوئے عمل کا کوئی پھل دکھائی نہیں دے رہا اور شاید اسی لیے خود آپ بھی ایک لمحے کا شکار ہیں کہ سنیتا کو مسلمان کرنے کا آپ کا فیصلہ ٹھیک تھا یا نہیں۔“ جان کا لہجہ بہت ٹھنڈا تھا۔

”سنیتا کو مسلمان کرنے کا فیصلہ میرا نہیں بلکہ میرے رب کا تھا۔ اس نے چاہا اس نے کیا میں صرف ذریعہ بنی اور سنیتا نے بھی یہ قدم اپنی خواہش سے یا کسی انسان کے لیے نہیں اٹھایا بلکہ اپنے رب کے حکم سے اٹھایا۔“ مجیرہ نے بہت جامع انداز میں کہا۔

”میں نہیں مانتا کوئی انسان بنا خواہش بنا چاہت کے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتا ہے؟ کوئی بغیر وجہ کے اپنا دین کیسے چھوڑ سکتا ہے۔“ جان نے نفی کی۔

”دین وجوہات نہیں سمجھ اور پرکھ کی بناء پر تبدیل کیا جاتا ہے۔“ اسے جان کی سمجھ پر شک ہونے لگا۔

”کیا فرق پڑتا ہے بات ایک ہی ہے۔“ جان نے آندھے اچکا کر کہا اور مجیرہ خاموش ہو گئی۔ کافی دیر خاموشی چھائی رہی۔

”اوکے آپ کی ٹینشن دور کرنے کا ایک راستہ ہے میرے پاس۔“ جان نے خاموشی توڑی۔

”کیا؟“ مجیرہ نے ایک لفظی سوال پوچھا۔

”میں آپ کے گھر پر پولیس کا پہرا لگوا دیتا ہوں آئی محفوظ رہیں گی اور ویسے بھی آپ کی عدم موجودگی کے بارے میں مسٹر مہرا مجھ سے پوچھیں گے اور میں سب سنبھال لوں گا۔“ جان نے بہت بڑے سکون لہجے میں کہا۔

”شکریہ۔“ مجیرہ نے مدہم لہجے میں کہا۔ جان مسکرایا تھا۔

”ویسے کراچی میں آپ کہاں جا رہی ہیں اپنی پھوپھو کے گھر؟“ جان نے اندازہ لگایا۔

”جی۔“ مجیرہ نے ایک لفظی جواب دیا۔

”مجیرہ ایک بات پوچھوں آپ سے؟“ کچھ دیر بعد جان پھر مخاطب ہوا۔ وہ اس وقت آدھے سے زیادہ راستہ طے کر چکے تھے۔

کی! میں آپ کے احسانات کا بدلہ زندگی بھر نہیں چکا سکتی۔
 بہت بہت شکریہ جان! "عیرہ نے مشکور لہجے میں کہا۔
 "آپ میرے ہر احسان کا بدلہ چکا سکتی ہیں
 عیرہ! "جان نے وٹا اسکرین پر لگا ہیں جمائے ہوئے
 کہا۔ عیرہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔ اب جان نے گردن گھما کر
 اس کی جانب دیکھا۔

"مجھ سے شادی کرو گی؟" اس نے بہت جذب سے
 کہا اور عیرہ کو اپنی سماعتوں پر شک ہوا۔
 "میں آپ کو زندگی کا حصہ بنانا چاہتا ہوں عیرہ!
 میں... " اس نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر عیرہ کی قوت
 برداشت جواب دے گئی تھی وہ فوراً کار سے اتر کر اس
 اندھیری گلی میں داخل ہونے لگی جس میں اس کی پھوپکا
 گھر تھا۔

"عیرہ پلیز ایک بار صرف ایک بار مجھے اپنی زندگی کا
 حصہ بنائیں! میں وعدہ کرتا ہوں میں اپنا دین چھوڑ دوں گا
 میں ب آپ کے بغیر اپنی زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔ آپ
 میرے لیے بہت اہم ہیں عیرہ! میں آپ کے لیے صرف
 آپ کے لیے مسلمان ہو سکتا ہوں۔ صرف ایک بار ہاں
 کہہ دیجیے عیرہ! میں... " عیرہ کے بہت تیزی سے چلتے
 قدم یک دہرک گئے اور ساتھ ہی جان کے بھی۔

"جسٹ شٹ اپ جان! " عیرہ قوت سے چیخی۔
 "میں ایک ایسا انسان کو ہرگز اپنی زندگی کا حصہ نہیں بنا سکتی
 جو اللہ سے محبت نہیں رکھتا جس کی نظر میں اسلام کی اہمیت
 صرف اتنی ہے کہ اسے ایک حقیر انسان کے لیے اختیار کرنا
 چاہتا ہے جو دین کی آڑ میں اپنے نفس کی تسکین چاہتا
 ہے۔ نہیں ہرگز نہیں... مسٹر جان ویراج چوہان! کوئی بھی
 جلد از عیرہ کی زندگی کا حصہ نہیں بن سکتا۔ " عیرہ کے ایک
 ایک لفظ سے عم غصہ اور نفرت جھلک رہی تھی۔ جان کو اپنی
 رگوں میں خون جتا ہوا محسوس ہوا۔ اپنی بات ختم کر کے عیرہ
 آگے بڑھ گئی اور جان بھی دھندلائی آنکھوں نے یقین
 کے ساتھ واپس مڑ گیا۔ اسے شک نہیں تھا وہ یہ بازی ہار رہا تھا
 اور بڑی طرح ہار رہا تھا۔ وہ کسی بلند چوٹی سے منہ کے بل

"جی۔" عیرہ نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بے
 تاثر لہجے میں کہا۔
 "اس دن میاں میں آپ لو پر بیٹھی کیوں رو رہی
 تھیں؟" جان نے پند سوچ لہجے میں پوچھا۔
 "ان کی محبت میں جن کی محبت کے بغیر ایک مسلمان کا
 ایمان نامکمل ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں۔" جان نے عیرہ کے لہجے
 میں بہت عقیدت محسوس کی۔

"اسلام بہت زیادہ الجھا ہوا مذہب نہیں ہے، کبھی
 آپ کہتی ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے اپنے رب سے
 محبت کو ایمان کا حصہ بناتی ہیں اور آج اسے پیغمبر کی۔"
 جان کا انداز الجھا ہوا تھا۔ عیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا اس
 نے پلٹ کر ایک بار پھر عیرہ کی جانب دیکھا۔ اس کے
 چہرے پر اکتاہٹ اور بے زاری کے تاثرات تھے۔ جان
 نے مزید کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ گھڑی میں
 سات بج کر پندرہ منٹ ہو رہے تھے اور وہ شہر کی حدود میں
 داخل ہو گئے۔

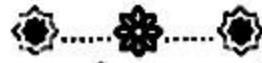
"ایڈریس؟" جان نے سوالیہ انداز میں عیرہ سے
 پوچھا اور عیرہ اسے ایڈریس سمجھانے لگی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ
 کی ڈرائیو پر اس کی پھوپکا گھر تھا۔
 "ویسے آپ کب تک رہیں گی ان لوگوں کے ساتھ؟"
 جان نے پند سوچ لہجے میں پوچھا۔

"پتا نہیں ہو سکتا ہے شاید ساری زندگی کیونکہ انہوں نے
 مجھے کبھی گھر لوٹ کر نہ آنے کی قسم دی ہے۔" عیرہ نے
 کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"کیا یہ ہماری آخری ملاقات ہے؟" جان کے لبوں
 سے یک دم ادا ہوا۔ "یقیناً نہیں ناں؟" وہ اپنی ہی بات کی
 نفی چاہتا تھا۔ عیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ مزید کچھ نہیں
 بولا لیکن نہ جانے کیوں یک دم ہی اس کا دل انجانے خوف
 سے ڈوبنے لگا کچھ دیر بعد وہ عیرہ کی پھوپکا کے گھر کے باہر
 کھڑے تھے۔

"جان! آپ نے ہمیشہ ہر مشکل وقت میں میری مدد

آگرتھ اپنے چاروں طرف صرف اندھیرا محسوس ہو رہا تھا اسے اور اپنی کاسفر اسی اندھیرے میں کرنا تھا۔



مود بانہ لہجے میں کہا۔
”انہیں یہیں لے آؤ۔“ اس نے ناٹھی لہجے میں کہا۔
”مہمانوں کو یہاں کیوں بلوار ہے ہو؟“ اماں نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

”کیونکہ وہ مہمان بہت اچھا ہے۔ اماں آپ کو ان سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔“ اس نے سانس پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”کیوں بھی کیا تمہاری بیوی آئی ہے؟ کیونکہ مجھے سب سے زیادہ خوشی اسی سے مل کر ہوگی۔“ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”بیوی نہیں سمجھیں اس کی بہن آئی ہے۔“ اس نے انہی کے انداز میں کہا بھی دروازہ بجا اور اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

”اندرا جاؤ۔“ وہ آنے والوں سے مخاطب تھا ان کی نگاہیں دروازے پر ہی تھیں۔ کمرے کے دروازے سے ایک لڑکا لڑکی اندر داخل ہوئے تھے اس لڑکی پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئی تھیں کیا جو وہ دیکھ رہی تھیں وہ حقیقت تھی کیا وہ وہی تھی ان کی بیاری بیٹی عالیانہ عباد۔



”عالی!“ ان کے منہ سے حیرت کے سبب نکلا اور انہوں نے بیڈ سے فوراً اٹھنا بھی چاہا تھا احمد نے آگے بڑھ کر انہیں اٹھایا اس کے قریب پہنچ کر غیر یقینی حالت میں اس کے چہرے کو چھونے لگیں جیسے انہیں یقین ہی نہ آ رہا ہو کہ وہ واقعی ان کے سانسے تھی۔

”عالیانہ!“ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے انہوں نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

”کہاں چلی گئی تھیں تم..... کہاں چلی گئی تھیں؟“ وہ ہلکے ہلکے کر رہ رہی تھیں۔ طوہی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو یہاں اذان کی والدہ سے ملنے آئی تھی مگر یہاں صورت حال اس کی سوچ کے برعکس تھی۔

”کتنا پریشان ہو گئی تھی میں کتنا روئی تھی تم لوگوں کے

”یہ آپ کی گولیاں اور پانی۔“ اس نے ہاتھ آگے کر کے نہیں دوائی دیتے ہوئے کہا۔ انہوں نے منہ بسورتے ہوئے دوائی لی۔

”تمہارے یہ آج کے ڈاکٹرز بڑی کڑوی دوائیں دیتے ہیں مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔“ انہوں نے ہراسی سے کہا۔

”ہم اگلی دفعہ آپ کی پسند کے ڈاکٹر کے پاس چلیں گے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”باہ! اللہ تو کیا تم چاہتے ہو اگلی دفعہ بھی میں بیمار ہو جاؤں۔“ وہ تڑپ کر بولی تھیں۔

”ارے نہیں اماں! بھیجی اپنے پسندیدہ ڈاکٹر کے پاس تو آپ ویسے ہی چلی جائیں گی چند باتیں کرنے کے لیے۔“ اس نے شرارت سے کہا۔

”چپ شریماں کو ستاتا ہے۔“ انہوں نے بہت پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ ہنس دیا۔

”احمد بیٹا! زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں بس میں اپنی زندگی میں ہی تمہیں ہنستا ہوتا دیکھنا چاہتی ہوں۔“ انہوں نے بہت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اس نے مدھم پڑتی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا دیا۔

”کرلوں گا اس سال شادی اماں ان شاء اللہ۔“ انہوں نے حسرت سے اس کی جانب دیکھا۔

”ہر سال تم یہی کہتے ہو آخروہ کون سا سال ہوگا جب تمہارا یہ جملہ سچ ہوگا۔“ انہوں نے محبت اور حسرت سے پوچھا۔

”جب میری تلاش ختم ہو جائے گی وہی سال میری زندگی کا سب سے خوش نصیب سال ہوگا۔“ اس نے گردن جھکائے جو اب دیا بھی دروازہ تہا تھا۔

”اندرا جاؤ۔“ اس نے کہا ایک ملازم داخل ہوا۔
”سر! آپ کے کچھ مہمان آئے ہیں۔“ ملازم نے

اس نے بہت محبت سے انہیں سمجھایا۔ ”اب آپ آرام کریں۔“ اس نے انہیں لٹا دیا۔

”تم وعدہ کرو احمد سے دوبارہ لے کر آؤ گے۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔“ وہ یقین دہانی چاہتی تھیں۔

”میں وعدہ کرتا ہوں اب آپ سو جائیں ڈاکٹر نے آپ کو آرام کا کہا ہے۔“ اس نے کمر اڑھایا اور پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ سیرھیاں اترتے ہوئے اس نے انہیں لاؤنج میں بیٹھے دیکھا اسے دیکھتے ہی احرام اپنی جگہ سے اٹھا۔

”یہ کیا تھا اذان؟ آپ کی ماما طوبی کو اپنی بیٹی کہہ رہی تھیں کیوں..... کیا وہ واقعی طوبی کی ماما ہیں؟“ احرام ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

”رہیں احرام! میں پہلے طوبی سے بات کر لوں۔“ وہ طوبی کے سامنے بیٹھے ہوئے بولا۔

”یہ سب کیا تھا اذان؟ مجھے.....“ طوبی نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

”میں نے آپ کو بتایا تھا ناں طوبی کہ آپ حقیقتاً عالیانہ عباد ہیں۔ آپ کی فیملی دس سال پہلے بکھر گئی تھی آپ کے بابا جان کی وفات ہو گئی ہے آپ کی فیملی میں آپ کے علاوہ آپ کی ایک بڑی بہن بھی تھی میرا! آپ چاہتی طور پر اپنی فیملی سے چھڑ گئی تھیں۔“ اذان نے تفصیلی طور پر بتایا۔

”بہن..... تو پھر آپ کون ہیں میرے..... اوہ آپ کا نام احمد ہے یا اذان؟“ طوبی انہیں کا شکار ہوئی۔

”یس طوبی! آپ کی ایک بہن بھی ہے اور میرا نام احمد اذان ہے۔ اس لیے کچھ لوگ مجھے احمد کہتے ہیں اور کچھ اذان۔ اب سوال یہ ہے کہ میرا آپ سے کیا رشتہ ہے تو وہ بالکل آسان بات ہے میں آپ کا ماماوں زاد کزن ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا حادثہ ہوا تھا میرے ساتھ کہ میں آپ لوگوں سے چھڑ گئی؟“ طوبی اب بھی الجھی ہوئی تھی۔

”یہ مسٹر اور مسز یا مین بہتر طور پر بتا سکتے ہیں؟“ اذان

لیے۔ دن رات تمہارے حفظ و امان کی دعائیں مانگتی رہی ہوں۔“ انہوں نے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔

”کون ہیں آپ اور میرا کیا رشتہ ہے آپ سے؟“ طوبی کے لہجے میں اجنبیت تھی۔

”کیا ہو گیا عالی تمہیں؟ تم اپنی ماں کو نہیں پہچان رہیں؟“ انہوں نے درد سے بھر پور لہجے میں کہا۔

”ماں.....؟“ طوبی حیران رہ گئی۔

”تم مجھے پہچان کیوں نہیں رہیں عالیانہ۔“ ان کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ ”احمد یہ مجھے پہچان کیوں نہیں رہی۔“ انہوں نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور طوبی کو لگا شاید ان کا دامنی اذان ٹھیک نہیں ہے جیسی وہ اذان کو احمد بلا رہی ہیں بار بار۔

”احرام! تم طوبی کو لے کر نیچے چلو میں آتا ہوں۔“ اس نے احرام کو ناطب کیا اور طوبی کو لے کر وہ دروازہ سے باہر نکل گیا۔

”احمد کیوں بھیج دیا تم نے اسے اتنے سال بعد تو وہ.....“ احمد نے ان کی بات کاٹی۔

”اماں آپ میری بات سنیں اور بیٹھیں۔“ اس نے انہیں بیڈ پر بٹھایا۔

”عالیانہ آپ کو نہیں جانتی کیونکہ اسے کچھ یاد نہیں اس کی یادداشت کھونٹکی ہے وہ جن لوگوں کے ساتھ ہے انہیں ہی اپنی فیملی سمجھتی ہے۔ دس سال پہلے وہ کون تھی وہ بھول چکی ہے اب وہ دوبئی یا مین ہے۔ عالیانہ عباد نہیں۔“ اس نے ان کے قدموں میں بیٹھے ہوئے انہیں تفصیلی سمجھایا۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو احمد۔“ ان کے لہجے میں دکھ صاف جھلک رہا تھا۔ ”یہ کیسا انصاف ہے میرے مالک! میری بیٹی اتنے سالوں بعد مجھے ملی اور وہ مجھے جانتی بھی نہیں! یہ ٹھیک نہیں ہے۔“ انہوں نے بڑے تکلیف لہجے میں کہا۔

”اماں یہ ناشہری ہے آپ یہ کیوں بھول گئیں کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہمارے سامنے ہے وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے ہماری توقعات کے برعکس اس کے ساتھ کچھ نہ انہیں ہوا اور یہ ہماری خوش نصیبی ہے ہمیں شکر کرنا چاہیے اپنے رب کا۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے لائٹنی ظاہری۔

”کیا یہ سب مذاق تھا؟“ احرام نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ”بہت سی بھلا مذاق تھا۔“ احرام نے تمبرہ بھی کیا۔ ”سوری احرام! لیکن تم بہت سیدھے ہو شادی کے بعد طوبی تمہیں بہت آرام سے بے وقوف بنائے گی۔“ اذان نے ہنستے ہوئے کہا۔

”بہت شکر یہ آپ کی بات کا لیکن یہ مذاق میں کبھی نہیں بھولوں گا۔“ احرام نے اذان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”چلیں طوبی!“ وہ پھر طوبی سے مخاطب ہوا۔ ”آتے رہنا تم دونوں میری اماں کو اچھا لگے گا۔“ اذان نے الوداعی انداز میں کہا اور طوبی نے اثباتی گردن ہلائی۔

”مجھے بہت افسوس ہے احرام! میں اذان کے اتنا کچھ بتانے کے باوجود بھی کچھ یاد نہیں کر پارہی ہوں میں ان کے لیے ویسا کچھ محسوس نہیں کر سکتی جیسا تم سب کے لیے کرتی ہوں۔“ طوبی نے افسوس سے کہا۔ ”کوئی بات نہیں لیکن اذان کے لیے کچھ محسوس مت کرنا پلیز۔“ احرام کا لہجہ بہت عاجز تھا اور طوبی ہنس پڑی تھی۔



”ہمارے چینیل کو بہت سراہا گیا ہے اور بہترین ٹی وی چینل کا ایوارڈ بھی ملا۔ آپ کیوں نہیں آئے اذان؟“ کاشان نے اس کے سامنے ایک قائل رکھتے ہوئے کہا اور اذان نے مسکراتے ہوئے قائل پر سائن کر دیا۔

”بیٹھو کاشان! آج مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔“ اذان نے قائل بند کرتے ہوئے کہا اور کاشان بیٹھ گیا۔

”تمہیں پتا ہے کاشان! بہت جلد طوبی اور احرام کی شادی ہو رہی ہے۔“ اذان کا انداز مطلع کرنے والا تھا۔ کاشان کا کھلا کھلا چہرہ یک دم مرجھا گیا۔

”یہ آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں اذان۔“ کاشان نے پشیمردہ لہجے میں کہا۔

”کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اپنی زندگی میں آگے

”اور میری بہن..... کیا وہ بھی آپ کے ساتھ ہیں؟“ طوبی نے پھر پوچھا۔

”نہیں وہ میرے ساتھ نہیں ہے اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے کیونکہ آپ کی طرح وہ بھی چھپنے دس سال سے لاپتہ ہے۔“ اذان نے گہری سانس لی۔

”آپ نے انہیں ڈھونڈا نہیں اذان؟“ طوبی اب فکر مند ہوئی۔

”بہت ڈھونڈا میں نے اسے بہت مگرتا وہی ہے جو کم ہو جائے جو اپنی مرضی سے کہیں چلا جائے اسے ڈھونڈا نہیں جاسکتا“ خیر چھوڑو دان باتوں کو اب تو تمہاری ہر اچھن دور ہو گئی ہے نا۔“ اذان نے بات کا موضوع بدلا۔

”ہاں ہوئی ہے لیکن میں اپنی فیملی کے بارے میں اور بھی کچھ جانتا چاہتی ہوں۔“ طوبی نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

”اذان ایسا تو نہیں ہے نا کہ آپ طوبی کو واپس اپنے گھر لے آئیں گے؟“ احرام نے خفیف لہجے میں پوچھا۔ ”ہاں تو آپ کو کیا لگتا ہے کہ ہم عالیانہ کو اب آپ کے پاس چھوڑ دیں گے۔“ اذان نے اسے تنگ کرنا شروع کیا۔

”اور بلکہ آج ابھی اور اسی وقت سے عالیانہ ہمارے ساتھ رہے گی۔“ احرام کی ہوائیاں اڑ گئیں جبکہ طوبی سمجھ گئی تھی۔

”..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اذان! آج ہماری ڈیٹ فکس ہوگی اگر میں اکیلا جاؤں گا تو انکل آئی پوچھیں گے کہ میں طوبی کو کہاں چھوڑا یا ہوں؟“ احرام بوکھلا گیا۔

”تم کہہ دینا کہ مجھ سے بات کر لیں اور ویسے بھی طوبی میری بہن ہے تو اس کی شادی تو ہم اپنی مرضی اور پسند سے کریں گے۔“ احرام کا چہرہ بالکل اتر گیا۔

”اذان بس کریں احرام کی برداشت کا اتنا امتحان نہ لیں۔ اس معاملے میں یہ بہت کمزور دل ہے۔“ طوبی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور اذان ہنس دیا۔

بندوں کے ٹوٹے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اللہ میرے ٹوٹے دل کا سہارا بنے گا۔“ اذان بتار کے کہتا چلا گیا۔

”تم نے نانوبی کے فیصلے کو مانا تو مگروں سے قبول نہیں کر سکتا اور اسی لیے تم نے انہیں چھوڑ دیا۔“ اذان نے اب بھی آنسو سے کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میں نے ایسا ارادہ نہیں کیا۔“ کاشان کا لہجہ بالکل ٹوٹا ہوا تھا۔

”مجھے پتا ہے کاشان! ہم اپنے پیاروں کو خود سے تکلیف نہیں دیتے بس خود بخود ہم سے ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں کہ ہمارے پیارے دکھی ہو جاتے ہیں۔“ اذان نے اب بھی اسی انداز میں کہا۔

”لیکن ہم ان غلطیوں کو سدھار تو سکتے ہیں۔ اپنی مصروفیت میں سے کچھ وقت اپنے پیاروں کے ساتھ گزار کر۔“ اذان نے اس کی دل جوئی کی۔

”لیکن اب آپ یہ بھی نہ سمجھ لیں کہ جب چھوڑ کر اسلام آباد میں ہی سیشنل ہو جائیں، ہمیں بھی آپ کی ضرورت ہے۔ ہاں اگر چھٹی والے دن ملنے جائیں نور روز فون کال کر لیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔“ اذان نے ماحول کی رنجیدگی کو ختم کیا۔

”آپ لوگوں کو ہنسنا دینے کی کوشش رکھتے ہیں اذان! آپ نے مجھے جو رولہ دکھائی ہے اس کے لیے میں آپ کا ہمیشہ شکر گزار رہوں گا اور میں کل ہی نانوبی سے ملنے جاؤں گا۔ ان سے معافی مانگوں گا اور وہی کروں گا۔“ چاہتی ہیں۔“ کاشان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے نہ عزم لہجے میں کہا۔

”ایک بات اور اذان! میں دعا کروں گا ہر نماز میں سچے دل سے کہ وہ پاک رہے آپ کی دلی مراد بھی پوری کرے اور آپ کی کھوئی ہوئی خوشیاں آپ کو لوٹا دے۔“ کاشان کی اس بات پر اذان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”فی امان اللہ کاشان!“ اذان نے غالباً اس کی بات کو نظر انداز کر دیا۔ کاشان مسکراتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔

بڑھ جاؤ زندگی کو اپنی مٹھیوں میں تھام کر نہ کھو اسے آزادی دے دو۔“ اذان نے بہت سلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میں بہت آگے بڑھ چکا ہوں دنیا کی محفلوں میں گم۔ طوبی سے بہت دورا گیا ہوں اتنا کہ اگر میں پلٹ کے دیکھنا بھی چاہوں تو بھی میں اسے کہیں دور تک بھی نہیں دیکھ سکتا اپنی زندگی میں۔“ کاشان نے اسی طرح مدغم لہجے میں کہا۔

”نہیں کاشان! یہ صرف تمہارا واہمہ ہے۔ تم آج بھی وہیں کھڑے ہو جہاں تم نے طوبی کو ٹھکرایا اور وہیں تم نے اپنی نانوبی کو چھوڑا تھا۔“ اذان نے پختہ لہجے میں کہا۔

”اذان یہ بالکل غلط ہے میں نے نانوبی کو نہیں چھوڑا۔“ کاشان تڑپ کر بولا۔

”مجھے ایک بات بتاؤ تم نے یہاں آنے کے بعد کتنی بار اپنی نانوبی کو فون کیا؟ ان کی خیریت دریافت کی؟ کتنی بار کاشان.....؟“ اذان کا لہجہ کچھ عجیب تھا اور کاشان سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

”ایک بار بھی نہیں ہے نا۔“ اذان کا لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا۔

”کل رات میری ان سے بات ہوئی تھی اور ہر روز میں ان سے بات کرتا ہوں تب سے جب تم نے طوبی کو چھوڑا تھا اور ساتھ ہی پاکستان بھی۔ تمہیں پتا ہے کاشان! تمہارا ساس طرح پاکستان سے چلے جانے نے انہیں کتنا ڈی ٹریڈ کیا تم نے طوبی پر انہیں فوقیت دی ان کی محبت کو مقدم رکھا مگر ان کی محبت کا پاس نہیں رکھ سکے۔“ اذان کا لہجہ آفسوسناک تھا۔ کاشان کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔

”وہ مجھے ہر روز اپنی دن بھر کی مصروفیات بتاتی ہیں ان کی این جی لوکس طرح کام کر رہی ہے۔ نوکروں سے گھر میں ان کی چھڑپ ہوئی ہر ایک چیز وہ مجھے بتاتی ہیں حالاں کہ ان کی این جی لو اور ملازمین میں مجھے کیا دلچسپی لیکن وہ پھر بھی مجھے بتاتی ہیں اور میں سنتا ہوں۔ میں ایسا کیوں کرتا ہوں تمہیں پتا ہے کاشان؟ میں صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا ہوں میں اس کے

کبھی فرحتیں جو ملیں تو آ

میری زندگی کے حصار تک
میں نے جانا کہ میں کچھ نہیں
تیرے پہلے یا تیرے بعد تک

”اذان میں تین سال قبل مجیرہ سے ملا تھا۔ مجھے نہیں
معلوم کہ میں نے یہ بات تمہیں کیوں نہیں بتائی اور میں یہ
بھی نہیں جانتا کہ میں نے کوشش کے باوجود مجیرہ سے تمہارا
ذکر کیوں نہیں کیا۔ مجھے شاید ایسا لگا کہ وہ تمہارا نام بھی نہیں
سننا چاہتی یا پھر شاید میرے رب کو یہی منظور تھا کہ آپ یہ
بات اس وقت نہ جان پاتے کہ وہ کہاں ہے۔ کیا آپ یہ
جاننا چاہیں گے اذان کہ مجیرہ کہاں ہے؟“ اس کے ذہن
میں پروفیسر خالد عباسی کی آواز گونجی تھی۔

”نہیں سر! اگر وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں تو میں یہ نہیں
جاننا چاہوں گا کہ وہ کہاں ہیں لیکن وہ جہاں بھی ہیں کیا وہ
محفوظ ہیں؟“ اس کے ذہن میں اپنے کہے ہوئے جملے بھی
گونجے تھے۔

”کیوں اذان! کیوں تم نے انکار کیا؟ تمہیں جاننا
چاہیے تھا کہ وہ کہاں ہے؟ دس سال سے اس کے متلاشی
تھے اتنے سال اس کا انتظار کرنے کے بعد کیا یہ تمہارا حق
نہ تھا کہ تم جانتے کہ وہ کہاں ہے۔“ اس کے اپنے اندر کوئی
تھا جو اس سے جنگ کر رہا تھا۔

”مجیرہ مجھ سے نہیں ملنا چاہتی۔“ درد کی ایک لہر اس
کے وجود سے ٹکرائی تھی۔ وہ اس وقت ساحل سمندر پر کھڑا
تھا لہر اس کے قدموں سے ٹکرائی تھی۔ اس نے
آنکھیں بند کر کے اپنے اندر اٹھنے والے طوفان کو روکنے کی
کوشش کی تھی۔

”وہ میرا ذکر نہیں سننا چاہتی۔ اسے میری جستجو نہیں تو
اس صورت میں کیا میرے لیے یہ جان لینا کافی نہیں کہ وہ
ٹھیک ہے وہ محفوظ مقام پر ہے یقیناً یہ میرے لیے کافی
ہے اور میری باقی زندگی گزارنے کا زاہد راہ بھی۔ اس نے
آنکھیں کھول کر حدنگاہ تک پھیلے سمندر کو دیکھا۔

”اگر ہم ایک دوسرے کا نصیب ہیں تو سات سمندر

”وہ ایک بہت خوف ناک روڈ ایکسیڈنٹ تھا جس
میں تم ہمیں اپنی تمہیں طوبی۔“ وہ اس وقت اپنے روم میں بیٹھ
پر مسز یامین کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔

”پھر کیا ہوا تھا ماما جانی؟“ اس نے تجسس لہجے
میں پوچھا۔

”ہم دونوں ہی بہت ڈر گئے تھے ہم تمہیں کسی
گورنمنٹ اسپتال لے جانے کے بجائے تمہارے بابا
کے دوست کے کلینک پر لے گئے وہاں تم ایک ہفتے تک
بے ہوش رہیں اور جب تمہیں ہوش آیا تو تم یادداشت
کھو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے تمہاری پہلی کوڈ ہونڈنا اور بھی
مشکل ہو گیا۔ تمہارے ڈاکٹر انکل نے بابا سے کہا کہ ہم
تمہیں اپنی بیٹی بنا کر اپنے گھر لے جائیں۔ ہماری اپنی
کوئی اولاد نہیں تھی ہمارے دل میں بھی لالچ آ گیا ہم
تمہیں اپنے ساتھ اپنے شہر لے آئے۔ تمہیں ایک نیا نام
ایک نئی پہچان اور نئی زندگی دی۔“ اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئیں
ان کی سسکیوں پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

”ماما جانی! آپ دو کیوں رہی ہیں؟“ اس نے ان کے
آنسو صاف کیے۔

”تمہیں کھودینے کے ڈر سے بھی میری جان نکل جاتی
ہے طوبی! تم ہمیں چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی ناں۔“ انہوں
نے اسے گلے سے لگایا۔

”نہیں ماما جانی! میں آپ دونوں کو چھوڑ کر نہیں نہیں
جاؤں گی کبھی نہیں۔ میں آپ دونوں کے بغیر جی نہیں
سکتی۔“ طوبی کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔

میرا سوچنا تیری ذات تک
میری گفتگو تیری بات تک
نہ تم ملو جو کبھی مجھے
میرا ڈھونڈنا تجھے پار تک
میں نے اپنا سب کچھ گنوا دیا
تیری نظروں سے پیار تک

کمال رہیو ہوتے ہی اس نے کہا۔
”میں آ رہا ہوں۔“ اور کال ڈس کنکٹ کر دی۔



”وہ آخری لمحات میں صرف تمہیں اپنی نگاہوں کے
سامنے دیکھنا چاہتی تھی اذان! تمہیں بہت یاد کیا اس نے۔
تمہیں آنا چاہیے تھا تم نے دین بدل لیا اس کا مطلب یہ تو
نہیں ہونا کہ تم اپنی ماں کو بھول جاؤ۔ تم اس کائنات کے
کسی حصے میں چلے جاؤ رہو گے تم جیسی اور دنیاویال کے
بیٹے۔“ وہ اس وقت ماسی ماں کے ساتھ قبرستان سے باہر
نکل رہا تھا۔

”میں یہ کبھی نہیں بھول سکتا ماسی ماں کہ میں دنیاویال
اختیار چوہدری کا بیٹا ہوں۔ یہی میری اصل پہچان ہے لیکن
میں اسے بھی کبھی فراموش نہیں کر سکتا جو جیسی ڈسوزا نے
میرے باپ کے ساتھ کیا یہ دنیا مہکات عمل ہے جو انہوں
نے بویا تھا وہی کاٹا۔ وہ اسی طرح مجھے دیکھنے کی حسرت
لیے چلی گئیں جیسے میرے بابا گئے تھے۔“ اذان کے لہجے
میں کڑواہٹ تھی اور وہ خاموش ہو گئیں کیونکہ وہ غلط نہیں
تھا۔ جیسی نے جو کیا وہ انسانیت کے نام پر دیا تھا۔

اذان نے کار میں بیٹھ کر کار کا رخ اس قبرستان کی
طرف کیا جہاں اس نے مسلمان ہونے کے بعد دنیاویال
کو دفن کروایا تھا۔



”کیوں جانتا چاہتے ہو تم اذان کی زندگی کے بارے
میں؟“ عدیل نے کاشان کے برابر صوفے پر بیٹھتے ہوئے
کہا۔ وہ دونوں اس وقت کاشان کے قلیٹ پر تھے۔
”کاشان میں پاتم کوئی بھی اس کے لیے چم نہیں
کر سکتا خود اذان بھی نہیں۔“ عدیل اسی تسلسل سے بول
رہا تھا۔

”میں نے اذان کو ہمیشہ ہر حال میں بہت مضبوط پایا
ہے عدیل! لیکن پچھلے کچھ دنوں سے میں اس میں ایک
عجیب مایوسی دیکھ رہا ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے جس مقصد
کے تحت وہ زندہ ہے وہ مقصد یک دم ختم ہو گیا ہو۔“

کے مثل قاصد بھی ہمیں رو برو آنے سے نہیں روک سکتا
لیکن اگر ایسا نہیں تو وہ میرے رویہ ہو کر بھی میری
آنکھوں سے دھجھل ہی رہے گی۔“ اس نے آنکھیں
آسمان پر جمائی تھیں۔

”میرے پاس اپنے رب کی گواہی سے کہ میں نے
اس دین کو اس کی اور اس کے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی محبت کو سمجھ کر محسوس کر کے اختیار کیا ہے اور صرف تیری
ذات ہی ہے جو جبرہ کو میرے سچا مسلمان ہونے پر یقین
دلا سکتی ہے اور کوئی نہیں۔ کوئی بھی نہیں میرے مالک! میں
اب تیرا فیصلہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ دس سال میں آج تک
میں نے تمہارے کبھی یہ سوال نہیں کیا مگر آج کرتا ہوں میں
تو آج تک کبھی جبرہ کو نہیں مانگا مگر میں آج تمہارے
اپنے لیے مانگتا ہوں۔ اس کے دل میں اپنی محبت دیکھنا
چاہتا ہوں میرے مالک! اس نے آنکھیں بند کی تھیں
اور صدق دل سے اپنے رب کو مخاطب کیا تھا۔ وہ اس لمحے
خود کو خانہ کعبہ کے رویہ کھڑا محسوس کر رہا تھا۔ یہ حیران کن
تھا کہ اس نے خانہ کعبہ کے رویہ کھڑے ہو کر ہمیشہ جبرہ
کی حفاظت پر ابن زندگی اور کامیابیوں کی دعائیں مانگی
تھیں مگر آج تک کبھی خود اپنے لیے جبرہ کو نہیں مانگا تھا اور
آج وہاں نہ ہونے ہوئے بھی وہ اس کو وہاں محسوس کر رہا تھا
اور غیر ارادی طور پر اس کا دل جبرہ کو مانگ بیٹھا تھا اس نے
گہرا سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھول دی تھیں۔ ایک
تازگی اور سکون۔ یہ اپنے وجود میں اترا محسوس ہوا تھا۔

”وہ ٹھیک کہتی تھی تو مختار گل ہے بے شک تیرے سوا
کوئی نہیں جسے جبرہ کیا جائے جس کی عبادت کی جائے
جس سے بے پناہ محبت کی جائے۔ میرے مالک! اپنے
گزشتہ ہر کفر سے ایک بار پھر توبہ کرتا ہوں میں۔ بس مجھے
اپنے صالح اور سنی بندوں میں شامل رکھ آمین۔“ وہ
ساحل سمندر سے لوٹتے ہوئے سوچ رہا تھا کار میں بیٹھ
کر اس نے موبائل چیک کیا۔ چار مسڈ کالز تھیں ماسی ماں
کی ساتھ ہی مسج بھی تھا اس نے مسج پڑھا ایک فیسوس اس
کی نگاہوں میں ابھرا تھا۔ اس نے ماسی ماں کا نمبر ڈائل کیا

”ٹھیک ہے سوتے رہو لیکن اٹھنے کے بعد مجھے سب کچھ بتاؤ گے۔“ انہوں نے کمرے سے باہر نکلنے ہوئے کہا۔



شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے وہ بچن میں کھڑا اپنے لیے کافی بنا رہا تھا۔
”اٹھ گئے جان!“ اس کی ممانے مکن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”اب بتاؤ کہاں تھے کل سارا دن۔ میں نے کتنی بار تمہارا نمبر ٹرائی کیا، نمبر آف تھا..... کیوں؟“ اس کے قریب پہنچ کر وہ اس سے پھر مخاطب ہوئیں۔
”موبائل کی بیٹری لومٹی اس لیے آف تھا۔ میں دوستوں کے ساتھ گھوم پھر رہا تھا اسی لیے کل پارٹی میں نہیں آ سکا۔“ اس نے بہانہ بنایا۔
”جھوٹ بول رہے ہوناں مجھے یقین ہے تم پھر میرے پاس گئے ہو گے۔ یہ لڑکی تو میرے لیے مصیبت بن گئی ہے۔“ ان کا لہجہ تلخ تھا۔

”مما پلیز! مت لیں اس کا نام میں اب اس کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا۔ میں..... میں اس سے صرف نفرت کرتا ہوں۔“ جان نے بہت کمزور لہجے میں کہا اور کپ اٹھائے لیکن سے باہر نکل گیا۔ وہ پہلے حیرت سے اسے دیکھتی رہیں پھر مسکرائیں کہ بلاؤ خزان کے بیٹے کی آنکھیں کھل ہی گئیں۔



وہ چہرہ دے کر باہر نکلا تو اس نے راہ داری میں عدیل کو اپنا مختصر پایا۔ اسے دیکھتے ہی جان نے اپنا راستہ بدل لیا۔ عدیل اسے آواز دیتا اس کے پیچھے آنے لگا مگر جان نے اسے نظر انداز کر دیا اور سن گلاسز لگاتے ہوئے ڈیپارٹمنٹ سے باہر نکل آ گیا۔

”جان کیا ہو گیا ہے کب سے آوازیں دے رہا ہوں تم سن کیوں نہیں رہے ہو؟“ عدیل اب اس کے آگے کھڑا ہو گیا۔

کاشان نے کچھا بھن سے کہا۔
”جی بھئی لو کہ ایسا ہی ہوا ہے۔“ عدیل نے ذومعنی لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب؟ ایسا کون سا مقصد تھا اذان کی زندگی میں..... کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی تھا اذان کی زندگی میں؟“ کاشان نے جانچنے والے انداز میں کہا۔ عدیل نے گہرا سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”اوہ مائی گاڈ! تو پھر کیا ہوا تھا عدیل! اذان اکیلا کیوں رہ گیا؟ وہ تو ایک مکمل انسان ہے اور ایک بہترین صالح مسلمان بھی۔“ کاشان نے تشویش سے پوچھا۔

”تم جس احمد اذان کو آج جانتے ہو کاشان وہ دس سال پہلے احمد اذان نہیں تھا۔“ عدیل کا لہجہ اب بھی ذومعنی تھا۔ کاشان نے نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

”وہ جان، ایراج چوہان تھا۔“ عدیل نے بہت جذب سے کہا اور کاشان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور عدیل نے مزید کہنا شروع کیا۔



میرے کو چھوڑ کر وہ اسی رات بہت تیز رفتاری سے اپنے شہر واپس آیا تھا۔ گھر پہنچ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا، روم اور کرسی ٹری کی لائن آف کر کے وہ بیڈ پر دراز ہو گیا اور بہت جلد گہری نیند سو گیا۔ دوسرے دن ملانے زبردستی اسے اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر شدید ٹھکن کے سبب اس سے اٹھانے میں جا رہا تھا۔

”جان کل تم کہاں تھے سارا دن، کرسی پارٹی میں بھی نہیں آئے۔“ مجھے کتنی شرمندگی اٹھانی پڑی تمہیں کچھا اندازہ بھی ہے۔“ انہوں نے اسے جھنجھوڑا۔

”سوری ماما!“ اس نے نیند سے پھر پورے لہجے میں کہا۔
”اٹھ جاؤ بارہ بج چکے ہیں۔“ انہوں نے ایک بار پھر اسے جھنجھوڑا۔

”ابھی نہیں میں خود اٹھ جاؤں گا مجھے سونے دیں۔“ اس نے کبل مین تک لیتے ہوئے کہا اور انہیں اپنی محنت بے کار نظر آ رہی تھی۔

”سچ کہا تو بکواس لگ رہی ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔“ جان کا لہجہ طنز سے بھر پور تھا۔
”جو تم کہہ رہے وہ سچ نہیں ہے۔ مسلمان ہرگز ایسے نہیں ہوتے۔“ عدیل جھنجھلا گیا۔

”بے کار بحث کر رہے ہو عدیل تم مجھ سے۔ میرے پاس ایسی کئی مثالیں ہیں جس سے میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ تم مسلمان ایسے ہی ہوتے ہو سب سے بڑی مثال تو تم ہو تمہارے نقاد ایک مذہبی رہنما ہیں مگر غیرہ کی ہمیلی کی مدد کرنے کے بجائے انہوں نے تمہیں بھی قطع تعلق کے لیے کہا احمقانہ غیرہ کا نام نہاد شوہر مصیبت پڑنے پر سب سے پہلے اسی نے غیرہ کا ساتھ چھوڑا اور خود غیرہ! جو ہر ایک کی نظر میں ایک آئیڈیل مسلمان ہے جو اپنے مطابق نون مسلمز کو بھی عزت اور احترام کا درجہ دیتی ہے مگر وہ بھی حقیقتاً ایک بناوٹی مسلمان نکلی، بغض اور کینہ رکھنے والی مسلمان۔“
غیرہ کے بارے میں جان کے یہ خیالات چوٹکا دینے والے تھے عدیل کے لیے۔

”میں نے ہر مشکل ہر مصیبت میں اس کی مدد کی تندن دیکھا نہ داتا۔ ہر لمحہ اس کی فکر اور بدلے میں اس سے کیا چاہا زندگی بھر کا ساتھ میں تو اس کے لیے مسلمان ہونا چاہتا تھا اور اس نے مجھے کس نام سے نوازا ایک جھوٹے اور مکار کے لقب سے۔ میں دھوکے باز ہوں یہ کہا مجھے مگر حقیقتاً میں یہاں نہیں تم لوگ ایسے ہو۔“ جان کے لہجے میں شدید کڑواہٹ تھی۔

”میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم اپنے ہوش میں نہیں ہو آج جان!“ عدیل بمشکل بولا تھا۔

”آج ہی تو میں ہوش میں ہوں عدیل! آج ہی تو میری آنکھیں کھلی ہیں۔ تم اب مجھے دھوکا نہیں دے سکتے ہرگز نہیں۔“ جان کا لہجہ بہت چبھتا ہوا تھا۔

”نہیں جان! حقیقتاً آج تمہاری آنکھیں کھلی نہیں بلکہ بند ہوئی ہیں جیسی تم اچھے اور بُرے کے فرق کو نہیں دیکھ پا رہے ہو آج غصہ اور تم پر اتنا حاوی ہو گیا ہے کہ تم غیرہ کے بارے میں اتنی گھٹیا زبان استعمال کر رہے ہو۔ کوئی

”کون ہو تم؟ میں تمہیں نہیں جانتا۔“ جان نے درشت لہجے میں کہا۔

”نہیں جانتے.....؟“ عدیل کو جھٹکا لگا۔
”آنکھوں کے ساتھ ساتھ کیا دماغ پر بھی چشمہ پہن لیا ہے؟ آنکھوں سے یہ چشمہ اتارو پھر تمہیں پتا چلے گا کہ میں عدیل ہوں۔“ عدیل نے طنز سے بھر پور لہجے میں کہا۔
”تم ہوتے کون ہو مجھے کوئی بھی حکم دینے والے ہٹو میرے راستے سے۔“ وہ اسی انداز میں بولا عدیل کو ایک طرف دھکیلتا آگے بڑھ گیا۔
”کیا بد تمیزی ہے یہ کیا مہنر ز بھی بھول گئے ہو تم۔“
عدیل تڑپ کر بولا۔

”مجھ پر چلانے کی کوشش مت کرو۔“ جان نے پلٹ کر اس سے بھی تیز آواز میں کہا اور عدیل شپٹا گیا۔ اسے جان کی بد تمیزی کی وجہ اب تک سمجھ نہیں آئی تھی۔

”اوکے زلیکس..... پُر سکون ہو جاؤ۔“ عدیل نے صلح جو انداز میں کہا۔ ”آفر مجھ سے اتنا ناراض کیوں ہو؟ مجھ سے ایسی کون سی غلطی ہو گئی ہے؟“ عدیل پوچھتا تھا۔

”اپنی اصلیت مت دکھاؤ تم لوگ جانتے ہو کہ مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ میں ان ہتھکنڈوں سے متاثر ہونے والا نہیں ہوں۔“ جان نے ہر نفرت لہجے میں کہا اور عدیل اپنی جگہ ششدر رہ گیا۔

”موصوم چہرے، پیٹھے بول اور دلوں میں اتنی نفرت نون مسلمز کے لیے۔ سیاہ دل ہوتے ہو تم سب مسلمان جیسا ظاہر کرتے ہو اس کے بالکل الٹ ہو۔ ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانے والے ضرورت کے وقت نون مسلم تمہارے لیے نون مسلم نہیں ہوتے اور زندگی بھر ساتھ نبھانے کے لیے وہ تمہارے لیے نون مسلم ہو جاتے ہیں۔ اچھی منطوق ہے تم لوگوں کی جو صرف تمہیں فائدہ پہنچاتی ہے۔“ جان نے ہر لفظ چبایا کر کہا۔

”چپ ہو جاؤ نون.....! اگر میں تمہارا لحاظ کر رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تمہارے جو منہ میں آئے وہ کہو اس قسم کی بکواس نہ کرو۔“ عدیل کو اب غصہ آ گیا تھا۔

گئے۔ خیراب شرافت سے بتا دو کہ وہ کہاں ہے اور سنیٹا کو اس نے کہاں چھپایا ہے؟ انہوں نے ٹیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے فون پر بھی آپ سے کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے؟ تو میں جیسے بتاؤں۔“ جان نے ان زنجیروں میں کسماتے ہوئے کہا۔

”اچھا! حیرت کی بات ہے تم تو مسیحا تھے اس کے اور وہ تمہیں ہی چونا لگا گئی۔“ انہوں نے بہت زور سے قہقہہ لگایا۔

”آپ بہت ہی بے ہودہ ہیں مسٹر مہرا!“ جان کو غصا گیا۔

”میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں کہ جیرہ کہاں ہے سیدھی طرح بتا دو ورنہ میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ اپنی شکل بھی پہچان نہیں پاؤ گے۔“ ان کا لہجہ دمکی آ میز تھا۔

”مجھے آپ کی کسی دمکی سے ڈر نہیں لگے گا اب کیونکہ جس کی زندگی ختم کرنے کی آپ نے مجھے دمکی دی تھی وہ اب محفوظ جگہ ہے اور اپنی زندگی کی مجھے کوئی پروا نہیں۔“ جان نے بہت اطمینان سے کہا۔

”لے جاؤ اس خبیث کو اور اتنا مارو کہ اس کی زبان خود بخود چلنے لگے۔ لے جاؤ اسے میری نظروں کے سامنے سے۔“ وہ بُری طرح دھاڑے اور ان کے آدھی اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے دو گھنٹے مسلسل اس پر پونڈے اور ہاکیاں برساتے رہے اس کے جسم کی کوئی بھی ہڈی اب سلامت نہ رہی مگر اب بھی اس کے لب خاموش تھے۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔

”بہت ذہین انسان ہے موت کو گلے لگائے گا مگر اس اڑکی کا پتا نہیں بتائے گا۔ محبت ہے کہ جنون۔“ مسٹر مہرا نے اس کے بال مٹیوں میں لیے اور پھر پوری قوت سے اس کا سر زمین پر دے مارا۔ وہ اب مکمل طور پر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا تھا۔

”لے جاؤ اسے اور پھینک دو کسی سڑک پر جو چند

فرق نہیں رہ گیا تم میں اور احمد میں۔ اس نے بھی جیرہ کے کردار پر انگلی اٹھائی تھی اور تم بھی اسے بے کردار کہہ رہے ہو۔“ عدیل نے بہت ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

”عدیل.....!“ جان پوری قوت سے چیخا اور عدیل کا گریبان تھام لیا۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ کہنے کی۔“ اس نے پوری قوت سے ایک مکا عدیل کے منہ پر مارا اور وہ لوندھے منہ زمین پر گرا۔ گارڈن میں کھڑے لڑکے جلدی سے آگے بڑھے کچھ نے جان کو پکڑا اور کچھ نے عدیل کو سہارا دے کر کھڑا کیا۔

”چھوڑو مجھے تم لوگ! میں اسے جان سے مار دوں گا۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔“ جان بُری طرح غرارہا تھا۔

”تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا جان! اپنے دوست پر سب ختم کر دیا تم نے سب کچھ آج میں تم سے اپنے دوست ہونے کا حق چھینتا ہوں۔ ختم ہو گئی تمہاری اور میری دوستی۔ تم بہت پچھتاؤ گے اس پر جو تم نے کیا..... تم بہت پچھتاؤ گے۔“ عدیل رو بہ زاجان نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑ لیا۔

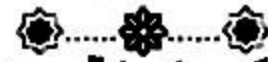
”جان ویران چوہان نہ تو کبھی پچھتا یا ہے اور نہ کبھی پچھتائے گا۔ تم جیسے بہت سے آئے اور گئے میری زندگی پر نہ تو کوئی فرق پڑا اور نہ ہی پڑے گا۔“ جان نے بہت غصیلے لہجے میں کہا اور پلٹ کر لڑکوں کو ایک طرف دھکیلا اپنی کار کی جانب بڑھ گیا۔ جب کہ عدیل بے بس نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔



آج اس کا آخری پیر تھا وہ جیسے ہی پیر دے کر اپنی کار میں آ کر بیٹھا کسی نے کوئی بھاری چیز اس کے سر پر ماری اور اس کا دماغ تار یکپوں میں ڈوب گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو زنجیروں میں جکڑا پایا اور فرش پر کسی کے قدموں سے ۱۰۰ ۵۱۔ ہراٹھا کر دیکھا تو وہ مسٹر مہرا تھا۔

”تم، کہ مجھے تم سے یہ سوال پوچھنا نا؟“ مسٹر مہرا نے طنز سے کہا۔ تاکہ تم مجھے دھوکا نہیں دو

سائیس پتگی ہیں وہ بھی پوری ہو جائیں گی۔“ انہوں نے حد درجہ نفرت سے کہا اور مہرا کے آدمی جان کو کھینٹے لے گئے جان کا پورا وجود خون میں ڈوبا ہوا تھا۔



آسمان پر تار کی چھائی ہوئی تھی ہر شے پر سکوت تھا۔ آج وہ پھر۔۔۔ سے گہرے اندھیرے کا شکار تھا مگر آج وہ جادوئی لفظ کہیں سنائی نہیں دے رہے تھے وہ اندھیرے میں ہی چل پڑا مگر جانک ہی اس کا پاؤں کچھڑ میں چلا گیا اس نے پاؤں نکالنے کی کوشش کی مگر ایک پاؤں نکالنے کی کوشش میں دوسرا بھی کچھڑ میں دھنس گیا۔ دھیرے دھیرے اس کے پاؤں گھٹنوں تک کچھڑ میں دھنس گئے اب اس کا دل شدت سے دھڑکا تھا اور اس نے حلق کے بل چیخا شروع کر دیا ویرانے میں اس کی اپنی آواز کی بازگشت تھی کوئی دور تک بھی نہ تھا جو اس کی آواز پر اس کی مدد کو آتا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی گہری اور خوف ناک دلدل میں پھنس گیا ہے اس کا آدھا دھڑمکل طور پر دلدل میں غائب ہو چکا تھا۔

”کوئی ہے جو میری مدد کرے..... پلیز جیرہ میری مدد کریں۔ آپ نے تو ہمیشہ اندھیروں میں میری رہنمائی کی ہے آج اس دلدل سے بھی مجھے آزادی دلا دیجیے۔“ وہ گڑگڑانے لگا مگر کوئی نہ آیا وہ گردن تک دلدل میں دھنس چکا تھا۔

”ہر انسان خود کو عقابُ کل سمجھتا ہے۔ مگر حقیقت میں ایک انسان کی حیثیت اس دنیا میں ایک خزاں رسیدہ پتے سے زیادہ نہیں۔ انسان اپنے رب کی ایک انتہائی عاجز اور حقیر مخلوق ہے اور حقیقتاً وہی عقابُ کل ہے۔“ جیرہ کے جملے ایک بار پھر اس کے ذہن میں روشن کرنے لگے۔

”عقابُ کل جیرہ کا رت جس سے جیرہ بے حد محبت کرتی ہے۔ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور نہ کہ مجھ سے۔“

صرف اس کا سیدھا ہاتھ تھا جو اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا وہ دلدل سے باہر نہ گیا تھا ایک دم ہی کسی نے اس کا ہاتھ تھاما اور دلدل سے باہر کھینچا گرفت سے محسوس ہوا کہ وہ کوئی مردانہ ہاتھ تھا۔ وہ دلدل سے باہر نکل آیا اس کے روبرو ایک بہت باوقار انسان کھڑا تھا۔ سفید لباس میں لمبوں چہرے سے پھوٹا نور اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے دل پر ہاتھ رکھا اور خود اس کا وجود بھی نور میں ڈوب گیا۔

”کہو کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ اکیلا ہے اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ وہی تمام کائنات کا بے تاج بادشاہ ہے۔“ وہ ہستی اس سے مخاطب تھی وہ اس آواز کو اچھی طرح پہچانتا تھا اس نے آنکھیں بند کر کے کہنا شروع کیا اس کا دل تپ سڑھاری کا شکار تھا۔ اسے تسکین مل رہی تھی اس نے جیسے سے آنکھیں کھولیں اور بہت تیز روشنی اس کی آنکھوں میں ٹھسی تھی۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور جب ہٹایا تو خود کو ہاسٹل کے بینڈ پر پایا وہ دلدل وہ جنگل نہیں نہیں تھا۔ اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا سامنے والی دیوار کے ساتھ رکھے بیچ پر عدیل بیٹھا تھا اسے دیکھ کر جان کو کچھ حیرت سی ہوئی۔

”عدیل.....!“ اس نے حیرت سے کہا اس کی آواز پر عدیل نے آنکھیں کھول دیں اور اسے ہوش میں آنا دیکھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

”تم ٹھیک ہو جان! اللہ کا شکر ہے میں ابھی ڈاکٹر کو بتاتا ہوں۔“ اس نے نیبل پر رکھے فون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا اور استقبالیہ پر کال کی۔

”کیسا محسوس کر رہے ہو اب؟“ عدیل نے بیڈ کے ساتھ رکھے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”اچھا۔“ جان نے یک لفظی جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہوتی اور رات میں عدیل۔ اس دوران عدیل نے اس میں ایک عجیب تبدیلی محسوس کی تھی وہ کم گو ہو گیا تھا زیادہ تر وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبا رہتا۔ کوئی سوال کرنے پر مختصر سے مختصر جواب دینے کی کوشش کرتا۔

”کیا بات ہے جان! میں بہت دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ تم صرف خاموشی سے میری باتیں سنتے رہتے ہو خود بات کرتے ہو نہ کسی بات کا صحیح جواب دیتے ہو۔ ناراض ہو مجھ سے اب بھی؟“ عدیل نے تشویش سے پوچھا۔

”نہیں نہیں عدیل! پلیز ایسا مت کہو میں پہلے ہی اپنے گزشتہ رویے کی وجہ سے بہت شرمندہ ہوں یہ کہہ کر مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔“ جان نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

”شرمندگی؟ بے ذوق میں اتنے دن سے اپنے پھولے سے دماغ کو گھس رہا ہوں کہ میرا دوست مجھ سے ناراض ہے۔ جان تم تو مجھ سے بڑے گدھے ہو۔“ عدیل نے منہ بسورتے ہوئے کہا اور جان ہنس دیا۔

”جان جھگڑاؤ ہیں ہوتا ہے جہاں بہت محبت ہوتی ہے اور مجھے اپنے دوست سے بے حد محبت ہے۔“ عدیل خوش دلی سے کہتے ہوئے اس کے گلے لگ گیا۔

”ہاں مجھے یقین ہے جیسی تو تم میری زندگی بچانے کا ذریعہ بنے۔“ جان نے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے نم لہجے میں کہا۔

”عدیل یہاں سے نکل کر میں سب سے پہلے پھرہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس سے اپنے کیے کی معافی مانگنی ہے۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو بہے اور عدیل نے شرت میں جذب ہونے لگے۔

”معافی..... کس غلطی کی معافی.....؟“ عدیل نے اس کا چہرہ اپنے رویہ کو کرتے ہوئے کہا اور جان نے دھیمے لہجے میں اسے سب کچھ بتا دیا۔ عدیل کا چہرہ اتر گیا۔

”یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا جان!“ عدیل نے آنسوؤں سے کہا۔

”میں جانتا ہوں عدیل! اسی لیے اس سے ملنا چاہتا

بے ہوشی کی حالت میں ہی شروع ہو گیا اور نئے سال کا تیسرا مہینہ بھی اپنے اختتام پر ہے۔“ عدیل کا انداز مطلع کرنے والا تھا، جان کو یقین نہیں آیا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔ کچھ دیر جان کا چیک اپ کیا اور آرام کا انجکشن لگا کر چلا گیا۔

”مما کہاں ہیں عدیل! اور مجھے یہاں کون لایا؟“ جان کو عدیل سے بات کرتے ہوئے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

”آئی کچھ دیر پہلے ہی گھر گئی ہیں اس لیے میں نے انہیں تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور تمہیں اسپتال میں لایا تھا میں نے مسز مہرا کے آدھیوں کو تمہیں انخوا کرتے دیکھ لیا تھا میں نے آئی کوانفازم کیا اور انہوں نے ڈی آئی جی سے رابطہ کیا۔ ڈی آئی جی نے فوری ایکشن لیا، ہم لوگ پولیس کے ساتھ مسز مہرا کے گھر پہنچے مگر وہ لوگ تمہیں وہاں لے کر نہیں گئے بہت مشکل سے ان کے ایک آدی نے بتایا کہ وہ تمہیں اپنے فارم ہاؤس لے گئے ہیں۔ فارم ہاؤس کا ایڈریس لے کر ہم وہاں پہنچے اسی کے قریب سڑک پر ہم نے تمہیں دیکھا تو میری اور آئی جی کی تو جان ہی نکل گئی۔ ہم تمہیں لے کر نورا اسپتال آئے جب کہ ڈی آئی جی نے مسز مہرا اور ان کے آدھیوں کو گرفتار کر لیا۔ جس وقت ہم تمہیں اسپتال لائے جان! اس وقت تمہارے وجود میں سانس نہیں کہیں ہی باقی تھی ڈاکٹر مایوس تھے انہیں بالکل امید نہیں تھی کہ تم بچ پاؤ گے۔ کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں دو دن تک تمہاری سرجری جاری رہی اور اس کے بعد ڈاکٹرز نے بتایا تھا کہ تم کوہ۔ میں چلے گئے ہو۔ اگر میں یہ کہوں کہ اللہ پاک نے تمہیں اپنی زندگی عطا کی ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ اب تمہاری یہ زندگی ایک معجزہ ہے۔“ عدیل ایک سلسل سے بولتا رہا اور حیران کن لگا ہوں سے جان اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے نیند سے بو بھل آنکھوں کو بند کر لیا۔



ایک ہفتہ گزر گیا اسے کومہ سے باہر آئے۔ وہ اب خود چلنے پھرنے کے لائق ہو گیا تھا۔ دن کے وقت اس کی مما

سے نہ جانے کیا کیا دیکھ لوں سہہ چکے ہیں۔ انہوں نے ذومعنی انداز میں کہا۔

”تمہیں یہاں روکنے کا ہمیں بھی کوئی شوق نہیں تم جاسکتی ہو۔“ اس کی ممانے بہت کڑوے لہجے میں کہا۔ جان کچھ سمجھ نہیں پایا اس خاموش جنگ کو۔ ان کے جانے کے بعد وہ اپنی ماما سے مخاطب ہوا۔

”کیا مطلب تھا ماما کی باتوں کا ماما؟“ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

”مجھے کیا معلوم؟ اسے بکواس کرنے کی عادت ہے تم توجہ نہ دو تمہیں ڈاکٹر نے آرام کا کہا ہے تم آرام کرو۔“ انہوں نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور وہ خاموش ہو گیا۔



”عدیل ہم آج کراچی چل رہے ہیں میں دس بجے تمہیں یک کر رہا ہوں ماما دو ہفتوں کے لیے بزنس میٹنگ پر گئی ہیں یہ اچھا موقع ہے ہم صبح سے شام تک واپس بھی آ جائیں گے۔“ اس نے فون پر عدیل کو انعام کیا اور اس نے رضامندی ظاہر کی۔ تقریباً دوپہر کے ایک بجے وہ اسی گلی میں کھڑے تھے جہاں تین ماہ پہلے اس نے جیرہ کو چھوڑا تھا۔

”جان! جیرہ ان میں سے کس گھر میں گئی تھی؟“ عدیل نے اس گلی میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”ہا نہیں کیونکہ گلی میں اندھیرا تھا اور میں اس سے بات کر کے فوراً ہی پلٹ گیا تھا۔“

”تمہیں اس کی پھوپھو کا نام معلوم ہے تو ہم ان کے نام سے گھر پوچھ لیتے ہیں یا پھر جیرہ کے کزن عبدالعزیز کے نام سے؟“ جان نے تجویز پیش کی اور عدیل نے عبدالعزیز کے نام سے گھر ڈھونڈنا شروع کیا جلد ہی انہیں گھر مل گیا مگر گھر کے سامنے پہنچ کر دونوں ہی ششدر رہ گئے دروازے پر تالا لگا تھا۔

”ہو سکتا ہے کہیں گئے ہوں ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے۔“ جان بولا اور عدیل نے اشدت میں سر ہلایا۔ میرے دیر سے وقت گزرتا رہا دوپہر سے شام ہو گئی

ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ ہم اس کی ماما کو بھی ساتھ لے جائیں وہ یہاں سے جاتے وقت ان کے لیے بہت پریشان تھی۔“ جان نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”تم ایسا نہیں کر پاؤ گے جان! کیونکہ جیرہ کی اماں گھر چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔“ عدیل کی بات سن کر جان اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

”تمہیں اور جیرہ کو محلے کے کچھ لوگوں نے ساتھ جاتے دیکھا تھا اس بات کو لے کر انہوں نے آنٹی کو اتنے طعنے دیئے کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو گئیں۔ کہاں گئیں کوئی نہیں جانتا۔“ عدیل نے مایوس کن لہجے میں کہا اور جان ایک ان م ہے گناہ کے بوجھ تلے گیا۔



ڈسپارچ ہو کر جب وہ گھر آیا تو ماما کو اپنا منتظر پایا۔ وہ آج سے پہلے کبھی ان کے گھر نہیں آئی تھیں۔

”ماما! آپ یہاں.....“ وہ خوشی سے پھولے نہ سلاپا دو مسکرائی ہوئی اس کے قریب چلی آئیں۔

”کیسا ہے میرا جان!“ انہوں نے بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔

”ڈاکٹر نے آرام کا بتایا ہے اور زیادہ بات کرنے کو بھی منع کیا ہے۔“ اس کے بجائے ماما بولیں۔

”موم پلیز۔“ جان نے فوراً کہا۔

”رہنے دو جان! جن کے دل سیاہ ہوں ان کی زبان میٹھی نہیں ہو سکتی اور ویسے بھی میں یہاں تمہیں دیکھنے آئی تھی تمہیں دیکھ لہا دل کو تسلی ہو گئی اب میں چلتی ہوں۔“ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں ماما! آپ ایسے نہیں جاسکتیں۔ آپ آج یہاں ہمارے ساتھ رکھیں گی۔“ جان نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

”نہیں جان! میں اس گھر میں کھڑی ہوں تو صرف تمہاری وجہ سے۔ میرا دم گھٹتا ہے یہاں خوف آتا ہے مجھے اس گھر کے بے زبان درد دیوار سے جو اپنی خاموش زبان

”مسلمان لڑکی!“ ماسی ماں نے حیرت سے کہا۔
 ”جی ماسی ماں!“ اور پھر اس نے ایک تسلسل سے
 انہیں سب کچھ بتا دیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گئیں۔
 ”کیا ہوا ماسی ماں! آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟“
 جان کوشش ہوئی۔

”وقت خود کو دہرا رہا ہے جان! جس دین سے دور
 رکھنے کے لیے تمہاری ماں نے اتنے جتن کیے تم اس کے
 ہی عیروکار بن رہے ہو۔ یہ قدرت کا انصاف ہے۔
 حقیقت ہے انسان اپنے اصل سے ہرگز دور نہیں رہ سکتا اور
 تم بھی نہیں رہ پاؤ گے اپنی حقیقت سے دور۔“ ان کا لہجہ
 خواہیدہ تھا۔

”کیا مطلب؟“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
 ”میری ہر بات کا منہدم تمہاری ماں کو معلوم ہے۔ وہ
 تمہیں بہتر طور پر ہر بات بتا سکتی ہے مگر وہ نہیں بتائے گی
 کیونکہ اپنا اصل چہرہ دکھانے کی اس میں ہمت نہیں ہوگی۔
 ہاں شاید تمہارے نانا جان تمہیں حقیقت سے آگاہ کر سکیں
 کیونکہ وہ خود جس عذاب میں مبتلا ہیں اور جس میں مبتلا
 ہو کر ان کی بیوی مری اس کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا ہوگا
 کہ انہوں نے جو تمہارے باپ کے ساتھ کیا وہ ایک خوف
 ناک داستان تھی۔“ ان کا انداز اب بھی وہی تھا جان اپنی
 جگہ سن رہ گیا۔

”جان کیسی طبیعت ہے تمہاری اور تم یہاں کیوں چلے
 آئے؟ جیسی تو تمہاری تھی کہ ڈاکٹرز نے تمہیں آرام کا کہا
 ہے۔“ جان کی اچانک آمد پر وہ حیران رہ گئے۔
 ”بس میں بہت بوجھ رہا تھا ماما بھی گھر پر نہیں تھیں
 میں نے سوچا میں آپ سے مل لوں۔ آپ کی طبیعت کیسی
 ہے؟“ وہ ان کی دیکھ چیر کے سامنے بیٹھے ہوئے بولا۔
 ”میں ٹھیک ہوں تم خواہو اور پریشان ہوئے۔“ انہوں
 نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
 ”گرینڈ پاپا! میرے پاپا کیسے تھے؟ آپ لوگوں نے تو
 آج تک مجھے ان کی ایک تصویر بھی نہیں دکھائی۔“ مات کو

مگر کوئی نہیں آیا۔ اب ان دونوں نے آس پاس کے لوگوں
 سے پوچھنا شروع کیا اور ان کا جواب انہیں مزید پریشان
 کر گیا۔ وہ گھر کئی مہینوں سے بند تھا وہ لوگوں کو کچھ بھی بنا
 بتائے رات میں یہ گھر چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ یہ جو بات
 جان کو سنا کر گئے تھے۔

”میں جانتا ہوں عدیل! بیمرہ میری وجہ سے یہ گھر
 چھوڑ کر گئی ہوگی۔ اسے یقین ہوگا کہ اس کے انکار کے بعد
 میں مسٹر مہرا کو اس گھر کے بارے میں ایمان کے بارے
 میں بتا دوں گا۔ وہ میرے بارے میں اتنا غلط سوچ سکتی ہے
 مجھے اندازہ ہے عدیل!“ جان کا لہجہ بالکل بگھرا ہوا تھا
 عدیل بے بس لگا ہوں۔ سنا سے دیکھتا رہا۔



کراچی سے آئے اسے ایک ہفتہ ہو گیا تھا مگر اس کا
 دل اب بھی صرف ایک ہی بات سوچ رہا تھا جو ہوا اس کی
 وجہ سے ہوا۔ بیمرہ اسے اتنا غلط سمجھتی تھی کتنا گریا تھا وہ اس
 کی نظروں میں۔ عدیل اسے گھنٹوں سمجھاتا رہتا مگر اس
 کے کان پر جوں بھی نہ سناتی۔
 ”کیسے ہو جان! آج اس کی ماسی ماں نے اسے فون
 کیا تھا۔“

”ٹھیک۔“ اس نے مختصراً کہا۔
 ”کیا ہوا آواز اتنی ایوس کن کیوں ہے۔“ وہ فوراً
 بھانپ گئیں۔ اس کا دل بوجھل تو ویسے ہی تھا اب
 برداشت جواب دے گئی تھی۔

”میں پار گیا ماسی ماں! وہ جیت گئی۔ وہ زندگی بھر کا
 پچھتاوا چھوڑ گئی ہے میری قسمت میں۔ میں اسے بھول
 نہیں پارہا نہیں بھول پارہا۔“ وہ تڑپ کر رہا تھا۔ وہ ان
 سے وہ سب کچھ کہہ رہا تھا جو وہ اپنی ماما سے نہیں کہہ سکتا تھا۔
 ”ریلیکس جان! کون ہے..... کس کے بارے میں
 بات کر رہے ہو؟“ وہ گھبرا گئیں اس کے اس طرح تڑپ
 تڑپ کے رونے سے۔

”وہ ایک مسلمان لڑکی ہے ماسی ماں! اس کا نام بیمرہ
 عباد ہے۔“ جان نے خود کو متحکم کرتے ہوئے کہا۔

”آپ مجھے سچ نہ بتا کر بھی گنوا دیں گے۔“ انہوں نے دیکھا اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی پستل نکالی اور اپنے سر پر رکھ لی۔

”جان.....!“ ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”میں ایسا ہی کروں گا گرینڈ پا! آپ جانتے ہیں جو میں کہتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔“ اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔

”میں تمہیں سب سچ بتاؤں گا جان! لیکن خود کو کچھ نہ کرنا پلیز اور ہو سکے تو مجھے بھی معاف کر دینا۔“ انہوں نے التجا کی اور اس نے پستل واپس اپنی جیکٹ میں رکھ لی۔

”تمہاری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے جان! تم ہم میں سے نہیں ہو۔“ وہ ایک لمحے کے لیے رکے۔ ”تم جان ویرا ج جو ہاں نہیں بلکہ..... اذان دانیال ہو۔“ انہوں نے انگ انگ کر اپنا جملہ مکمل کیا اور جان کو لگا جیسے آسمان ٹوٹ پڑا ہوا وہ ایک مسلمان تھا اور آج تک اس بات سے بے خبر تھا۔

”تمہارے باپ کا نام دانیال افتخار چوہدری تھا۔ اس نے جینٹی سے اپنے والدین کے خلاف جا کر شادی کی عیسائی ہوا مگر بہت جلد ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اسلام دوبارہ قبول کر لیا۔ جس نے جینٹی کے دل میں اس کے لیے نفرت کا بیج بویا اور یہ نفرت تمہاری پیدائش کے بعد مزید بڑھ گئی کیونکہ دانیال نے تمہیں بھی بچپن ہی میں مسلمان بنا دیا۔ اس نے تمہارے کان میں اذان دی دانیال نے جینٹی کو چھوڑنے کی دھمکی دیتے ہوئے اسلام قبول کرنے کا کہا اور جینٹی نفرت، غم اور غصے کی آگ میں جھلنے لگی مگر میرے کہنے پر اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تا کہ وہ تمہیں پاسکے اور پھر ہم نے دانیال سے بیٹھکی کا چھٹکارا پانے کی سازش تیار کی جب تمہاری ماسی ماں کو اس کا پتا چلا تو اس نے ہمیں روکنا چاہا مگر ہم نے اس کی ایک نہ سنی اور اس سے اپنے تمام رشتے ختم کر دیئے۔“



”بولو اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول“

کھانے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں انہیں لے آیا۔ ”بہت ہی اچھا انسان تھا تمہارا باپ بہت پیار بھی کرتا تھا تم سے۔ جان بندھی تم میں اس کی۔ اکثر یاد آتا ہے وہ مجھے۔“ انہوں نے پرسوج لہجے میں کہا۔

”یک بات پوچھوں گرینڈ پا آپ سے؟“ اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

”ہاں پوچھو؟“ انہوں نے شفقت سے کہا۔

”آپ اور ماما ماسی ماں سے کیوں نہیں ملتے؟ کیا ہوا تھا ایرا جس نے آپ کے دل میں ماسی ماں کے لیے اتنی نفرت بھری۔ وہ بھی تو آپ کی بی بی ہیں پھر آخریوں آپ ان کی شکل بھی نہیں دیکھتے؟“ جان کا لہجہ الجھن سے پُر تھا۔

”کچھ خاص نہیں بس اس کے سر ہال والوں سے جھگڑا ہوا تھا اسی لیے۔“ انہوں نے نگاہیں چھپائی تھیں۔

”نہیں گرینڈ پا! آپ غلط بیانی کر رہے ہیں کیونکہ ماسی ماں کے گھر والوں سے میں بھی ملا ہوں آج تک انہوں نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی کیوں آپ لوگ مجھ سے حقیقت چھپانا چاہتے ہیں؟ آخر ایسا کیا ہوا تھا جسے آپ راز رکھنا چاہتے ہیں؟ کیوں ماسی ماں نے یہ کہا کہ آپ لوگوں نے میرے بابا کے ساتھ جو کیا وہ ایک خوف ناک داستان ہے۔ کیا کیا تھا آپ نے بابا کے ساتھ میں جانا چاہتا ہوں اور سچ جانے بغیر میں یہاں سے نہیں جائیں گا۔“ جان نے جتنی لہجے میں کہا۔

”حقیقت نہیں بتا سکتا میں تمہیں جان! حقیقت زہر کا گھونٹ ہے تم نہیں پی پاؤ گے۔“ انہوں نے ڈبل چیئر کا رخ موڑ لیا مگر جان ان کے اور دروازے کے درمیان حائل ہو گیا۔

”آپ اس طرح نہیں جاسکتے گرینڈ پا! آپ کو مجھے سچ بتانا ہی ہوگا ہر حال میں۔“ جان بضد تھا۔

”نہیں جان! تمہیں کبھی نہ کھونے کے لیے ہم نے وہ سب کیا تھا اور آج تمہیں اپنے ہاتھوں سے نہیں گنوا سکتے۔“ وہ گڑ گڑانے لگے۔

ہیں۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو اسے جیننی کی آواز سنائی دی وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

”کہیں یہ میرا ہم تو نہیں۔“ اس نے سوچتے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے وہ تقریباً چند دن بعد گھر آیا تھا۔ اپنی کاروباری مصروفیت کے سبب وہ اکثر گھر سے اتنے لمبے عرصے کے لیے باہر رہتا تھا۔ اس نے جیننی کے روم کا رخ کیا آواز وہیں سے آ رہی تھی۔ اس نے حیرت سے دیکھا تھا جیننی نے شلواری قمیص پہنی ہوئی تھی اور دوپٹہ بھی سلیقے سے اوڑھا ہوا تھا ورنہ عام طور پر وہ لوٹنگ فرائک یا پینٹ شرٹ پہنتا کرتی تھی۔

”آپ آگے دانیال!“ وہ اذان کو گود میں اٹھائے اس کی طرف بڑھی۔ ”کیا ہوا ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”تم ابھی اذان سے کیا کہہ رہی تھیں؟“ دانیال نے پوچھا۔

”میں نے اسلام قبول کر لیا ہے دانیال! میرا نام عاتکہ ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور دانیال کی نگاہوں میں خوشی اور حیرت کے، ملے جلے تاثرات ابھرنے لگے۔

جیننی کے مسلمان ہونے سے دانیال بہت خوش تھا۔ زندگی میں جیسے بہاریں ہی بہاریں آگئی تھیں۔ اذان اب قدم اٹھانے لگا تھا۔ اسے ہنستا کھیلتا چلتا پھرتا دیکھ کر دانیال کا سیروں خون بڑھتا مگر نہ جانے کیوں پچھلے کچھ مہینوں سے اس کی طبیعت نا ساز رہنے لگی تھی۔ وہ بوجھل اور تھکا تھکا محسوس کرنے لگا تھا اکثر آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا اور وہ بے ہوش ہو جاتا۔ عاتکہ اسے ڈاکٹر کی دی ہوئی میڈیسن باقاعدگی سے کھلاتی تھی مگر طبیعت میں کچھ بہتری نہ ہوتی۔

ایک دن اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اسی لیے وہ کہنی نہیں گیا تھا اذان کو گود میں اٹھائے اس سے باتیں کرتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک اس کی ملازمنے اسے پیچھے سے پکارا تھا۔

”دانیال صاحب!“ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

”کیا ہوا خیرن؟ سب ٹھیک تو ہے۔“ دانیال نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔

”صاحب جی وہ تیم صاحب کے بارے میں کچھ بات کرنی تھی۔“ اس نے سرگوشیاں لہجے میں کہا۔

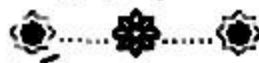
’عاتکہ کے بارے میں؟‘ اس کو حیرت ہوئی۔

”جی صاحب جی! میں کل بازار سے سو والے کما رہی تھی تو میں نے بی بی کو چرچ سے نکلتے دیکھا وہ گھر پر درگاہ کا کہہ کر جاتی ہیں اور حقیقت میں درگاہ نہیں جاتیں اور روزانہ رات میں جو چائے وہ آپ کے لیے بناتی ہیں اس میں بھی وہ کچھ ذلتی ہیں۔ میں نے چھپ کر انہیں یہ سب کتے دیکھا ہے۔ صاحب جی! بی بی جی حقیقت میں نہیں بدنی ہیں صرف ظاہری طور پر بدنی ہیں۔“ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”خیرن! تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے تم کیا کہہ رہی ہو اور کس کے بارے میں کہہ رہی ہو؟ وہ اس گھر کی مالکن ہے۔“ دانیال کرحش لہجے میں بولا۔

”مجھے معلوم تھا صاحب جی! آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے اس لیے ہم یہ لے کر آئے ہیں۔“ اس نے دوپٹے میں چھپائی ہوئی بوتل نکال کر اس کے سامنے کی تھی۔

”بی بی جی! اس بوتل میں سے کچھ ذلتی ہیں صاحب جی! ہم نے آپ کا نمک کھایا ہے ہم جھوٹ نہیں بولیں گے۔“ دانیال نے حیرت سے اس بوتل کو دیکھا اور کانپتے ہاتھوں سے پکڑا اس پر لکھا تھا ”سلو پوائزن“ دانیال کے قدموں سے زمین نکل گئی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کیا عاتکہ ایسا کر سکتی تھی۔ وہ تو اس سے اتنی محبت کرتی ہے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوئی تھی۔ آنکھوں کے آگے ایک بار پھر اندھیرا چھایا اور وہ ارد گرد سے بے خبر ہو گیا۔



”بی بی بہت لو ہے ڈاکٹر نے مکمل بیڈ ریسٹ بتایا ہے۔ آپ کا فیجر بھی آیا تھا کچھ پچھڑ سائن کروانے۔“

”وہ بھی تو اسی طرح بلک بلک کر رہے تھے اور میں نے کتنی کم طرفی اور احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا تھا؟ انہیں چھوڑ کر اس عورت کو اپنا لیا جو آج میری جان لینے کے درپے ہے۔ جو مجھ سے اتنی نفرت کرنے لگی ہے کہ میرا وجود اس گھر میں بھی برداشت نہیں لیکن میرے ساتھ جو بھی ہوا ٹھیک ہوا میں نے بھی تو یہی کیا تھا ان کے ساتھ انہیں جیتے جی مار دیا تھا۔ ماں بابا مجھے معاف کر دیجیے..... معاف کر دیجیے۔“ وہ تڑپ تڑپ کر رہا تھا مگر آج اس کے نوصاف کرنے والا کوئی نہیں تھا۔



ایک مہینہ ہو چکا تھا اسے بیمار ہوئے۔ اب اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ کبیل کے اندر لینا نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی ہڈیاں بھی نمایاں ہو گئی تھیں۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئیں سر کے بال بھی اتر گئے ہونٹوں کا رنگ سیاہ اور جلد سبز گئی۔

”خیرن! میرے بیٹے کا خیال رکھنا اسے میرے دین کے بارے میں ضرور بتانا اسے بتانا کہ وہ ایک مسلمان ہے لیکن میں جانتا ہوں تم ایسا نہیں کر پاؤ گی مگر پھر بھی ممکن ہو سکے تو میری بیڈاٹری اسے دینا۔“ اس نے ٹکے کے نیچے رکھی ایک ڈائری نکالی۔

”صاحب جی! میں نے آپ سے کہا تھا ناں مگر آپ نے میرا یقین نہ کیا۔“ وہ رونے لگی۔

”نہیں خیرن! اس میں جیننی کا کوئی قصور نہیں یہ میری سزا ہے۔ میں نے جو کیا اپنے ماں باپ کے ساتھ یہاں کا پھل ہے۔ بس وہ سب مجھے معاف کر دیں اور میرا رب بھی مجھے معاف کر دے۔“ خیرن کی آنکھوں سے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ جیننی اندر داخل ہوتے ہی دھاڑی اور خیرن جلدی سے ڈائری اٹھائے کمرے سے باہر نکل گئی۔

”عائشہ! اذان کہاں ہے؟ بس ایک بار مجھے اس سے ملوادو پلیز میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔“ وہ بڑی

ہوش میں آتے ہی جیننی نے اسے بتانا شروع کیا مگر وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہوا دانیال! آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“ وہ کھڑکیوں پر پردے ڈالتے ہوئے اس سے مخاطب تھی۔

”آج اماں لبا بہت یاد آ رہے ہیں پتا نہیں کیوں۔“ اس کا لہجہ دکھ سے بھر تھا۔

”دانیال! میں اور اذان ہیں ناں آپ کے پاس آپ خوش رہیں اور اپنی صحت کا خیال رکھیں اور جلد ٹھیک ہو جائیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور دانیال صرف سر ہلا کر مدہ گیا۔

دو دن گزر گئے تھے مگر اس کی حالت میں کوئی سدھار نہیں تھا اس دفعہ تو اس سے اٹھنا بھی مشکل تھا۔ ڈاکٹر آیا چیک کرنے دوائیں بھیج کیس اور چلا گیا۔

”عائشہ! دو دن ہو گئے میں نے اذان کو نہیں دیکھا پلیز ایک بار اسے لے آؤ۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اس کے لہجے میں التجا تھی۔

”دانیال! وہ آپ کو تنگ کرے گا اور ڈاکٹر مسلسل آپ کو آرام کا کہہ رہے ہیں ایک ہارٹھیک ہو جائیں پھر خوب جی بھر کر کھیلنا اذان کے ساتھ۔“ اس نے الماری میں کپڑے جماتے ہوئے کہا۔

”میں اب ٹھیک نہیں ہوں گا عائشہ! مجھے معلوم ہے۔“ دانیال نے مایوس ہو کر کہا۔

”آ..... آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟“ وہ یک دم بوکھا لگی۔

”بی بی جی! اذان بابا سیڑھیوں سے گر گئے ہیں۔“ باہر سے خیرن کے چیخنے کی آواز آئی اور وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلے۔

”عائشہ! کو مجھے بھی لے چلو..... عائشہ!“ دانیال نے نیچے سے چیختا رہ گیا۔ کمزوری کے باعث اس سے چہاٹھی نہیں جا رہا تھا۔ ”مجھے میرے بیٹے سے جدا مت کرو جیننی! میں مر جاؤں گا۔“ وہ اپنی بے بسی پر رو پڑا۔ اسے اپنے ماں بابا یاد آئے تھے۔

ضرور جانے گا کہ وہ کون ہے؟ اس کا اصل دین کیا ہے؟ وہ اپنی حقیقت سے دور نہیں رہ پائے گا میری آواز ہمیشہ اس کے کانوں میں گونجتی رہے گی ان شاء اللہ۔ مجھے یقین ہے اپنے رب پر وہ رہنمائی کرے گا اس کی وہ ذریعہ بنائے گا کسی کو اس کی ہدایت کا۔“ اس نے بڑے عزم لہجے میں کہا اور پھر آنکھیں بند کر کے بلند آواز میں کلمہ پڑھنا شروع کر دیا پٹیروں چھٹک کر وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے اور دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا کھڑکی میں سے ماچس کی تلی جلا کر اندر پھینکی کمرے نے فوراً ہی آگ پکڑ لی دانیال کی چیخیں پورے گھر میں گونج رہی تھیں مگر ان کے سفاک دلوں کو کچھ نہ ہوا تھا۔



جان کی آنکھیں آنسوؤں کے سبب دھندلا گئی تھیں اس کا دل چاہا کہ وہ خود کو شوٹ کر لے ظلم کی یہ داستان اس کی وجہ سے ہی تو رقم کی گئی۔ وہ ہی تو سبب تھا اس کا دل پھٹنے لگا اس کی برداشت جواب دے گئی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”جان! کہاں جا رہے ہو؟“ میری بات سنو۔ وہ ڈھیل چیخ کر چلا کر اس کے پیچھے آئے مگر وہ ان کی پہنچ سے بہت دور نکل گیا تھا اس نے کارنہر کے کنارے روکی اور اتر کر بہت تیز تیز چلنا شروع کر دیا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ہر منظر کو نوچ لے آج اس عورت کی حقیقت اس کے سامنے آتی تھی جسے وہ دنیا کی عظیم عورت مانتا تھا وہ زمین پر بیٹھا اور پاگلوں کی طرح گھاس نوچنے لگا اور مرد کے لوگ حیرت سے اسے دیکھنے لگے تقریباً سب ہی اسے جانتے تھے وہ اچانک ہی زمین سے اٹھا اور پھر نہر میں چھلانگ لگادی نہر کا پانی بہت گہرا تھا۔ دو لڑکوں نے اس کے پیچھے چھلانگ لگائی اور اسے ڈوبنے سے بچایا جب اسے ہوش آیا تو وہ اپنی خالہ کے گھر تھا اس کا کزن اسے وہاں لایا تھا۔

”کیوں بچایا مجھے..... میں جینا نہیں چاہتا..... مر جانا چاہتا ہوں میں۔ میرا دل پھٹ رہا ہے یہ سوچ سوچ کر کہ میں ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جس نے اپنے ہاتھوں اپنا

طرح گزرتا رہا تھا۔

”بند کرو اپنی بکواس..... میرا نام جینی ہے اتنے مہینوں سے یہ منحوس نام سن کر میرے تو کان ہی پک گئے ہیں اور وہ صرف میرا بیٹا ہے اور اس کا نام اذان نہیں جان ہے اور یاد رکھو یہ بات کہ وہ اپنی ماں کے دین پر چلے گا۔ تمہارا دین تو بہت دور تمہارا نام بھی کبھی نہیں جانے گا۔“ آج وہ کھل کر رہتا گئی تھی۔

”یہ تو بہت جاندار ہے جینی! اتنے نام سے اسے نہ ہر دیو جا رہا ہے مگر اب تک زندہ ہے۔“ جینی کے قادر بولے۔

”میرا دم میرے بیٹے میں اٹکا ہے ایک بار اس سے ملو اور میں خود بخود مر جاؤں گا۔“ وہ تڑپ کر بولا۔

”تمہارے اس اٹکے ہوئے دم کو ہم خود آ زادی دے دیں گے تم فکر نہ کرو باقا زبر یگینڈ کو فون تو کر دیا ناں۔“ آخر چوہان ہاؤس کے مالک کے کمرے میں آگ لگی ہے اسے وکی تو بھانے آئے گا۔“ جینی بے حد بے رحمی سے بولی۔

”آگ.....؟“ دانیال نے نم لہجے میں پوچھا۔

”ہاں میرے پیارے شوہر..... تمہارے اس کمرے میں آگ لگنے والی ہے اگلے کچھ لمحوں میں۔ ارے تم تو حیران ہو۔ ہے ہو گے کہ ہمیں کیسے پتا؟“ اس کا لہجہ اب بھی بے رحم تھا۔ ”کیونکہ وہ آگ ہم ہی لگانے والے ہیں۔“ اس نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔

”میرا تو ویسے ہی مر رہا ہوں مجھے اس طرح تڑپا تڑپا کر مت مارو پلیز انکل پلیز آئی میں.....“ وہ گزرتا لگا۔

”جینی دانیال! میں تمہیں اسی طرح تڑپا تڑپا کر ماروں گی تم جیسا دھوکے باز انسان یہی ڈیز روکتا ہے۔“ جینی نے نفرت سے کہا اور پھر اپنے ماں باپ کو اشارہ کیا انہوں نے پٹیروں کا گیلن کھول کر پٹیروں اور گرد اور بیڈ پر چھڑکنا شروع کر دیا۔

”میرا رب گواہ ہے جینی اس سب کا وہ خود انصاف کرے گا تم چاہ کر بھی سچ کو چھپا نہیں سکو گی۔ میرے مر جانے سے تمہارا اصل چہرہ نہیں چھپ پائے گا۔ میرا بیٹا

وہ میری بیٹی کو..... بس اسی خوف سے میں کبھی کبھار نہ بول پائی۔ بڑے صاحب کے گل میں پولیس کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا اس لیے میں نے خاموش رہنے میں عافیت سمجھی۔ وہ ڈائری اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ڈائری پکڑی۔

”آپ کو کس نے بتایا صاحب؟“ انہوں نے پھر کہا مگر وہنا کوئی جواب دینے ان کے کمرے سے نکل گیا۔



گھر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے کچھ آوازیں سنی تھیں وہ دو دن بعد گھر آئیں پرس پھیل پر رکھ کر وہ آگے بڑھیں آواز اوپر اداری سے آ رہی تھی۔ ان کا ماتھا ٹکا وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ جان سب کچھ جان چکا ہے۔ وہ تیز سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر پہنچیں ایک ملازم تھوڑا لیے دانیال کے کمرے کے تالے پر ضرب لگا رہا تھا اور جان سینے پر ہاتھ باندھنا سدا کیجھا تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے جان؟“ وہ پوری قوت سے چلا تھیں اور تیز قدم اٹھانی وہاں تک پہنچ گئیں۔ ان کی آواز پر ملازم رک رکھ کر جان کو کیٹھے لگا۔

”تم اپنا کام کرو۔“ جان نے کرخت لہجے میں کہا۔ ”یہ کیا بد تیزی ہے جان! تم میری بات کی مخالفت کر رہے ہو میں نے تمہیں اس کمرے سے دور رہنے کے لیے کہا ہے اور تم.....“

”تاکہ آپ کی اصلیت مجھ سے چھپی رہے ہے ناں مس جین ڈسوزل“ جان نے ان کی بات کاٹتے ہوئے نفرت سے بھرپور لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

”کک..... کون سی اصلیت؟“ وہ بُری طرح ہکلا تھیں۔

”وہی اصلیت جو بائیس سال سے آپ نے چھپائی۔ دانیال اختار چوہدری کی اصلیت.....“ اس کے لہجے کی کڑواہٹ ان کا خون خشک کر گئی تھی دروازہ کھل چکا تھا

گھر جاہ کیا کیوں کیا انہوں نے ایسا؟ کیا قصور تھا میرے پایا کا؟ میں انہیں بھی معاف نہیں کروں گا وہ میری ماں کہلانے کے لائق نہیں ہرگز نہیں۔ وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا اس کی ماسی ماں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

”بس میرے بچے بس..... صبر کرو..... جان! صبر کرو۔“ انہوں نے، بڑی مشکل سے اسے سنبھالا اسے سکون آورا بنگیشن دیا تو وہ چند لمحوں بعد پھر بے سدھ ہو گیا۔ صبح جب وہ اٹھا تو اس کی حالت کسی حد تک بہتر تھی۔

”بہت سمجھایا تھا میں نے انہیں لیکن ان تینوں نے میری ایک نہیں سنی ان پر صرف بدلے کا بھوت سوار تھا۔“ انہوں نے افسوس سے کہا۔

”انہوں نے جو کیا سو کیا لیکن اب جو میں کروں گا وہ جینی ڈسوزا کو آخری سانس تک بھگتتا بڑے گا۔“ اس نے نفرت سے منہ لہجے میں کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

”تم ان کی عمر کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو اسے سچائی سے ہارنا پڑتا ہے۔“ انہوں نے جان کو جاتا دیکھ کر سوچا۔



”خیرن بی..... خیرن بی.....“ اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی بہت تیز آواز میں پکارا۔

”صاحب! اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ آج نہیں آئیں۔ سرورٹ کو آرڈر میں ہی ہیں۔“ خیرن بی کی بیٹی نے کہا وہ اٹھ لے قدم باہر نکلا اور سرورٹ کو آرڈر کی طرف بڑھ گیا۔

”خیرن بی.....“ جیسے وہ ڈائری دیں جو میرے پلکانے مرتے وقت آپ کو دی تھی۔“ اس نے بہت تیز لہجے میں کہا وہ حیرت سے سانس دیکھنے لگی تھیں۔

”میں نے کچھ کہا ہے آپ سے؟“ اس نے سخت لہجے میں کہا انہوں نے دیکھا اس کی آنکھیں غم کی شدت سے سرخ ہو رہی تھیں مگر وہ بنا کسی سوال کے اپنی الماری کی طرف بڑھ گئیں اور کپڑوں کے نیچے رکھی ایک بلیک رنگ کی ڈائری اٹھا کر لے تھیں۔

”میں نے بہت جاہا صاحب آپ کو یہ دینا مگر بی بی جی نے مجھے مسمک دی گی کہ اگر میں نے آپ کو کچھ بتایا تو

جان انہیں ساکت حالت میں کھڑا چھوڑ کر کمرے میں داخل ہو گیا اور خود ان کے ذہن میں ایک ہی سوچ گردش کرنے لگی تھی کہ شاید وہ اب اپنے بیٹے کو ہمیشہ کے لیے کھو دیں گی۔



کمرے کا کوئی بھی حصہ ایسا نہیں تھا جو چلنے سے بچ گیا ہو۔ کچھ چیزیں مکمل طور پر جل چکی تھیں اور کچھ ادھ جلی ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں کمرے میں ہر جگہ بڑے بڑے جالے لگے تھے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے اپنے کانوں میں وہ دل فراش جینیں سنائی دے رہی تھیں آج وہ کچھ رہا تھا اس کمرے سے آنے والی آوازوں کی وجہ کوئی اتنا سخت دل پیسے ہو سکتا ہے اسے ایک ہار بھر عم کا دورہ پڑنے لگا اس کا دل جاہا کہ ہر شے کو توڑ دے اس کی آنکھوں سے آنسو پانی کی طرح بہ رہے تھے اس نے ادھ جلی الماری کی طرف اندر بڑھائے اس میں موجود تقریباً تمام چیزیں جل چکی تھیں مگر اس نے دیکھا ایک گہرے ہرے رنگ کے کپڑے، میں کوئی کتاب بندھی رکھی گئی آگ اور مٹی سے محفوظ تھی اس نے کپڑے میں بندھی ہوئی وہ چیز اٹھائی اس کے نیچے بھی اسے کچھ نظر آیا شاید وہ کوئی تصویر تھی اس نے اٹھا۔ دیکھا تصویر کچھ دھندلائی ہوئی تھی اس نے تصویر کو صاف کیا ایک شخص اسے ہو بہو اپنے جیسا لگا وہ یقیناً اس کے باپا تھے۔ ان کے ساتھ ایک ہاؤس اور ایک خاتون بھی۔ خاتون کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی اس لڑکی کے خدو خال اسے کچھ واقف محسوس ہوتے تھے۔

”کہاں دیکھا ہے میں نے یہ چہرہ.....“ وہ سوچ کے گھوڑے دوڑانے لگا۔

”یہ تصویر تو بہت پرانی معلوم ہوتی ہے پھر کہاں مل سکتا ہوں میں اس لڑکی سے اور اب تک تو یہ لڑکی ایک خاتون بن چکی ہوگی۔“ اس کے ذہن میں ایک تمہا کا سا ہوا۔

”باہر بہت ٹھنڈ ہے اندر جاؤ میری بیٹی کا نام عالیانہ عباد ہے۔“ اہمات اس کے ذہن میں گھوم کر رہ گئی جب وہ

عدیل کے ساتھ عبیرہ کے گھر گیا تھا۔
 ”اوہ مائی گاڈ.....“ حیرت کے سبب اس کے منہ سے نکلا۔ ”اگر یہ لڑکی عبیرہ کی مدد ہے تو ان کا میرے بابا سے کیا رشتا ہے؟“ اس کا ذہن الجھا۔ ”اس کا جواب خیرن بی دے سکتی ہیں۔“ وہ تصویر اور ہرے کپڑے میں بندھی وہ چیز لیے خیرن بی کے پاس پہنچا وہ تصویر دیکھ کر خیرن بی نے جو رشتہ بتایا اس نے جان کو ہلا کر رکھ دیا۔ عبیرہ کی ماما اس کے بابا کی بہن تھیں۔ وہ گھر سے باہر جانے والی بیٹیوں پر آ بیٹھا۔

”قدرت بھی کیا راز انسان پر کھولتی ہے کہ وہ کچھ بولنے کے لائق نہیں رہتا۔ میں بھی آج کچھ بولنے کے لائق نہیں رہا اگر وہ میرے اتنے قریبی رشتوں میں سے ایک بھی تو پھر یہ بات مجھے اس کے جانے کے بعد کیوں پتا چلی؟ اگر مجھے یہ بات پہلے پتا چلتی تو میں کبھی بھی اسے جانے نہ دیتا۔“ اس نے حسرت سے سوچا اور پھر اٹھنے لگا تبھی اس کی نظر ہاتھوں میں موجود ہرے کپڑے میں بندھی اس چیز پر پڑی اس نے وہ کپڑا کھولا اندر سے بلیک رنگ کی ایک کتاب نکلی جس کے فرٹ کور پر گولڈن رنگ سے چاروں طرف باؤنڈری بنی تھی گولڈن رنگ کے پھول بنے تھے جن میں مختلف رنگ بکھرے تھے گولڈن سے ہی پھولوں کے درمیان کچھ لکھا تھا مگر وہ زبان جان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس نے کتاب کھول کر دیکھا تو پہلے ہی صفحے پر اردو میں لکھا تھا۔

”قرآن کریم۔“ یہ نام پڑھ کر جان کو ایک جھٹکا لگا یہ نام اس نے عبیرہ کے منہ سے کئی بار سنا تھا مگر وہ پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا یہ وہ عظیم کتاب تھی جو عبیرہ کو حرف بہ حرف یاد تھی۔ نہ جانے کیا رعب تھا اس کتاب میں جان کا دل بہت تیز دھڑکنے لگا۔ اس نے وہ کتاب دو بارہ اسی ہرے کپڑے میں لپیٹ دی وہ کتاب یقیناً بہت باہر کت جلال و قدرت اور رحمت والی کتاب تھی۔ اسی لیے وہ اسے مزید نہیں دیکھ پایا تھا اور نہ ہی خود کو اسے چھونے کے لائق سمجھ رہا تھا۔

بابا کی ڈھچھ ہو گئی ہے۔“ ملازمہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔
 ”کیا.....؟“ وہ تیزی سے کمرے سے باہر کی طرف بڑھ گئیں۔



”میں نے کہا تھا ناں آپ سے مسٹر جان! کس آپ بہت جلد مجھ سے ملیں گے۔“ وہ اس وقت پروفیسر خالد عیسیٰ کے کانس میں بیٹھا تھا جہاں کچھ عرصہ پہلے سنیٹیا آئی تھی۔ عیصرہ کے ساتھ اسلام قبول کرنے۔
 ”پ کو اور عیصرہ کو آنے والے وقت کا اندازہ کیسے ہو جاتا ہے آپ لوگوں کے دلوں کو کیسے پڑھ لیتے ہیں؟“ جان کا لہجہ الجھا ہوا تھا وہ مسکرائے۔

”یہ ہمارا اپنے رب پر یقین ہے کہ ہم صرف اندازہ لگاتے ہیں اور وہ ہمارے اندازوں کو پورا کر دیتا ہے۔ اللہ عزوجل کی ذات ایک یقین ہے اس پر انسان جتنا زیادہ یقین کرتا ہے اسے خود سے بہت قریب پاتا ہے۔“ ان کا لہجہ بہت ٹھنڈا اور معطر تھا۔

”آپ کی باتیں بالکل عیصرہ جیسی ہیں۔“ جان نے مدح لہجے میں کہا۔

”میری نہیں عیصرہ کی باتیں میری جیسی ہیں کیونکہ عیصرہ میری اسٹوڈنٹ ہیں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”آپ جانتے ہیں عیصرہ اور اس کی نیلی کے ساتھ جو ہوا؟“ نہ جانے کیوں اس نے یہ سوال کیا۔

”ہاں جان! مجھے معلوم ہے اور مجھے اس کا بہت دھ ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اللہ پاک عیصرہ کو اس کی اتنی قربانیوں کا بہت بہترین انعام دے گا۔“ انہوں نے اسے بخور دیکھتے ہوئے کہا اور وہ کچھ کھنکھنایا۔

”دیسے آپ میرے پاس کس لیے آئے ہیں اسلام قبول کرنے؟“ انہوں نے بلا جھجک کہا اور وہ چند ٹاپے انہیں دیکھا رہا پھر مخاطب ہوا۔

”نہیں..... کیونکہ میں مسلمان ہوں اور میرا نام اذان ہے۔“ اس کی یہ بات انہیں چونکا گئی۔

”جان! میرا یقین کرو میں نے جو کچھ کیا صرف تمہارے لیے کیا، تمہیں پانے کے لیے۔“ وہ اچانک ہی اس کے کمرے میں آ کر بولنا شروع ہو گئیں۔ جان اس وقت اپنی الماری میں کچھ ڈھونڈنے میں مصروف تھا اس نے ان کی بات نظر انداز کر دی اور اپنے کام میں مصروف رہا۔

”جان! میں تم سے بات کر رہی ہوں۔“ انہوں نے اس کا بازو پکڑا اور جان نے ایک سر دنگا ان کے ہاتھ پر ڈالی۔ اس کے اس طرح دیکھنے پر انہوں نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور وہ ایک بار پھر کچھ ڈھونڈنے میں مصروف ہو گیا۔ انہوں نے دیکھا اگے لمحے ہی اس کے ہاتھ میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ تھا۔

”جان! ایک بار میری بات تو سن لو۔“ انہوں نے ایک بار پھر اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر جان نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”نفرت ہے مجھے آپ سے گھن آتی ہے آپ سے۔“ میں آپ کو اپنی ماں تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں میں صرف اور صرف دائیال انکار چوہدری کا بیٹا ہوں۔ اس انسان کا جس کی محبت کا خون کیا آپ نے۔ وہ انسان جو یہ جانتا تھا کہ آپ اسے ہر دے رہی ہیں مگر پھر بھی اس نے وہ زہر پیا کیونکہ وہ خود کو سزا دینا چاہتے تھے کہ انہوں نے آپ جیسی عورت کے لیے اپنے محبت کرنے والے ماں باپ کو چھوڑا۔“ جان نے، اٹھکھار آ نکھوں سے کہا۔

”یہ جھوٹ ہے جان! تمہیں میرے خلاف بھڑکایا جا رہا ہے۔“ انہوں نے جھوٹ کا سہارا لیتا چاہا۔

”یہ سچ ہے کس جینی ڈسوزا کیونکہ یہ سب کچھ میرے بابا نے اپنی سستی زندگی کے آخری ایام میں اپنی اس ڈائری میں لکھا تھا اور مرنا ہوا آ دن کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔“ اس نے ڈائری ان کی نگاہوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا وہ کچھ بول نہ سکیں۔

”بی بی جی! آپ کے گھر سے فون آیا تھا آپ کے

سے کہتے چلے گئے اور پھر انہوں نے آنکھیں بند کیں۔ انہوں نے پہلا کلمہ پڑھنا شروع کیا اور جان نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ایک ہی سانس میں پڑھا اس نے پڑھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کی کیونکہ یہ کلمہ گئی بارود خواب میں جیرہ کے ساتھ دہرا چکا تھا اور اس وقت بھی پڑھتے ہوئے اس کے کانوں میں جیرہ کی آواز گونجی مگر اس نے نظر انداز کر دی اس کی آواز وہ شرک سے محفوظ رہتا چاہتا تھا اور یقیناً کہیں نہ کہیں جیرہ کی محبت اسے شرک محسوس ہوئی تھی اور وہ نم آنکھوں سے مسکرا رہا تھا بہت سکون محسوس ہو رہا تھا۔

”مجھے بہت سکون مل رہا ہے مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے ہر خواب کو تعبیر مل گئی ہو جن میں میں نے خود کو اندھیروں ویرانوں اور دلدلوں میں پایا اور پھر نور کی ایک روشنی کو اپنا رہنما پایا۔ کیا میں اندھیروں میں تھا اب تک؟ ہاں یقیناً.....“ وہ بے خود ہو کر کہہ رہا تھا وہ مسکرا دیتے۔

”آپ اپنا نام اذان ہی رکھنا چاہیں گے؟“ انہوں نے متبسم لہجے میں پوچھا اور وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

”مجھے احمد نام بہت پسند ہے اس کے معنی ہیں سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔“ اسے جیرہ کا ایک اسٹوڈنٹ کو کہا جانے والا جملہ یاد آیا۔

”کیا میرا نام احمد اذان ہو سکتا ہے؟“ اس نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

”کیوں نہیں بہت خوب صورت امتزاج ہے تو آج سے آپ احمد اذان ہیں احمد.....“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ مسکرا دیا۔



صبح اٹھتے ہی اس نے سب سے پہلے کلمہ پڑھا دو سے تین بار یہ یقین کرنے کے لیے کہیں وہ بھول تو نہیں گیا مگر اسے یاد تھا اس نے نہانے کے دوران بھی کلمہ پڑھا اور سر کے بال سے لے کر پاؤں کے ناخن تک پورے جسم کو اس طرح رگڑ رگڑ کر دھویا جیسے وہ پانی کے ساتھ جسم کا میل ہی نہیں بلکہ شرک اور گناہوں کی گندگی کو بھی دور کر رہا ہو آج

”مسلمان.....؟ اس دن جب میں نے آپ سے کہا تھا تو آپ کو بہت غصا آیا تھا۔“ انہوں نے نہ بگھنے والے لہجے میں کہا۔

”کیونکہ اس دن مجھے بھی نہیں معلوم تھا کہ میں مسلمان ہیں۔“ جان نے اسی طرح کہا۔

”کیا مطلب؟“ وہ حیرت زدہ رہ گئے اور جان نے کچھ ۳ پتے ہوئے دھمے دھمے انہیں سب کچھ بتانا شروع کیا۔ اس کے بات کرنے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوئے۔

”بے شک آپ پیدائشی اور وراثی طور پر مسلمان ہیں مگر عملی طور پر آپ اتنے سال سے عیسائی ہیں کیا آپ کا مسلمان ہونا یا نہ ہونا ایک برابر ہے۔“ انہوں نے توجیح پیش کی۔

”تو آپ کے مطابق مجھے اسلام قبول کرنا چاہیے؟“ جان کا انداز سوالیہ تھا۔

”جی ہاں کیوں کیا آپ ایسا نہیں چاہتے؟“ انہوں نے جانچنے والے لہجے میں کہا۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے مسٹر عباسی! کیونکہ میں نے جیرہ سے کہا تھا کہ میں اس کے لیے مسلمان ہونا چاہتا ہوں تب جیرہ نے مجھے دھوکے باز کہا تھا مجھے ڈر ہے کہ اب جیرہ کا رتبہ بھی مجھے ہی نہ سمجھ بیٹھے حالانکہ اب میں جیرہ کو پالنے کے ارادے سے اس دین میں داخل نہیں ہو رہا بلکہ اس ہستی کو سمجھنے کے لیے اس دین کا حصہ بننا چاہتا ہوں جس سے جیرہ بے رحمت کرتی ہیں۔“ جان نے اپنے دل کی ہر بات ان سے بیان کر دی تھی۔

”تمہیں پتا ہے جان اللہ پاک بے نیاز ہے وہ دلوں کے حال جانتا ہے مجھے یقین ہے کہ تمہارے اس ڈر پر ہی اس نے تمہیں بخش دیا ہوگا۔ تم اس کی اپنے بندے سے محبت کو سمجھ نہیں پاؤ گے۔ وہ ستر ماؤں کے برابر اپنے ایک بندے سے پیار کرتا ہے اور جب وہ ہم سے اتنی محبت کرتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی صرف اسی سے ایسی محبت کریں جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔“ وہ انتہائی جذب



”مذاق کر رہے ہو ہیں ناں.....“ اس نے تصدیق چاہی تھی۔

”نہیں۔“ اس نے اب بھی اسی انداز میں کہا اور اپارٹمنٹ سے باہر نکل گیا۔



”اللہ پاک کی حمد و ثنا کا بیان اس کی مخلوق کے اختیار سے باہر ہے۔ خود اللہ پاک اپنے نور کا بیان اس طرح فرماتا ہے: ”اللہ نور ہدایت دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور ہدایت کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے اور اس میں ایک چراغ ہے (اور) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے (اور وہ قندیل طاق میں رکھا ہے اور) وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) ہے جیسے ایک چمک دار ستارہ ہو (اور) وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون (کا درخت) ہے جو (کسی آڑ کے) نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھتم رخ ہے۔ اس کا تیل اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے خود بخود جل اٹھے گا اور جب آگ بھی لگ گئی تب نور اعلیٰ نور ہے اور اللہ اپنے اس نور ہدایت تک جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے یہ مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

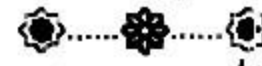
ان جملوں کے ساتھ پوری محفل سبحان اللہ کے نعروں سے گونج اٹھی وہ سب سے پیچھے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھا مسٹر عباسی کے گھر شاید درس تھا وہ ایک اونچی کرسی پر بیٹھے تھے اور باقی تمام لوگ قائلین پر۔

”نور ہدایت۔“ وہ سوچنے لگا اسے ہر بار ایک نور دکھایا گیا وہ اس نور سے محروم نہیں رکھا گیا اور اس نور ہدایت کا ذریعہ دو لوگ بنے تھے ایک جیمرہ اور دوسرے اس کے باپ۔ اس دن اسپتال میں اس نے انہی کو تو دیکھا تھا خواب میں۔ وہی تو تھے جنہوں نے اسے اس

نہا کر اسے جو سکون ملا وہ شاید پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کلمہ اب بھی اس کے دل میں جاری تھا۔ اس نے اپنی الماری کھول کر اس میں رکھا قرآن پاک نکالا آج اس پاک کتاب کو ہاتھ لگاتے ہوئے اسے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا بلکہ تسکین مل رہی تھی۔

”آج مجھے سمجھ آ گیا ہے جیمرہ! کہ آپ اتنی بے سکون کیوں رہتی تھیں۔ حقیقتاً دین کی جامعیت اس کا مکمل ہونا آپ کو بے سکون رکھتا تھا جیسے آج میں بھی بہت بے سکون ہوں۔“ اس نے سوچتے ہوئے قرآن پاک کھولا اور اوراق کو بخوردیکھنے لگا گو کہ آج بھی وہ زبان سمجھنے سے قاصر تھا مگر آج اسے دیکھتے ہوئے اذان کو راحت مل رہی تھی۔

وہ جلد از جلد گھر چھوڑنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے خود پہلے کوئی جا ب تلاش کرنی تھی اسی لیے دو تین کمپنیز میں اس نے اپنی سی وی سینڈ کی تینوں ہی جگہ سے اسے مثبت جواب ملا تھا۔ اس نے ایک رپورٹر کی حیثیت سے شہر کی مشہور ادارے کو جوائن کر لیا۔



وہ زندگی میں پہلی بار ایسے دور میں آیا تھا جہاں وہ ہر اس آرام اور آسائش سے محروم ہو گیا تھا جو وہ آج تک دیکھتا آیا تھا مگر وہ پھر بھی مطمئن تھا۔ کمپنی کی طرف سے ملنے والا اپارٹمنٹ اس کے ساتھ تین اور لوگ شیئر کرتے تھے۔ آفس سے آنے کے بعد وہ اپنے لیے کھانا بھی پکاتا اور ہر کام کرتا تھا۔ رات وہ جیمرہ کی وی ہوئی کتاب پڑھتا گو کہ اس کتاب کو وہ کئی بار پڑھ چکا تھا۔

”اذان! تم اتنے مذہبی ہو مگر میں نے کبھی تمہیں نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔“ آج ویک اینڈ ٹائٹ تھی اس کے تینوں کولیگز بھی گھر پر ہی تھے ان میں سے ایک نے اچانک ہی اسے مخاطب کیا۔

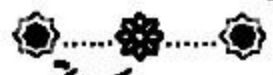
”نماز.....؟“ اس نے نہ سوچ لہجے میں کہا۔

”ہاں کیوں تمہیں نماز نہیں پتا؟“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”نہیں.....“ اذان نے یک لفظی جواب دیا۔

دو پیشانی کو زمین پر گڑ کر (سجدہ) کیا جائے اور یہ تمام کام ایک ساجد کے فرائض ہیں اور بنیادی طور پر یہی نماز ہے۔ انہوں نے دھمے لہجے میں کہا۔

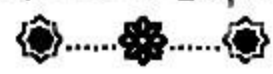
”نماز کے فرائض اس کے ظاہری ارکان ہیں اور باطنی ارکان نماز کی روح ہیں یعنی جب انسان اپنے واحد و دانا رب کے روبرو قیام میں ہو تو دل سے یہ تسلیم کرے کہ وہ عظیم الشان ہے اور ہم کچھ بھی نہیں۔ جب رکوع میں جھکے تو یہ احساس بندگی حاوی ہو کہ ہم با اختیار نہیں حقیقی اختیار صرف رب کائنات کے پاس ہے اور وہ جیسے چاہے ہمیں جھکائے اور جب سجدہ میں جائے تو اس بات کو ذہن نشین کرے کہ ہم اسی مٹی سے تخلیق کیے گئے ہیں اور ہمیں اس مٹی میں ملنا ہے۔ یہی ہماری حقیقت ہے جب ان جذبوں اور احساسات کے ساتھ انسان اپنے رب کے روبرو جھکتا ہے تو وہ رب کائنات سے اپنے مقرب اور صالح بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔ وہ ایک تسلسل سے کہتے چلے گئے اور اس کا دل ان کی ہر بات کو اپنے اندر جذب کرتا چلا گیا۔



بہت جلد ہی اس نے نماز سیکھ لی تھی اور دین اسلام کے دوسرے ارکان کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں۔ مسٹر عباسی کی بدولت اسے ایسی اسلامک بکس پڑھنے کا موقع ملا جن کی وجہ سے اس کے ذہن کی تمام انجمنیں دور ہو گئی تھیں۔ وہ جان چکا تھا کہ وہ جس راستے پر تھا وہ ایک تاریک راستا تھا ویسا ہی تاریک راستا جس پر وہ خواب میں چلتا تھا۔ جس کے اختتام پر ایک ننگ گلی آتی تھی آج وہ اس ننگ گلی کا اور دل کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

”جہنم۔“

مسٹر عباسی کے پاس ہی اس نے قرآن پاک پڑھنا تفسیر سمجھنا اور قرأت بھی سیکھنا شروع کیا تھا ایک سال گزر چکا تھا اس دوران کئی بار اس کی ملاقات عدیل سے ہوئی تھی عدیل اس کے اسلام قبول کرنے سے بہت خوش تھا۔



دل دل سے نکالا تھا اس کے قلب کو یاد دلا یا تھا کہ وہ جیتتا ایک مسلمان کا دل ہے۔

”السلام علیکم اذان!“ مسٹر عباسی کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں۔ محفل برخاست ہو گئی تھی اور لوگ جا چکے تھے۔

”وعلیکم السلام۔“ اس نے سیدھے ہو کر بیٹھے ہوئے کہا۔

”خیریت، ایک مہینہ بعد آپ کو ہم کیسے یاد آگئے؟“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”میں نماز سیکھنا چاہتا ہوں۔“ اس نے بلا توقف کہا۔

”اچھی بات ہے لیکن نماز سیکھنے سے پہلے آپ کو یہ پتا ہونا چاہیے کہ نماز کا مقصد کیا ہے؟ آخر کیوں نماز پڑھتا ہے اللہ کا بندہ؟ اور کیوں اسے ارکان اسلام میں دوسری بڑی حیثیت دی گئی ہے؟“ وہ ایک تسلسل سے بول رہے تھے۔

”مجھے نہیں معلوم شاید ثواب کے لیے۔“ اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔

”ثواب کمانے کے تو بہت سے طریقے ہیں ایک بار سبحان اللہ کہو تو بھی ثواب ملے گا۔ راستے سے پھر ہٹاؤ تو بھی ثواب ملے گا غرض یہ کہ جو بھی کام اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اسے ثواب ملے گا تو پھر آخر نماز کی ضرورت کیوں ہے؟“ انہوں نے اس کی توجیہ کو غلط قرار دیا اب کئی بار وہ خاموش رہا۔

”اذان! نماز کے مقصد کو سمجھنے کے لیے ہمیں پہلے یہ پتا ہونا چاہیے کہ مسجود (جس کو سجدہ کیا جائے) کون ہے اور ساجد کون؟ مسجود کے کیا حقوق ہیں اور ساجد کے کیا فرض؟“ انہوں نے نرمی سے کہا۔

”مسجود صرف ایک ہی ہستی ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے جب کہ ساجد ہم سب ہیں جو اسے مانتے ہیں۔ مسجود کا یہ حق ہے کہ صرف اسی سے مانگا جائے اس کے آگے جھکا جائے اس سے اپنی محبت کا اظہار بہت تابعداری سے کھڑے ہو کر (قیام) گھٹنوں پر جھک کر (رکوع) اور ناک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”وہاں ایک عورت بیٹھی تھی ہم اس سے بھی پوچھیں اس کی داستان۔“ کیرہ مین نے اس کی توجہ دلائی اس نے پلٹ کے دیکھا۔

”ہاں چلو۔“ انہوں نے پیش قدمی کی۔

”استلام علیکم ماہاں جی!“ اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

اس عورت نے سر اٹھا کر دیکھا اور وہ یکدم خاموش ہو گیا۔

”کیا ہوا سر!“ کیرہ مین نے اسے مخاطب کیا۔

”کیرہ بند کر دو۔“ اس کا لہجہ دباؤ دہا تھا۔

”کیا؟“ کیرہ مین نے حیرت سے کہا۔

”کیرہ آف کر دو۔“ اس کا انداز سخت تھا۔ کیرہ مین پیچھے ہٹ گیا وہ اسے پہچان چکی تھیں۔

”جان..... تم..... میری جیرہ.....“ وہ رونے لگی تھیں۔

”میں اب جان نہیں ہوں آنٹی! میرا نام اذان ہے اذان دانیال۔ میں دانیال افتخار چوہدری کا بیٹا ہوں آپ کے بھائی کا بیٹا۔“ اس نے ان کے برابر بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”تم دانیال بھائی کے بیٹے ہو؟“ ان کے لہجے میں حیرت درخوشی تھی۔ ”میرے دل نے کہا تھا اس رات کہ تم دانیال بھائی کے بیٹے ہی ہو گے یقیناً تمہارا چہرہ تمہاری آواز ہر انداز دانیال بھائی جیسا ہی ہے۔ میں چونکی تھی مگر کہہ نہیں پائی تھی۔“ انہوں نے روتے ہوئے اسے اپنے گلے لگا لیا۔ وہ اسی دن انہیں اپنے ساتھ اپنے فلیٹ پر لے آیا جو اسے پریموشن کے طور پر اس کے ادارے کی طرف سے ملتا تھا اور ساتھ ہی ایک نیو براٹھڈ کار بھی۔ اس نے انہیں سب کچھ بتایا دانیال کے بارے میں بھی اور جینی کے بارے میں بھی اور جیرہ کے بارے میں پوچھنے پر اس نے اس رات اپنے اور جیرہ کے درمیان ہونے والی باتیں اور پھر جیرہ کے کلاہا ہو جانے کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

”اذان! آج تمہیں ایک اہم رپورٹنگ کے لیے جانا ہے چوہان کپنی کا ریویو لیا ہو گیا ہے تمہیں اس کی مالکن سے ملنا ہے اور اس کی وجہ پوچھنی ہے اور انٹرویو کرنا ہے۔“ اس کے منہ نے اسے اپنے آفس میں بلایا تھا وہ کچھ لمحے بول نہیں پایا۔

”سر! میں وہاں نہیں جاسکوں گا آپ کسی اور کو بھیج دیں۔“ اس کا دماغ ماؤف سا ہونے لگا۔

”کیا مطلب نہیں جاسکتے؟“ منیجر نے نہ سمجھنے والے لہجے میں کہا۔ وہ پھر خاموش ہو گیا۔

”اذان! کیا بات ہے آج تک تم نے بہت اچھا کام کیا ہے کبھی کسی کام سے منع نہیں کیا پھر آج..... کوئی پرابلم ہے؟“ منیجر نے نرم پڑتے ہوئے کہا۔

”ایک پرسنل میٹر ہے سر! آپ کیر کو بھیج دیں۔“ اس نے بہانہ بتایا اور منیجر نے مزید کچھ نہ پوچھنا مناسب سمجھا۔ وہاں سے نکل کر اس نے سب سے پہلے ماسی ماں کو فون کیا اور انہیں کہا کہ وہ جینی کو اپنے پاس رکھیں اور جینی کے تمام اخراجات کی ذمہ داری وہ خود اٹھائے گا۔

دن رات یونہی گزر رہے تھے قرآن پاک مکمل کرنے کے بعد اب وہ حفظ پر کار بند ہو چکا تھا۔ مسٹر عباسی اسے مختلف محفلوں میں بھی لے جاتے اور ان کے ساتھ ہی وہ پہلی رنج پر بھی گیا۔ دل کی کیفیات اس پاک دربار میں پہنچ کر ناقابل بیان ہو گئی تھیں اس کی آنکھوں سے آنسو لہو بھر بھی خشک نہ ہوئے تھے سر شرمندگی اور ندامت کے احساس سے جھکا جا رہا تھا کیادہ اس لائق تھا کہ یہاں کھڑا ہوتا کیا اس کا گزشتہ ہر گناہ معاف کر دیا گیا اس نے بابا کی اور جیرہ کی طرف سے حج کیا اور بابا کی مغفرت اور جیرہ کی سلامتی کی دعا میں بھی مانگی تھیں۔

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

”علیکم السلام؟“ ان دونوں نے مسکرا کر جواب دیا۔
”آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“ طوبی نے ان کے برابر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

”اب تو بالکل ٹھیک ہے۔“ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔
”پلیز آپ رو میں مت مجھے دکھ ہوتا ہے اور شرمندگی بھی کتاب کو میں پہچان نہیں پارہی۔“ اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

”ارے نہیں بیٹا! یہ تو خوشی کے آنسو ہیں تم اتنی اچھی جگہ ہو تمہیں خوش دیکھ کر میرے دل کی وہ بے چینی اور خوف دور ہو گیا بس جلد تمہیں دلہن کے روپ میں دیکھ لوں تو دل ہر فکر سے آزاد ہو جائے گا۔“ انہوں نے وضاحت پیش کی اور وہ مسکرا کر رہ گئیں۔



”وائٹ کاشن کا سوٹ گرین اور بلو فلور کا پٹکا اور پشاوری سینڈل! کیا بات ہے جناب! کہاں کی تیری ہے؟“ کاشان نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔
”یہ پٹکا مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ چھوڑا سا لگ رہا ہے۔“ اس نے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

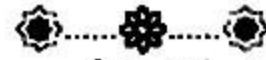
”چھوڑا نہیں انسانوں والا لگ رہا ہے۔ ویسے جا کہاں رہے ہو؟“ اس نے ایک بار پھر پوچھا۔
”کہاں نے زبردستی پہنا دیا میں نے منع بھی کیا تھا۔“ وہ اپنی ہی کہتے ہوئے کاشان کی بات کو نظر انداز کر رہا تھا۔

”ارے یار اتنے ہنڈسم لگ رہے ہو محفل کی لڑکیاں تو تمہارے ہی پیچھے ہوں گی۔“ اس نے بلا جھجک تبصرہ کیا اور اذان نے گھور کر اسے دیکھا۔

”اچھا بابا سوری! مذاق کر رہا تھا ویسے اب تو بتا دو جا کہاں رہے ہو؟“ اس نے ایک بار پھر پوچھا۔ اذان نے ایک بار پھر اس کی بات کو نظر انداز کیا اور ڈوہڑا بیٹھنے کی طرف اچھا تالماری کی طرف بڑھا اور الماری میں سے ایک بلیک رنگ کی شال نکال کر اپنے کندھوں پر ڈال لی۔

”ہوں اب لگ رہا ہوں میں احمد اذان!“ اس نے

نے سب سے پہلے عیبرہ کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس نے خود کو مزید مصروف کرنے کے لیے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر اپنا ذاتی چینل لائیو کیا جو چند مہینوں میں ہی بہت کامیاب ہو گیا تھا۔ بہت کم وقت میں وہ شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگا تھا مگر جس قدرت شہرت اسے ملی تھی اس کے انداز میں اتنی ہی سادگی اور عجز آ گیا تھا۔ وہ..... اب وہ انسان نہ رہا جسے اللہ کی محبت کا علم نہ تھا آج وہ اپنے ہر سوال کا جواب جان چکا تھا آج اسلام نولے کر اس کے ذہن میں کوئی الجھن باقی نہ رہی تھی وہ ایک مکمل صالح مسلمان بن گیا تھا۔



”ہم آپ کی بیٹی کو لینے نہیں صرف ملنے آنے ہیں آپ بے فکر رہیں مسز یا مین!“ وہ کچھ لمحات قبل ہی اپنی اماں کے ساتھ طوبی کے گھر آیا تھا۔ وہ طوبی سے ملنا چاہتی تھیں۔

”نہیں نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو خود آنے والی تھی آپ دونوں کو طوبی کی شادی کے لیے مدعو کرنے آئے بیٹھے۔“ انہوں نے لاؤنج میں رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کیا اور ایک ملازم سے طوبی کو بلانے کے لیے کہا۔

”کیسی طبیعت ہے آپ کی؟ طوبی بتا رہی تھی کتاب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“ وہ اب اذان کی اماں سے مخاطب تھیں۔

”ہاں اب تو بہتر ہے۔ عالیانہ کی شادی طے ہو گئی ہے؟“ انہوں نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

”ہاں! طوبی کے بابا کے دوست کا بیٹا ہے۔ بچپن سے دیکھا بھلا ہے! جیسے لوگ ہیں آپ شادی میں ضرور آئے گا میں ان سے طواؤں گی آپ کو بہت خوشی ہوگی۔“ ان کا لہجہ بہت شائستہ تھا اور اذان کی اماں کو بہت خوشی ہو رہی تھی کہ ان کی بیٹی نے ایک اچھے ماحول میں پرورش پائی تھی۔

”استلام علیکم؟“ طوبی نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بلنٹاواز میں کہا۔

زحمت کی۔" سلام کے بعد وہ ان سے مخاطب تھا۔ وہ اس وقت سپیشن پر کھڑے تھے۔

"زحمت کی بات نہیں، مجھے ضروری کام تھا آپ سے اس لیے میں خود چلا آیا۔ آپ کو میرے ساتھ ابھی اور اسی وقت اسلام آباد چلنا ہے آج دوپہر میں وہاں میری ایک اسٹوڈنٹ کا سیمینار ہے وہ اینڈ کرنے کے لیے۔ ہم کل تک واپس آ جائیں گے۔" انہوں نے تفصیلی طور پر آنے کی وجہ بیان کی۔

"اوہ! میں تو ڈر گیا تھا آپ مجھے فون پر بتا دیتے میں آپ کو انٹرویو پر جوائن کر لیتا۔" اس نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ وہ اکثر مسٹر عباسی کے ساتھ اس طرح کے سیمینار اینڈ کرتا تھا۔ اس لیے اسے یہ کوئی نئی بات نہیں لگی۔ وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا کار تک آ گیا۔ کار میں بیٹھتے ہوئے اس نے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔

"میں نے آپ کی والدہ کو انفارم کر دیا ہے۔" اس کو نمبر ڈائل کرتا دیکھ کر مسٹر عباسی بولے اور اس نے مسکراتے ہوئے کال ڈس کنیکٹ کر دی۔

"اذان! آپ نے شادی کے بارے میں کیا سوچا؟" ان کا یہ سوال اذان کے لیے غیر متوقع تھا انہوں نے آج تک اذان سے اس بارے میں بات نہیں کی تھی وہ تو سب جانتے تھے پھر وہ اس سے یہ بات کیوں کر رہے تھے اس نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

"آپ کی والدہ نے مجھ سے کہا تھا آپ سے اس بارے میں بات کرنے کے لیے۔ ویسے ان کی یہ خواہش غلط تو نہیں۔ ہر ماں کی یہ خواہش ہوتی ہے۔" انہوں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"آپ تو جانتے ہیں سر میں....." اس کی آواز حلق میں ہی گھٹ گئی۔

"میں نے آپ کے لیے ایک بہت اچھی لڑکی کا انتخاب کیا ہے اور آپ کی والدہ سے اس کا غائبانہ تعارف بھی کر دیا ہے انہیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ تو وہ خوش ہوئیں اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی اس سے مل کر بہت خوش

پرسکون ہوتے ہوئے، کاشان کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی جواب کا منتظر تھا۔

"طوبی! کامیوں کا فنکشن ہے اسی میں جا رہے ہیں۔" کاشان کے لبوں پر پچھلی مسکراہٹ پل بھر کو پھمکی پڑی تھی مگر پھر ابھرائی۔

"شکریہ اذان! آپ کی بدولت مجھے اپنی غلطی سدھارنے کا موقع ملا۔ نانولی بہت خوش ہوئیں بہت زیادہ اور انہوں نے میرے لیے ایک کھوٹا بھی ڈھونڈ لیا ہے جس سے وہ مجھے باندھنا چاہتی ہیں۔ میں نے بھی اب کی بار کوئی تردید نہیں کیا کسی ٹھکلی کا اظہار نہیں کیا جب ہمارے اپنے ہماری وجہ سے خوش ہوں تو دل کو کتنا سکون ملتا ہے اس کا اندازہ بھٹا آج ہوا ہے اذان! اور یہ سب آپ کی وجہ سے ممکن ہوا صرف آپ کی۔" کاشان آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گیا اور اذان نے اس کی کمر تھپتھپائی۔



طوبی کی شادی کو ایک مہینہ ہو چکا تھا اذان اس مہینے بہت مصروف رہا تھا۔ کل کاشان کو پروجیکٹ سائٹ پر چھوڑ کر وہ گھر آ گیا تھا آج صبح سے اس کا دل بہت بوجھل ہو رہا تھا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے آج مجھے۔" اسے اپنی حالت سے الجھن ہونے لگی۔ "یقیناً یہ کام کے بڑوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" وہ خود کو وضاحت پیش کر رہا تھا۔

"نہیں اذان! یہ نہیں ہے۔" اس کے دل نے تردید کی۔

"سر! کوئی مسٹر عباسی آپ سے ملنے آئے ہیں۔" اس کی سکرٹری نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور اس کی یہ بات سن کر اذان بہت تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

مسٹر عباسی اس کے آفس پہلی بار آئے تھے اسی لیے اس کی سکرٹری کو پتا نہیں تھا کہ وہ کون سی ہستی ہے جس کے لیے وہ اپنی چیئر چھوڑ کر یوں بھاگا۔

"آپ یہاں سر! مجھے بلوالیا ہوتا آپ نے کیوں

جھپکائے دیکھا تھا اس خوف سے کہ کہیں پلکیں جھپکنے پر وہ غائب نہ ہو جائے۔



”سیمینار بہت اچھا رہا عمیرہ!“ انہوں نے متعارفگی لہجے میں کہا۔

”جزاک اللہ خیرا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”عمیرہ! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ انہوں نے کچھ ٹھہر کر کہا۔

”جی کیسے سر!“ اس نے بہت تابعدارانہ انداز میں کہا۔
 ”میں نے آپ کے لیے ایک فیصلہ کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ انکار نہیں کریں گی۔“ انہوں نے بہت پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

”آپ کا فیصلہ میرے لیے حکم ہے سر! اور آپ کا کوئی حکم میں نال ہی نہیں سکتی۔“ اس کا انداز اب بھی وہی تھا۔
 ”میں نے آپ کا نکاح طے کر دیا ہے اپنے ایک بہت اچھے قابل اور ہونہار اسٹوڈنٹ کے ساتھ اور وہ بھی کل۔“ انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”مجھے آپ کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن پہلے میں اپنی اماں اور بہن کو ڈھونڈنا چاہتی ہوں۔“ اس نے قدرے مستحکم لہجے میں کہا۔

”اس انسان سے مل کر عمیرہ آپ کو اپنا ہر شتمائل جائے گا۔ وہ وہی انسان ہے عمیرہ! جس نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ آپ کو ڈھونڈنے اور آپ کا انتظار کرنے میں گزارا ہے آپ اس کا اجر ہیں عمیرہ! اور یہ فیصلہ آسمانوں میں طے ہوا ہے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس کے پیچھے کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے حیرت زدہ انداز میں ان کی نگاہوں کا تعاقب کیا اور پلٹ کے دیکھا مگر پلٹنے کے بعد وہ حیرت کے سبب پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔ اذان اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا پر نور آکھیں روشن چہرہ اور لبوں پر پھیلی مانوس مسکراہٹ۔ اس رات اس نے خواب میں مگن حرم میں جان کو دیکھا مگر آج وہ جان نہیں ہو سکتا تھا اس کے ماتھے پر نماز کا گہرا نشان تھا۔

ہو گے۔“ انہوں نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا۔

”مل کر؟“ اس نے چونک کر کہا۔

”ہاں مل کر کیونکہ آج ہم اسی لڑکی کے سیمینار میں جا رہے ہیں۔ ایک بات اور اس لڑکی کا میرے سوا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اس لیے میں نے اور آپ کی والدہ نے فیصلہ کیا ہے کل جمعہ کے دن عصر کے بعد آپ دونوں کا نکاح کر دیا جائے۔“ ان کا یہ خری جملہ اذان کی رنگت فنی کر گیا۔ کار انرپورٹ پارکنگ میں رک گئی۔ وہ بے جان ہوتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اترے۔ وہ جانتا تھا وہ ان کے فیصلے کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

”یہ آپ کا فیصلہ ہے اللہ پاک تو مجھے منظور ہے شاید وہ میرا نصیب بھی ہی نہیں۔“ اس نے بہت ہارے ہوئے انداز میں سوچا۔

سیمینار شروع ہونے میں چند لمحوں باقی تھے مسٹر عباسی کے ساتھ وہ ایک راؤنڈ ٹیبل کے گرد لگی چیئرز میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔ اس کے تمام حواس اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے اسے وہاں کی ہر چیز سے بے زاری ہو رہی تھی سیمینار شروع ہو چکا تھا۔ اس نے دیکھا اسٹیج پر ایک لڑکی کو چڑھتے ہوئے بلک چاؤر بلیک شوز اور چادر کے پاندھنے کا انداز اس کی آنکھیں حیرت سے پھلی تھیں۔ اسٹیج کی میزچیزوں سے لے کر ہر شے تک وہ یہ اندازہ کر چکا تھا کہ وہ کون تھی۔ وہی لڑکی جس کی بدولت وہ دائرہ اسلام میں تھا۔ جس کی تیز روشن نگاہوں نے اس کی روح تک کو مہجور ڈالا تھا۔ وہی لڑکی دس سال کے طویل عرصہ میں بھی وہ ایک لمحے کے لیے اسے نہ بھولا تھا وہی لڑکی..... عمیرہ عباد۔ اس نے پلٹ کر مسٹر عباسی کو دیکھا وہ مسکرا رہے تھے۔ اس نے اٹھ کر جانا چاہا مگر مسٹر عباسی نے اسے جانے سے روک دیا۔

”یہ تمہارا عمیرہ کا نہیں بلکہ رب کائنات کا فیصلہ ہے۔ کیا تم اس کے فیصلے کو رد کرنے کی ہمت رکھتے ہو۔“ انہوں نے مدغم لہجے میں کہا اور وہ فنی میں سر ہلاتا ہنسنے لگا۔ اس کی نگاہیں ایک بار پھر عمیرہ پر جا رہیں۔ کیا وہ واقعی وہاں تھی یا آج بھی وہ کسی خواب کی کیفیت میں تھا۔ وہ بنا پلکیں

جو ماتھے پر بکھرے۔ یہاں لوں کے درمیان سے واضح ہو رہا تھا۔
 ”احمد اذان! میرا ایک اور آپ جیسا قابل اور تابعدار
 اسٹوڈنٹ۔“ پیچھے سے مسٹر عباسی کی آواز بھری گئی۔
 ”احمد اذان!“ اس کے منہ سے حیرت کے سبب نکلا۔



وہ ٹیبل سے قریب لگائے اپنا کوٹ ہاتھوں میں لیے
 کھڑا تھا جب کہ ”عیرہ“ دوسری ٹیبل کی ایک چیئر پر سر
 جھکائے چند قدم کے مفاصلے پر بیٹھی تھی۔

”آپ نے اسلام کب قبول کیا؟“ عیرہ نے سر
 جھکائے جھکائے پوچھا مگر وہ خاموش رہا اس کی خاموشی پر
 عیرہ نے سر اٹھایا شاید وہ اس کا اپنی طرف متوجہ ہونے کا
 ہی منتظر تھا اسی لیے فوراً بولا۔

”دس سال قبل آپ کے جانے کے بعد“ اس نے
 وضاحت بھی پیش کی: ”کنہ عیرہ آج پھر کسی غلط فہمی کا شکار نہ
 ہو۔ اب دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے اور یہ خاموشی طویل
 ہو گئی بلکہ خرازاں نے اس خاموشی کو توڑا۔

”آپ کہاں چلی گئیں عیرہ! میں نے آپ کو
 بہت ڈھونڈا تا کہ میں آپ سے اپنے غلط رویے کی معافی
 مانگ سکوں۔ اگر اس دن آپ نے مجھے ٹھکرایا نہ ہوتا تو میں
 کبھی اسلام کو نہ سمجھ پاتا۔“ مسلمان ہونے کا صحیح مقصد نہ سمجھ
 پاتا۔“ اس نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

”جب آپ نے مجھے پھوپھو کے گھر چھوڑا تھا تو وہاں
 کوئی نہ تھا مگر پر تالا لگا تھا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں
 کیا کروں اچانک ہی میرے ذہن میں اپنی ایک کالج
 میٹ کا خیال آیا اور میں اس کے گھر چلی گئی کچھ دن وہیں
 رہی پھر اسی کے توسط سے میں نے ایک ہاسٹل میں کرا
 لے لیا اور وہاں رہنے لگی۔ ایک اسکول میں جا بٹل گئی وہ
 اسکول ایک این جی او کے تحت چل رہا تھا اس این جی او کی
 ٹرینی اسکول کی پرنسپل تھیں۔ انہوں نے مجھے این جی او
 جوائن کرنے کا کہا اور لوگوں میں اسلام کے حوالے سے
 شعور بیدار کرنے کا آئیڈیا پیش کیا مجھے یہ آئیڈیا بہت اچھا
 لگا اور میں نے این جی او جوائن کر لی ایک سال تک میں

نے اس این جی او کے ساتھ کام کیا۔ اس ایک سال میں
 میں اتنی اچھلتی ہو گئی تھی کہ ماں کو اپنے پاس بلا لی اور
 یہی سوچ کر میں نے اپنے ایک اسٹنٹ کو اپنے گھر بھیجا
 مگر اس نے آ کر مجھے بتایا کہ ہمارے گھر پر کسی اور نے
 قبضہ کر لیا ہے اور میری اماں کا کہیں پتا نہیں۔ اس خبر نے
 مجھے حد درجہ دل برداشتہ کر دیا تھا اور اسی لیے میں نے خود
 کو مزید مصروف کرنے کے لیے اپنی تعلیم مکمل کرنے کا
 فیصلہ کیا۔ میں ماسٹرز مکمل نہیں کر پائی تھی اسی لیے بی اے
 کی بنیاد پر میں نے ایم اے میں ایڈمیشن لیا۔ اس کے بعد
 ایم او ایل کیا اور پھر پی ایچ ڈی۔ پی ایچ ڈی کے دوران ہی
 میری ملاقات مسٹر عباسی سے ہوئی انہوں نے مجھ سے آپ
 کا ذکر کرنا چاہا تھا مگر میں نے آپ کا سنتے ہی انہیں کچھ بھی
 کہنے سے پہلے ہی روک دیا۔ مجھے اس وقت علم نہیں تھا کہ
 آپ مسلمان ہو چکے ہیں۔“ عیرہ ایک طویل مکالمے کے
 بعد خاموش ہو گئی تھی ایک بار پھر دونوں طرف خاموشی
 چھا گئی تھی۔

”عیرہ!“ اذان نے بہت مدہم لہجے میں اسے پکارا۔
 عیرہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”کیا آپ دلی طور پر مجھ سے نکاح کے لیے تیار ہیں؟
 میں نے یہ نہیں چاہا کہ آپ محض ایک حکم کی تعمیل کے لیے
 مجھے اپنی زندگی کا حصہ بنا میں۔“ اس کا لہجہ اب بھی مدہم
 تھا۔ عیرہ نے کوئی جواب دیے بغیر سر جھکا دیا وہ انتظار کرتا
 رہا۔ چندرہ سنٹ گزر گئے مگر وہ خاموش ہی رہی۔ وہ ٹیبل میں
 سر ہلاتا پھر سوچ انداز میں مسکرایا۔

”میں جانتا ہوں آپ کبھی بھی مجھے دل سے قبول نہیں
 کریں گی۔“ یہ کہتے ہوئے وہ ٹیبل سے اٹھا اور باہر جانے
 والے راستے کی طرف قدم بڑھادیئے تھے۔

”احمد!“ عیرہ نے پیچھے سے اسے پکارا۔ اس نے
 پلٹ کے دیکھا عیرہ کے لبوں پر دل کش مسکراہٹ چھلی
 ہوئی تھی۔ اس نے اپنا سیدھا ہاتھ اس کی جانب بڑھلایا
 اذان نے غیر یقینی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا کیا وہ
 واقعی چاہتی تھی کہ اذان اس کا ہاتھ تھام لے وہ آگے بڑھا

”کیا میں یقین کر سکتا ہوں تم پر؟“ اس نے خوش کن

لہجے میں دریافت کیا۔

”ہاں! تم کر سکتے ہو۔“ عبیرہ نے مسکراتے

ہوئے رضامندی ظاہر کی اور وہ اس کا ہاتھ تھامے

باہر کی طرف بڑھ گیا۔



نکاح کی رسم بہت سادگی سے ادا کی گئی۔ اس میں

صرف گھر کے لوگ اور اذان کے کچھ قریبی دوست جن

میں عدیل اور ناہان شامل ہوئے۔ عبیرہ اپنی اماں اور

عالیاناہ سے مل کر بہت خوش ہوئی اور اس کے دل میں

اذان کی عزت و ررتہ مزید بلند ہو گیا۔ اذان نے بہت

آہستگی سے دروازہ بجایا اور پھر دروازہ کھول کر اندر

داخل ہوا۔ وہ آج پہلی بار عبیرہ کو بلیک اینڈ وائٹ رنگ

کے علاوہ کسی اور رنگ میں دیکھ رہا تھا۔ لال رنگ کے

سوٹ میں اور وہ بھی بنا چادر ہاریک اور قمیص کام کے

ڈوٹے کے نیچے، سے اس کے سیاہ بال اس کی پشت پر

پھیل کر اسے مزید دل کش بنا رہے تھے۔

وہ پائیں بارغ میں نکلنے والی ہالکونی کی ریٹنگ سے

فیک لگائے کھڑن تھی۔ دروازہ کی جانب اس کی پیٹھ تھی

شاید اسی لیے اذان اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو

نہیں دیکھ پایا۔ اس وقت اذان کے کانوں میں ایک ہی لطم

گردش کر رہی تھی۔

دیکھنے کو جو تمہیں اہتمام کرتے ہیں

زمیں سے جھٹ کر ستارے کلام کرتے ہیں

تو آؤ آج سے ہم اک کام کرتے ہیں

وقا کے نام سبھی صبح و شام کرتے ہیں

کبھی جو بام پہ ٹھہرے تو چاند تک جائے

غزال دیکھ کر جس کو خرام کرتے ہیں

یہ اہل دل کی ہستی ہے ہزار گروں کی نہیں

یہاں دلوں کا بہت احترام کرتے ہیں

اذان نے اس کے برابر پہنچ کر ریٹنگ پر ہاتھ رکھے اور

گردن گھما کر اسے دیکھا۔

”یہ آنسو عبیرہ.....!“ عبیرہ کو دنا دیکھ کر اسے دھچکا

”یہ پچھتاوے کے آنسو ہیں اذان!“ اس نے اٹکلبند

نگاہوں سے اذان کو دیکھا۔

”پچھتاو.....! مجھ سے نکاح کر کے کیا آپ پچھتاری

ہیں؟“ اذان کا دل مٹھیوں میں آ گیا۔

”ہاں میں پچھتاری ہوں۔“ اس کا انداز بھی ویسا ہی

تھا اذان کا چہرہ بالکل مرجھا گیا۔

”ایک صبح فیصلہ لینے میں میں نے اتنے سال ضائع

کر دیئے اس لیے مجھے پچھتاوا ہو رہا ہے۔“ عبیرہ نے اپنی

بات مکمل کی اور اذان کی جان میں جان آئی۔

”عبیرہ.....“ اس نے مصنوعی خطکی سے کہا۔

”آپ ایک بہت اچھے انسان ہیں اذان!“ عبیرہ نے

اس کا بازو تھاما اور اپنا سر اس کے کندھے پر نکا دیا۔

”لیکن یہ بات سمجھنے میں مجھے بہت دیر لگی۔“ اس نے

اپنی بات جاری رکھی۔

”اب تو مجھے اس بات پر یقین کرنا ہی پڑے گا کہ میں

واقعی ایک اچھا انسان ہوں کیونکہ یہ آپ نے کہا ہے ورنہ

بہت سوں نے کہا مگر میں نے نہیں مانا۔“ اذان نے

مسکراتے ہوئے کہا اور عبیرہ بھی مسکرائی۔

”آپ کو پتا ہے عبیرہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم ایک

ساتھ محن حرم میں خاتہ کعبہ کے روبرو کھڑے ہوں اور

اپنے رب کے روبرو سجدہ ریز ہوں اور ہم بہت جلد وہاں

ہوں گے۔“ اس نے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ عبیرہ کے

ہاتھ پر رکھا۔

”ان شاء اللہ.....!“ عبیرہ نے آنکھیں بند کرتے

ہوئے کہا۔

آج ان کی زندگی ایک پُر سکون راہ پر چل پڑی

تھی جہاں وہ زندگی پھر ایک دوسرے کا ساتھ

بٹھانے والے تھے۔



مرکبِ راحہ وفا



Copied From Web

WWW.PAKSOCIETY.COM

دل بہت اداس ہے محبتوں کے موسم میں
یہ کیسی پیاس ہے محبتوں کے موسم میں
آنکھیں خواب، خواب ہیں ہر طرف گلاب ہیں
معاملہ حساس ہے محبتوں کے موسم میں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شرمین بے انتہا حسن کی مالک ہے ہر شخص اس کے حسن کے قہیدے پڑھتا ہے۔ وہ ایک فرم میں جاب کرتی ہے اور وہاں مرزا صاحب نے جو بیٹی محبت کا راک آلاب کر اس کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ چار سال پہلے شرمین کی زندگی میں صبح اچھا یا اور اتنی عرصہ ان کی محبت پروان چڑھی۔ پھر صبح احمد تعلیم مکمل کر کے کراچی واپس چلا گیا اور وعدہ کر گیا کہ وہ جلد ہی رشتے کے لیے اپنی ماں کو بھیجے گا لیکن صبح احمد کی ماں شرمین کے لیے راضی نہیں ہوتی اور صبح کی شادی فریج سے کر دیتی ہیں۔ زینت آ پا شرمین کی کزن ہیں ان کا بیٹا بوبی بھی شرمین کے عشق میں گرفتار ہے اور آئے دن شرمین سے اظہار محبت کرتا رہتا ہے جبکہ شرمین عمر کے فرق کے حساب سے سمجھانے کی بہت کوشش کرتی ہے۔ شرمین پریشان ہو کر صبح احمد کو خط لکھتی ہے اور اسے کراچی آنے کا بتاتی ہے لیکن صبح احمد خود پہلی فلائٹ سے شرمین کے پاس پہنچ جاتے ہیں شرمین سمجھتی ہے کہ شاید اب وہ اس سے شادی کر کے اسے یہاں سے لے جائیں گے لیکن جب صبح احمد شرمین کو اپنی شادی کا بتاتے ہیں تو وہ ششدر رہ جاتی ہے۔ شرمین کا محبت پیسے سے اعتبار اٹھ جاتا ہے محبت نام سے نفرت ہو جاتی ہے۔ مرزا صاحب پہلے سے شادی شدہ ہونے کے ساتھ بچوں کے باپ بھی ہیں۔ ان کے گھر میں ساس بہو کا رواجی جھگڑا ہر وقت رہتا ہے جس سے وہ کافی پریشان رہتے ہیں لیکن بیوی کو سمجھانے کے بجائے اس کے آگے بچھے جاتے ہیں اور آفس میں شرمین سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ عارض ایک بزنس مین ہے اس کی نظر میں لڑکیاں صرف وقت گزاری کے لیے ہنائی گئی ہیں۔ اس لیے عارض نے ابھی تک شادی نہیں کی لیکن بہت سی لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ عارض کا بہترین دوست صفدر ہے جو ایک فرم میں جاب کر رہا ہے۔ عارض کی پہلی ملاقات شرمین سے سڑک کنارے ہوئی ہے اور وہ اس کے حسن کا گرویدہ ہو جاتا ہے لیکن جب وہ شرمین سے اظہار محبت کرتا ہے تو وہ نخوت سے انکار کر دیتی ہے۔ بوبی نے اپنی فضول حرکتوں سے شرمین کو پریشان کر رکھا ہے۔ پتا خشرمین کی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ بوبی کے منہ پر پھڑپھڑاتی ہے۔ عارض اپنی سچی محبت کا یقین دلا کر شرمین کو قائل کرنے کو کہتا ہے اور صفدر دوستی کا بھرم رکھتے ہوئے ہائی بھر لیتا ہے۔ صفدر انتہائی شریف انسان ہے صفدر کی ماں (جہاں آ راہیم) صفدر کی شادی کرنا چاہتی ہیں اور اس سلسلے میں لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ ایک لڑکی انہیں پسند آتی ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ صفدر بھی اس لڑکی کی تصویر دیکھ لے مگر وہ ماں کی خوشی میں خوش ہے۔ شرمین صفدر کے کہنے پر عارض سے ملتی ہے اور اس سے منگنی کر لیتی ہے شرمین کو لگتا ہے کہ اس منگنی کے بعد سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ بوبی بھی انگلی لے کر شرمین کے پاس منگنی کی عرض سے آتا ہے لیکن جب شرمین اسے اپنی اور عارض کی منگنی کا بتاتی ہے تو بوبی کو دکھ ہوتا ہے اور وہ خود کشی کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن بوبی کی ماں (زینت) اسے بروقت ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اس کی جان بچاتی ہے اور پھر اپنے اکلوتے بیٹے

کی محبت میں مجبور ہو کر زینت آ پاملک چھوڑنے کا فیصلہ کرتی ہیں ان کی نظر میں شرمین سے دوسری بوبی کے دل سے شرمین کا خیال نکال دے گی مگر ایسا ممکن نہیں ہوتا کینیڈا جا کر بوبی وہاں کی رنگینوں میں کھو کر ماں کو ہی بھول جاتا ہے۔ صفدر کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوتی ہے زینت جہاں آ را کی پسند ہے صفدر بھی اس شادی سے خوش ہے مگر شادی کی اولین رات اس کے اراٹوں پر اوس پڑ جاتی ہے جب زینت اسے اپنی ناکام محبت کی کہانی سنانا ہے صفدر صرف اپنی ماں (جہاں آ را بیگم) کی طبیعت کی وجہ سے زینت کو اپنے گھر رکھنے پر تیار ہو جاتا ہے وہ دونوں ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ عارض شرمین سے محبت کے عہد و پیمان کر کے بزنس کے سلسلے میں امریکا آتا ہے اور یہاں اس کا ایک سیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شرمین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کی ماں کی طبیعت دن بدن خراب رہنے لگی ہے زینت آ پاملک بوبی کو کینیڈا چھوڑ کر واپس آ گئی ہیں مرزا صاحب نے بھی جموٹی محبت کے اظہار سے شرمین کو عاجز کر رکھا ہے۔ صفدر کو زینت سے شدید نفرت ہو گئی ہے لیکن وہ اپنی ماں کی وجہ سے زینت کو گھر سے نہیں نکال سکتا اور نہ ہی اپنی ماں کو زینت کی حقیقت بتا سکتا ہے۔ جہاں آ را کو زینت کی خراب طبیعت کسی خوشی کا باعث معلوم ہو رہی ہے وہ صفدر کو زینت کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو کہتی ہیں مگر وہ نال جاتا ہے اور خود ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ جہاں آ را بیگم اس کے ہاتھ اور سر پر بندھی پٹی دیکھ کر گھبرا جاتی ہیں۔ شرمین سے بے لوث محبت کرنے والی اس کی ماں خالق حقیقی سے جا ملتی ہیں وہ غم کی تصویر بن کر رہ جاتی ہے۔ صفدر اور زینت آ پاملک کی دلجوئی کر رہے ہیں۔ کینیڈا سے عارض بھی فون کر کے اسے صبر کرنے کو کہتا ہے۔ عارض کا آپریشن بھی کامیاب ہو گیا ہے اور وہ پاکستان آنا چاہتا ہے۔ لیکن جب شرمین سے اپنی بے انتہا محبت کا جواب مانگتا ہے تو وہ ذہنی الجھن کی وجہ سے ٹھیک جواب نہیں دے پاتی جس سے عارض کو کافی مایوسی ہوتی ہے اور وہ واپس پاکستان آنے کا ارادہ چھوڑ کر وہیں کینیڈا میں مصروف ہو جاتا ہے۔ دو دن کی چھٹی کے بعد جب شرمین واپس آتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی میٹ کسی اور کو دے دی ہے۔ شرمین اس حرکت کی بابت ان سے پوچھتی ہے تو مرزا صاحب اس کی غیر حاضری کی وجہ بتا کر اسے اپنی پرسنل سکرٹری کی نوکری کی پیش کش کرتے ہیں جس پر شرمین غصہ سے انہیں سنائی ہوئی وہاں سے چلی جاتی ہے۔ زینت آ پاملک اپنے اندر ہونے والی تبدیلی خوش آ سند لگ رہی ہے۔ وہ سوچ رہی ہے کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ صفدر زینت کو اپنے گھر میں رہنے کے لیے اس کے سامنے شرط رکھ دیتا ہے۔ زینت آ پاملک شرمین کو لے کر اپنے گھر آ جاتی ہیں اور اب وہ چاہتی ہیں کہ شرمین ہمیشہ وہیں رہے جبکہ وہ بوبی کو بھی سمجھا کر دیکھ چکی ہیں لیکن اب زینت آ پاملک کے ہاتھ مجبور ہو کر شرمین کو بوبی کا ساتھ توں کرنے کے لیے دل میں دعا کر رہی ہیں۔ بوبی بھی شرمین کے اپنے گھر آنے پر خوش ہے اور اس سے جلد واپس آنے کا وعدہ کرتا ہے اب تک شرمین کو نہیں بھولا تھا شرمین بوبی کے گھر آ کر پریشان ہے جبکہ زینت آ پاملک نے اپنا بزنس بھی شرمین کے حوالے کر دیا ہے۔ زینت آ پاملک کی شرط مانتے ہوئے گھر چھوڑ دیتی ہے اور اتفاق سے اس کی ملاقات اپنی کنبلی ننھی سے ہوتی ہے جو ایک عرصہ سعودی عرب رہنے کے بعد اب طلاق لے کر واپس آ گئی ہے۔ صفدر عارض کو کچھ حد تک زینت آ پاملک کی بے وفائی کا بتاتا ہے تو وہ بھی ششدر رہ جاتا ہے اور صفدر کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ زینت کو طلاق دے لے لیکن وہ اپنی ماں کی خراب طبیعت کا ہاتھ کر اپنی معذوری ظاہر کرتا ہے۔ ننھی صفدر سے فون پر رابطہ کے بعد اس سے ملتی ہے اور اپنی طرف سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ زینت کو معاف کر کے اسے اپنا لے لے مگر صفدر اپنی ضد پر اڑا رہتا ہے۔ جس پر ننھی کو مایوسی ہوتی ہے۔ شرمین زینت آ پاملک کی میڈیسن لے کر واپس گاڑی کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے جب اس کا سامنا ایک بار پھر مرزا صاحب سے ہوتا ہے۔ شرمین انہیں دیکھ کر ناگواری کا اظہار کرتی ہے جس پر مرزا صاحب اپنی بیوی کی سوت اور ایک ننھی کی پیدائش کا ہاتھ کر اسے پر پوز کرتے ہیں شرمین غصہ سے انہیں مزید سنائی ہوئی گاڑی میں بیٹھ جاتی ہے۔

لاب آگے پڑھیے

+ ❁ + ❁ + ❁ +

”عورت اپنی محبت کا حق بزورِ ندامت اور مجبوری کے باعث مرد کو بخشتی ہے مگر اپنی اولاد کی محبت کی خاطر ایک لہجے کی بھی پسپائی برداشت نہیں کرتی۔“ زیبا کے نازک کپکپاتے جسم میں ایک ساتھ کئی بارودی سرنگیں پھٹ گئیں۔ صفدر نے انتہائی حیرت سے اسے گھور کر دیکھا اور جڑے بھینچ کر بڑے مضبوط کے ہاؤ جود چلایا۔

”کون سی اولاد؟ کس بے شرمی اور ڈھٹائی سے یہ بات کر رہی ہو؟ کس اولاد کی بات کرتی ہو وہ جو تمہاری بھول ہے یا یہ جو میری بھول ہے۔“

”تو آپ بھی میری طرح بھول کے قصور وار ہیں۔“ اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

”ہاں! تم نے وہ طریقہ اختیار کیا اور نہ میں نے تمہیں قبول ہی نہیں کیا۔“ وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

”تو پھر یہاں کیا کرتے تھے؟“

”یہ کہنے کا بھی تنگ میں نے امی کے سامنے تمہارا بھرم بچا کر دکھا ہے۔“

”تو کھول دو بھرم کی قلعی میں نے تو اپنا فیصلہ بنا دیا ہے۔“ وہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا؟“

”ثابت کرنے کی ضرورت کیا ہے؟“ وہ ہلتر یہ بولی۔

”مطلب.....؟“

”بچہ صرف ماں کا ہی ہونا ہے مجھ سے کچھ نہیں جا پیے۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر اسے مزید چونکا گئی۔

”اگرے صفدر بیٹا! کھڑے کیوں ہو؟“ اس وقت حاجرہ بیگم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

”جی بس تیرا جا رہا ہوں۔“

”ہمیشہ کھڑے کھڑے تاتے ہو اور کیا مسئلہ ہے تم دونوں کے بیچ۔“ حاجرہ بیگم نے دلی دوسرے ظاہر کیا۔

”یہ تو آپ کو اپنی بیٹی سے پوچھنا چاہیے بلکہ بہت پہلے پوچھنا چاہیے تھا تا کہ آج مسئلہ ہی نہ ہوتا۔“ وہ اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہہ کر چلا گیا۔

”حاجرہ بیگم کو خاصا صدمہ ہوا زبیا نے کمرے سے لگنا چاہا تو حاجرہ بیگم نے روک لیا۔“

”صفدر کا اکھڑا اکھڑا سا انداز شادی کے بعد سے اب تک برقرار ہے وہ جو کچھ کہہ کر گیا ہے اس میں کچھ تو حقیقت ہے۔“

”ہم دونوں ساتھ نہیں رہ سکتے۔“ سپاٹ لہجے میں کہا۔

”کیوں.....؟“

”ہمارے حرازا نہیں ملتے۔“

”وہی تو پوچھ رہا ہوں کیوں؟“

”وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے بس۔“

”تو کس سے کرنا ہے؟“ حاجرہ بیگم کو زبیا پر کچھ شک سا ہوا۔

”نہیں معلوم۔“ وہ نال گئی۔

”محبت کے معنی ایک عورت کی زندگی میں اولاد کا نام لے لیتے ہیں؟“

”لو اگر مرد اولاد کو اپنی محبت تسلیم ہی نہیں کرے تو۔“ زبیا نے ان کا تہلہ اچک کر تیزی سے کہا۔

”زیبا! صفدر اپنے بچے سے محبت کیوں نہیں کرے گا؟“

آنچل ❁ فروری ❁ ۲۰۱۵ء 80

”آپ نہیں سمجھیں گی بس مجھے صفدر سے خلع لینا ہے۔“

”تو جہنم تمہارے منہ میں خاک کیسی بات کر دی؟“ حاجرہ بیگم نے اتنے غصے سے کہا کہ وہ کچھ بتاتے بتاتے چپ ہو کر کمرے سے باہر نکل گئی اور حاجرہ بیگم کے قدموں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔ انہیں جو خوف تھا وہ اپنی اصل حالت میں اب سامنے گیا تھا۔

حاجرہ بیگم پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔

اس نے ان کو چور نظروں سے دیکھا تو دل پر ندامت کا گھونسا لگا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس کی ماں کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہوگی۔ کوئی ماں بیٹی کے منہ سے خلع کا لفظ سن کر کیوں اور کیسے حوصلے سے کام لے سکتی ہے..... کاش! میرے جیسی بیٹیاں والدین کو ان کے اعتبار کو بدنامی کے صدمات نہ دیا کریں۔ کس بے رحمی سے میں نے ماں باپ کی اعلیٰ تربیت کی وجہیاں اڑائی ہیں..... کہ خود کا سامنا کرتے ہوئے بھی ہزار بار شرمندگی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صفدر بھی کیا کرے؟ کوئی بھی مرد عورت کے میلے دامن کو اپنے تن سے نہیں لپٹا سکتا۔ صفدر نے تو اتنے عرصے گزارے کر لیا..... میں نے اسے دیا ہی کیا، صرف بدنامی، گناہ کا اعتراف، کاش میں گناہ گار اس کے حوالے کر کے اسے مار ڈالنے کی دعوت دیتی، مگر کچھ بھی تو ایسا نہ کر سکی کہ وہ مجھ پر رحم کھائے.....!

”زیبا! کہاں کھائی ہو سارا دودھ اٹل گیا۔“ حاجرہ نے باورچی خانے میں گھستے ہی ہانک لگائی تو وہ چونک کر جلدی سے چوبیس کی طرف ہل گئی۔

”کس جہنم کی آگ میں جل رہی ہو؟“

”ایسا جہنم جس کی آگ میں نے خود بھڑکائی ہے۔“ اس نے بہت دھمکے سے ماں کی طنزیہ بات کا جواب دیا۔

”ماں سے کیا پوچھو؟ ہتاؤ میں صفدر کو سمجھاؤں گی۔“

”مجھے صفدر کے ساتھ ہٹنا ہی نہیں۔“

”میں تمہارا گلا دبا دوں گی باپ بستر سے لگا بے گھر میں غربت ہے اور تمہیں بدنامی کا یہ طوق ہمارے گلے میں ڈالنے کا شوق چڑھا ہے۔“ اماں نے اسے سخت ہاتھوں سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

”اماں! میں اور میرا بچا آپ پر بوجھ نہیں بنیں گے.....“ وہ بھی چلا آئی۔

”اور ہماری بدنامی؟“

”بدنامی تو میری ہوگی میں ذمہ دار ہوں۔“ وہ بولی۔

”سچ کہتے ہیں کہ عورت کی نظریں چار ہو جائیں تو وہ کچھ نہیں دیکھتی، کون ہے وہ؟“ انہوں نے اس کی گردن پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے بڑھ چلا۔ وہ گڑبڑائی۔

”کون؟“

”وہی جس کی خاطر خلع تک کا سوچ لیا۔“

”اماں! اپنے بچے کے لیے۔“

”کیا.....؟ صفدر سے الگ ہو کر وہ بچہ تمہارا رہ جائے گا۔“ انہیں حیرت سی ہوئی۔

”آپ لبا کے پاس جاؤ، میں روٹی بنا کر لاتی ہوں۔“

”زبردستی نہیں۔“ حاجرہ بیگم ہر دین۔

”اماں.....! اماں! صفدر بھی چاہتا ہے۔“ اس نے نرمی سے کہا۔

”میں صغیر سے پوچھ سکتی ہوں اس کی ماں سے بھی پوچھتی ہوں۔“ وہ زور سے بولیں۔
 ”ضرورت نہیں یہ میری زندگی ہے اس کا فیصلہ میں کروں گی۔“ وہ یہ کہہ کر باورچی خانے سے سپدھی اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔۔۔۔۔ کمرے میں گھس کر خود پر ضبط نہ کر سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
 ”ماں! میرا آپ کی لبا صغیر اور اپنے بچے کی بھی مجرم ہوں زندگی کو ایسے انجام سے میں نے خوفناک بنا لیا ہے میں مزبور ہوں۔ مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے تاکہ آپ کی بنیادی نہ ہو آپ کی عزت پاتاؤں آئے یہ میری جنگ ہے مجھ ہی کو لڑنی ہے۔ مجھے ہرا دینا چاہیے۔“
 ”زیبا! میرا بچی میں تیری ماں ہوں غلط نہیں ہوں۔“ حاجرہ بے گل ہو کر اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ اس کی بوڑھا ہٹ سن کر اٹھی ہو گئیں۔

”ماں! مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔“
 ”صغیر! یہ کیسے تمہارے ساتھ سلوک کر سکتا ہے۔“
 ”یہ میرا اور صغیر کا معاملہ ہے مجھے اس کے ساتھ نہیں رہنا یہ میرا فیصلہ ہے۔“
 ”لیکن کیوں.....؟“

”کیونکہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے۔“ وہ چلا آئی۔ حاجرہ ایک دم چپ ہو گئیں۔ مزید کچھ بولنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔

+ % + % + % +

چوبیس گھنٹے سے مسلسل بارش ہو رہی تھی۔ سردی کی شدت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔ بند کمرے کی کھڑکی سے لگاؤہ ج نے ٹکٹے سے اس پار کیا دیکھ رہا تھا۔ آغا جی نے کافی کاگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔
 ”رات شرمین سے میری بات ہوئی تھی۔“
 ”اچھا! پھر.....“ وہ بے حیا لینی میں ختمی سے کہہ گیا پھر ایک دم اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔
 ”کیا ہوا.....؟“ آغا جی نے کریدا۔
 ”آپ کی کل صبح کی فلائٹ ہے۔“ وہ ٹال گیا۔
 ”ہنہ! کل صبح آئی نہیں آج رات کی۔“ آغا جی نے مذاق اڑانے کے انداز میں یاد دلایا تو وہ تادم ہو گیا۔
 ”ہنہ..... ہاں یاد آیا۔“
 ”عارض بابا کی جان جھوٹ کب سے بولنا شروع کیا۔“
 ”بابا! میں جھوٹ نہیں بولتا۔“
 ”فون کیوں آف ہے؟“
 ”کس نے کہا؟“
 ”شرمین نے۔“
 ”بس ویسے ہی۔“
 ”عارض! وہ بہت فکر مند ہے اس سے بات کرو جو کہنا ہے کہو مگر فرمائیں۔“
 ”ابھی کچھ فیصلہ نہیں کیا۔“
 ”مطلب؟“

ذراتِ منسوخہ قرآن پاک کے مالک نام مشاق احمد قریشی کی تازہ ترین تصنیف

انعاماتِ الہی کی آئینہ دار سورۃ کہ اللہ اپنے بندوں سے
کس قدر شفقت و محبت کا معاملہ فرماتا ہے۔ وہ ایک
رات جو ہزار مہینوں سے بہتر اور اہم رات ہے۔

خوب صورت سرورق، معلومات کی لازوال کتاب شائع ہوگئی ہے

تفسیر سورۃ قالہ

قیمت 150 روپے

مولف: مشاق احمد قریشی

سے اتق پبلی کیشنز، 7 فریڈ جیمیز ز عبد اللہ ہارون روڈ کراچی، 02135620771/2

”نہیں عارض یہ کیسے کر سکتے ہو تم نے تو وفا کی شمع کو راہوں میں جلایا ہے دل میں دھڑکن کی طرح اس کو بسایا بھی ہے تمہاری محبت صرف لفظوں تک محدود نہیں تم نے اسے چاہا ہے تو بھلا ڈبھی کیا یہ سچ نہیں کہ محبت میں خطا میں بھی ہو جاتی ہیں اسے منا بھی سکتے، فہیات تو کفہہ کس طرح سوچ رہی ہے اس سے جو نئے کی کوشش کرو۔“

شرمین سے بات کرنے کے فیصلے نے اتنا بے چین وہ بے قرار کیا کہ اپارٹمنٹ تک پہنچنے کا انتظار بھی نہیں کیا، جیب سے چرٹی، بٹوہ نکالا اس ان چھوٹی سی جیب سے وہ سم نکالی فون کا بیک کور کھولا اور بہت تیزی سے سم اس میں ڈالی اور چند لمحوں کی سیٹنگ کے بعد اپنے محبوب کا نمبر اور نام جگمگاتا دیکھ کر دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ تیل جاری تھی مگر دوسری طرف سے کوئی رسپانس نہیں آ رہا تھا۔

”لو گاڈ! کیا مسہ ہے شرمین فون کیوں نہیں اٹھا رہی؟“ وہ بیڑا لیا اور پھر تیسری کوشش میں کال ریسیو کر لی گی۔

”جی.....“ اس کی سنجیدہ سپاٹ سی آواز آئی۔

”میرے فون کا یقین نہیں تھا کیا؟“

”ہنہ..... میرا یقین ہمیشہ بہت پامال ہوا ہے۔“

”اس کا مطلب مجھے بھلا دیا تھا کیونکہ محبت تو تمہیں ہے نہیں۔“ اس نے کہا۔

”اچھا ایسی ہے لانا زار کم ہیں جو جھوٹ بھی بولنے لگیں۔“

”مطلب.....“ وہ کچھ چونکا۔

”کچھ نہیں آپ کیسے ہوا؟“

”میں ٹھیک ہوں، پوچھو گی نہیں کہ فون اتنے دنوں بعد کیوں کیا؟“

”نہیں جب فون بند کرنے کا آپ نے بتایا نہیں تو فون کرنے کا میں کیوں پوچھوں؟“

”شرمین! مجھے دعا اور غصہ دونوں ساتھ مل کر یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر گئے تھے کہ یک طرفہ محبت بے موٹی پھل کی طرح ہوتی ہے مجھے کچھ اچھا نہیں لگا میں پرسکون نہیں تھا۔“ وہ رکا۔

”پھر..... اب۔“

”مجھے کچھ پوچھنا ہے۔“

”پوچھو.....“ لہجہ پاٹ تھا۔

”تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟“

”اب شاید یہ بتانے میں کچھ وقت لگے۔“

”مطلب.....“

”ہر بات کا مطلب نہیں ہوتا مجھے آپ کے سوال پر سوچنا ہوگا۔“

”میں کیا سمجھوں؟“

”جی آپ کا دل چاہے۔“

”عارض ہو۔“

”نہیں۔“

”پھر اتنا سرد رہیہ۔“

”میں اور میرا دیا ایسے ہی ہیں۔“

”یعنی تمہیں مجھ سے ابھی تک محبت نہیں ہوئی۔“

”میرا خیال ہے۔“

”شرمین! میں بہت پوزیسوں ہوں تمہارے لیے۔“

”ٹھیک ہے۔“ بڑا سیدھا سا جواب تھا۔

”یار! تم ٹھیک سے جواب کیوں نہیں دے رہے ہیں؟“ وہ چلا اٹھا۔

”کون سا جواب؟“

”ایک ہاڈرا میرے سے تمہیں میری قسم کہہ دو تمہیں مجھ سے محبت ہے۔“ وہ شوخ ہوا۔

”عارض! مجھے ذہنت آ پا کو میڈیسن دیتی ہیں پھر بات ہوگی۔“ وہ بولی۔

”لو کے! تم بہت ضدی اور خود پسند ہو۔“ وہ جل بھن گیا۔

”اللہ حافظ۔“ اس نے نارٹل سے انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔

+ % + % + % +

ہم سے گھڑو کے تو بدنام ہو جاؤ گے

سودا گروں کی ہستی میں نیلام ہو جاؤ گے

یہ اور بات کہ ہم بے حال سے رہتے ہیں

ہمیں چھوڑو گے تو ویران سے ہو جاؤ گے

یہ تیرے نام میں مٹتی بھی شہرت ہے

ہم کو بھولو گے تو گناہ سے ہو جاؤ گے

رات کے ساڑھے تین کا وقت تھا اور وہ گہری سوچ میں غلطاں بانگنی میں کھڑی تھی۔ نہ کچھ واضح نظر آ رہا تھا اور نہ وہ کچھ واضح دیکھنا چاہتی تھی عارض کی سوچ اس کے انداز فکر پر تشویش ہو رہی تھی محبت کا دعویٰ کیا تو ایک دم یلغار کر دی، جیسا وہ پھر کر دیا، سب راہیں مسدود کر دیں اپنے محور اور مرکز میں قید کر دیا اب سوچا تو بات کچھ بھی نہیں یہ موسموں سے بھی زیادہ جلد تغیر و تبدل کے زیر اثر آنے والی محبت کیا رنگ دکھائے گی؟ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ عارض نے فون اس لیے بند کیا تھا اور آج اس لیے آن کیا بناؤ کرنے کی وجہ کوئی قیامت خیز بھی نہ آن کرنے پر پوچھنے والا سوال کوئی بڑا اہم تھا۔ لیکن کچھ بھی تھا یا نہیں وہ الجھن کا شکار بالکل نہیں ہوئی اس کے مضبوط اعصاب ایسے جھتوں کے رنگ برداشت کرنے کے لیے قدرت نے بنائے تھے وہ بس یہ ضرور سوچ رہی تھی کہ یہ محبت کی تھی عارض نے اس کے سہارے میں نے صبح احمد کی بے وفائی کا صدمہ عارض کی صورت میں ایک خوب صورت خوشی میں ڈھل کر سامنے آ گیا اور نہ شاید بہت عرصے صبح احمد کی بے وفائی بے حال نہیں تو کم از کم اندہ ہی اندہ چانتی ضرور رہتی..... لیکن تم نے عارض کیا کیا..... معمولی سی میری بات پر اس طرح کا رد عمل نہیں.....“

”شرمین! تم کیوں سوچو..... کیوں غور کرو؟ چھوڑو اس تھے کو خود بخود عارضی دھند کی مانند چھٹ جائے گا۔“

”عارض! ب تم رابطہ بحال کرو گے تو بحال ہوگا میں کمزور نہیں مجھے اپنے اندر مضبوط قلعہ تعمیر کرتے دیر نہیں لگتی۔“

ذہن سے ہر خیال جھٹک کر وال کلاک کی طرف نگاہ ڈالی تو فجر کی اذان پہلے دور سے اور پھر قریب کی مسجدوں سے بھی سنائی دینے لگی۔

تب اس نے وضو کی نیت سے واش روم کا رخ کیا..... پانی کے چھینٹوں سے آنکھوں میں ڈھیر سا راسکون اتر گیا..... وضو بذات خود ایک لطیف طمانیت سے بھر پور احساسات پیدا کرتا ہے اور پھر اپنے رب سے حال دل گوش

گزار کرنا کبھی رہنا، کبھی یقین سے دل بھرنا کبھی التجا کرنا اور کبھی اس کی رحمتوں کے خزانے سے کچھ مانگنا یہ بہت بڑا اور اہم کام ہی تو ہے..... وہ بھی اللہ کے حضور جھکی آپ دیدہ ہوئی، تھر تھراتے لیوں سے التجائیں کیں، سکون قلب اور آسودگی کے لیے دامن پامیلا یا پھر اسے ایسا لگنے لگا کہ اس کے اندر سکون و اطمینان کی دولت اتر گئی ہے بڑی یکسوئی کے ساتھ نماز بڑھ کر اس نے جائے نماز تہ کی ہی تھی کہ باہر کھٹا وازیں پیدا ہوئیں، جن میں عادل بابا، ملازمہ حمیدہ اور ایک آواز اور بھی تھی جسے وہ پہچان نہ سکی، اس وقت باہر کیا ہو رہا ہے؟ ابھی غور ہی کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی..... اس نے جلدی سے بنا پوچھے ہی کھٹ سے دروازہ کھول دیا اور ہکا بکا رہ گئی..... سنہری موچھوں اور سنہری بالوں والے خوبرو وجیہہ بولی نے دائیں آنکھ دبا لی تو وہ چوکی اور زور سے اس کے سر پر چیت لگائی۔

”بولی یوں ابپانک اطلاع بھی نہیں دی۔“

”ہا ہا ہا سر پر انزمائی ڈیز اچھا لگانا۔“ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”انز پوٹ۔ سے ہی فون کر دیتے۔“

”بس آپ کو نام کو حیران کرنا تھا، ٹیکسی پکڑی لو آ گیا۔“

”اچھا کیا زینت آ پا بہت یاد کر رہی تھیں۔“

”اور تم.....“ اس نے آنکھوں میں جھانکا تو وہ بالکل سپاٹ لہجے میں بولی۔

”میرے پاس فرصت نہیں ہوتی۔“

”اور میرے پاس اسی کام کی فرصت تھی۔“ وہ بے باکی سے کہہ گیا تو شرمین نے اس بھر پور نوجوان کو دیکھا، وہ تو

تقریباً بدل چکا تھا، باہر کی آزاد فضاؤں وہاں کے ماحول نے اس کی شخصیت کو خوب نکھارا دیا تھا۔ وہ کھلتا ڈراما لڑکا ایک دم تبدیل ہو کر لوٹا تھا۔

”کیا سوچے آلیں.....؟“ اس نے پوچھا۔

”زینت آ پا۔ سٹل لیے۔“

”ہنہ پہلے ہی..... اب وہ شکرانے کے نفل پڑھ رہی ہیں۔“

”واہ! چلو میرا ناشتہ بنواتی ہوں۔“

”نہیں ابھی، مجھ نہیں ناشتے کے ٹائم پر سب کے ساتھ۔“

”چائے کافی۔“

”لوں ہنہ، بس ذرا سا آرام کر لوں پھر ناشتے کی میز پر ملاقات ہوگی۔“ اس نے کہا۔

”نو کے۔“

”وہیے تم اور حرمین ہو گئی ہو۔“

”پھیلٹس فار انفارمیشن۔“ وہ بولی۔

”ہائے.....“ وہ کمرے سے نکل گیا۔ اور وہ کچھ دیر کے لیے لائٹ آف کر کے بستر پر دراز ہو گئی۔ اچھا ہوا تھا، مگر بولی کا

انداز وہی پرانا تھا، وہ کچھ فکر مند ہی ہو گئی..... پھر نیند نے آ لیا۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

زینت آ پا کی خوشی دیدنی تھی۔

ناشتے کی میز بولی کی پسندیدہ چیزوں سے بھری ہوئی تھی حالانکہ ان کی طبیعت بہت اچھی نہیں تھی اس کے باوجود بڑی

ہمت سے انہوں نے اپنی نگرانی میں بنوایا تھا۔ شرمین نے خاصی تڑی تھپید کر ڈالی۔
 ”آپا! آپ کی طبیعت خراب ہے اور آپ نے اتنا کام کیا بوبی نے کون سا سب کچھ کھا لیتا ہے اور اس نے کہیں جانا تو نہیں ہے اب یہیں رہتا ہے۔“
 ”ان شاء اللہ اب کہیں نہیں جائے۔“ زینت آ پا کے دل سے دعا مانگی۔
 ”میں کہیں نہیں جاؤں گا اگر شرمین چاہے تو۔“ پشت پر سے بوبی کی آواز آئی شرمین نے پلٹ کر دیکھا وہ ناشتے کے لیے آچکا تھا۔ بڑی دلکش سی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔ شرمین نے کچھ نہ کہا خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ زینت آ پانے بھی نظریں چرائیں۔

”شرمین! تم نے جواب نہیں دیا۔“ وہ بالکل سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
 ”زینت آ پا! کتنی عجیب بات ہے بوبی جسمانی طور پر تو کتنا تبدیل ہوا ہے مگر ذہن اب بھی تک بچوں جیسا ہے۔“
 ”غلط ذہن ہاں بہت قدم ہے مستقل مزاج ہے۔“ بوبی نے آ لوکی پوری اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔
 ”آپا! پلیٹ تو بہت مزے کا بنا ہے۔“ شرمین اس کی بات سمجھ کر بھی انجان بن کر پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔
 ”اجھا! لیکن تمہاری پلیٹ میں کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ کھاتا ہے۔“ زینت آ پانے کہا۔
 ”شکریا آپ! بس میں صرف چائے پیوں گی۔“ شرمین نے کہا۔
 ”جی نہیں! بسک میں ناشتہ کروں گا تم بھی کھاؤ گی۔“ بوبی نے حکم دیا۔
 ”آپ کھاؤ مجھے معاف رکھو۔“

”عادل بابا چائے تو لائیں۔“ زینت آ پانے آواز لگائی۔
 ”میں لاتی ہوں۔“ وہ لٹھنے لگی تو بوبی نے کہا۔
 ”تم بیٹھو کہیں نہیں جانا مجھے معلوم ہے تم مجھے ایوانڈ کر رہی ہو۔“
 ”بوبی! ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں جیسی جی دیکھی ہی ہوں۔“
 ”نہی تو میں چاہتا ہوں کہ میری شرمین دیکھی ہی رہے۔“ وہ بے باکی سے بولا شرمین کو شرمندگی بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا فوراً میز سے اٹھ کر چلی گئی زینت نے چشمکیں لگا ہوں سے بوبی کو دیکھا اور کہا۔
 ”بوبی! جو بات شرمین کو پسند نہیں وہ مت کرنا دوبارہ۔“
 ”ماما! میں شرمین کے لیے آیا ہوں یہ آپ کو اور خود شرمین کو ہوتا ہے۔“ وہ ڈھٹائی سے بولا۔
 ”وہ آپ نے لیے اس طرح نہیں سوچتی ویسے بھی اپنی پسند اور اپنی مرضی کے حوالے سے وہ خود مختار ہے۔“
 ”اس کا مطلب شرمین نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔“
 ”کیسا جھوٹ؟“

”میرے بلانے کے لیے ہر بات مانی تھی۔“
 ”مجھے نہیں معلوم مگر وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اس کی نسبت ملے ہے۔“
 ”مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کورنہ ہی ارادہ بدلے گا۔“ وہ یہ کہہ کر جھٹکے سے اٹھا اور چلا گیا۔ زینت سخت مشکوری بیٹھی رہ گئیں۔
 لیکن شرمین نے آ کر مسکراتے ہوئے ان کے سامنے پانی کا گلاس رکھا اور ناشتے کے بعد کی گولیاں تھمائیں تو وہ بھی مسکرائیں۔

”آپ کی خوشیاں کے لیے سب ٹھیک ہو گا فکر نہ کریں۔“ اس نے ان کو تسلی دی۔

”بونی کی ضد.....“

”چھوڑ دیں یہ اس کا اور میرا معاملہ ہے بس بونی آپ کے پاس رہے گا۔“ وہ دھیرے سے کہہ کر اندر بڑھ گئی۔ بہت بڑی تسلی تھی اور بہت بڑی بات۔

تیار ہونے کے بعد اس نے اپنا جائزہ لیا اور جلدی جلدی آفس ڈائٹیں اٹھائیں پینڈ بیگ اٹھایا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور بونی اندھا گیا اس کے ہاتھ میں دو تین پکٹ تھے۔

”کہاں کی تیاری ہے؟“ اس نے پکٹ میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

”آفس۔“

”جی نہیں آؤ آفس نہیں میں آیا ہوں اور تم.....“

”بونی! پلیز سمجھا کرو۔“ وہ کچھ بے زاری ہوئی مگر لہجہ نرم رکھا۔

”ہرگز نہیں شرمین میرا واپسی کا پہلا دن ہے تم نہیں جا سکتیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟ ضروری کام ہے نہ وہاں پر گپ شپ لگانے کے۔“

”کہاناں کھینچا جاتا۔“

”بونی! آپ بھلا مجھ سے کام لیا کرو۔“ وہ زچ ہو گئی۔

”یار! تم کب میری فیڈنگ سمجھو گی؟“

”پلیز بونی؟“ اسے یار کہہ کر مخاطب کرنا اچھا نہیں لگا۔

”بس کہیں نہیں جانا یہ سب نہیں دیکھنا کیا؟“ بونی نے سب پیکٹوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بے بسی سے کچھ دیر کھڑی رہی

پھر ہتھیار ڈال دیئے۔

”Thats, good .girl“ وہ خوش ہو گیا۔

”یہ بچوں والی ضد ہے۔“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”ہنہ! خیر یہ دیکھیں میکسی کس قدر خوبصورت فننگ سے اس کی؟ اور بہت سچے گی تم پر کہ بس۔“

”یہ تجھے ظاہر کرتے ہیں کہ تمہیں اخلاقیات چھو کر بھی نہیں گزریں یہ میرے لیے لائے ہو۔“

”ہنہ! جی بالکل تمہارے لیے لایا ہوں۔ بلکہ تمہیں سوچ کر خریدے تھے۔“ وہ ڈھٹائی سے بولا تو وہ ضبط سے کڑوا

گھونٹ بھر گئی۔

”شرمین! پلیز آ نکھیں بند کرو۔“

”اب اور کوئی خرافات رہ گئی ہے کیا؟“

”پلیز آ نکھیں بند کرو ہری اپ کلوڑ پوتا نیز۔“ اس نے ایک نہ سنی مجبوراً اسے آنکھیں بند کرنی پڑیں۔

”گڈ۔“ سرگوشی کے انداز میں اس کی گردن پر بالوں کے نیچا لگیوں کی مدد سے نیکٹس پہنانے کی کوشش کی تو وہ اچھل کر

کھڑی ہو گئی۔

”کیا ہوا؟“ وہ مصومیت سے بولا۔

”یہ سب مجھے پسند نہیں۔“ وہ بولی۔

”کتنا خوبصورت ہے۔“

”ٹھیک ہے دکھاؤ مگر میں یہ چیزیں استعمال نہیں کرتی۔“ اس نے ہلا۔

”مگر یہ چیزیں استعمال کرنی ہیں میرے لیے۔“ وہ بڑے سانس سے بہت قریباً کر بولا اس کی گرم سانس کی حرارت اس نے اپنے چہرے پر محسوس کی تو گڑبڑا کر پیچھے ہوئی۔

”قد سے لڑھی خواہش نہ کرو۔“

”میں نے کوئی غلط خواہش نہیں کی میری محبت کا قد بہت اونچا ہے۔“

”میں ذرا زینتاً پا کے پاس سے ہو کرتی ہوں۔“ وہ ٹال کر جانا چاہتی تھی کہ وہ پھر سامنے آ گیا۔

”شرمین! تمہاری خاطر آیا ہوں صرف تمہاری خاطر۔“

”لوہاں۔ کے لیے۔“ اس نے طنزیہ پوچھا۔

”بیان کا اور میرا معاملہ تھا تم نے یقین دلایا تھا۔“

”کس بات کا.....؟“ وہ چونکی۔

”کس سے؟ جاؤں پھر میری مرضی مان لوگی۔“

”پلیز! بولی۔“

”نو پلیز! تو ایک سکویز۔“ وہ مضبوط لہجے میں کہہ کر چلا گیا اور وہ دم سے پھر صوفے پر گر گئی۔

بولی کتے کی خوشی میں زینتاً پانے ہمت سے بڑھ کر کام بڑھا لیا صدمے کا بکرا ذبح کر کے مدرسے سے بھیجا دو تیار دیکھیں تقسیم کروائیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شام کو طبیعت خراب ہو گئی شرمین پریشان ہو گئی بولی بھی ماں پر کچھ فغاہا۔

”کیا ضرورت تھی خود کو تھکانے کی؟“

”کپنے بیٹے کتے کی خوشی بھی تو منانی تھی اللہ کا شکر بھی ادا کرنا تھا۔“ زینت نے مدہم آواز میں جواب دیا۔

”شادی پر پر امان پورا کر لیتیں۔“ بولی نے ذومعنی نظروں سے شرمین کو دیکھا تو وہ زینت کا سر دبانے میں لگی۔

”تم جلدی نہ اسی ہو جاؤ تو یہ امان بھی پورا کر کے جاؤں۔“

”میں تو راضی ہوں کل ہی کر دیں۔“ بولی نے مسکرا کر شرمین نظروں سے اشارہ کیا تو وہ نکل گئی۔

”ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے زینتاً پا کو تو ایسی باتیں کرنے کا شوق ہے۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”ماما کی خواہش ہے۔“

”ہاں ناں شرمین میں بولی کی خوشی کا امان لے کر جانا نہیں چاہتی۔“ زینت نے ایسی نظروں سے استجاء میر خواہش ظاہر کی کہ وہ جڑبڑسی ہو گئی۔

”آپ وہ ہم نہ کریں سب دیکھیں گی۔“

”نہن شاہ اللہ۔“ بولی نے کہا۔

”بولی تم بیس رہنا میں ذرا کھانے کا جائزہ لے لوں۔“ وہ ہانہ بنا کر باہر نکل آئی اور باورچی خانے میں پڑی کرسی پر تنک

کے سوچنے لگی نہ سماں اپنے کاموں میں مصروف تھا اس نے کوئی بات نہیں کی اپنی اطمینان میں گرفتار اپنے آپ میں مصروف

زندگی نے ایک نہ امتحان لینے کا عندیہ دیا تھا بولی کی خواہش کے ساتھ جنگ کرنا مشکل تھا تاہم نہیں تھا بس زینتاً پا کی

زندگی بہت جیتی تھی اس کا ان کے سوا تھا ہی کون؟ کرسی کی پشت سے سر نکالے وہ عارض کے لیے سوچ رہی تھی۔

”عارض! تم نے مجھے آ زمانے کی خاطر اپنی چاہت بس پشت ڈال دی میں نے تو پہلے بھی کبھی اظہار الفت میں کچھ بھی

نہیں کہا تھا اتنے بنوں کے بعد تمہارا لالہ یعنی سوال اور تقاضا مجھے دکھی کر گیا کیا یہ ضرورت باقی تھی تم نے کسی محبت کی کہ ابطے

بحال نہیں رہے آیب بولی ہے جو ایک پل بھی مجھے نہیں خود کو محبت اور جنون کی کسوٹی پر پرکھ رہا ہے میں نے بھی اس کی حوصلہ

انزالی نہیں کی ایسا سوچ بھی نہیں پھر بھی وہ میرے لیے میری خاطر مجھ سے نظر انداز ہوتا ہے بے عزت ہوتا ہے محبت کے لوہے جذبوں کے متبادل بزداری کو فتنہ اور سردہری کا سامنا کرتا ہے تم نے زندگی امتحان بنا دی ہے بولی امتحان گاہ سے نکل کر میرے سامنے آیا ہے میں کیسے اس سے نبرد آزما ہوں زینت آپا کی بے بسی اور حسن سلوک کو دیکھتے ہوئے بولی کو دھتکارتے ہوئے بھی سوچنا پڑتا ہے خدا میری خودداری اور انا کا امتحان نہ لو عارض نہ لو..... میں نے بڑے دنوں سے خود کو تمہاری خاطر سنبھال کر رکھا ہے بولی پیار سے دیکھتا ہے تو دل دکھتا ہے..... وہ آتے ہی ایک تقاضا کر رہا ہے..... یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں نے اپنے اور اس کے درمیان کبھی ایسا تعلق نہیں سوچا..... وہ ہولے سے بڑبڑائی تھی۔

”تو کیا ہوا..... میں نے تو ہمیشہ تمہیں ہی سوچا ہے دیکھا ہے محسوس کیا ہے۔“ وہ جھلمل کر کھڑی ہو گئی۔

”بولی ایسے سب کیا ہے؟“ اس نے کچھنا گوار سے لہجے میں کہا تو وہ مسکرایا۔

”پیار ہے میرا جنون ہے۔“

”پلیز خیال سے بات کرو۔“ وہ جھلائی۔

”کیوں..... میں نے کیا کیا ہے؟“

”بولی! میں پہلے ہی بہت اچھن کا شکار ہوں خرید مسائل پیدا نہ کرو۔“

”مجھے ایک دن نہیں ہوا آئے اور تم نے نگاہیں پھیر لیں۔“ اس نے بڑی بے باکی سے کہا۔

”دیکھو! میں نے تم سے نگاہیں کبھی ملائیں بھی نہیں۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔“ وہ کچھ صلح پسندانہ انداز میں بولی تو وہ

قریباً کر بولا۔

”شرمین! مجھ سے یوں سلوک نہ کرنا قسم کھاتا ہوں زہر کھالوں گا۔“

”اوہ گاڈ! میں ہی باہر جاتی ہوں۔“ وہ کچھ کتا کر کچن سے باہر بھاگی۔

”مجھے کچھ ہوا تو میری ماما کو دکھ تمہاری وجہ سے پہنچے گا۔“ وہ پیچھے سے چلایا جو کاس نے صاف سنا مگر جواب نہیں دیا۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

فیجہ معید الرحمان نے دروازے پر دستک دی تو وہ بیدار ہوا آٹکھ کلی تو لپٹا پٹاپ کھلا تھا اور وہ شاید دیر تک اپنے ای میل اکاؤنٹ میں پاکستان سے آنے والے شرمین اور صفد کے میسجز تلاش کرتا رہا لیکن کوئی نیا میسج نہیں آیا تھا۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ شرمین اسے محبت بھرا پیغام ضرور کرے گی..... اسے پیار سے بھارے گی اور یقین دلائے گی کہ وہ اس سے سچی محبت کرتی ہے..... لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا محسوس سے بوجھل آٹکھیں ڈرا ڈرا کر موندی تھیں کآٹکھ لگ گئی..... اس نے بلہا کی کمی بری طرح محسوس کی..... خالی نمالی نظروں سے چاروں طرف دیکھا دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی تو اسے خیال آیا۔

”بس کم ان۔“

”گڈ اینٹک سر۔“ معید الرحمان نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

”گڈ اینٹک ہا ہا نے ربط کیا.....؟“ اس نے پوچھا۔

”جی نہیں ہن کا سلی آف جا رہا ہے۔“

”ہنہ شاید چارجنگ ختم ہو گئی ہو موسم کی وجہ سے پانچ گھنٹے فلائٹ لیٹ بھی تو رہی۔“

”بیواٹ اپنی گاڑی میں سے ملتا ہے شاید ان صاحب کا رہ گیا ہے۔“

”کن صاحب کا؟“

”وہی جنہیں ہم نے لاٹ دی تھی۔“ معید الرحمان نے ڈارک براؤن لہیر والٹ اس کی طرف بڑھلایا۔

”کیا تو آپ کو انہیں اتارتے ہوئے دیکھنا تھا؟“ اس نے ہلکی سی نگلی سے کہا۔
 ”وہ جیزی سے ہوٹل کے باہر اترے اور میں نے آ کر گاڑی لاک کرتے ہوئے دیکھا۔
 ”اچھی بات نہیں ہوئی وہ پریشان ہو رہے ہوں گے“ کاش مجھے پہلے نڈراپ کرتے۔“
 ”آپ دیکھیں شاید کوئی اتہ پتہ مل جائے۔“
 ”لاؤ پکڑاؤ۔“ عارض نے بوہا تھم میں پکڑا مگر اسی وقت اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ بابا کا نمبر دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔
 ”بابا! تھینک گاڈ آپ کا فون آیا۔“
 ”یارا بہت لمحے پہلے اسلام آباد پہنچا ہوں۔“
 ”مجھے آپ کی فکر ہو رہی تھی۔“
 ”اور مجھے بیٹا جی آپ کی..... چیک اپ ہو گیا۔“
 ”جی ہاں سب لو کے ہے۔“
 ”تو جلدی سے جاؤ میری جان۔“ انہوں نے بڑی محبت سے کہا۔
 ”بابا! جاؤں گا مگر ابھی نہیں۔“
 ”شرین بہت اداس ہوگی۔“
 ”کوئی اداس نہیں ہوتا۔“ اس نے دھیرے سے کہا جو دوسری طرف سنائی نہیں دیا۔
 ”کیا کہہ رہے ہو؟“
 ”کچھ نہیں اب آپ آرام کریں ملا ہو رک جائیں گے؟“
 ”ایک دو روز بعد..... اپنا خیال رکھنا اور بہت احتیاط کرنا۔“ انہوں نے کہا تو ان کی جدائی کے سبب دکھی ہو کر بولا۔
 ”اوتھ آپ بھی آئی مس یو۔“

”مس یو ڈیر۔ اللہ حافظ۔“ فون آف ہو گیا۔ وہ ایک بار پھر آنکھیں موند کر سر میز پر رکھ کے سوچ میں پڑ گیا۔ منجبر معبد
 الرحمان نے اجازت طلب کی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے جانے کی اجازت دی۔
 ”اوملائی ڈیر یا سوری ریلی آئی مس یو میں کب یہاں رہنا چاہتا تھا شرین کی سردمہری نے مجھے الجھا کر رکھ دیا ہے میں
 نے ٹوٹ کر اسے چاہا لیکن آپ کو نہیں معلوم اس نے کیا کہا؟ وہ تو مجھ سے محبت کا سوچ کر بتائے گی میں اس کا جواب لیے بغیر
 نہیں آؤں گا..... بابا مجھے معاف کر دینا میں آپ کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا میں خود غرض بن گیا۔“
 ”وہ میرے اللہ! میں ٹھیک کر رہا ہوں یا غلط مجھے تو بتائیے۔“ اس نے ایک لمبی سانس لے کر میز پر نگاہ ڈالی تو بوہ دیکھ کر اسے
 ایک دم یاد آیا کہ یہ اس اجنبی شخص کا ہے وہ کتنا پریشان ہو رہا ہوگا؟ اس نے بوہ کھولا اس میں چار خانے تھے کریڈٹ کارڈز
 کرسی کچھ چھوٹی چھوٹی مختلف پرچیاں آئی ڈی کارڈ چند وزینگ کارڈ ان خانوں میں تھے اس نے جوتے خانے سے
 پرچیاں وغیرہ نکالیں تو ایک پاسپورٹ سائز تصویر اس کی دو انگلیوں کے درمیان پھنسی رہ گئی اور اس کی آنکھیں جیسے پتھرا
 گئیں۔ ہاتھ لرز سے گئے۔ آنکھیں مل مل کے دیکھا کبھی الٹ کر اور کبھی پلٹ کر پھر جیسے کرے کی چھت گھومنے لگی جس کرسی
 پر بیٹھا تھا وہ گول گول گھوم رہی تھی۔ پیشانی پر پسینے کی بوندیں اس بات کی عکاس تھیں کہ اس کے دماغ میں کوئی طوفان برپا
 ہو۔ کوئی بھٹی جل اٹھی ہے..... پوری ہمت کر کے اس نے پانی کا گلاس بھر اور ایک سانس میں غٹا غٹ پی گیا۔ کچھ سکون ملا تو
 تصویر سامنے میز پر رکھ کے آنکھیں بند کر لیں..... مگر جیسے کسی بھونچال کی زد میں تھا کسی خوفناک زلزلے کی کیفیت سے
 دوچار تھا۔

یوں نہ حالات کے تیزے پیرا سر ہوتا
تجھ سے ہوتی نہ ملاقات تو بہتر ہوتا
بات تو عجب تھی کہ انجام محبت اپنا
عام فرسودہ روایت سے ہٹ کر ہوتا
اس کا آج کل تو کوئی دور نہیں تھا حسن
ترے ہاتھوں میں اگر تیرا مقدر ہوتا

کتنے ہی گھٹنے خود کو سینٹے ترتیب دینے میں لگ گئے کسی مزدور کی طرح اینٹوں کی مانند اٹھایا خود کو سینٹ کی لکڑیوں کی
طرح اٹھایا کیا خود کو پھر کسی مستری کی طرح ترتیب دیا خود کو مگر پھر بھی احساس یہی باقی تھا کہ نہ ترتیب ٹھیک ہے نہ تو اذن
متناسب ہے..... صرف ایک ہی سوہوم سی امید تھی کہ یہ تصویر نظر کا دھوکا ہو اور وہ ہم ہو کوئی اور ہو..... لیکن دل مضطرب کو قرار
نہیں آ رہا تھا..... ڈور تیل کی آواز کانوں میں پڑی تو کچھ ہوش آیا..... معید الرحمان کا ہونا غنیمت تھا انہوں نے پہلے دروازہ
کھولا پھر چند لمحوں بعد اس کے کمرے پر دستک دی۔

”یس.....“

”سر ابھی والٹ والے صاحب آئے ہیں۔“ معید الرحمان صاحب نے اطلاع دی تو اس میں کرنٹ دوڑ گیا۔ سٹوہ اٹھایا اور
کمرے سے باہر نکل آیا..... کمرے کوٹ میں بلیک اسکارف گلے میں لپیٹے سلیپے سے ہال سنوارے وہ شخص خطرناکی کیفیت
میں رہا رہی میں گی قدام پینٹنگ کا جائزہ لے رہا تھا اسے دیکھ کر وہ مصافحہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔

”ہائے۔“

”صبح احمد! اس نے آئی ڈی کارڈ کی تصویر اپنا نام سے پکارا۔“

”جو اس صبح احمد۔“ وہ منانت سے مسکرائے۔

”آئیں بیٹھیں۔“

”نہیں میں جلدی میں ہوں۔“

”کے بھی کیا جلدی کافی کا کپ ہو جائے یا آپ کی منانت میں فوری طور پر آپ کو رابطہ نہ کر سکا صبح کوشش کرتا۔“

”شکریہ! لیکن صبح تک میرے لیے مسئلہ ہو جاتا شکر ہے مجھے یاد رہا آپ کو پہلے ڈراپ کرنا سو مند رہا۔“ وہ خامے

خوبصورت لب و لہجے میں بولے۔

”پلیز بیٹھے تو۔“ اس نے دانستہ امر ار کیا۔

”معدرت ہا ہر ٹیکسی کھڑی ہے ویسے بھی مجھے میڈیسن لینی ہیں۔“

”تو آپ امینان سے بیٹھیں میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔“

”سر نکلیں مجھے اچھا لگا پھر کسی میں یہاں معائنے کے لیے آہوں۔“

”خیریت۔“

”دل کا مریض ہوں میں نے سال پہلے یہیں سے ہائی پاس کر لیا تھا۔“ وہ بولے۔

”اللہ آپ کو صحت دے۔“

”شکریہ! میں کوشش کروں گا کہ آپ سے مل کر جاؤں۔“

”جی مجھے بھی آپ سے ملنا تھا۔“

”نی انہاں تو یہی سچ ہے۔“

”تم نے تو اس کے والد کی بیماری کا کہا تھا۔“

”وہ بھی وجہ ہے۔“

”دیکھ صنفرد! مجھے نالونہ مجھے سچ بتاؤ میں نے تمہاری شادی اس لیے نہیں کی تھی میرا گھر ویران اور لو اس رہے۔“ وہ بے بسی سے ہمت یار کے تخت پر بیٹھ گئیں۔ صنفرد کو ان پر پیار بھی آیا اور دکھ بھی بہت ہوا وہ کب چاہتا تھا کہ اس کی بیماری ماں کو یہ صدمہ پہنچے مگر حالات اس ڈگر پر لائے تھے وہ اپنے اندر کے مرد کو شکست نہیں دے سکا تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ وہ اس کی موتی صورت اپنے دماغ سے نہیں نکال سکا تھا یہ احساس بھی سن میں گدگدیاں کرتا تھا کہ نہ بیا کی کوکھ میں اس کا احساس پروان چڑھتا ہے نہ اس کا اپنا بچہ ہے لیکن یہ سوچ اس وقت سفاکی سے خودکشی کرتی تھی جب وہ نہ بیا کی بھول پر نگاہ ڈالتا تو دماغ کی رگیں چٹختی لگتی منہ بیاں سمجھ جاتی خون شریانوں میں تھتے ہوئے لاوے کی صورت اختیار کر لیتا اور اس کی روح تک محسوس جاتی۔

”صنفرد! کیا سوچنے لگے؟“ امی نے مخاطب کیا تو وہ چونکا۔

”کچھ نہیں ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے وہ ایسی پر بات کریں گے۔“

”نہیں مجھ سے بھی بتاؤ۔“

”امی! لیز زبا علیحدگی چاہتی ہے۔“

”اور تم تم نے اسے کیا کہا ہے؟“ انہوں نے الٹا سوال کیا۔

”آپ مجھ پر شک کر رہی ہیں میں نے اسے گھرانے کا کہا ہے۔“ وہ ہلکایا۔

”مجھ سے اس کی والدہ سے بات کرنی چاہیے۔“

”چھوڑو یہاں وہ چاہے گی تو آ جائے گی ورنہ ہے ماں کے پاس۔“ وہ یہ کہہ کر جانے کے لیے آگے بڑھا۔

”مجھے یہ بالکل ہے کہ تم خود نہیں چاہتے کہ وہ آئے۔“

”آپ حقیقت جان لیں گی تو خود بھی ایسا ہی چاہیں گی۔“ اس نے تلخی سے مدہم لہجے میں کہا۔

”ناشہ تو کرو۔“

”بس رہا فس میں کروں گا۔“ وہ عجلت میں کہتا ہوا نکل گیا۔

دفتر کے فروری کام پنٹا کے وہ سیدھا زبیا کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی طبیعت کچھ خراب تھی..... کمرے میں لٹھی چھت کو گھور رہی تھی..... وہ حاجرہ بیگم کو سلام کر کے سیدھا اس کے کمرے میں آ گیا وہ اچانک اس غیر متوقع آمد پر حیران پریشان ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم کتنے مزے میں ہو میری زندگی اجیرن بنا کے۔“ اس کی نگاہوں سے چنگاریاں نکلیں۔

”جس کا خسی جنم ہو حال جنم کا عذاب اور مستقبل کا نشان نہ ہو وہ مہلا کیا مزے کرے گا؟“ وہ یوں۔

”یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے؟“ اس نے دانت کچکچائے۔

”اسی لیے مزے بھی تو میں ہی کر رہی ہوں۔“ اس نے اس طرح جواب دیا کہ صنفرد کے دل پر چر کہ لگا وہ بھوکے شیر کی

طرح چھپٹا لود گر جا..... اس کے نازک کندھوں پر پورا غصہ نکالتے ہوئے حد کر دی..... وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

”صنفرد..... صنفرد چھوڑو میں مجھے..... بمشکل کہہ سکی۔“

”جی تو چاہتا ہے کہ تمہاری جان لے لوں۔“ اس نے انتہائی غصے کے عالم میں زور سے جھنجکاوے کر چھوڑا۔

”یہی بہتر ہے آپ کے لیے۔“ اس نے کندھے سے ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں تمہارا جینا حرام کر دوں گا میری امی نے میرے لیے سوالات کھڑے کر رکھے ہیں کہہ دیا ہے میں نے انہیں کہ تم خلع چاہتی ہو اور اب تم بھی یہی کہو گی۔“

”کیوں..... میں کیوں کہوں؟ آپ مجھے میرے بچے کو ہلکے اپنے بچے کو قبول نہیں کر رہے ہیں آپ انہیں بتائیں۔“ وہ ترکی پر ترکی بولی۔

”یعنی تم مجھے بتاؤ گی۔“ وہ حیران ہو کر طرہ مسکرایا۔

”آپ کیوں بھول جاتے ہیں میں اپنے بچے کی زبان بولتی ہوں میں چاہتی ہوں کہ یا آپ ہم دونوں کو قبول کریں ورنہ ہماری آزادی کا اعلان کر دیں بتادیں اپنی امی کو کہ سچ کیا ہے؟“ وہ ہر لفظ چہا چہا کر بولی تو وہ سنانے میں آ گیا۔

”مطلب؟“

”مطلب یہی کہ میں نے اپنی امی کو سب بتا دیا ہے۔“

”تو..... تم مجھے بائک سیل کر رہی ہو۔“

”میری کیا مجال؟ میں تو گناہ گار اور آپ کی مجرم تھی۔“

”تھی..... مطلب۔“

”اگر آپ میرے قریب نہ آتے تو میں مجرم گناہ گار اور خطا کار تھی مگر آپ نے مجھے بیوی کا مقام دیا تو میں اب آپ کی بیوی ہوں۔“

”شش آپ تم لوہا میری بیوی۔“

”تو ٹھیک ہے مجھے نئے زاؤ کرویں۔“

”کاش! میں تمہیں اس حالت میں اٹھا کر باہر پھینک سکتا۔“ وہ تھلا کر بولا۔

”میں انتظار کروں گی۔“

”میں تمہیں ہرگز نہ حاف نہیں کروں گا۔“ وہ بے بسی کے عالم میں جھلا کر واپس لوٹ گیا اور اس کے مد مقابل سیسہ پلائی دیوار بن کر جنگ کرنے والی اس کے جاتے ہی بستر پر گر کے لچکیوں سے دوڑنے لگی کتنا مشکل تھا اس قدر تیز لیل برداشت کرنا۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

شام کے طلحے سائے چار سوا تر آئے تھے۔

وہ شہر سے دور خانہ شمس کم آمدورفت والی سڑک پر ایک طرف گاڑی کھڑی کر کے باہر نکلا لپے لپے سانس لینے چند لمحے آسمان کی دستوں پر نگاہ ڈالی پھر جیب سے سیل فون نکال کر صفحہ کو فون کیا۔

”کیسے ہو.....؟“ مردہ سی آواز میں پوچھا۔

”زندہ ہوں پر زیادہ دن زندہ رہوں گا نہیں۔“ صفحہ نے بے بسی سے کہا۔

”کیا بات ہے.....؟“ عارض نے فکر مندی سے پوچھا۔

”عارض! یار میں مر جاؤں گا میرا دل پھٹ جائے گا۔ کوئی نہیں جس کے سامنے دل کا بوجھ اتاروں..... میں مزید کیسے اپنے اندر کی آگ برداشت کروں آج میں بہت بے بس اور بے چارگی محسوس کر رہا ہوں.....“ صفحہ عارض کے پوچھتے ہی پھٹ پڑا ایک سانس میں بولتا چلا گیا۔

”اگر میں یہ کہوں کہ میرا بھی تم جیسا ہی حال ہے بس بھی یہاں تھا اپنے اندر ہی اندر سلگ رہا ہوں تم کیا جانو مجھ پر ان دو

دلوں میں کیا قیامت گزری ہے۔“ عارض تو حقیقتاً اپنی الجھنوں کا شکار تھا۔

”تو آ جاؤ کیوں دور بیٹھے ہو؟“ صغیر بے قرار ہو گیا۔

”ہاں! آتا تو ہے لیکن کچھ وقت چاہیے۔“

”کیا مسئلہ ہے؟“

”میں نے سراب کی تمنا کی تھی، کاش بتا سکتا۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

”چھوڑو جلد سمجھاؤں گا تم اپنی سناو مسئلے کا حل کیا لکھا؟“

”مگر مسئلے کا حل ہوتا تو میری یہ حالت ہوتی، مجھے نجات کا رستہ نہیں مل رہا، میں نے امی کا آج کس طرح سامنا کیا ہے یہ

مجھے بتا۔ ہنڈیا اپنے فیصلے پر ڈٹی ہوئی ہے۔“

”ایک بات کہوں، ٹھنڈے دل سے سوچو تمہارا بچہ ہے، زمانہ اس کا کیا حال کرے گا۔“ عارض نے اپنے تئیں سمجھانے کی

بھرپور کوشش کی۔

”مجھے زمانے سے مطلب نہیں۔“

”اب ہو بھی کیا سکتا ہے؟“

”اگر وہ بچے سے نجات حاصل کر لے تو میرے گھر میں پڑی رہے۔“

”درگزر سے کام لوانا ہی کا سوچو نہیں بچے کی آرزو ہے معاف کرو بھائی کو۔“ عارض نے ایک کوشش اور کی۔

”نو۔۔۔ پھر بات ہوگی اس وقت میں بہت ڈسٹرب ہوں۔“ صغیر کو اس کی ہیصبت نہیں بھاری تھی اس لیے فون بند کر دیا۔

وہ کسی کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

جب وہ گھر پہنچی تو ٹی وی لاؤنج میں مکمل خاموشی تھی۔

شیردل بابا نے زینت آ پائے کے سو جانے کی خبر دی تو وہ اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو یوٹی کو

کمرے میں دیکھ کر ٹھکی۔

”خیریت میرے کمرے میں کیوں ڈیرے لگا رکھے ہیں؟“

”خالی کمرے میں سرگمرا رہا تھا۔“

”کیوں بھئی؟ ایسا کیا ہو گیا۔“ وہ اطمینان سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”تو اور کہا کرتا، مصروف شرمین بی بی کے پاس تو میرے لیے وقت ہی نہیں ہے، کیا فرق پڑ جاتا جو شاپنگ کے لیے

میرے ساتھ چلی جاتیں۔“ وہ بھٹنا کر بولا۔

”ہیں! کیوں مجھے کیلے کیا خطرہ تھا؟“

”تجربہ ہو جاتی، مجھے کیلے مڑنے کے لیے بلایا ہے۔“

”اکیلے کہاں تھے؟ ملائے کے پاس بیٹھتے میرے کمرے میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”یہاں تمہاری خوشبو تھی، میں نے تمہارا اسکارف اپنے چہرے پر ڈالا تو تمہارے حصار میں قید ہو گیا۔“

”یوٹی! آپ کی یہ باتیں ایک دم سٹی مقام پر لگتی ہیں۔“ وہ کچھ کمر دے سے لہجے میں بولی۔

”تم اتنی بوریوں ہوتی، وہ اس کے سامنے ٹخنوں کے ٹل بیٹھتے ہوئے بولا۔

”یوٹی میں چاہتی ہوں کہ جتنی جلد اس حقیقت کو تسلیم کر لو گے اتنا بہتر ہوگا۔ میرے اور تمہارے درمیان ایک ہی رشتہ ہے

وہ ہے جاہل اور عزت کا..... کوئی اور بھی ہے جس سے میرا برابری کا رشتہ ہے۔“
 ”میرے اور تمہارے درمیان صرف اور صرف محبت، عشق کا تعلق ہے۔“ وہ ڈھٹائی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

”پلیز اپنے کمرے میں جاؤ۔“ وہ اکتا سی گئی۔

”میں نے ہار نہیں مانتی۔“

”عقل سے کام لو، برنہ پچھتاؤ گے۔“

”شرمین! میں سچ سچ تمہارے کہنے پر آیا ہوں اگر تم نے بے وفائی کی تو میں اپنا خاتمہ کر لوں گا۔“ وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا وہ بوجھل آنکھیں موند کر خرد کو سکون دینا چاہتی تھی کہ حمیدہ نے آ کر کہا۔

”بی بی جی! کھانا لگا دوں۔“

”نہیں ابھی نہیں۔“

”کھالیں بوبلی صاحب نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا۔“

”کیوں.....؟“ وہ حیرانی سے بولی۔

”بس ایک ہی جواب دیتے رہے کہ شرمین کے ساتھ کھاؤں گا۔“

”میں تم لوگوں کو متا کر گئی تھی کہ آفس سے واپسی پر مارکیٹ جانا ہے پھر کھانا کیوں نہیں لگایا۔“

”لگاتے تو تب جب وہ کھانا چاہے بڑی بیگم صاحبہ کو کھانا کھلا دیتا تھا مگر انہوں نے آپ کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا تھا۔“
 ”تو رہنے دو میں فی الحال آرام کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے قطعی بے زاری ظاہر کی اور ہیڈ پر دراز ہو گئی۔ حمیدہ چپ چاپ کمرے سے باہر چلی گئی۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

ہوٹل کی لابی میں عارض کو دیکھ کر صبح احمد مسکرا کر آگے بڑھے۔

”لو مسٹر عارض! اثر نے آج خود بھی آپ سے ملنے آنا تھا۔“

”انگچولی میں یہاں سے گزر رہا تھا سو میر نے آپ کا تذکرہ کیا تو میں آ گیا۔“

”بہت اچھا کیا..... کیا منگواؤں چائے کافی سا فٹ ڈرنک۔“ انہوں نے پوچھا۔

”کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔“

”تکلف کیسا؟“

”مجھے آپ سے پوچھنا تھا کہ آپ کی سبز.....؟“ عارض کے دل میں جو طوفان تھا وہ زبان پر آتے آتے رک گیا۔

”وہ اب میری زندگی میں نہیں۔“ وہ کرب سے سترائے۔

”مطلب..... وہ واصل آپ کے والٹ میں تصویر تھی.....“ وہ بھر جھک کر رک گیا۔ دل میں خوف تھا پریشانی تھی

اضطراب تھا۔

”تصویر.....؟ وہ میرا سر ملیا ہے خالی لو۔“ انہوں نے ذہن محبت سے چند چور لہجے میں جھوم کر اس کے وجود پر بڑا سا پہاڑ گرا

دیا۔ ایک لمحے کو وہ نہ کچھ کرن سکا اور نہ دیکھ سکا پھر اسما گیا۔

”میں کافی منگواتا ہوں۔“ انہوں نے اسے خاموش دیکھ کر کہا تو وہ ہوش کی دنیا میں آ گیا۔

”تو پھینکس میں ذرا جلدی میں ہوں۔“ وہ بے جان سے قدموں پر اٹھ کھڑا ہوا۔

آنچل ❁ فروری ❁ ۲۰۱۵ء 99

”لو۔۔۔ آپ سے ملاقات یاد رہے گی شاید دوبارہ ملاقات بھی ہو۔“ وہ بولے۔
 ”شاید.....“ وہ بڑبڑا کر تیز قدموں سے باہر نکل آیا جسم سے جیسے جان نکل کر صبح احمد کے والٹ میں رہ گئی۔ یہ سننے کا تو
 حوصلہ ہی نہیں تھا۔ وہ پیچھے سے کچھ کہتے رہے مگر وہ رکا نہیں اپنے آپ کو کھینچتے ہوئے ہوٹل سے باہر نکلا معید الرحمن نے اس
 کے چہرے کا رنگ متخیر دیکھ کر پوچھا۔

”سر! آپ ٹھیک تو ہیں۔“

”ہنہاں چلو۔“ وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

”وہ عارض صاحب! یہ بھی ہونا تھا فراق یار کی بارش ملاں کا موسم ہمارے شہر میں اترا کمال کا موسم وہ اک دعا میری جو
 نامراد لوٹ آئی زبان سے روٹھ گیا پھر سوال کا موسم جو بے یقین ہوں بہاریں اجڑ بھی سکتی ہیں دعا کے دیکھ لیں مرے ذوال کا
 موسم عارض صاحب کی تباہ حالی کا دل کی بربادی اور ہستی کی سساری کا موسم دیکھو ہلکی ہلکی بارش میں کمرے کی کھڑکی سے باہر
 سڑک پر نظریں مرکوز تھیں خشک ہوا کے جھونکے چہرے سے ٹکر رہے تھے ایک دم زوردار چھینک آنے سے اسے احساس ہوا
 کہ سردی ہے کھڑکی بند کر دی جائے..... مگر اندر جو سردی اتر چکی تھی اس سے کیسے محفوظ رہا جاتا..... دل نے تمام تر حدتوں اور
 شدتوں سمیت شرمین کو نکال باہر کیا وہ تو پہلے ہی الجھن میں گرفتار تھا اپنی محبت کا جواب اب تک شرمین نے نہیں دیا تھا اور اب
 یہ انکشاف کہ صبح احمد کے بنے میں اس کی تصویر اور ان کے دل و دماغ میں اس کی محبت رہتی ہی ہے وہ ان کی محبت ہے یقیناً
 وہ بھی صبح احمد سے اتنی ہی محبت کرتی ہوگی یہ بات اس نے چھپا کر رکھی بتائی تک نہیں یہ سوچ کر غم و غصے سے مضطرب ہو گیا
 حل کوئی نہیں تھا جواب کوئی نہیں تھا سوالے او میٹریں کنے بے چینی اور بے بسی کے اس نے دل کی گہرائیوں سے اسے چاہا لیکن
 وہ کسی اور کی جاہت ہے کسی اور کی محبت ہے پھر بھلا میں اسے کیسے دل میں رکھوں؟ وہ میرے دل میں بھی رہے اور صبح احمد
 کے بھی یہ تو نا ممکن ہے اور مجھے قبول نہیں۔“ نہیں شرمین میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کسی کی محبت پر ڈاکو ڈالوں میں تمہیں
 مجرم نہیں کہتا اور ظالم میں بھی نہیں بننا چاہتا تم صبح احمد کی محبتوں میں تابندہ رہو میں تمہیں بھلانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے
 معلوم ہے یہ مکمل کام ہے لیکن آخر یہ کرنا ہی ہے..... تم نے ٹھیک کیا محبت کے اعتراف اور اظہار سے اعتراف کیا کیونکہ یقیناً
 تم اپنی پہلی محبت کیسے فراموش کر سکتی تھیں میں ہی تاوان تھا کہ تمہاری محبت میں گرفتار ہو کر سب کچھ بھول گیا لیکن تم نے اچھا
 کیا جو سرد مہری سے اپنا رد عمل ظاہر کیا اب تم سے کچھ پوچھنے اور جاننے کی ضرورت نہیں رہی تم اپنی آزاد خود مختار زندگی جیسے چاہو
 جس کے ساتھ چاہو بسر کرو مجھے کوئی حق نہیں میں نہ تمہیں شرمندہ کروں گا اور نہ جلاؤں گا۔“

✦ ✦ ✦ ✦ ✦ ✦

اکاؤنٹس بیٹی ممبران کے ساتھ تقریباً دو گھنٹے میٹنگ جاری رہی۔ میٹنگ ختم ہونے پر اس نے جھکن ہی محسوس کی..... کچھ
 بھوک بھی لگی ادنیٰ تھی صبح کچھ جلدی تھی یا پھر بھول چوک ہوئی کہ وہ کسی سے بھی ملے بغیر آگئی تھی اپنے لیے چائے اور سینڈویچ
 منگوا کر ایک لقمہ ہی لیا تھا کآ غامی آگئے وہ انہیں اچانک دیکھ کر متحیر ہو گئی ان کی محبت اور گرم جوشی پہلے سے بڑھ کر تھی۔
 ”بابا آپ عارض کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟“ اس نے سنجیدگی سے گلہ کیا تو وہ سمجھ گئے کہ وہ عارض کو مس کر رہی ہے۔

”آجائے گا جلد بس من مورتی ہے۔“ انہوں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

”وہاں رہنے کا جواز کیا ہے؟“ اس نے دل میں چھپا شک ظاہر کیا۔

”یہاں سے فون پر پوچھا خر مگتیر ہے آپ کا۔“

”مجھ سے تو اب بات ہی نہیں ہوتی۔“

”مطلب.....“

”بس کچھ میں مصروف ہوتی ہوں اور وہ بھی شاید مصروف ہوتے ہیں۔“
 ”لوں ہن۔“ بس اب سیر پانے کرتا ہے منجھرتا رہا تھا کہ اب تک آفس جا کر اسٹاف سے میٹنگ تک نہیں کی۔“
 ”پھر لکی کیا بات ہے؟“
 ”یہ میری سمجھ میں بھی نہیں آتا کچھ ابھی ابھی باتیں کرتا ہے۔“
 ”خیر آپ کب آئے ہیں مصنفہ بھائی سے ملاقات ہوئی۔“ اس نے بڑے حوصلے سے موضوع بدلا۔
 ”کل شام ہی آیا ہوں مصنفہ کو فون کروں گا۔“
 ”اور مصنفہ بھائی۔ کب سے لگائے کہ وہ عارض سے پوچھیں۔“
 ”عارض کا کچھ مسئلہ ہے ضرور کیونکہ وہ مصنفہ سے بھی زیادہ رابطہ نہیں کرتا۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو وہ کچھ فکر مند ہوئی..... مگر ظاہر نہ ہونے دیا۔

”جلسوں کوئی وجہ ہوگی میں خود عارض سے پوچھ لوں گی۔“
 ”ہنہ یہی تو میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے رابطہ کھا کرو۔“ وہ خوش ہو گئے۔
 کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ چلے گئے۔ اس وعدے کے ساتھ کہ وہ ان کے پاس چکر لگایا کرے گی ان کے جانے کے بعد اس نے انا کو ہالائے طاق رکھ کے عارض کا نمبر ملایا..... مگر فون آف تھا... دو تین بار کوشش کرنے کے بعد اس نے سیل فون رکھ دیا..... اور سوچنے لگی کہ عارض کو کیا مسئلہ درپیش ہے جس کا نہ بلہا کو پتا ہے اور نہ وہ اس سے شیئر کر رہا ہے۔ پھر غیر ضروری وہاں اس کا قیام کتنی تشویش کی بات تھی۔

”یا خدا میں کیسے عارض کے دل کی بات جان پاؤں چھوٹی سی بات کہہ کر رابطہ منقطع کر لیا میری زندگی بچ منجھ حار میں پھنسی ہے کاش ایسا کسی حقیقی فیصلے تک جلد پہنچ سکتی ہو بی کتا نے سے پہلے عارض کا ساتھ حاصل ہو جاتا تو بولی کی آمد سے کچھ خاص فرق نہ پڑتا مگر اب تو وہ ہر وقت کا ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ کاش! دنیا میں لڑکیاں تنہا نہ ہوا کریں۔“ اس کی دکھ سے بھری حسرت بلند ہوئی پھر اسے ماں جان کی بات یاد آئی گئی کہ تم کسے اللہ کی حکمت پر کچھ کہہ سکتی ہو مینا! اللہ بہتر جانتا ہے کہ بیٹیوں کی تنہائی کیسے بردہ کرنی ہے۔“ یہ یاد آتے ہی اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ بڑی دیر وہ انہیں یاد کرتی رہی۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

”نہی کپڑے ستری کرنے کے بعد نہ بیا کے لیے سیب کاٹ کر لائی تو زبیا کو بہت شکر دیکھ کر بولی۔“
 ”اب آئی گئی ہو! اطمینان سے دو ٹولو یہ سیب کھاؤ۔“
 ”نہی! اماں بہت زور دیتی تھیں سیر اول ان کے لیے تڑپ رہا ہے۔“ وہ اماں کا تذکرہ کرتے ہوئے رو دی۔ نہی بھی افسردہ ہو گئی اسے گلے سے لگا کر تسلی دینے کی کوشش کی۔
 ”ایسے حالات میں ان کا رونا یعنی بات ہے اور تمہارا انہیں یاد کر کے نہ سہانا بھی سچا ہے مگر یہ جبر تو کرنا ہی ہوگا مشکل سے نکلنے کے لیے حوصلے سے کام لینا پڑتا ہے۔“
 ”مجھے ایسا لگتا ہے کہ کیا امکان ختم نہیں ہوگا میری زندگی ختم ہو جائے گی ایک میری وجہ سے کتنے لوگ پریشان ہو گئے ہیں۔“
 ”اللہ غرق کرے اس بد بخت کو جہاں ہو وہ لیل و نوار ہو ساری مشکلات اس کی وجہ سے شروع ہوئیں نہ وہ محبت کا کھیل کھیل اور نہ تمہیں بر باد کرتا۔“ نہی نے نفرت اور حقارت سے کہا تو اسے جیسے خود سے گھن آنے لگی۔
 ”مت لو اس کا دام۔“

”مجھے مصنفہ بھائی پر حسرت ہے ذرا سا بھی بڑا پن نہیں دکھایا انہوں نے تم پر قوف ہو کر جا کر ان کی امی کو حقیقت بتاؤ انہیں

تو اپنے پوتے پوتی سے محبت ہوگی۔“

”بھئی! جب صفدر کے دل میں میری عزت نہیں وہ مجھے قبول نہیں کر رہے تو میرے بچے کو کیسے قبول کریں گے؟ اور مجھے اپنے بچے کی توجہ تو میں قبول نہیں۔ میں اب ممتا کے احساس سے فیصلہ کر چکی ہوں۔“ زیبانے صاف مسترد کر دیا نغمی کی بات کو۔
”سوچ لو! کبھی نہ کبھی تو صفدر بھائی کو اپنے بچے کا احساس ہوگا۔“

”اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔“

”خیر تم ٹینشن نہ لو میں نے تو صبح آفس جانا ہے تمہارے لیے کھانا پکا کر فریج میں رکھ دیا ہے۔ وقت پر کھالینا اور ہاں دو روٹہ جوں بلور پھال بھی رکھے ہیں ضرور لے لینا۔ میں شام چار بجے تک آتی ہوں۔“ نغمی نے اسے اپنی عدم موجودگی میں تمنا ہونے کے باعث ضروری ہدایت کی۔

”شاید لہاں آئیں۔“ اس نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

”اچھی بات ہے تم ان سے بحث نہیں کرنا۔“

”بحث نہ کرنے کے لیے ہی تو یہاں آ گئی ہوں۔“

”یہ سوچ لو کہ صفدر بھائی بھی وہاں آ سکتے ہیں۔“ نغمی نے حد شہ ظاہر کیا۔

”تو لہاں بتادیں گی ویسے بھی میں اب صفدر کی زندگی سے آگے نکل آئی ہوں وہ بہت کٹھور ہے اب شاید ہی آئے۔“

نغمی نے اثبات میں گردن ہٹلائی، کچھ دیر سوچا اور پھر روئی۔

”میرا بول چاہتا ہے کہ میں صفدر بھائی کے گھر جاؤں ان کی امی کو سب کچھ بتاؤں۔“

”پلیز! نغمی! فضول باتیں نہ سوچو۔“

”چلو ٹھیک ہے تم آرام کرو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں ذرا بچن کی صفائی کر لوں۔“ نغمی اٹھ کر چلی گئی تو وہ کروٹ لے کر اٹک بہانے لگی۔ نغمی کو کیا بتائے کہ بظاہر صفدر سے جنگ لڑنے والی اندر سے کس قدر شکستہ ہے۔ ”میرے اندر کیسے طوفان ہیں؟ کتنے عذاب ہیں؟ میری آنکھیں اٹک بہاتے بہاتے مٹی ہو جائیں گی..... سب خواب بکھر جائیں گے ایسا لگتا ہے دریا کی دہلیز پر آنکھیں ٹھہری ہیں جانے کتنا وقت لگے گا سارے خواب بہانے میں.....؟ صفدر تو ایک فرض سا شخص تھا میری بدکسی سے وہ بھی مجھ سے قضا ہو گیا..... اب زندگی کی آرزو کہاں رہی؟ بس اپنی اولاد کے لیے زندگی کے بہانے ڈھونڈ رہی ہوں۔“ وہ سوچتے سوچتے سو گئی۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

اسے گمان تک نہیں تھا کہ بوبلی چار وقت سے بھوک ہڑتال پر ہے محض اس کی وجہ سے..... اب اس کی طبیعت خراب ہو گئی اور ڈاکٹر کو بلانا پڑا..... ڈاکٹر صاحب کو گیٹ سے لٹکھا دیکھ کر اس نے چونک پیدار سے پوچھا تو اس نے لاعلمی ظاہر کی، ٹی وی لاؤنج میں شیردل بابا کو دیکھا تو ان سے دریافت کیا، انہوں نے ساری بات بتائی تو وہ سخت حیران پریشان ہی بوبلی کے کمرے میں آ گئی۔ زینت بیٹے کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں بوبلی کئی مہینوں کا بیمار دکھائی دے رہا تھا خشک پوزی زدہ ہونٹ اور پہلی رنگت وہ شرمندہ سی آگے بڑھی۔

”اسے کیا ہوا؟“ اس نے زینت آ پاسے پوچھا۔

”پاگل پن اور کھٹن۔“ زینت آ پانے خشک سا جواب دیا۔

”وہ ڈاکٹر صاحب ابھی گئے ہیں مجھے فون کر دیا ہوتا۔“ وہ پریشان ہی ہو کر بولی۔

”حمیدہ نے تمہیں بتایا تو تھا کہ یہ گدھا تمہارے بغیر کھانا نہیں کھا رہا۔“ انہوں نے طنز کیا تو نہیں البتہ بہت سنجیدہ لہجہ

آنچل ❁ فروری ❁ ۲۰۱۵ء 102

اختیار کیا۔ وہ بہت نادہی ہو گئی۔

”تو مجھے کال کرنی ہوتی۔“

”سیدہ! ایسی بات مجھ سے ایسی باتیں سوچتی ہی نہیں چاہئیں۔“

”اچھا اب ڈاکٹر نے کیا کہا؟“

”کچھ نہیں دیکھیں ہے یعنی جوس اور فروٹ وغیرہ دیں۔“

”میں بنا کر لاتی ہوں۔“ وہ بولی تو انہوں نے روک دیا۔

”نہیں وہ خانہ ماں بنا رہا ہے بس تم اسے پلا دینا۔ میں وضو کر کے شکرانے کے نفل پڑھ لوں۔“

”جی ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا تو وہ جلی گئیں۔

”بولی۔۔۔۔ بولی۔“ ان کے جانے کے بعد اس نے دھیرے سے پکارا تو اس نے آ نکھیں کھول دیں۔ وہ خوش ہو گئی۔

”یہ کیا پہننا ہے؟“

”کیا.....؟“ بڑی معصومیت سے پوچھا گیا۔

”کھانا نہ کھانا اور طبیعت خراب کرنا۔“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”تمہارے بغیر کبھی نہیں کھاؤں گا کیا تم پوچھ نہیں سکتی تھیں۔“

”بولی! مجھے تو خیال تک نہیں آیا کہ اب بچوں کی طرح تمہیں کھانا بھی کھلانا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”یہی کہ یہاں شوبانہ کی ضرورت تھی کیا؟“

”میں بہت ضدی ہوں اگر تم نے آ زمانا ہے تو آ زمانو۔“ اس نے جواب دیا وہ اس کی معصومیت پر مسکرائی جواب اس لیے

نہیں دیا کہ جدیدہ یعنی لائی تھی۔

”چلو اب بچنی بیو۔“

”تم زہر پلاؤ گی تو وہ بھی پی لوں گا۔“ اسے فحاشی سی ہو رہی تھی بمشکل تمام ذرا سیدھا ہو کر بیٹھا..... شرمین اس کے قریب

کر سی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”تم نے میرے بغیر کیسے کھایا؟“

”جیسے سب کھاتے ہیں۔“

”میں پھر کچھ نہیں کھاؤں گا یا پھر کھنا۔“

”بولی! ایسے کیسے کام چلے گا؟“

”مجھے نہیں پتا۔“ اس نے بچنی کا سپ لیا اور جواب دیا۔

”بچنی ختم کرو میں کھانا لاتی ہوں جب تک کچھ کھاؤ گے نہیں طاقت نہیں آئے گی۔“ وہ ٹال کر اٹھنے لگی۔

”پلیز! شرمین کہیں نہ جاؤ۔“

”ابھی آ جاؤں گی۔“

”نہیں! بس میرے پاس مومیری نظروں کے سامنے۔“ اس نے بڑھ کر اس کا دایاں ہاتھ جکڑ لیا۔

”اچھا! اچھا! ایک ہے ہاتھ تو چھوڑو۔“

”میں نے ہمیشہ کے لیے عہد کیا ہے۔“

”کیسا مہذب؟“

”یہی کہ تمہارا تمہ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔“

”مجھوں کے چاچا بچپنی ختم کرو۔“ اسے ہنسی آ گئی۔

وہ شرمندہ سی لڑکی لالوچ سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ زینت آ پانے آواز دی..... وہ ہنسی اور ان کے پاس چلی آئی۔

”شرمین! میں: دم ہوں، بوبی کی بے جا ضد کے باعث۔“

”کیوں؟“

”وہ بلاوجہ بچوں جیسی ضد کرنے لگتا ہے۔“

”ابھی استا، کتنے دن ہوئے ہیں آفس جانے لگے گا تو معروف ہو جائے گا۔“ اس نے بڑے قریب سے سمجھایا۔

”پھر اسے صبح ضرور لے کر جانا۔“

”جی! میں کچھ دیر بعد اس کے پاس آتی ہوں پھر سمجھا دوں گی۔ میں شرمندہ ہوں آپ کو تکلیف پہنچی۔ اسے احساس تھا کہ زینت آ پا کو کتنی دلی تکلیف ہوئی ہوگی۔ میں نے ان دونوں کو ہی نظر انداز کیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”ارے نہیں بوبی تو میرا جھلائے بے جا ضد کی۔“

”تاہم میں آئندہ خیال رکھوں گی۔“ وہ بولی۔ زینت آ پانے مسکرا کر اثبات میں گردن ہلا دی۔ وہ گہری سوچ میں غلطیاں اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

کمرے میں ٹی وی چل رہا تھا۔ لیکن وہ ٹیلی میں منہ دیکھ لیتا تھا۔ جہاں آرا کو حیرانی ہوئی۔ ٹی وی کا سوچ مین بورڈ سے بند کر کے وہ اس کے قریب سر ہانے بیٹھ گئیں۔

”کب تک اپنی آگ میں تمہا جلو گے میرے بچے۔“ اس کے بالوں میں محبت سے انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔ اس نے ٹیلی سے منہ باہر نکالا۔

”امی خیریت۔“ وہ ان کی بات کو کسر نظر انداز کر گیا۔

”سب خیریت ہی تو ہے مجھے کیا معلوم تم دونوں کیا چاہتے ہو؟“ وہ بہت افسردہ ہو کر بولیں تو اس نے بے قرار ہو کر ان کے ہاتھ چوم لیے۔

”امی! میں آپ کو پریشانی سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔“

”تمہاری شادی کتنے ارمانوں سے میں نے کی تھی اور نتیجہ کیا نکلا؟ گھر کی ویرانی، گھر کی اداسی، تمہائی۔“

”سب تقدیر کی بات ہے۔“

”تم زیبا کے پاس گئے تھے۔“

”ہنہ!“

”تو پھر۔“

”پھر کیا وہ اپنی ضد پر قائم ہے۔“

”یعنی قلع چاہتی ہے۔“

”جی آپ ٹکڑے کر لیں۔“

”کیا فکر نہ کروں؟“ ان کا گلہ رندہ گیا۔

”میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن اس کی ایک ہی رٹ ہے۔“ وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

”میں کیسے یقین کروں اتنی بھولی اور معصوم ہے وہ۔“ وہ بولیں۔

”معصوم معصوم تو آپ ہیں جنہیں کچھ نظر نہیں آیا۔“

”وہ یہی کیا کر سکتی ہے؟“

”چھوڑیں چلیں میں آپ کو باہر لے چلتا ہوں۔“

”رہے خود میرا کسی کام میں جی نہیں لگدہا۔“

”چلیں کھانا بھی باہر کھائیں گے۔“

”نہیں میں سالن گرم کرتی ہوں باورچی خانے میں ہی جاؤ گرمی پکاتی ہوں۔“

”اچھا! آپ چلیں میں آتا ہوں۔“

”میرے بچے! اللہ تمہاری آزمائش ختم کرنے میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے کیا ہوگا اب تو محلے والے بھی پوچھنے لگے ہیں کہ ہو

کہاں ہے“ کب پوتے پوتی کی مٹھائی کھلا رہی ہو؟ کیا بتاؤں کسی کو۔“

”دفع کریں لوگوں کو ہم نے کسی کو دینا ہے پچا اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔“ وہ بولا۔

”ہاں! پر شک اللہ ہی عظمت والا ہے۔“ وہ اٹھتے ہوئے کہہ کر گئیں..... تو وہ شرمندگی سے خود کو ملامت کرنے لگا۔

”ڈوب مرو خدا تمہاری ماں نے اس دن کے لیے پال پوس کر بڑا کیا شادی کی کہ تم جھوٹ بولو نہیں اپنی ضد کی بھینٹ

چڑھاؤ اللہ نے تو اپنی رحمت سے زبیا کی کوکھ بھروی ہے مگر تم نام نہاد مردانگی کے ہاتھوں اس معصوم کو قبول کرنے سے انکاری

ہو..... یہ ضد و غصہ چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ زبیا کی سزا اپنے بچے کو اور یہ دکھ اپنی پیاری امی کو کیوں دے رہے ہو؟“ تم تا فرمان

اولاد ہوؤ نہ جا پے میں تمہاری ماں بے چین ہے اور تم تم تما شادیکہد ہے ہو۔“ تمہیر کی ملامت پر وہ تڑپ اٹھا۔

”یا اللہ! میں کیا کروں؟ میرا دل نہیں مانتا میں زبیا کو معاف نہیں کر سکتا میں شاید کمزور دل ہوں میری قوت اراوی اتنی

مضبوط نہیں میرے اندر نفرت کرنے والا انسان پوری طاقت کے ساتھ موجود ہے میں اس کے زیر اثر ہوں کیسے باہر نکلوں

بہت مشکل ہے..... اور زبیا بھی تو خود سری اور بے باکی پر اتر آئی ہے..... میں اس کی ہاتس سنتا ہوں تو خون کھولنے لگتا

ہے.....“ وہ ذہن جھٹک کے وائش روم میں گیا ہاتھ دھوئے اور باہر کا رخ کیا۔

+ ❁ + ❁ ❁ +

کئی گھنٹے سے وہ مسلسل سونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ نیندا گھولنے سے کوسوں دور تھی..... دن بھر کی سب مصروفیات

ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھیں انہیں ذہن سے تھکتی تو بوبلی کی حماقت بے گل کر دیتی۔ بوبلی کے حد سے زیادہ

بڑھتے لگاؤ۔ سارے خوف آ رہا تھا وہ ہر وقت ہر پل اسے اپنے سامنے اور اپنے ساتھ رہنے کو کہنے لگا تھا جو کہ اس کے لیے ممکن

نہیں تھا جیسے مانا بھی اس کے بغیر نہیں کھانا وہ اس طرح کیسے اس کی مرضی پر چل سکتی ہے اس کے تقاضے مہر و الفت سے

بھر پور رہی مگر انہیں وہ مان نہیں سکتی کیسے ان سب سے جان چھڑائے اس کو سمجھانا مشکل اس کو منع کرنا دشوار صرف اس کی مرضی

پر عمل کرنا لازم ہو گیا تھا گھر میں یہ حال ہے تو آفس میں تو اور بھی مشکل ہو سکتی تھی..... دل نے کہا کتنی سے مدلل ظاہر کرو مگر

پھر اس کی نگاہوں میں ماں جیسی زینت آ پا کا چہرہ آ جاتا اس کے آنے سے وہ کس قدر خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسے میں

صرف ان کو بولی رنج ہوتا۔

”یا اللہ! میں کیا کروں؟ اپنی محنت کو صدمہ پہنچاؤں یہاں سے چلی جاؤں کیسے بوبلی سے دور جاؤں.....؟“ سوچتے

سوچتے اٹھ بیٹھی پھر ایک ہی امید کی کرن نظر آئی..... عارض..... دل نے گد گدایا 'شر میں عارض کتا وازدوا سے پکارا نووہ جو سننا چاہتا ہے کہدوا سے بلا لودھا جائے گا تو سب مسئلے حل ہو جائیں گے بوبی خود بخود دور ہو جائے گا اور تمہارے پاس محفوظ پناہ گاہ ہوگی۔ عارض تمہیں بے پناہ چاہتا ہے اسے پیار سے پکارو کہدو محبت بھرے وہ جملے جو تم نے اس کے لیے دل میں چھپا کے رکھے ہیں۔ وہ یقیناً تمہاری آواز پر دوڑا چلا آئے گا اسے بلا نووہ ناراض ہے صرف تم سے اسی لیے وہ نہیں آیا تم بلاؤ گی تو آؤ کر آجائے گا۔' ذہن نے اس طرح آمادہ کیا کہ اس کے خشک لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ہاتھ بڑھا کر موبائل فون اٹھایا اور تیز دھڑکنوں کے شور میں فون ملا یا مگر دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی 'مکمل خاموشی..... دو تین مرتبہ ملانے کے بعد بھی خاموشی ہی رہی تو موبائی دکھ میں بدل گئی دکھی دل کے ساتھ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی باہر سنا تھا اندھیرا تھا بس ہلکی ہلکی خشک ہوا تھی جو اس کی جلتی آنکھوں کو چھو کر ٹھنڈا کر جاتی..... تو اسے طمانیت بھرا احساس چھونے لگتا بالکل ایسے جیسے اس کے کانوں میں عارض نے محبت بھرے لہغوں کا امرت پٹکا یا ہے..... وہ مسکرا دی جیسے اس کے دل بے قرار کھڑا ہوا گیا ہو اور کہہ ہی ہو۔

"ہمارے درمیان عہد شب مہتاب زندہ ہے
ہوا چپکے سے کہتی ہے ابھی اک خواب زندہ ہے
ابھی اک خواب زندہ ہے.....!!

+ ❁ + ❁ + ❁ +

ناشہ ٹرے میں رکھ کے کچن سے باہر آئی تو منہ ہی آفس جانے کی تیاری کے ساتھ وہیں آ گئی۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر ہمت نہیں ہو رہی تھی منہ ہی نے خود بھانپ کر پوچھ لیا۔

"کیا بات ہے؟"

"کچھ خاص نہیں۔"

"عام ہی بتا دو۔"

"منہ ہی مجھے یہاں کالونی سے سلائی کا کام کرل جائے تو میں کر لوں۔" منہ ہی کے حلق میں اترتے پھنس گیا۔

"کیوں..... کیے میں نے کچھ کہا؟"

"نہیں میں تو مصروف ہونے کے لیے کہہ رہی ہوں۔" اس نے ٹالا۔

"کوئی ضرورت نہیں تمہیں آرام کی ضرورت ہے اور خرچے کی فکر کیوں کرتی ہو۔"

"خرچہ تو ہو گا نا۔"

"اللہ مالک ہے، ایسے مجھے کیا گزارنا سمجھو۔" منہ ہی نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

"کچھ لیکن لیکن نہیں ویسے ایک بات ہے میرے ذہن میں اگر یہ اندازہ تو کہوں۔"

"ہند بولو۔"

"صفر بھائی سے یہ تقاضا کیا جاسکتا ہے۔"

"نہیں وہ تو بہت بچھڑے سکتے ہیں لیکن مجھے ایک لگا نہیں چاہیے۔"

"کیوں.....؟"

"جب وہ مجھے اپنی اولاد کو قبول نہیں کر رہے تو ان کے پیسے کیوں اوں؟" اس نے کہہ۔

"یہاں پر تم احسان کر رہی ہو کم از کم خرچہ تو لو۔"

”منہی! میں اس شخص کا احسان ہرگز نہیں لینا چاہتی“ کاش! وہ اپنے بچے کو اپنی سفاکی اور بے حسی کی نذر نہ کرتا تو کوئی بات بھی تھی۔ اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.....“ وہ دھیرے دھیرے بول کر کچھ دیر کو خاموش ہو گئی تو منہی نے اٹھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے نہایت پیار سے کہا۔

”میری جان! کچھ غلط نہ سمجھو میں نے ویسے ہی ایسا کہہ دیا میں ہوں نا تمہیں خرچے کے لیے فکر مند نہیں ہونے دوں گی تم خوش رہا کرو آرام کرو کھاؤ پیو منہی خود کو کھایت کر دے گی کہ تمہاری سبکی ہی نہیں بہن ہوں۔“

”مجھے تم پر فخر ہے۔“ اس نے منہی کا ہاتھ چوم لیا۔

”اچھا اب میں چلتی ہوں ڈیر ہو رہی ہے۔“

”ٹھیک۔ بیٹا ایسی پر گھر سے ہو کر آنا۔“

”ہنہ ان شاء اللہ دروازہ بند رکھنا اور کچھ کام و ام کرنے کی ضرورت نہیں۔“ منہی نے ہدایت کی اور اپنا پرس اٹھا کر باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا ناشتے کے برتن اٹھا کر کچن میں رکھے اور کچن کی صفائی شروع کی..... لیکن کام کرتے ہوئے بھی ذہن بھٹکا ہوا تھا۔ بار بار اماں ابا کی یاد آ رہی تھی۔ اور وہ دشمن جاں بھی سفاکیوں کے باوجود کیوں یا نا رہا تھا؟ شاید اس لیے کہ اس نے اپنی مردانہ جاہت سے اس کا دل جیت لیا ہے اس کی خوبصورت شخصیت نے یہ احساس دلایا تھا کہ وہ چاہے جانے کے لائق ہے کسی لڑکی کا بے مثال خوب ہے اسے چاہتا کسی کے بھی دل کی شدید آرزو ہو سکتی ہے۔

”مگر بیٹا! تم لاکھ لاکھ جاہولہا کھاس سے محبت کرو وہ تمہارا نہیں بن سکتا“ تم قابل نفرت ہو اس کی زندگی میں وہ تمہارا جرم معاف کرنے کو ہرگز تیار نہیں کوئی مرد اپنی اولاد کو نہیں کتا اس نے یہ کر کے ثابت کر دیا کہ وہ تم سے شدید نفرت کرتا ہے ورنہ کیا مشکل تھی۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

زینت کے کہنے پر تو وہ آفس جانے کے لیے رضامند نہیں ہوا تو زینت نے شرمین سے کہا کہ وہ کہے..... شرمین نے اثبات میں گردن ہلائی اور اس کے کمرے میں آ گئی۔ وہ حیرے سے موسیقی کا مزہ لے رہا تھا ایک انگریزی رسالہ نظروں کی زد میں تھا۔ اسے دیکھ کر وہ کھل اٹھا۔

”آج تو جو اٹھل گیا۔“ وہ ترنگ میں کہہ گیا۔

”کیا ل گیا“ اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

”تمہارا لویڈ اب بھی میرے کمرے میں۔“ وہ خوشی سے چہک شرمین کو اچھا تو نہیں لگا پر ضبط کرتے ہوئے بولی۔

”بولی ایک ہفتے سے زیادہ ہو گئے اب آفس کی تیاری پکڑو۔“

”ہنہ! ٹھیک ہے لیکن ایک شرط ہے۔“

”شرط کیسی شرط؟“ وہ چونکی۔

”ہاں! تمہاری میری شادی۔“

”وہاٹ؟“ وہ اس قدر زور سے چلائی کہ شاید دروازے کا واگنی ہو لیکن وہ پورے اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔

”چلو شادی لیٹ کر لیتے ہیں پراجیکٹ تو ہونی چاہیے۔“

”بولی! آپ کی سوچ کب پھیر ہوگی تمہارے اور میرے بیچ بہت فرق ہے اور میں کسی کی مگھیر ہوں۔“ اس نے کچھ تھل سے کام لیا۔

”مجھے کسی چیز سے فرق نہیں پڑتا میری محبت اب جنون میں بد چکی ہے میں تم سے یہ اجازت لے کر واپس آیا ہوں“

آنچل ❁ فروری ❁ ۲۰۱۵ء 108

عمروں کا فرق ہوتا تھا کیا ہے؟ خود بتاؤ۔“ وہ اٹھ کر برابر آ کے کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔
 ”بونی! پلیز عقل سے کام لو میں نے عارض کی انگوٹھی بہن رکھی ہے۔“ وہ دو قدم پرے ہو کر بولی۔
 ”تو ٹھیک ہے میں واپس چلا جاتا ہوں۔“ وہ منہ سورا کر دوڑ کر کھڑا ہو گیا۔
 ”تم بلیک میل کر رہے ہو۔“
 ”نہیں میں تم سے محبت کرتا ہوں تمہیں چاہتا ہوں بچپن سے۔“ وہ بولا۔
 ”وہ کھو بونی! تمہارے پاس بہت سا وقت ہے ایک سے ایک لڑکی تمہیں چونکانے کا ہے گی میرا تمہارا کوئی جوڑ نہیں میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”شرمین آئی! بونیاں کے علاوہ کچھ نہیں۔“
 ”اچھانی الحال آفس تو جانا شروع کر ڈھک پھریا کریں گے۔“
 ”یہ بہانہ نہیں کرو۔“
 ”پلیز! اٹھو شہناش تیار ہو کر میرے ساتھ چلو۔“ اس نے پیار سے سمجھایا تو وہ راضی ہو گیا لیکن اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔
 ”تم میری پہلی بہن ہو میں تمہارے کہنے پر ایسا کر رہا ہوں۔“
 ”اپنی ماما سے ان خواہشات سے محبت کرنا بھی آپ کا فرض ہے۔“ اس نے ہلکے سے طنز کی آمیزش استعمال کی۔
 ”شرمین! پلیز ہوشیاری نہیں۔“
 ”اس میں ہوشیاری کیا ہے؟“
 ”میرے اور تمہارے معاملات الگ ہیں اس میں اور کچھ نہ لادو۔“

”بونی! میرا بیٹا حرام نہ کرو میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔“ آخر کار اسے غصا ہی گیا۔ وہ اظہار برہمی کے ساتھ تیز قدموں سے چلی گئی۔ وہ پیچھے پیچھے بھاگا۔
 ”شرمین! شرمین سنو پلیز رو۔“ وہ کہتا رہا مگر اس نے اپنے کمرے میں گھس کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔ وہ بڑی دیر گزارش کرتا رہا، فٹیں کرتا رہا لیکن اس نے دروازہ نہ کھولا۔ کچھ دیر بعد وہ شاید چلا گیا لیکن اس میں اتنی سکت نہ رہی کہ وہ اب آفس جاتی بے دم سی بستر پر گر گئی۔ بونی نے اس کے لیے وقت گزارنا اس قدر مشکل بنا دیا تھا۔ یہاں رہتے ہوئے اس سے کنارہ کشی کرنا بھی محال تھا۔ عجب عالم بے بسی تھا۔ وہ لوہا جانے کتنی دیر ای کیفیت سے دوچار رہتی کہ صفحہ کا فون آ گیا۔ اس وقت بہت اچھا لگا..... کافی دنوں بعد صفحہ نے فون کیا تھا اس نے شنوہ کر دیا۔
 ”شکر ہے بہن کی یاد آئی۔“

”ایسی بات نہیں ہے بس میں ایک وقت میں بہت سے محاذ پر جگہ لڑ رہا ہوں۔“
 ”ایسی بھی کیا بات ہو گئی؟“
 ”کچھ نہ پوچھیں! نی چاہتا ہے کہ سب سے دور کہیں چلا جاؤں؟ خیر آپ سنائیں کیسی ہیں؟“
 ”صفحہ بھائی! میں ٹھیک ہوں لیکن آپ کی طرف سے فکر مند ہو گئی ہوں، مجھ سے شیئر کریں! بھابی تو ٹھیک ہیں۔“ اس نے تین سوال اکٹھے کر دیئے۔

”پلیز! اس کا ذکر نہ کیا کریں؟“ وہ جو نہیں کہنا چاہتا تھا کہ بیٹھا شرمین کو جوڑ کا سالگا۔
 ”بونی! بھابی کا؟“

”جی وہ میری زندگی میں اب شامل نہیں۔“ بڑا مختصر اور ڈوک جواب تھا۔

”اللہ شہرہ! ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“

”اس دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے آپ سنا میں عارضہ کی سنا میں کب آ رہا ہے؟“
 ”یہ تو سوال آپ سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ عارضہ کب آ رہا ہے؟ اس کو اب آ جانا چاہیے۔“ وہ لہجے کی پریشانی چھپانے لگی
 صفر شکر سا ہو گیا۔

”کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں، صفر بھائی اب عارضہ کا آ جانا چاہیے میری مشکلات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔“ وہ بولی۔

”آپ نے عارضہ سے کیوں نہیں کہا؟“

”بات ہوتی تو کہتی تو وہ تو جانے کیوں تھا ہے؟“

”تھا نہیں اور اصل میری بات ہوتی تھی تو وہ کچھ سڑب تھا پتا نہیں کیوں؟ خیر آپ فون تو کریں۔“

”فون آف ہے۔“

”اچھا میں کوشش کرتا ہوں۔“

”آپ اپنا مسئلہ بتائیں۔“ اس نے پوچھا۔

”کچھ نہیں، پھر کبھی تسلی سے بات کریں گے۔“ میں عارضہ کے کان کھینچ لوں۔ ”انہوں نے خوشدلی سے ہنس کر کہا اور
 ٹال گئے وہ چپ ہو گئی۔

”آپ مجھ سے تو شیئر کر سکتے ہیں۔“

”ضرور ضرور کروں گا اپنا خیال رکھنے کا اللہ حافظ۔“ صفر نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور اس کا ذہنی بوجھ عارضہ کے لیے جو
 مشکل بنا ہوا تھا وہ کسی حد تک کم ہو گیا۔ اس نے اٹھ کر وارڈ روم سے لباس نکالا اور واش روم میں ٹھس گئی۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

اگر انسان کو ہیٹ کا دوزخ بھرنے کی خواہش نہ ملی ہوتی تو وہ کس قدر ریسکوں میں نہ کچھ کھانے کی آرزو ہوتی اور نہ پکانے
 کی مجبوری جب انسان ذہنی الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے تو وہ دماغ میں آندھیاں آتی ہوں تو کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا مگر پھر بھی چولہا
 چکی کرنا پڑتا ہے، ماجرہ بیگم کی بھی یہی حالت تھی زیبا کے جانے کے بعد سے انہیں ایک سیکنڈ کا بھی قرآن نہیں تھا۔ پھر بھی چولہا
 جلایا چائے کا پانی رکھا، زیبا کے لبا لبا تو چائے رس دینے تھے خود بھی اسی پر گزارہ کرتی تھیں جب سے زیبا انہیں کے پاس گئی تھی
 تب سے انہوں نے کچھ نہیں کھلایا تھا، بس ایک ہی ٹکڑا من گیر تھی کہ زیبا کا کیا بنے گا؟ چائے میں ابالا آ یا تو ساتھ دو واڑہ بچتے
 لگا، انہیں گمان سا ہوا کہ شاید زیبا آ گئی ہے۔ جلدی سے چولہا بند کر کے دو واڑے تک آئیں..... دو واڑہ کھولا تو متحیر رہ
 گئیں..... جہاں آ رہی تھیں نے مسکرا کر سلام کیا تو انہوں نے خاصی بدحواسی کے ساتھ جواب دیا اور اندھا نے لکھا.....
 ”بڑی مشکل سے آئی ہوں روز صفر سے کہتی تھی کہ مجھے زیبا کے پاس لے چلو۔“ جہاں آ رہی تھیں نے چادر اتار کے بیٹھتے
 ہوئے کہا۔

”اچھا کیا آپ کا اپنا گھر ہے میں نے تو زیبا کو بہت سمجھایا مگر آ بولا وہ خود مر ہو جائے نو! آ کریں؟“ ماجرہ بیگم شرمندگی
 سے بولیں۔

”میں نے بھی صفر کو بہت کہا۔“

”میں زیبا کی طرف سے بہت شرمندہ ہوں اس کے دماغ میں جانے کیا چل رہا ہے؟ اتنا مناسب مطالبہ کر دیا..... مگر
 آپ فکر نہ کریں چھلے سے فارغ ہوتے ہی اسے آپ کے پاس بھیجوں گی..... ماجرہ بیگم نے لالچی میں یہ کہا تو جہاں آ رہی تھیں

کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”کیا مطلب؟“

”پتا نہیں کہیں خلع خلع کی رٹ لگا رکھی ہے، صندرتو کئی ہانا چکا ہے مگر وہ بس سے مس نہیں ہوتی۔“ حاجرہ بیگم اب دیدہ ہو گئیں..... مگر جہاں آرا بیگم کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا آپ زیبا کو بلائیں۔“

”زیبا زیبا تو گھر نہیں ہے وہ تو میری ڈانٹ ڈپٹ سے گھر چھوڑ گئی ہے۔“

”ہیں یہ کیا حرکت ہے؟ ہماری عزت یوں رسوا کر رہی ہے آخر یوں؟“ جہاں آرا بیگم کو غصا گیا۔

”آپ غصہ نہ کریں میں چائے لاتی ہوں آپا وہ نا سمجھ ہے۔“ حاجرہ بیگم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

”مجھے کوئی چائے دلے نہیں جتنی مجھے تو حیرت ہے اس قدر نا زلہ خیال ہو گئی ہے کہ خلع مالتی ہے گھر سے چلی گئی..... میں

ہی یا گل ہوں ہر وقت اپنے ہیرا جیسے بیٹے کو برا بھلا کہتی رہتی ہوں ایسے ٹھمن ہوتے ہیں بہو بیٹیوں کے۔“ جہاں آرا بیگم بولتی چلی گئیں۔

”آپ ٹھیک بہد ہی ہیں میں نے سمجھایا ہے اور پچھو جائے تو سمجھ جائے گی۔“ حاجرہ بیگم نے حل نکالا۔

”بچہ..... بچہ تو حسرت ہی بن گئی۔“ انہوں نے آہ بھری۔

”اب تو چند ماہ ہی رہ گئے ہیں پھر سب ٹھیک ہوگا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا کیسے چند ماہ؟“

”بچے کی ولادت میں اسی لیے تو میں زیادہ زیبا پر سختی نہیں کرتی، دوران حمل تو خلع لے نہیں سکتی بعد میں سب ٹھیک

ہو جائے گا۔“

”حاجرہ بہن تم سچ کہہ رہی ہو۔“

”ہاں! لیکن کیا آپ کو نہیں پتا۔“ انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

”نہیں کہاں ہے زیبا مجھے لے چلو اس کے پاس میں خود اسے سمجھاؤں گی۔ وہ خلع کیوں لے گی؟ ہرگز نہیں ابھی چلو

میرے ساتھ۔“

”گمراہ! مجھے اس کی سہیلی کا گھر نہیں معلوم جیسے ہی رابطہ ہوگا میں پوچھ لوں گی پھر آپ کو لے جاؤں گی۔“

”ارے کیسی ملال ہو تم اتنی بڑی بات سسرال سے چھپا رکھی..... اور زیبا کو گھر نہیں بھیجا۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ کو نہیں معلوم، ویسے بھی زیبا کی بدتمیزی کی وجہ سے میری تو آپ کے

پاس آنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔“ حاجرہ بیگم کی رقت آمیز آواز سے جہاں آرا بیگم کو یقین آ گیا کہ وہ سچ کہہ رہی ہیں۔

”میں بہت خوش ہوں صندرتو کو پتا ہوگا اس نے بھی نہیں بتایا۔“ جہاں آرا بولیں۔

”شاید اس نے سچا ہوا کہ آپ کو زیبا کی وجہ سے صدمہ نہ پہنچے۔ وہ تو بے قصور ہے۔“ حاجرہ بیگم نے کہا۔

”میرا بچہ بہت پریشان حال لگتا ہے نہ کھاتا ہے نہ کھانگ سے کھاتا ہے پتا ہے ڈھنگ سے اور کتنا ارمان تھا مجھے گھر کی رونق

کا..... زیبا نے ذرا خیال نہیں کیا۔“

”چلیں اب سب اچھا ہوگا بس جو نبی رابطہ ہوگا میں زیبا کو لے کر آپ کے پاس پہنچی جاؤں گی۔“

”بس جتنی جلدی ممکن ہو مجھ سے اب صبر نہیں ہوگا۔“

”آپ فکر نہ کریں۔“

”اور بھائی صاحب کا کیا حال ہے؟“
”بس کسی ہائل ٹھیک ہو جاتے ہیں اور کبھی پریشان کر دیتے ہیں۔“

”اللہ صحت عطا فرمائے آمین۔“

”آپ آرام سے بیٹھیں میں کچھ کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔“
”میں میں اب چلوں گی صفر کو بنا تائے آئی ہوں وفا گیا تو بہت خفا ہوگا۔“
”چلیں ٹھیک ہے میرے ذہن کا بوجھ کافی کم ہو گیا ہے۔“

”اچھا اب ہا زت اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“ حاجرہ بیگم نے جہاں آرا کو دروازے تک رخصت کیا اور دروازہ بند کر کے آ گئیں۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

منعمی زینا کے گمر سے لوٹی تو کافی متذبذب تھی۔ اس نے پانی کا گلاس کسی سوچ میں گھونٹ گھونٹ بھر کے بڑی دیر میں ختم کیا۔ زینا نے اس کو سوچ سے باہر نکالا۔

”منعمی! مار سے یہی امید کی جا سکتی ہے۔“

”میں نہیں پتا۔ میں تو نہیں تھا کہ جہاں آرا نئی کو کچھ نہیں پتا۔“

”چلو جو ہونا تھا ہو گیا اب کیا ہوگا؟“ زینا نے کہا۔

”انہوں نے مجھ سے پتا لے لیا ہے اب وہ نہیں یہاں لے آئیں گی۔“

”تو کوئی بات نہیں میں وہی کہوں گی جو ماں نے انہیں کہا ہے۔“ زینا نے دکھ سے کہا۔

”اس طرح تو سارا الزام تمہارے سر آئے گا۔“

”ہاں! ایسا ہی ہے ماں بھی تو مجھے ہی قصور وار کہتی ہیں..... اور ہے بھی تو ایسا ہی صفر نے بھانڈا پھوڑ دیا تو میں کہیں جاؤں گی اس بدنامی سے پید سوائی بہتر ہے۔“

”اب دیکھنا یہ ہے کہ صفر بھائی کی امی کیا کرتی ہیں؟“ منعمی نے کہا۔

”وہ بچے کو لانا چاہیں گی جو کہ میں نہیں دوں گی۔“ اس نے دو گالے لہجے میں کہا۔

”یہ بھی ممکن ہے وہ تمہیں بھی رکھنا چاہیں۔“

”یہ صفر نہیں چاہیں گے۔“

”اللہ کی زلت سے اچھی امید رکھو..... اس سے اچھی توقع رکھو شاید کوئی سبیل نکل آئے۔“ منعمی نے حوصلہ دیا۔

”اللہ کرے تمہارے کہنے کے مطابق ہو۔“

”چلو اب جو ہونا ہے ہو جائے ڈر کیسا؟ اٹھو تیاری پکڑو ڈاکٹر کا آج کا ٹائم ہے۔“

”ہنہ ٹھیک ہے۔“

”میں بھی ڈر فریش ہو کرتی ہوں۔“

”ماں نے بتایا نہیں کہ وہ کب آئیں گی؟“

”یقیناً جلد آئیں گی اب انہیں صبر ہی نہیں ہوگا وہ تو بہت ایسا ایڈھن ہوں گی۔“

”ویسے اچھا نہیں ہوں۔“

”مت سوچ اب اچھا ہی ہوگا آخر کب تک ان سے اتنی بڑی بات چھپائی جا سکتی تھی۔“

آنچل ❁ فروری ❁ ۲۰۱۵ء 112

”صفر اور زیادہ رہے ہم ہوں گے۔“

”یہ فکر کرو۔“

”منہسی! میں نے ایک غلطی کی کتنی بڑی سزا بھگتی ہے اور جانے یہ سزا میری اولاد کو بھی کب تک بھگتا ہوگی۔“

”اللہ اس کے بدن میں کیڑے ڈالے جس کی وجہ سے آج تمہارے لیے یہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔“

”لعلت بھیجیو میں اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔“

”بس اب فریٹ ہو جاؤ ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔“ منہسی یہ کہتی ہوئی کمرے میں چلی گئی تو وہ بھی واش روم میں گھس گئی.....

اس مشکل گھڑی میں منہسی کا وجود بہت غنیمت تھا وہ نہ ہوتی تو اس کے لیے کتنی دشواری ہوتی؟ وہ ایک حقیقی سچی کھلی تھی ہر وقت

اس کے لیے مددگار!.....

+ ❁ + ❁ + ❁ +

ٹیلی فون کی گونج پر اس کی آنکھ کھل گئی اسکرین پر بابا کا نام چمک رہا تھا وہ پوری طرح ہوش میں آ گیا..... لمحہ پہلے جو تھا

جیسا تھا سب خواب تھا وہ گہری نیند میں شرمین کے اس قدر قریب رہا کہ آنکھ کھلنے پر صدیوں کا فاصلہ تھا..... اسے تو وہ

بھولنے کی کوشش کر رہا تھا اسے زندگی سے الوداع کہہ چکا تھا۔

”ہیلو بابا!“

”یار کتنی دیر سے تمل جا رہی تھی کہاں تھے تم.....؟“

”سو رہی بابا بس میں سو گیا تھا۔“

”یار! اب آ جاؤ میرا دل تمہارے لیے ادا ہے۔“ انہوں نے چمختے ہی ایک بات کی۔

”جی بابا! آ جاؤں گا آتا تو ہے۔“ وہ مضموم سا بولا۔

”لو آ پ فون بند رکھتے ہو صفر شرمین دونوں ہی گلہ کر رہے تھے۔“

”میں صفر سے بات کر لوں گا۔“

”پہلے شرمین سے وہ بہت ڈسٹرب تھی۔“

”بابا! اور کچھ بھی کہنا ہے یا بس۔“ وہ بے بذاری سے بولا۔

”اتنے اکتائے ہوئے کیوں ہو؟“

”میں گہری نیند سو رہا ہوا تھا؟“

”کو کے یار! سو جو گڈ ٹائٹ پھر بات ہوگی۔“

”گڈ ٹائٹ.....!“ وہ بڑبڑایا۔

”گھماٹر! یہاں تو دن ہے۔“ بابا نے ہنس کر کہا اور فون بند کر دیا۔ وہ بینڈ کی پشت سے چمک لگا کر سوچنے لگا۔ وہ کیسا خواب

تھا شرمین کے حسین قرب کا مہکتا احساس جبکہ میں اسے اپنی محبت سے آ زلہ کر چکا ہوں اسے بھولنے کی سر توڑ کوشش میں

مصروف ہوں تو وہ میرے خواب میں حقیقت کی طرح کیوں آئی؟ وہ تو اپنے پہلے محبوب کی محبت ہے جس سے وہ اب تک وابستہ

ہے بابا! کو کیا پتا اس نے۔ کیسے میری محبت کا مذاق اڑایا ہے؟ صفر کو کیا معلوم کہ شرمین نے مجھ سے کتنا گھناؤنا کھیل کھیلا ہے.....

میں کنارے پر ہو گیا ہوں اب شرمین اپنی محبت سے رابطہ بحال کرنے مجھے کوئی اعتراض نہیں..... صبح احمدول کے مریض ہیں

بھٹلا دی ہیں شرمین پیمان کا ہی حق ہے جس شرمین سے نہ شکوہ کروں گا اور نہ گلہ..... بس فقط اتنا کہ میرے خوابوں میں نہ آیا کرو

میری زندگی سے دور بہت دور نکل جاؤ میں حوصلہ نہیں رکھتا تمہیں ملنے کا تم سے کچھ کہنے کا۔

آنچل ❁ فروری ❁ ۲۰۱۵ء 113

”عارضی ایڈ تہماری ہزدلی ہے تمہاری منافقت ہے کہ تم اسے جرم بتائے بغیر سزا سنا دو۔“ دماغ نے دیکل وی تو وہ طنزیہ ہنس۔
”شرمین۔ کے لیے یہ سزا نہیں ہے جڑا ہے۔ وہ منج احمد کی محبت ہے ان کو ہی چاہتی ہے۔ میں کہدوں گا اگر کہنا ضروری
ہے تو میں کہدوں گا کہ کہانی ختم ہوگی۔“ اس کے بعد وہ دوبارہ سونے کی کوشش میں رات بھر جا گتا رہا۔

+ ❁ + ❁ + ❁ +

صفدر نے: فون کے قسے باندھ لگاڑی کی چابی اٹھائی۔ جہاں آ رہے تھے انہوں نے کڑک آواز میں ہانک لگائی۔
”صفدر؟“

”جی؟“ وہ آواز پر کچن میں پہنچ گیا۔

”پانچ کلوشٹائی کی نوکری دے کر آفس جانا۔“ انہوں نے حکم صادر کیا۔

”کس لیے..... خیر ہے؟“ وہ بوکھلا گیا۔

”تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے۔“

”پتا تو چلے یوں منگوار ہی ہیں؟“

”لانی ہے تو آؤ ورنہ آ منہ سے کہہ کر منگوا لیتی ہوں گلو بھی منٹوں میں۔“ لانی نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مٹھائی کا کرنا کیا ہے؟“

”بھئی تمہیں اس سے کیا؟“ انہوں نے بھی نہ بتانے کی قسم کھا رکھی تھی۔

”اف تو بے چائی کیا ہو گیا ہے آپ کو۔“ وہ جھنجھلا گیا۔

”کہدو امی پاگل ہو گئی ہیں مگر کان کھول کے سن لو اب میں تمہارے ساورنیا کے چکروں میں نہیں آؤں گی اب جاؤ جلدی

لے کر آؤ۔“ وہ کچھ سخت اشتعال میں تھیں صفدر چپ رہ گیا اور سونے لگا کہ وجہ کیا ہے؟

”صفدر! میری قسمت پھوٹی تھی جو اس باشت بھر لڑکی کی چالاکی نہ بھی..... اور تمہیں ہی برا بھلا کہتی رہی۔“ صفدر کے کان

کھڑے ہوئے۔

”کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں ہوگا قطعاً اسے خلع دینے کی ضرورت نہیں اور جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“ انہوں نے دھیرے دھیرے بات بتادی

صفدر جان گیا کاسی کا زبیا سے رابطہ ہوا ہے۔

”زبیا آئی تھی؟“

”وہ کہاں آنا چاہتی ہے موصوفہ کسی سہیلی کے ساتھ رہتی ہیں۔“

”اور آپ کئی نہیں؟“

”بھئی تمہیں اس سے کیا جاؤ جا کر مٹھائی لاؤ ہم محلے میں بانٹیں۔“

”کس خوشی میں؟“

”یہ ہم نہیں بتا رہے۔“ وہ پھر کچی ہو گئیں۔ وہ مزید پوچھتا کہ جیب میں موجود موبائل فون بجنے لگا فون نمبر دیکھ کر وہ

پریشان سا ہو کر رڈ اور ہو گیا تا کاسی اس کی گفتگو نہ سن سکیں۔

(باقی ان شاء اللہ سندھ ماہ)





دوسری منزل



سرو: صنوبر شہر کے مرتے جاتے ہیں
سارے پرندے ہجرت کرتے جاتے ہیں
جھوٹی سچی تعبیروں کی خواہش میں
کیسے کیسے خواب بکھرتے جاتے ہیں

”نہ..... نہ..... آپا آپ مسکان کو کچھ مت کہنا
ورنہ..... ورنہ.....!“ فاطمہ نے ڈرتے ڈرتے بات
ادھوری چھوڑی۔

”ورنہ کیا؟“ فرخندہ نے غصے سے پوچھا۔ فاطمہ کی
باتوں نے اس کے اندر کے غصے کو بھڑکا دیا تھا۔ کیونکہ جو
کوئی آتا..... فرخندہ کو نصیحتوں کا پرچا تھما دیتا۔ جیسے وہ
بہنوں بلکسا پی تباہی کا سامان لائی ہوں۔

”آپا میرا مطلب تھا اگر آپ مسکان کو کوئی بات کہہ
دیں گی تو تمہیں طلحہ آپ سے جھگڑا نہ کرے۔“ فاطمہ نے
دبی دبی آواز میں بات کی۔

”طلحہ! مجھ سے جھگڑا کرے گا میرا بیٹا ایسا کبھی نہیں
کر سکتا۔“ فرخندہ نے رعب سے جواب دیا۔ جیسے اپنے
بچنے پر پورا اعتماد تھا کہ وہ کبھی اپنی بیوی کے کہنے پر ماں
کے مقابلے پر تیار نہیں ہو سکتا۔

”آپا میں تو یہی دعا کرتی ہوں کہ طلحہ! ہمیشہ آپ کا
فرماں بردار رہے آپ میری باتوں سے دل چھوٹا مت
کریں میں تو بس یونہی.....!“ فاطمہ نے بہن کی سرخ

”آپا بھولا۔ نے کے بعد ابھی سے یہ سوچ لیں طلحہ!
اب آپ کا نہیں رہا۔“ فاطمہ نے ہتے ہتے اپنی بڑی
آپا سے بات کی: نوالماری میں کچھ ضروری سامان رکھ
رہی تھیں۔

”ارے ایسا کیوں؟“ فرخندہ کا چہرہ یک دم بجم گیا
طلحہ اس کا اکلوتا ڈالا بیٹا تھا۔

”آپا..... اب آپ اتنی بھی بے وقوف نہیں پسند کی
شادی ہوتی ہے لڑکا تو لڑکی کے اشاروں پر ناچے گا۔“
فاطمہ نے ایک اور ٹھیکھا سا جواب دیا جس پر فرخندہ کو
شادی پر اپنی سہیلیوں کی باتیں یاد آ گئیں۔ جو طلحہ کی پسند
کی شادی کو اس کے لیے مستقبل میں پریشانی کا باعث بنا
رہی تھی۔

”بیٹا میرا ہے اور میرا ہی رہے گا ایسے کیسے وہ کسی
کی انگلیوں پر ناچ سکتا ہے۔ میں مسکان کی وہ
انگلیاں ہی توڑ دوں گی، جو وہ میرے خلاف اٹھائے
گی۔“ فرخندہ نے بستر پر بیٹھ کر اپنی بہو کے بارے
میں غصے سے بات کی۔

کنزے سی سی کر مجھے لکھا پڑھا کر اس قابل کیا کہ آج
میں تمہیں ضرورت کی ہر چیز دے رہا ہوں۔“ طلحہ نے
پیار سے اس کے گانوں کو چھو کر سمجھایا جو اداسی سے اس کی
بات سمجھ رہی تھی۔

”طلحہ! میں خود ان لڑکیوں کی طرح نہیں ہوں جو
رشتوں کو سمجھ نہ سکیں میں اپنا رشتہ ان سے مضبوط کرنا
چاہتی ہوں اس لیے فکر مند ہوں۔“ مسکان کی آنکھوں
سے آنسو گر پڑے۔

”بس ابھی سے ہمت ہار رہی ہو۔“ اس نے اس کے
آنسوؤں کو پونچھا اور پیار سے اسے دیکھنے لگا۔

”نہیں ہمت نہیں ہاری، بس یونہی۔“ اس نے
آنسوؤں کو پونچھتے جواب دیا اور پیار سے اس کی طرف
دیکھنے لگی۔

”یار ہم پھر لڑکے لوگ بہت خوش قسمت ہیں
لڑکیوں سے؟“ اس نے بات کا رخ جلدی سے پلٹ
کر جملہ پھینکا۔

”وہ کیسے؟“ وہ حیرانگی سے اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔
”ہمیں اپنی ساس کے ساتھ رہنا نہیں پڑتا۔“ اس
نے قہقہہ لگا کر شہ پر انداز میں کہا۔

وہ اس کی بات پر ہنس پڑی اور پھر دونوں خوشگوار موڈ
میں باتیں کرنے لگے۔



”امی..... دوپہر میں کیا پکاؤں؟“ مسکان نے
اگلے دن بہت خوش گوار انداز میں اپنی ساس کے
کمرے میں آ کر پوچھا جو آرام سے ٹی وی پر مارنگ
شو دیکھ رہی تھیں۔

”تمہاری مرضی جو تم پکانا چاہتی ہو پکا لو۔“ فرخندہ
نے غلطی سے جواب دیا اور ٹی وی کی آواز اور تیز کر دی
جیسے وہ مسکان سے بات نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ وہ چپ
چاپ کمرے سے باہر آ گئی اور اس نے طلحہ کو فون کر کے
پوچھا کہ امی کی من پسند ڈش کون سی ہے؟

”یار تم کیسی بیوی ہو، شوہر کی من پسند ڈش کے

رنگت کو محسوس کرتے بات ملتی۔

”دل جلا بھی دیتی ہو..... اور پھر کہتی ہو دل چھوٹا
مت کریں۔“ فرخندہ نے منہ بسور کر جواب دیا اور قاطعہ
کی ہنسی نظر آنے لگی۔



”طلحہ! امی مجھ سے خفا کتنی ہیں؟“ وہ طلحہ کا سر دباتے
ہوئے بولی۔ پچھلے ایک ہفتے سے فرخندہ مسکان سے
بچھے دل سے ہت کر رہی تھی۔ آخر کار اس سے اپنے دل
کی بات شیئر کر دی۔

”کیوں..... وہ کیوں خفا ہیں؟“ طلحہ نے بند
آنکھیں کھول دیں اور فکر مندی سے پوچھا۔

”اسی بات کو لے کر میں اپ سیٹ ہوں، امی میرے
ساتھ پہلے جھگڑی نہیں ہیں۔“ اس کی آنکھیں بھرا آئیں۔
پچھلے ایک ہفتے سے وہ فرخندہ کی خاموشی پر پریشان تھی۔

”اوہو تم رکیوں رہی ہو، تم امی سے پوچھ لو اگر وہ کسی
بات پر تم سے خفا ہیں تو تمہیں بتا دیں گی اگر میں نے ان
سے بات کی تو مسئلہ الٹ نہ ہو جائے جیسے کہ میں تمہاری
شکایت ان کے پاس لے کر گیا ہوں اور شادی سے پہلے
ہی میں نے تمہیں صاف صاف سمجھا دیا تھا کہ امی کا میں
بہت لاڈلا ہوں اور میری امی بھی میرے لیے بہت
خاص ہیں۔“

”ہاں طلحہ! بس اچھی طرح سے سمجھتی ہوں اور میں خود
نہیں چاہتی امی کو میری وجہ سے کوئی تکلیف ہو مگر اب وہ
چپ چاپ رہیں گی تو یہ مسئلہ کیسے سلجھے گا۔“ مسکان کے
چہرے پر فکر مندی کے آثار نمایاں تھے کہ اب اس کی
ساس پہلے جیسے اس سے بات کیوں نہیں کر رہی تھی۔

وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولا۔

”تمہاری ساس ہیں اس لیے مسئلہ بھی تمہیں سلجھانا
ہوگا میں دوسرے مردوں کی طرح دو عورتوں کے درمیان
نہیں پھنس سکتا اور مجھے امید بھی ہے کہ تم مجھے اس مسئلے
سے دور رکھو گی تم اچھی طرح سے جانتی ہو میری ماں نے
میرے باپ کی وفات کے بعد کس طرح لوگوں کے

رنگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ جریہ

AANCHALPK.COM

تازہ شماره شائع ہو گیا ہے



عزت و احترام

دنیا کو بخیر کرنے اور انسانیت کو اپنی انیسویں پر پچانے
والے ذات کے قلندر کا حوالہ اچھا ہے۔ یہی قلندر اور پھر

ویدیاں

مالی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے
لیے بطور خاص ارشد علی ارشد کا ایک دلچسپ ناول

جگت سنگھ

تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی کسی
دلگہرا داستان جگلا سنگھ داستانوں میں شملہ ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

قارئین کی دلچسپی کیلئے خوبصورت سلسلے

خوشبو بخشنے، منتخب غزلیں، نظمیں۔ ذوق آگہی اقتباسات،
اقول زریں، احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ
شیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل چاہیے

پہنچنے والی صورت میں روزانہ (021-35620771/2)

بجائے ساس کی پسند پوچھ رہی ہو۔" اس نے ہنستے
ہنستے پوچھا۔

وہ مسکرا کر بولی۔ "امی کی من پسند ڈش تیار کروں گی تو
امی کی ناراضگی دہر کرنے میں مدد ملے گی آپ کی من پسند
ڈش پھر سہی۔"

"کیوں پھر سہی۔ میرے غرے بھی اٹھائیں جائیں
میں آپ کا اکلوتا ڈوہر ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"شوہر سب لڑکیوں کے اکلوتے ہی ہوتے ہیں
میرے خیال میں شوہروں کے لیے بیویاں اکلوتی
نہیں ہوتیں۔"

"لا جواب..... بالکل سچ.....؟" اس نے
تہقہہ لگایا۔

"دیکھ لیں آپ کا دل دوسری عورت کے نام پر کتنا
ناچ رہا ہے۔" اس نے طلحہ کے تہقہے پر بات کی۔

"یار..... دوسری عورت کی بات تم نے کی ہے راستہ تم
دکھا رہی ہو۔" اس نے اس کی غلطی بیان کیا۔

"جناب..... میں راستہ نہیں دکھا رہی میں تو امی کی
وجہ سے.....!" اس نے ہنستے ہنستے بات ادھوری
چھوڑی۔

"بیگم..... آپ جیسی کوئی دوسری مجھے مل نہیں سکتی اس
لیے آپ کو اس مسئلے پر فکر نہیں کرنا پڑے گی۔" اس نے

پیار جتلیا۔ جو سچ میں اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور
کل رات اس کے رونے پر بہت افسردہ بھی تھا مگر وہ اپنی

ماں سے بات کر کے انہیں بھی پریشان نہیں دیکھنا چاہتا
تھا وہ خود اس مسئلے پر الجھا ہوا تھا اور اللہ سے مدد چاہتا تھا

کہ اس کی بیوی جلد ہی اس کی ماں کا دل جیت لے۔
"طلحہ! آپ نے تو مجھے اپنی ہی باتوں میں لگا لیا

دیکھیے تو گیارہ بج رہے ہیں اس کی نظریں وال کلاک پر
پڑیں تو وہ فکر مندی سے بولی۔

"اوہ، سواری امی کو قیسا لوا چھا لگتا ہے مگر میری مانو تو
امی سے پوچھ کر بنا لو وہ خوش ہو جائیں گی۔" طلحہ نے
سوچتے ہوئے کہا۔

”آپ کا پیار میرے ساتھ رہے گا تو میں بڑی سے بڑی مشکل کو حاصل ہوں گی۔“



وہ صبح سے بہت ہشاش بشاش سارے کام کر رہی تھی اس کی بھابی پہلی دفعہ جو اس کی طرف آ رہی تھیں۔ اس نے ساری چیزیں اپنے بھائی اور بھابی کی پسند کی تیار کی اور تو اور پورا گھر اس نے صفائی کر کے چمکا دیا تھا وہ فرخندہ کے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھی مگر دن کے گیارہ بج چکے تھے مگر فرخندہ کا روم لاک تھا اب اسے عجیب سی فکر ہو رہی تھی نہ چاہ کر بھی اس نے ڈرتے ڈرتے دروازے پر دستک دی۔

دومنٹ کی خاموشی کے بعد دوسری طرف سے دروازہ کھل گیا فرخندہ اس کے سامنے تھی اور ان کے چہرے پر عجیب سی خفگی تھی۔

”کیا ہوا، کیوں دستک دے رہی ہو؟“ فرخندہ نے خفگی ظاہر کی۔

”امی..... وہ..... وہ آپ کبھی دیر تک سوئی نہیں اس لیے فکر ہو رہی تھی اس نے تابعداری سے سر جھکا کر بات کی۔“

”تم فکر مت کرو میں ابھی تہی جلدی نہیں مر سکتی؟“ فرخندہ نے غصے سے جواب دیا۔

”امی آپ کو میری بھی زندگی لگ جائے آپ نے میری بات کو غلط سمجھا میں نے سمجھا شاید آپ کی طبیعت ناساز نہ ہو اور آپ کو یہ بھی بتانا تھا کہ آج بھائی بھابی آرہے ہیں۔“ اس نے فوراً بات کو پلٹا وہ فرخندہ کی بات پر بہت ڈر سی گئی جنہوں نے اس کی محبت کو بہت برے رنگ میں بدل دیا تھا۔

”ہاں، مجھے بھی یاد آیا صبح تمہارے بھائی کا فون آیا تھا میرا حال چال پوچھ رہا تھا اس نے تو مجھے نہیں بتایا آنے کا۔“ فرخندہ نے حیرانگی ظاہر کی جبکہ مسکان کے بھائی کے آنے کی خبر تو اسے رات کو ہی طلحہ کی اونچی آواز پر مل چکی تھی اور اس نے صبح صبح خود فون کر کے ان لوگوں کو یہ احساس دلایا دیا تھا کہ اس کی طبیعت ناساز ہے جس پر

”اوہو..... مسکان دیکھو میں پریشانی میں بھول گیا آج تمہاری بھابی کا فون آیا تھا وہ کل تم سے ملنے کمر آئیں گی۔“ طلحہ نے پیار سے اسے اطلاع دی۔

”زبردست یہ تو بہت اچھی خبر ہے میں بھابی سے بھی مشورہ کروں گی۔“

”اچھا اگر تم نے ان سے یہ بات شیئر کی اور انہوں نے تمہیں کوئی اور راستہ دکھا دیا تو؟“ وہ فکر مندی سے اسے دیکھتے ہلایا۔

”کیسا راستہ؟“ وہ تجسس سے بولی اور حیرت سے دیکھنے لگی۔

”یہی کہ وہ تمہیں یہاں سے جانے کا بھی مشورہ دے سکتی ہیں تو.....!“ اس نے اپنے اندر کا ڈر ظاہر کیا۔

”اوہو..... آپ بھی کیا فضول بات کر رہے ہیں میں کبھی آپ کو چھوڑ کر جا سکتی ہوں۔“ وہ ہلسی۔

”سچ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا وہ ہنستے ہنستے بولی۔

”طلحہ آپ بات کو کہاں سے کہاں لے کر جا رہے ہیں میں آپ کے بغیر رہنے کا سوچوں تو مرنے جاؤں۔“

اس نے پیار سے اس پر گہری نظر ڈالی۔

”میں تمہارے لیے گانا گنگناؤں کیا؟“ وہ شریسا ہوا۔ وہ ہنستے ہنستے بولی۔

”نیکی اور پوچھ پوچھ۔“

”خجھر ہیں تیری آنکھیں..... تلوار ہیں تیری آنکھیں زندہ نہ رہنے دے مجھے یا تیری آنکھیں.....“

تیری آنکھیں..... تیری آنکھیں.....!“ اس نے محبت سے گانا اس کی نذر کیا مگر وہ دونوں یہ بھول گئے کہ گانے کی آواز ان کے کمرے سے باہر جا رہی تھی اور اس کا گانا اس کی دل بھی سن رہی تھی اور جن کے چہرے پر غصے کے آثار ابھر رہے تھے۔ گانے کی آواز ختم ہونے کے بعد بھی ان کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا اور وہ

”میں ٹھیک ہوں اور طلحہ بھی۔“ اس نے مجھے دل سے جواب دیا جبکہ اس کا دماغ فرخندہ کی باتوں میں جکڑا ہوا تھا۔

”کس بات کو لے کر پریشان ہو۔“ رخسانہ نے آخر کار اس سے پوچھ لیا جس کی آواز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

”بھابی وہ طلحہ کی امی کو میں اچھی طرح سے سمجھ نہیں پا رہی۔“ اس نے شائستگی سے بتایا جو پچھلے دو ماہ سے ان کا رویہ تھا۔

”تم فکر مت کرو وقت کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، طلحہ تمہارے ساتھ ہے نا؟“ رخسانہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

”ہاں..... بھابی..... طلحہ خود اپنی ماں کی وجہ سے پریشان ہیں مگر وہ کبھی کیا سکتے ہیں؟“ اس نے فکر مندی سے بتایا اب اس کی آنکھوں میں آنسو بھرا آئے۔

”اگر تمہارا میاں تمہارے ساتھ ہے تو پھر ان شاء اللہ بہت جلد تم آئی فرخندہ کا دل جیت لو گی۔“ رخسانہ طلحہ کا ساتھ دینے پر مطمئن سی ہوئی۔

”بھابی ڈور بتل بچ رہی ہے میں پھر آپ سے بات کرتی ہوں۔“ اس نے ڈور بتل بچنے پر فون بند کیا اور مین ڈور کی طرف تیزی سے قدم بڑھانے لگی۔

”فاطمہ خالہ..... آپ کہا لیں گی جوں یا چائے۔“ اس نے کمرے میں آ کر شائستگی سے پوچھا۔

”بیٹی..... جو تم پلانا چاہو۔“ فاطمہ نے مسکرا کر جواب دیا جو فرخندہ کے کہنے پر جھٹ سے گھر میں آ پہنچی تھیں۔

”میں چائے بنا کر لاتی ہوں.....!“ اس نے تابعداری سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

”آپا مسکان کے چہرے پر تو کوئی ناراضگی نظر نہیں آ رہی اور ساس نے شکوہ کے لیے زبان کھولی مجھے لگتا ہے وہ سچ میں اس گھر کو اپنا سمجھ رہی ہے۔“ فاطمہ سوچتے

مسکان کا بھائی اور بھابی سمجھ گئے کہ مسکان کی ساس ان کی آمد اپنے گھر نہیں چاہتی ہیں۔

”اچھا انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔“ وہ خود شرمندہ سی ہوئی۔

”تم خود فون کر لو۔“ فرخندہ نے نظریں جمائیں۔ وہ بھی جانتا چاہتی تھی کہ مسکان کی بھابی نے آخر کار ابھی تک کیوں نہیں مسکان کو بتایا کہ وہ لوگ نہیں آ رہے۔ وہ

مسکان کو پریشان کرنا چاہتی تھی تاکہ اسے ہمیشہ کے لیے احساس ہو جائے کہ اس گھر میں اس کا مکمل راج نہیں ہو سکے گا اور کوئی بھی سازش اگر اس نے کی تو اسے منہ کی کھانا پڑے گا۔



”بھابی آپ لوگ کیوں نہیں آ رہے میں نے تو ساری تیاری بھی کر لی ہے۔“ اس نے پریشانی سے پوچھا جب اس کی بھابی نے اسے بتایا کہ اس کے بھائی کو کوئی ضروری کام آ گیا ہے اور وہ لوگ اس کے گھر نہیں آ رہے۔

”مجھے خود نہیں پتا کہ انہوں نے اچانک کیسے فیصلہ تبدیل کر دیا۔ اس تمہاری ساس کا فون آیا تھا ان دونوں میں کوئی بات چیت ہوئی اور پھر انہوں نے جانے کا پروگرام کینسل کر دیا۔“

”بھابی..... آپ نے بھائی سے پوچھا نہیں کہ امی نے ان سے کیا بات کی؟“

”پوچھا تو تھا مگر انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی مگر مجھے یہ ضرور محسوس ہوا کہ تمہاری ساس نے ایسی ویسی بات کی ہے جس سے عرفان نے جانا مناسب نہیں سمجھا۔“

”ہاں..... مجھے بھی لگ رہا ہے بھابی بھائی آئیں تو پلیز ان سے ضرور پوچھ کر بتائیں کہ امی نے ان سے کیا بات کی۔“

”ٹھیک ہے چھ ساری باتیں چھوڑو اپنی سناؤ اور طلحہ کی۔“ اس کی بھابی نے پیار سے پوچھا۔

16 دسمبر ساتھ پشاور

میرے لخت جگر
میرے نور نظر
ماتا گناہ جگہ بہت ہے
ہوا بھی بہت سرد ہے
تیرے سناڑکے سے ہاتھ
برف کی مانند ٹھہرتے ہیں
لب کھپاتے ہیں
مگر میری حیات کے چراغ
یہ سرد موسم
تمہاری راہ میں جاہل ہونے نہ پائے
تمہارے خوابوں کو ہماری امیدوں کو
یہ خشک ہوا چھونے نہ پائے
یہ کوئی بستر کھدے پر ڈالو
اگے دفین مستقبل تمہارا منتظر ہے
دین آئی ہے
چلو اب بندم بڑھا لو
واپسی پر تمہاری پسند کے
کھانوں کے ساتھ تمہاری خستہ رہوں گی
خدا کی امان میں میرے بچے
کھانے کی میز پر
ہاں خستہ بھی ہے
کھانا سرد پڑتا جا رہا ہے
یا الہی! میرا بچہ کہاں رہ گیا
چند گھنٹوں کے بعد
تمہارا خون میں نہلا یا جو
مجھے مجھ کر گیا
یہ کیا ہو گیا
میرے نور نظر
کیسے بے وقت سو گیا
کورس کی کتابیں بڑھتے بڑھتے
کتاب زیت کے لوراں کیوں
بند کر گیا
سال کے آخری مہینے کو
اپنی زندگی کا آخری سال کیوں بنا گیا
میری خوشیوں کا محور
میری امیدوں کا مرکز
خالکوں نے مجھ سے یوں چھینا ہے
کہ تمہوں سے جو رہتا کا سینہ ہے
اے میرے جگر کوٹھے
تیرے لخت جگر اب
چھینا بھی کوئی جینا ہے
حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤالدین

سوچتے اس کے ہشاش بشاش چہرہ دیکھنے کے بعد پٹی۔
جس نے پہلے ہی دن اپنی آپا کی سوچ کو اس کے لیے منفی
بنادیا تھا۔

”تمہیں پتا ہے کل رات طلحہ اونچی اونچی آواز میں گانا
گا رہا تھا تم ٹھیک ہی کہہ رہی تھی میرے بیٹے کو اپنی
انگلیوں پر نچارائی ہے۔“ فرخندہ نے غصے کا اظہار کیا۔
”آپا..... وہ آپ کی خدمت میں کوئی کوتاہی تو نہیں
کر رہی پھر میرے خیال میں.....؟“ اس نے سوچتے
سوچتے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”اس کی خدمت کے پیچھے اس گھر پر حکمرانی کرنا
ہے۔“ فرخندہ نے منہ بسور کر کہا۔
”آپا..... وہ کبھی بھی آپ کی حکمرانی ختم نہیں کر
پائے گی..... اگر آج کے دن بھی طلحہ سے اس نے
شکوہ نہ کیا تو آپ سمجھ لیں اس نے ہمیشہ کے لیے آپ
کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔“ قاطمہ نے سوچتے سوچتے
اعزازہ لگایا۔

”ہاں یہ ٹھیک کہا تم نے..... اب طلحہ کا انتظار
ہے اور اس لڑکی کی اصل حقیقت کا۔“ فرخندہ نے
قاطمہ کو دیکھتے کہا۔



”پلیز طلحہ..... آپ امی سے بات نہیں کریں
گے اگر آپ نے بات کی تو میں ان کی نظروں میں گر
جاؤں گی۔“

”بس مسکان بہت ہو گیا تم میری بیوی ہو تمہارے
گھر والے کبھی بھی آسکتے ہیں امی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے
تھا۔ مجھے اس سلیبلے میں ان سے بات کرنا ہی پڑے گی۔“
”طلحہ! آپ کیوں نہیں سمجھ رہے یہ مسئلہ میرا ہے آپ
اس مسئلے سے دور رہیں۔“ اس نے مضبوطی سے اس کا
ہاتھ تھام لیا اور دو واڑے کے سامنے کھڑی ہوئی۔

”مسکان پلیز مجھے جانے دو امی زیادتی کر رہی ہیں
اب اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔“ اس نے خفا لہجے
سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑایا۔

ہوں۔ ”طلحہ“ نے فکر مندی سے اسے احساس دلایا۔
 ”میں رو اس لیے رہی ہوں کہ اللہ نے پہلے مجھ سے
 میری ماں چھین لی اور جب ساس کی صورت میں ماں دی
 تو وہ میری محبت میری خدمت کو ایک سازش سمجھ رہی
 ہیں۔“ اس نے روتے روتے تڑپ کر اپنے دل کا درد
 بیان کیا طلحہ کا چہرہ بھی بچھ گیا وہ اپنی ماں کی وجہ سے اس
 سے نظر نہیں ملا پارہا تھا۔

”اللہ نے بچپن میں مجھ سے ماں چھین لی میں بھی
 دوسرے بچوں کی طرح ماں کی گود میں کھیلتا چاہتی تھی ان
 کی سمیٹتیں سننا چاہتی تھی ان کی خدمت کرنا چاہتی تھی مگر
 اللہ نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا اور پھر چوبیس سال
 کے بعد اللہ نے مجھے ساس کی صورت میں دوسری ماں
 دے دی میرے سارے احساسات جاگ اٹھے کہ مجھے
 ماں مل گئی مگر میری خدمت کو میری دوسری ماں ایک
 سازش سمجھتی ہیں۔

انہیں میری محبت جھوٹی لگتی ہے

انہیں میری خدمت دکھاوا لگتی ہے

انہیں میری ہمدردی زخم لگتی ہے

تو پھر ایسی محبت..... خدمت اور ہمدردی کو میں دفن
 کروں گی مگر تب جب میں ہار مان لوں گی میں اپنی
 دوسری ماں کو اتنی جلدی کھونا نہیں چاہتی طلحہ! تم اللہ سے
 دعا کرو کہ مجھ سے دوسری ہار میری ماں نہ چھینے۔“ وہ
 پھوٹ پھوٹ کر اپنی ماں کو یاد کر کے رونے لگی۔

”مسکان..... مسکان..... تم..... تم.....!“ طلحہ اس
 کو سنبھالنے لگا جس کا چہرہ آنسوؤں سے بھگ چکا تھا۔
 دروازے کے باہر فرخندہ بت بنی کھڑی رہ گئی اس کی
 آنکھوں میں نمی بھرا آئی۔

اور وہ منہ میں بڑبڑائی ”سچ ساس کبھی ماں نہیں بن
 سکتی جبکہ بہو بیٹی بن جاتی ہے البتہ اب تم سے تمہاری
 دوسری ماں کوئی نہیں چھین سکے گا۔“



”طلحہ..... آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں نا آج اپنی
 محبت کا ثبوت دین میری بات مان لیں آپ امی سے کوئی
 بات نہیں کریں گے مجھ سے وعدہ کریں۔“ اس نے
 دوبارہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ بہت
 گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی کہ ماں بیٹے میں اس کی وجہ
 سے کوئی جھگڑا نہ ہو جائے۔

”مسکان..... تم یہ سب زیادتی میرے لیے
 برداشت کر رہی ہو آخر مجھے بھی تو تمہاری فکر ہے میں
 تمہارا چہرہ او اس نہیں دیکھنا چاہتا۔“ اس نے پیار سے اس
 کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

”آپ کو میری قسم ہے آپ امی سے کوئی بات نہیں
 کریں گے مجھ سے وعدہ کریں۔“ اس کی آنکھوں میں نمی
 بھرا آئی اور اس کے لب کاٹنے لگے۔

”تم بہت انہمی ہو۔“ اس نے پیار سے اس کے
 آنسوؤں کو پونچھا۔

”آپ امی سے بات نہیں کریں گے۔“ وہ اس کی
 نرمی پر بولی۔

”نہیں کرتا۔“ اس نے پیار سے اس کے ماتھے پر
 بھوسہ دیا اور پیار سے بولا۔ ”تم دنیا کی پہلی لڑکی ہو جو اپنی
 ساس کو ماں سمجھ رہی ہو اور مجھے یقین ہے تم اس میں
 کامیاب نہیں ہو گی اس لیے یہ محنت کرنا چھوڑ دو تم ٹوٹ
 کر بکھر جاؤ گی۔“ طلحہ نے سنجیدگی سے اس کو سمجھایا۔

”اچھا بن کر میرے بیٹے کو میرے خلاف تو کر رہی
 ہو یہی تمہاری اصلیت تھی۔“ فرخندہ جو اس کے کمرے
 کے باہر دروازے سے کان لگا کر باتیں سن رہی تھیں وہ
 غصے سے منہ میں بڑبڑائی۔

”طلحہ میں یہ محنت کرنا چھوڑوں گی نہیں۔“ وہ
 رونے لگی۔

”پھر رونا کیوں، میرے بیٹے کو تو پورا قابو کر چکی ہو
 اور ٹسوے بہا بہا کر کیا کرنا چاہتی ہو۔“ فرخندہ غصے سے
 لال پھلی ہونے لگی۔

”مسکان تم کیوں رو رہی ہو، میں تمہارے ساتھ



محبوب الہی

تصور باندھ کر دل میں تمہارا یا رسول اللہ ﷺ
خدا کا کر لیا ہم نے نظارہ یا رسول اللہ ﷺ
خدا کا وہ نہیں ہوتا، خدا اس کا نہیں ہوتا
جسے ہونا نہیں آتا تمہارا یا رسول اللہ ﷺ

جس جزا سے اس کا خیر اٹھا تھا فزا اس کی ہم عمر نہیں جس
کے لیے نور احسن تن من دھن دار نے کو تیار تھی ایک مومن کی
جینیت سے کسی مقام پہ چھو کا نہیں کھایا تو آج اتنی بڑی غلط
فہمی کا شکار کیسے ہو گئی؟ روٹی کی طرح جیسے کسی نے پورے
وجود کو دھنک کے رکھ دیا تھا۔ فزا کو پہچاننے میں اتنی بڑی
غلطی کیسے ہو گئی؟ بے یقینی اور حیرت صدے سے گنگ
اسے کیسے گئی۔

کتنی دیر وہ نکتے کے عالم میں بیٹھی رہی تھی۔
احساسات کو زبردست شاک کا سامنا کرنا پڑا تھا یا
اعصاب کو کسی نے چک پھیری میں گھما دیا تھا۔ اب وہ
تنفس بحال کرنے کی کوششوں میں تھی اپنی زندگی کا سب
سے بڑا صدمہ فزا نے پہنچایا تھا یا بھیا تک مذاق کیا تھا۔ کتنی
دیر تو خود کو وہ یقین مانی نہ دلا سکی جب اس نے آہستگی سے
نور احسن احمد کو بتایا کہ وہ اس کے مذہب کی پیروکار نہیں

برداشت سے باہر ہو گیا اس سے بیشتر کہ مزید دیر ہوتی میں نے تمہیں بتا دیا۔“

”مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہو گئی فزا اب آپ نے مجھے احساس دلایا کہ میں ایک غیر دین سے ملتی رہی ہوں جب میں خود آپ کے اتنے قریب آ گئی تھی آپ کی محبت نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا کیا یہ حرکتیں کڑے کی طرح مجھے جال میں پھنسانے کے لیے کرتی رہی تھیں۔“

غصے میں بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔ فزا کا خوب صورت چہرہ سرخ ہو گیا، لکھتے آتسو پونچھ ڈالے۔

”کس طرح میں نے تمہیں ٹریپ کر ڈالا نور کیا ایسی بات کہ ڈالی جو تم میرے بہلاوے میں آ جاتیں ان آٹھ نو مہینوں کی دوستی میں کیا تمہیں ایک لمحہ بھی احساس نہیں ہوا کہ تم اپنے ہم مذہب سے نہیں ملتی رہیں۔“ مسلسل انسلٹ سے وہ بھی زچ آ گئی۔ نور بھی تو ایک دم اسے چھوٹ سمجھنے لگی تھی۔

”یہ کس مذہب میں ہے کہ کسی دین کو یا اس سے وابستہ بیروکار کو برا بھلا کہا جائے۔“

”آپ لوگ اسی طرح سادگی دکھا کر لوگوں کی سادہ لوحی کا مذاق اڑاتے ہیں لوگ آپ کی پارسائی پر ایمان لے آتے ہیں اور پھر اپنی ازلی روش سے پیچھے ہٹنے لگتے ہیں۔“ مزید بحث کے موڈ میں وہ بڑبڑانا نہیں چاہتی تھی جلد از جلد وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی کسی بھی سابقہ محبت اور دوستی کو بلائے طاق رکھ کر۔

”غلط عقیدہ بھی ایمان والوں کا شیوہ نہیں نور! لعین اسے اپنے عقیدے کی مضبوطی پر اعتماد ہونا چاہیے نہ کہ انواؤ اول و بھکتا رہے۔ جدھر جس نے جھلا دیا جھول گئے۔“

جس نرم خوئی، شیریں گفتاری میں وہ یکتا تھی کہ بد مقابل کو اپنے فسوں خیز لہجے سے ہی چت کر دیا کرتی تھی آج اس کو نور لعین کو یوں لگا جیسے اس کے منہ پر طمانچہ بد لگی ہو۔ اس کی گفتار روئی کی تو وہ عادی تھی۔ شیریں بیانی کی وجہ سے اپنے سے دو سالہ شیر فزا کے آہستہ آہستہ قریب ہو گئی۔ شائستہ اطوار شائستہ لب و لہجے والی وہ سادہ

”آپ نے پہلے کبھی نہیں بتایا۔“ آنکھیں حیرت سے دانتیں کہ کسی طرح کہہ دے کہ نہیں یہ مذاق تھا لیکن اپنے متعلق کوئی بھی سچا پکا مومن اس طرح کا مذاق کر ہی نہیں سکتا۔

”پہلے میں نے ضرورت محسوس نہیں کی نور..... ہم دونوں محبت جیسی جذباتیت اور دوستی میں اس قدر قریب آ گئے تھے کہ مجھے ڈر لگنے لگا کہ اگر میں نے تمہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا تو تم مجھ سے منحرف نہ ہو جاؤ۔ میری محبتوں کی سچائیوں سے منکر نہ ہو جاؤ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی تھی نور.....“ پلیس نم ہو رہی تھیں سپید ناک سرخ ہو چلی تھی۔

”اور اب..... اب جفا آپ نے اتنی سچ حقیقت کا پٹارا کھول کر میرے سامنے رکھ دیا کیا میں اب منکر نہیں ہوں گی؟“ یک دم غم و غصے کے سیلاب میں وہ گھور کر رہ گئی۔ کالج کے لان میں اس وقت کوئی موجود نہ تھا وہ ضرور بدلتے رویوں کے اس خطرناک پروجیکشن کو محسوس کرتا کہ ایک جان دو قالب نظر آنے والے احساسات میں یہ تفرقہ آرائیاں کہاں سے پیدا ہو گئیں؟ آنسو فزا کی پلکوں کے بند توڑ کر اہل بڑے تھے اس نے جھٹکے سے منہ پھیر لیا۔

”جس قسم کے تاثرات کا مظاہرہ میں اس وقت دیکھ رہی ہوں بالکل اسی کی توقع میں نے کی تھی۔“

”شروع میں تم مجھے اتنی اچھی لگیں کہ میں بے اختیار تمہاری طرف منتہی چلی آئی جس طرح تم میری طرف۔“

”لیکن مجھے آپ سے متعلق علم نہیں تھا۔ آپ تو میرے متعلق جانتی تھیں ناسب کچھ۔ مجھے اُس آپ کے متعلق علم ہوتا تو کیسے خود کو بے مہار چھوڑ سکتی تھی فزا۔“ خود کو کوٹنے کو دل چاہ رہا تھا کوئی بڑی سزا دینے کو کہ مذہب دین ایمان جانے بغیر اتنی آگے وہ کیسے بڑھ گئی۔

”اسی لیے تو آغاز میں ہی تمہیں نہیں بتایا۔ یقین کرو ہر رات کو میں عہد کرتی کہ تمہیں آگاہ کر دوں کہ میں وہ نہیں جو نظر آ رہی ہوں بس ایک غیر مرئی طاقت تھی جو مجھے تم سے دور ہونے کے احساس سے ہی بے زار کر دیتی اب جب میرا خمیر بٹھے حد سے زیادہ چھوڑنے لگا اور سب کچھ

جان حیران تھیں کہ بیٹھے بٹھائے کیا روگ پال لیا کہ بخار اترنے کا نام نہیں لے رہا۔ کہاں تو وہ کسی بیماری کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ فوراً اٹھ کر چلنے پھرنے لگی۔ امی دادی لاکھ کہتی رہتیں کہ ابھی بیماری سے اٹھی ہو تو ہوا سا آرام کر لو کہیں پھر نہ لپیٹے میں آ جانا لیکن وہ اٹھی تو ابھی ہی رہتی اور بیماری کا نام و نشان بھی مٹ جاتا۔ لیکن اب تو بخار اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

”کھالی ہوگی کوئی اٹی سیدی چیز کالج میں۔“

”چیز اٹی سیدی نہیں کھائی امی میرا دماغ الٹ گیا ہے۔“ چمکتے ہوئے چہرے کو نیچے میں گھسا یا سب سے زیادہ قلق اس بات کا تھا کہ فزا کا ظاہری روپ کیسا تھا اور باطنی کیسا دل کو جو نوا تو دوستی کی مضبوط دیوار یک دم بھری بھری سی ہو گئی۔ وہ اعتماد جماتا ٹھہ مہینوں تک سرنگوں رہا ایک دم سے سرنگوں ہو گیا۔

”دادی جان مجھے سورہ رحمن سنائیں نا۔“ اس دن بے چین دل کو کھاتے ہوئے ان کا پلو پکڑ لیا۔ انہوں نے تھکی دی۔ دادی جان کی نجیف و مدھرا آواز نے دل کے تپے صحرا کو پتھر زار بنا دیا۔

”رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان ما کنون کا بیان انہیں سکھایا سورج اور چاند حساب دیتے ہیں اور سبزے اور پھیر سجدہ کرتے ہیں اور آسمان کو اللہ نے بلند کیا اور ترازو رکھی۔“ جسم..... مابھی بے تاب کی طرح جو تڑپ رہا تھا ایک دم چین پا گیا۔ آنسو تو اتر سے بہتے رہے اس وقت تو لب بستہ رہیں وجود پر جن ان دیکھی کالی کو کھر چنے پر لگی رہیں جوں ہی تلاوت ختم ہوئی انہوں نے جتنی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ دادی جان کا پر نور وجود سفید ممل کے دوپٹے کی ٹھنڈک ہاتھ کی شفقت اندر کہیں حلول کر گئی۔

”تیرا بخار کیوں نہیں اتر رہا.....؟“ جہاں دیدہ خاتون کی نگاہ بہت عمیق تھی۔

”بخار پر کس کا بس دادی۔“ کتنا سکون ملا تھا تلاوت سے ظاہری بدن کی ٹھکن نہیں اتری تھی تو کیا اندر کا تپتا

سی لڑکی اپنی نرم خوئی کی وجہ سے اس کے دل میں گھر کر گئی کہ صبح درخت کے تنے سے ٹپک لگا کر اس کا انتظار کرتی اور جب وہ آتی تو لگتا سارا وقت اس کے ساتھ بتادنے کبھی تو اس کی دیوانگی پر وہ پیار سے دیکھتی۔

”تمہاری یہ چاہت میری بھی سہلی لائے گی اور تمہیں بھی کہیں کا نہیں چھوڑے گی۔ بہتر ہے ہم اپنی اپنی کلاس لینے کے بعد کچھ وقت لائبریری میں موجود ریفرنس بکس کی طرف بھی توجہ دیا کریں جو ہمارے نوٹس بنانے میں کام آئیں۔“

”چھوڑیں فزا..... کلیئر کرنا میرا کام ہے میں اکثر سمسٹر کے لاسٹ ڈیز میں ہی تیاری کرتی ہوں۔ آپ بھی کر لیجیے گا اس وقت ہم بیٹھے ہیں دیکھتے تھی ابھی ہوا چل رہی ہے۔“ فزا کے نرم لہجے کی اسیر ہی وہ نہیں ہوئی بلکہ اس کی بااصول باتوں اور نیک دلی نے بھی اسے اپنا رویہ کر رکھا تھا۔ مثلاً کسی فریب کی وقت پر مدد کر دینا اپنی وہ شے جس کی ضرورت خود بھی ہو بلا حیل و حجت کسی دوسرے ضرورت مند کو دے دینا۔ دوسروں کے دکھوں پر اپنے سارے کام ہالائے طاق رکھ کر شریک ہونا یہ جذبات و احساسات کا تلاطم خیز جنوں نور العین کو بھی اپنے ساتھ بہا لے جاتا وہ خود بھی نیک دل لڑکی تھی اور اپنے سے بڑھ کر فزا اپنی آئیڈیل محسوس ہوتی۔ فرسٹ ایئر کے آٹھویں مہینے میں یہ انکشاف جان لیا محسوس ہوا کہ فزا اس کے مذہب کی نہیں۔ اس کے امکان دین میں ختم نبوت نہیں۔ وہ لوگ اتنے کٹرمذہبی نہیں تھے لیکن دین و ایمان کی جڑیں ناچنڈ نہیں تھیں۔ سیدی سادی زندگی گزارنے والے لوگوں کا پختہ عقیدہ خدا اور عقائد اسلام پر تھا۔ رسول پر تھا جس کے نزدیک زیست بھی قانی شے تھی۔ اب فزا کی ہولناک حقیقت سامنے آئی تو خبر ہوئی کہ وہ خود کیا حیثیت رکھتی تھی۔ اپنا مذہب کتنا عزیز تھا۔ اس کی شخصیت کے تخلیقی عناصر اتباع رسول کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یہ صدمہ اعصاب و وجود کے لیے اس قدر شکستہ ثابت ہوا کہ دو تین روز مسلسل بخار میں پھنکتی رہی۔ امی اور دادی

ریگستان تو یہ اب ہو گیا تھا۔

سراب نکلی۔

”کم از کم اس بخار پر تیرا بس ہے جو بغیر کسی وجہ کے چڑھا ہے اس وجہ کو سمجھ کر.....“ اندر سے ہوک سی آئی۔

کیا قصیدہ گویاں تھیں اس کے لبوں پر فزا کی حمایت کی جس روز وہ نآنی کالج سے گھر آ کر بھی پریشان رہتی فون پر خیر خیریت پوچھتی تب کہیں جا کر سکون پانی کو اب تو تازہ جراثیموں سے نیم جان تھی کسی دسازگی میجا کی ضرورت تھی۔

”اس رزم کی قلع میں نہیں بن سکتی دادی جس کی بنیاد بہت سی وجوہات پر رکھی گئی ہو۔ بہت مشکل ہو رہی ہے مجھے کسی بل چین نہیں۔“

”کوئی کام مشکل نہیں چندا..... بس ہمت چاہیے۔“
”مجھ سے بہت فاش غلطی ہو گئی ہے دادی جان جس ظاہری چمک دمک کو میں نے سونا سمجھا وہ تو لوہا نکلا زنگ آلود لوہا کیسے دوبارہ اس کی چمک دمک لوٹاؤں میں کوئی جو ہر ترش تو نہیں۔“

”دنیا میں بے شمار لوگ ایسے ہیں نور تو کس کس کے پیچھے ہلکان ہو گئی ہر طبقے ہر جماعت کے لوگ موجود ہیں جن کی زندگی میں مربوط اکائیاں نہیں وہ اجزا میں بٹے ہوئے ہیں پھر رونا کس بات کا اس بات کا ہم سب افسوس ہی کر سکتے ہیں۔“

”خدا سے دعا ہے کہ جو ہر شے پر قادر ہے خود کہتا ہے۔“
اے محبوب جب تم سے میرے بندے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکاریں۔ (۱۸۶۔ البقرہ)

”نہیں دادی جان مجھے تو افسوس ہی اس بات کا ہے کہ میری سمجھ اتنی غلط کیسے ہو سکتی ہے۔“ لہجے میں ٹوٹے شیشوں کی کھنک تھی۔ ”اگر وہ مجھے آج نہ بتاتی تو میں کب تک اس اندھے عقیدے پر رہتی کہ اس کا فعل شفاف آئینے کی طرح ہے۔“

”کوئی کام خدا خود نہیں کرتا سب بناتا ہے وسیلہ بناتا ہے اپنے انسان کو۔“

”اس کے کردار پر انگی مت اٹھا دین اس کا پیدا ہوا ہے اگر واقعی تھے اس سے محبت ہے تو اس کی ہدایت کے لیے دعا مانگ ہم ناچیز بندے خدا کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ ہماری سخن وری میں وہ سحر نہیں کہ وہ ہماری طرف مہنچ آئے ہاں ہم خدا تعالیٰ سے رجوع تو کر سکتے ہیں۔“ اس سچ پر تو اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ اس کا کوئی منطقی نتیجہ بھی نکل سکتا ہے۔

”میں ناچیز اتنی حقیر ہوں کہ کبھی خود پر نگاہ نہیں ڈالی کبھی اپنا تجزیہ نہیں کیا کہ میں کیا شے ہوں۔ میرا کون سا طرز عمل غلط ہے اور کون سا صحیح میں کیا کسی کو ٹوٹوں گی؟ میری ہستی ہی کیا ہے دادی جان؟“

”ڈاکٹر کاہل کیس نے کہا ہے انسان دعا سے طاقتور چیز نہیں پیدا کر سکتا ہے خدا نے بھی تو خود قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ میں پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں۔“

”خدا کی نظر میں کوئی بڑا کوئی چھوٹا نہیں چندا..... ہاں وہی جو تھی اور پرہیزگار ہے کوئی تو ایسا انتشار ہے جس کی بنا پر تو مضطرب و منتشر ہے۔ یہی تیرے مومن ہونے کی نشانی ہے کہ مومن کو نیکی خوش رکھتی ہے اور برائی آرزو پھر یا نسو کس حلقے جذبے کو ظاہر کرتے ہیں۔“

اس کی دن رات کی عبادتوں میں فزا شامل ہو گئی تھی۔ جس باقاعدگی سے عبادت کو اپنا شعار بنایا تھا پہلے کبھی یہ دھیرے نہ تھے اس قدر گہرائی سے کبھی خود کو کبھی نہ سوچا تھا جتنا فزا کے انکشاف کے بعد وہ خدا کے حضور سجدہ شکر بجا لانے لگی تھی کہ وہ مومن کامل ہے ایک مسلمان ہونے کا فخر اندر کہیں رچ بس جاتا اس دن کے بعد سے فزا سے ملاقات نہیں ہوئی تھی شاید وہی راستہ بدل گئی تھی۔ اپنے ہی

”دادی جان..... فزا ہم مذہب نہیں ہے۔“ شاک تو انہیں بھی گہرا لگا لیکن اس وقت اسے عمل میں لانے کے لیے اپنے اندر کی ٹھنڈک ذمہ کو قائم رکھنا ضروری تھا۔

”میں نے اس کے طرز عمل کو براہ دلاں وراں میں سمجھا تھا۔ لیکن یہ چمک راستوں کی نہیں تھی۔ یہ تو ناگ تھا جو اپنی کینچلی بدلتا ہے میں نے اسے اپنا آئیڈیل سمجھا تھا وہ تو نا

کے لیے کافی تھیں لیکن جب قلم ہی الٹا ہوتا تو کیا کیا جائے؟
اسے دیکھا تو ایک لمحہ کے لیے ٹھکی ضرور پھر نور العین کے
نگاہ موڑنے پر وہ بھی اپنے راستے پر گامزن ہو گئی۔ اس کے
دل میں اٹھل پٹھل ہونے لگی۔ اب پہلے سے بھی زیادہ
مضطرب تھی۔ سارا وقت یا تو کتاب میں سروے گزاردیتی
یا پھر کلاس فیلوز کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے۔ دادی جان
اسے خوب سمجھانے کی کوشش کرتی۔

”دادی جان میں کیا کروں؟ کس طرح ان کی یاد کو دل
سے نکالوں؟ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”مومن کا دل شفاف آئینہ ہوتا ہے، خلوص کے پانی
سے سینچے گئے شجر کی جڑیں اتنی کمزور نہیں ہوتیں۔ اقصاء
گہرائیوں تک پہنچی ہوتی ہیں۔ کیا فزاجھے بھول گئی ہوگی
ہرگز نہیں۔“ بے قراری تو آج بھی اس کی آنکھوں میں
دکھتی تھی۔ وہ تو خود بھی اتنی پر خلوص تھی کہ زمانہ اس کے گن
گاتا تھا اور وہ زمانے کا عم اپنے اندر لیے پھر رہی تھی۔

”لیکن یہ بھی خدا کا ہی فرمان ہے دوستی اور دشمنی صرف
اسی ذات واحد کے لیے ہونی چاہیے اور حضور ﷺ سے تو
اس قدر الفت ہے کہ میں ان کی حق و صداقت پر مبنی کسی
بات کے مخالف بولوں تو میری قوت گویائی چھن جائے۔“
آنکھیں پھر سے نمناک ہونے لگیں۔

”انہوں نے زمانے بھر کے مخالفتوں کو حق پرستی کی تعلیم
بھی تو دی تو انہی کے بیچ رہ کر وہ کسی محاذ پر پہنچ نہیں ہوئے
صرف نفرت کر لینے سے انسان کی ذاتیات کی طرف
نشاندہی نہیں کرائی جاسکتی ایک اور بھی راستہ ہے محبت کا جو
شفاف ہے اور پوری گہرائی تک پہنچنے کی راہ نمائی کرتا ہے۔“
”نفرت کیا دادو مجھے تو یہ بھی کرنا آئی جس کا حکم ہے
کہ میں کافروں سے کروں یہ تو امتحان ہے میرے دل کا
محبت کے گلابوں پر کانٹے ہی کانٹے اگائے ہیں۔ میرا
دل اعصاب سب رنجیدہ ہیں میں اس کی محبت میں اتنی
آگے نکل گئی کہ واپسی کا راستہ فراموش کر بیٹھی۔ آوے گا آوا
ہی بگڑا ہوا ہے میں ایسے محبت دے کر ماضی پر لاؤں اسے
کیسے بدلا جاسکتا ہے جس کی ابتدا ہی غلط ہو اس کی انتہا

ڈیپارٹمنٹ سے مڑ جاتی۔ اس کی بھی پہلے والی دلولہ
انگیزیاں نہیں رہی تھیں کہ ملنے کے لیے سعی و کوشش میں
رہتی۔ برا لگ گیا ہوگا میرا اس دن کا آپے سے باہر ہونا۔
بے دینیت کے نام خود کو مکمل بھستی رہی ہوگی جیسا کہ
گمراہان دین بحث کرتے ہیں اور ان کی بحث سے بچ کر
رہنے کو کہا گیا ہے۔

سوچ ضرور دامن گیر تھی، احساس ضرور تھا لیکن اس کا
خیال لاتے ہوئے، ڈر لگتا کہ قدم قدم پہ گمراہوں سے بچ
کر رہنے کو کہا گیا تھا۔ ایک بے چینی دامن گیر تھی جسے کوئی
نام نہیں دے پا رہی تھی۔ اگر خود کا تجزیہ کرنی تو مکمل کر یہ
بات سامنے آتی کہ اسباب بھی اس کا انتظار تھا۔

سفید چادر کا پٹہ پھڑاتا آ چل اب بھی نگاہوں کے
سامنے لہراتا۔ شیریں لہجے کی مٹھاس اب بھی سماعت میں
حلول ہو جاتی۔ لیکن اب اس کے متعلق سوچنا بھی گناہ تھا۔
دل سے دعا نکلتی۔

”اے میرے، پالنے والے میرے سفینہ کو گرداب
سے نکال، تجھ سے بڑھ کر کوئی عظیم و خیر نہیں۔ یہ میرا دل ہے
پتھر کی سل نہیں جو اتنی آسانی سے سب فراموش کر دے اور
اس دل میں پیدا ہونے والے جذبات سے بھی میں پناہ
چاہتی ہوں اس کی محبت کو اپنی ہی محبت میں ڈھال دے
اے میرے پروردگار۔“

پھر وہ کافی دنوں بعد نظر آئی وہی سفید شیشوں والی چادر
سے سر کو ڈھکنے والا پرس لٹکائے آنکھوں کے گرد چلتے
نمایاں تھے وہ کیا زہ نہ تھا جب اسے دیکھتے ہی وہ بھاگتی تھی
لیکن اب حالات ہی عجیب رخ اختیار کر گئے تھے۔ کافی
دیر سے گیٹ پر کڑے چوکیدار سے باتیں کر رہی تھی
چوکیدار یا سیت کی نفیر بنا سامنے کھڑا تھا پھر باتیں کرتے
کرتے پرس ٹول کر کچھ میسے ٹھی میں تمہا دیے۔

حالانکہ وہ خود لوز کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی کن
حالات میں وہ پڑھ رہی تھی اس کی خبر اس نے تو کبھی نہیں
دی البتہ دوسری لڑکیاں ضرور بتاتیں۔ غیرت نفس کوٹ
کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہی باتیں تو اسے آئیڈیل بنانے

آنکھوں میں پیار لیے وہ اس سے مخاطب تھی۔
 ”اچھا ہوا۔“ پھنسی پھنسی آواز سمیت میدان میں تری۔
 ”پہلے جیسی وارثی سے یولو نورجے تم تو اپنے معصومانہ
 انداز میں ہی اچھی لگتی ہو اتنی سختی و کڑھائی خود ساختہ ہیں جو
 تمہاری شخصیت پر بھلی معلوم نہیں ہوتیں۔ کیا میں نے
 تمہیں حقیقت بتا کر برا کیا.....؟ کیا اتنی جلدی کسی سے
 لگا ہیں پھیر لینا تمہارے ایمان کا حصہ ہے؟“ چند ٹپے
 خاموشی ہی خاموشی تھی۔

”لگا ہیں نہیں پھیریں..... بس مجھے شاک لگا تھا کہ
 اتنی دیر سے مجھے کیوں بتایا اس وقت جب آپ سے دوستی
 کے علاوہ محبت کا رشتہ بندھ گیا تھا۔“

”میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ تمہارا وہ روپ دیکھوں جو تم
 نے کچھ عرصہ پہلے دکھایا تھا نور۔ میرے دل میں بھی تو
 تمہاری محبت کا بھر لگ چکا تھا۔ تم نے مجھ سے چاہت دکھا
 کر سوچ لیا کہ بڑا کمال کر لیا ہے میری ذات پر بہت بڑا
 احسان کر دیا۔ یہ صرف تمہارے دل کی کریمت نہیں
 تمہارے دل کو دھچکا لگا تو تم نے کج ادائیگی دکھادی۔ میں
 اپنے دل کا کیا کروں جو تمہیں چاہتا ہے تمہاری بے
 وفائیوں سمیت جو آج بھی تمہیں رنج پھیرتا دیکھ کر تڑپتا
 ہے۔“ ہمیشگی سو گوارا آنکھوں میں آج کی بھی خود اس کا
 دل بھرا آیا تھا بس اتنا وزعم میں اپنے موتی نہ دکھا سکی۔ کیسے
 کہہ سکتی تھی کہ اس کے مذہب میں اجازت نہیں کہ وہ
 کافروں سے دوستی رکھیں۔

”مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنا میں مسلمانوں
 کے سوا..... جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہ رہا۔“
 (آل عمران)

وہ کیسے ختم نبوت کو جھٹلا سکتی تھی جس پر خدا نے دین کو
 مکمل کر دیا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا.....

”میرے اور آپ کے درمیان محبت کا جو فسوس ہے
 اسے ناپ جھٹلا سکتی ہیں نہ میں اس لیے میں کہہ سکتی ہوں
 فزا کہ میں خود بے چین ہوں اس واقعے کے بعد۔“

”دوستیوں کو تو بالا ہونا چاہیے ہر غرض سے نور.....!“

کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ نعوذ باللہ کوئی مجھے میرے دین سے
 ہٹ جانے دے کہے تو کیا میں اس کی بات مان لوں گی۔“
 شدت جذبات سے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”ہم حق پر ہیں ہم کیونکر اپنی روش تبدیل کریں ہمارا
 عقیدہ حیات، جاودانی ہے وہ بھی الہ ہے اپنے باطل پر۔ یہ
 احساس ہو جائے تو عاقبت سنو نہ جائے پھر قلع ہی کس
 بات کا رہے۔ کئی پتنگ بھی آسرا ڈھونڈتی ہے نور اگر
 سنبھالنے والے ہاتھ نہ بڑھیں تو گندگی میں بھی گر سکتی ہے
 وہ تو انسان ہے تو ناتواں ہاتھ بڑھا کر تو دیکھ سکتا ہے خدائی
 طاقت اس میں فولاد کی سی قوت بھر دے۔ مسلمان جنگ
 کیوں جیت گئے تھے آنے میں نمک کے برابر ہوتے
 ہوئے بھی اس لیے کہ حق کی اس جنگ میں خدائی طاقت
 ساتھ تھی۔ برائی کو نیکی سے رفع کرنے کا تو قرآن میں
 ارشاد ہوا ہے۔ اللہ ایمان اتنے کمزور نہیں ہوتے ہمیں
 اپنے اوپر احمہ دہونا چاہیے تمہارا نفس تو کمزور نہیں اس کی
 شکست و کمزور دوار کو شاید سہارے کی ضرورت ہو تو تبلیغ دین
 اور جہاد کو کیوں بھول رہی ہے۔ جہاد بالذہان کے ذریعے
 کچھ حق ادا کر سکتی ہے۔“

اس روز بہت عجیب خواب اس نے دیکھا وہ کوئی دوائی
 فزا کو پلا رہی تھی نحیف و زار فزا کے چہرے پر زندگی کی
 ریت آئی تھی پھر ایک دم ہی آنکھ کھل گئی۔ فجر کی اذان ہو رہی
 تھی۔ دھڑکتے دل سمیت بستر چھوڑ دیا۔ جائے نماز پر
 گڑگڑا کر سب کے صراط مستقیم پر چلنے کی دعا مانگی۔

آج جلدی کالج چلی گئی داخلہ ٹیسٹ ہو رہے تھے اس
 لیے جلدی جا بڑا ٹیسٹ سے فارغ ہو کر لیٹوں کے گھنے
 بیڈ کے نیچے نیچے سٹی بیڈ پر بیٹھی تھی کہ فزا آتی دکھائی دی۔

سلام کرتے ہوئے ہاس ہی بیٹھ گئی چہرے کی زردی نمایاں
 تھی وہ چاہتے ہوئے بھی نہ ہٹ سکی۔

”کیسی ہو نور؟“ وہی ازلی چاشنی و شیرینی لب و لہجے
 میں جیسے درمیان کبھی ناگوار واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو یا تو وہ
 فراموش کر چکی تھی سب کچھ۔

”ٹیسٹ کیسا ہوا..... چلو یہ تو بتا دو۔“ بڑی بڑی غلافی

رواق نے فزا کے چہرے پڑیہ ڈال دیا۔
 ”لیکن دین فرض نہیں یہی تو کسی انسان کی پہچان ہے
 اور ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہے دنیا میں یہ جو جنگ
 ہے مذہب ہی کی تو ہے جس کی بنا پر ازل سے ابد تک
 مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور بہتا رہے گا۔“
 ”میں بھی اسی دین کی پیروی کروں گا جس کی تم ہو تم
 بھی وہی قرآن پڑھتی ہو میں بھی پھر یہ تفرقہ کیسا.....؟“
 ”قرآن پڑھتی ہیں تو اس کی آیتوں سے انکار کیوں
 کرتی ہوں..... سیدہ ازاب کی ۴۰ ویں آیت ہے کہ.....
 ”محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ
 کے رسول اور ختم نبوت ہیں۔ (خاتم المرسلین ہیں) جو اللہ
 اور اس کی آیتوں سے منکر ہوئے ان کے لیے شدید عذاب
 ہے (آل عمران) اب اور میں کیا گواہی ملاؤں جس کتاب کو
 آپ پڑھتی ہیں خوب اس میں ارشاد ہے۔ ”وہ خاموش ہو گئی۔
 بیٹھ کر خلاؤں میں گھومتی رہی تو راحین اٹھ کر چل دی۔

.....☆☆☆.....

برحان بھائی کو جا بمل گئی تھی۔ جس لیول کی وہ ڈھونڈ
 رہے تھے۔ وہ تو نہ مل سکی اور نہ مل سکتی تھی۔ سفارش درشت
 کے اس انقلاب میں اس لیے جو ملی اسے قبول کر لیا اب
 وادی اور امی کو رولین والدین کی طرح ان کی شادی کی فکر
 پڑ گئی۔ وہ ہنسے۔

”یہ بھی خوب ہی پہلے میں نے گھر سنبھالنے اس کے
 ستونوں کو سہارا دینے کے لیے جا ب کی اب آپ یہ تعداد
 بڑھانا چاہتی ہیں۔“

”امی ٹھیک کہہ رہی ہیں برحان بھائی ہر کوئی اپنا رزق
 خود لے کر آتا ہے۔ ہم کو بھائی چاہیے.....“

”ہم میں کون کون شریک ہے؟“ وہ مسکرائے۔
 ”ہم اپنی ذات میں ہی جہان ہیں۔“ اس نے فرضی
 کارا کرائے۔

وہ ہنستے ہی رہ گئے۔

.....☆☆☆.....

”قرآن دلوں کی شفاء ہے۔ ہم نے تم پر کتاب اتاری

رک سی جاتی ہیں یہ میری سانس
 تجھ سے جو روٹھ کر کبھی دیکھا
 تیری دھڑکن ہے میری دھڑکن میں
 اس میں اب فاصلہ نہیں دیکھا
 تجھ سے ہی تجھ تک سفر کی حد
 اور کوئی رستہ نہیں دیکھا
 میں ہوں مطلوب اور تو میرا طالب
 خواب اس کے سوا نہیں دیکھا
 اس کا ہی عکاس آنکھ میں میرا ترا
 آئینہ میں نے جب کبھی دیکھا
 تجھ کو ہی دھونڈا ہے لکیروں میں
 ہاتھ اپنا میں نے جب کبھی دیکھا
 مجھ سے وہ پوچھتا ہے حد میری
 اس سے آگے کہیں کبھی دیکھا
 میری دھڑکن میں وہ ہوا محسوس
 چوں کہ سانسوں کو جب کبھی دیکھا

نزدت جبین ضیاء..... کراچی

جو پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں نصیحت اور رحمت ہے
 ایمان والوں کے لیے (الحکبوت ۵۱)“

اسوۂ حسنہ کے حوالے سے سیرت کا فخر نس منعقد
 ہو رہی تھی وہ پیش پیش تھی۔ حسب معمول اسے بھی پریکٹس
 پروگرام کرانے کا موقع ملا تھا۔ اس وقت بھی ہال میں
 اپنے بیچ کی لڑکیوں کو لیے بیٹھی تھی۔ فزا اوجھڑائی تو اس کے
 انتظار میں بیٹھ گئی لیکن اس کی تیاری ہی ختم ہونے میں نہیں
 آ رہی تھی۔

”فزا آپ کو دیر ہو رہی ہے چند روزہ گئے ہیں پروگرام
 کو پلینج آپ جانا چاہیں تو چلی جائیں۔“ اسے خود اعتماد
 ہو رہی تھی۔

پھر وہ میرت کانفرنس والے پروگرام میں آئی، اسے تعجب ہوا تھا۔

”فزا آپ آج.....“ وہ پوچھے، ہانا نہ سکی۔ جواباً ایک دھبی مسکان نے چہرے کا احاطہ کر لیا۔ کہنے کو تو یہ دل چاہ رہا تھا اس محفل میں آپ کی موجودگی چہ معنی؟

”ہاں تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا ویسے بھی آج کل کالج سے فری ہو کر کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ بھی مصروفیت بھی ایک نعمت ہے۔“ اس کی آنکھیں اس کے سیدھے سپاٹ لہجے کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ جیسے وہ کچھ چھپا رہی ہو۔

”بہت اچھی لگ رہی ہو.....“ سفید کلف لگے شلوار قمیص میں نور بہت پاکیزہ دکھائی دے رہی تھی۔

”تھینک یو آپ کا پروگرام کتنا خراب تھا یہاں بیٹھنے کا ارادہ ہے..... کوئی اور مصروفیت تو نہیں؟“

”نہیں تم تو مصروف ہونا لاسٹ ٹائم تک جاؤ اپنے فرائض کی انجام دہی کرو۔“ پراکٹر ہونے کے ناطے سب اس کے منتظر تھے۔

اس نے نوٹ کیا تھا فزا واقعی لاسٹ ٹائم تک تھی، کبھی ہتھیلیاں مسلتی، کبھی الجھی الجھی سوچوں میں گم، کبھی نعت و اسوۂ حسنہ کی روداد میں گم ہو جاتی، چہرے کا حزن ایسا تھا کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

ایک ہمدردی کا درجہ سدا اس کے لیے کھلتا تھا جسے وہ جان بوجھ کر نظر انداز کرتی تھی۔ لیکن آج تو نورالہین کو لگ رہا تھا وہ ضرور جھانک کر دیکھے گی کہ الفت کے کتنے پھولوں نے سر اٹھایا ہے، جن کی آبیاری بہت دنوں سے اس نے نہیں کی تھی۔

”کیا بات ہے فزا کن الجھنوں میں گھری ہوئی ہیں آپ؟ کون سی فکر مندی کھائے جا رہی ہے آپ کو.....؟“ محفل میں آپ کم حاضر رہی ہیں اور سوچوں کی دنیا میں زیادہ مگن۔“ انسانیت کا رشتہ ہی بہت بڑا تھا۔ فزا تو نظر انداز کبھی کر ہی نہ پائی اور نورالہین نے کرنا بھی چاہا تو بے سو رہا۔

”ایسا مت کہو۔“ انگلیوں کو مسلا، چہرہ بھی یک لخت

”تم کراؤ تیاری ہمارے بھی لاسٹ ڈیز جا رہے ہیں کچھ پتہ نہیں کل سے میں آؤں کہ نہیں۔“ وہ پتلی رہی۔

”لو کے..... پھر چند منٹ اور۔“ اسے خود احساس جاگا۔ ”شع! اخت شریف کی پریکٹس تو اب تک ہوئی ہوگی یقیناً ایسا کریں قصیدہ بردہ شریف سنا دیں۔“ کیا روح پرور انداز تھا لڑکیوں کا آواز کی یہ کیسی لپک تھی کہ دلوں کو اپنی جانب کھینچے جا رہی تھی۔ کیسے کیسے شاہکار اسکول کالجوں میں چھپے ہوئے تھے۔

شب آنگن میں کیا سوچا تھا سے ہے خواب۔ غم میں ایک اجالا تھا سے ہے کام سے فارغ ہو کر لڑکیوں نے جانے کے لیے پرس اٹھا لیے وہ فزا کے پاس آ گئی۔

”سوری..... آپ کو اتنی دیر میری وجہ سے ہو گئی۔“ ”کوئی بات نہیں یہ کام بھی تو ضروری تھا۔“ عاجزی تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ”ایسا کرو نورالہین یہ کچھ فالٹیں ہیں اس میں زریں کی اسائنمنٹ ہیں اگر میں واپس نہ آ سکی تو اسے واپس کر دینا۔“ دو فالٹیں اس کے حوالے کیں۔

”لو کے..... اور ابھی تو مہینہ پڑا ہے فراغت میں آپ ابھی سے۔“

”اب پڑھائی کا سلسلہ یوں بھی ختم ہو چکا ہے پھر میری طبیعت بھی کچھ بہتر نہیں چیک اپ کے لیے اپائنٹمنٹ لیا ہے تم میرا کام ضرور کر دینا۔“

”کیا ہنا ہے آپ کو.....؟“ کچھ دنوں سے زردی ویسے بھی چہرے سے جھلک رہی تھی۔

”سر میں میس سی آہتی ہے ڈاکٹر تو کہہ رہے ہیں پریشان ہونے کی بات نہیں اسٹوڈنٹ لائف میں ایسا ہو ہی جاتا ہے لیکن میڈیسن افاقہ نہیں دے رہی۔ اب اسپتال کے پاس جانے کا ارادہ ہے۔“ آنکھوں کے گرد حلقے بھی نمایاں تھے۔ وائٹ سوٹ میں اتنی سادگی و پرکاری تھی کہ وہ دیکھے گئی۔ چہرے سے ہمیشہ ایک حزن ایک سوز چپکتا دکھائی دیتا۔ اس کی وجہ وہ جان نہ سکی۔

پاس چوکی پڑتی پاتی مار کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے بہت دنوں بعد اسے سرشار دیکھا تھا۔ کہاں تو وہ اپنے اندر کے ہی نشتروں سے نیم جاں تھی سبک خرام ہوانے دل و جان کو معطر کر دیا عصر کے بعد کا نام تھا دادی جان تیزی سے تسبیح کے دانے گرانے میں مشغول تھیں۔

”اتنی تیزی سے کیا پڑھ رہی ہیں دادی۔“

”بڑا اجلائی وقت ہے بیٹا دونوں ملتے ہوئے لمحوں میں استغفار کثرت سے پڑھنا چاہیے سو اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کر رہی ہوں۔“

”ایک خوش خبری تو سنئے دادی جان۔“ چمکتے موتیوں کی تسبیح اپنے ہاتھ میں لے لی انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

”دادی..... فزا مسلمان ہونا چاہتی ہے میری اس سے محبت گہرا رنگ لائی ہے۔“

”سبحان اللہ! نحیف و زانما واز بھیگ گئی۔ دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے آنکھوں کے گوشے بھیگ چلے۔

جسے چاہا وہ پہ بلا لیا

جسے چاہا اپنا بنا لیا

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے

یہ بڑے نصیب کی بات ہے

”دیر کس بات کی ہے.....؟“

”وہ بہت معقول ہے دادی جان۔ اسے سپورٹ چاہیے اتنا بڑا باہمی قدم اٹھانا کوئی معمولی بات نہیں اس کی بیسی کے لیے..... وہ چچا چچی اور ماں کے زیر سایہ ہے اتنے بڑے محرک پر اعتراضات کرنے والے بے شمار لوگ ہوں گے۔ وہ تو سنگسار کر دی جائے گی۔“ وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گئی تھیں۔ پیشانی کی سلٹوں میں فکر مندی بھی تھی اور بے چارگی بھی۔

پھر کافی دن وہ نظر نہیں آئی۔

روزانہ نور کی نظرس اس کی تلاش میں سرگرداں رہتیں کہیں حوصلے پست نہ پڑ گئے ہوں..... کہیں ایسا تو نہیں اسے اپنے فیصلے پر ندامت محسوس ہوئی ہو اللہ نہ کرنے دل

اس مقدس کتاب کے جملوں کا ساتھ دینا چاہتی ہوں، منکر نہیں بننا چاہتی میں کامل مسلمان بننا چاہتی ہوں۔“ یوں اسے مسرت سے ہنسنے لگا جیسے مجرم اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہو وہ تو خوشی کے ساتھ ساتھ حیرت سے بھی گنگ رہ گئی فزا کیا بہ رہی تھی اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔

ایسے کسی نیند کے لمحوں میں اس نے دعا مانگی تھی؟ ایسی کون سی نسلی اس نے کی تھی جو دایرے گان نہیں گئی اور فزا کے اقرار کی صورت سے لوٹائی گئی۔

”اگر واقعی تجھے اس سے محبت ہے تو اس کی ہدایت کے لیے دعا مانگ منہ نہ موڑ اس سے۔ ہماری سخن وری میں وہ سحر نہیں کہ وہ ہماری طرف تسبیح آئے ہاں خدا سے رجوع تو کر سکتے ہیں:-“ دادی جان کی نکتہ رسی کا مفہوم اب سمجھ میں آیا تھا۔

کچھ ضربات آہستگی سے بھی لگانا پڑتے ہیں۔ پھول کی ٹہنی سے بیٹا بڑے بڑے زخم بھرے جاتے ہیں۔ تیز و تملآلات ہی سے جراثیم کی ضرورت نہیں پڑتی۔

”یہ..... کیا کہہ رہی ہیں فزا؟“ بات تو کڑوی دوائی کی طرح سکون بخش بھی تھی۔

”ایک مشکل قدم جو میں نے ابھی اٹھایا بھی نہیں ہے صرف سوچا ہے اس کے متعلق میرے قدم تم ابھی سے پسپا کر رہی ہو۔ کیسے میری انگلی تھا موگی تم۔“

”جب آپ نے سوچ ہی لیا ہے تو اسے مشکل قدم مت کہیں ہمتیں سیکھا کریں اپنی منشر کاٹیوں کو مربوط کریں خدا آپ کا ساتھ دے گا فزا۔“

”قدم ہی تو مضبوط کر رہی ہوں، لیکن خود کو بہت تہا پاتی ہوں اس منر میں خدا جانے کب تک تہا چلنا پڑے۔“ اس کے چہرے پہ جو نور تھا جس کی کشش میں نور بھی چلی گئی تھی یہ اس کے اندر کی روشنی تھی حق پرستی کی روشنی تھی جس کے آگے مہر و مہر بھی ماند تھے۔ وہ غلطی نہیں بس اسے غلط سمجھ لیا تھا وہ تو صحیح تھی اس کا وجود غلط جگہ تھا تو کیا تھا ویسے بھی نیتوں کے حال خدا جانتا ہے۔

گہرا کر تو وہ نت نئے خمار میں گم تھی دادی جان کے

دے اس گھڑی لیکن یہ قبل از وقت باتیں کیوں آپ کو سوچنے لگیں آخر آپ پوری طرح کھل کر سامنے کیوں نہیں آتی ہیں کیوں کشمکش میں ڈال رکھا ہے خود کو بھی اور مجھے بھی۔ جب دوست سمجھا ہے تو دوستی بھی نبھائیے۔“ وہ ہولے ہولے پھٹ پڑی۔

”نورا! مجھے برین ٹومر ہے۔“ انکشاف کیا تھا گویا بم بلاسٹ تھا آنکھیں یک دم ہی پھٹ پڑیں گویا سماعت پر یقین نہیں آیا۔

”ہاں نور! جس روز تم مل کر گئی تھیں دوسرے روز چچانے میرن اپائنٹمنٹ ڈاکٹر سے لی سٹی اسٹین کے بعد ڈاکٹر نے یہ خوش خبری مجھے سنائی۔“ پھکی مسکراہٹ اس کے سفید ہونے لہوں پر پھیل گئی۔

”یہ..... یا ایک دم سے اتنی بڑی بیماری کیسے..... آپ کو رو تو اچانک اٹھانا..... پہلے تو نام و نشان تک نہ تھا۔ یوں اچانک یہ خبر کیسے سادی آپ نے؟“ الفاظ بے ربط ہو رہے تھے مجھے یقین نہیں آ رہا فزا۔“ پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ حادثے ایک دم سے کیسے رونما ہوتے ہیں اس کی نمونہ برسوں سے ہو رہی ہوتی ہے بس انسان کو بہت دیر سے خبر ہوتی ہے۔

”تو..... ڈاکٹر نے اور کچھ نہیں بتایا۔ ٹریٹمنٹ وغیرہ.....“

”آپریشن بتلایا ہے..... آپریشن کے ساتھ تین آپشن بھی دیئے ہیں۔“

”وہ کیا کیا.....؟“

”ٹومر بالکل سینٹر میں ہے جڑ پھیلا چکا تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق میں مستقلاً کوسے میں جاسکتی ہوں یا اپنی یادداشت کھوسکتی ہوں یا پھر آخری حل ہے کہ میں مر سکتی ہوں۔“ پندرہ پچھواڑے ڈنک مار رہے تھے۔

”اور چوتھا کوئی اور راستہ نہیں! آپ زندگی کی طرف نہیں آ سکتیں خدا کے لیے کوئی کام مشکل تو نہیں، ہم زندگی کی دعا تو کر سکتے ہیں نا۔“

”اگر خدا نے اتنی عمر ہی میرے نصیب میں لکھ دی

کی آہرائیوں سے دہانگتی خدا اس کا حامی و ناصر بن جائے اس سے بڑا کون نگہبان ہے۔ اس روز وہ آتی دکھائی دی۔ صاف و شفاف چہرے پر ازلی حزن تھا۔

”فزا..... ابھی تک سفید کپڑوں سے آپ کی جان نہیں چھوٹی۔“ سلام دعا کے بعد اس کا موڈ فریش کرنے کے لیے پہلا سوال یہی داغا۔ وہ مسکرا دی بہت پر اسراریت تھی اس کے انداز میں۔

”جب سر کرہ بان نہیں چھوٹی اس رنگ سے تو میں جیتے جی کیوں چھوڑ دوں۔ اس پاکیزہ رنگ سے بڑھ کر مجھے اور کوئی رنگ نہیں لگتا اب اور کون سا رنگ پہننا ہے نور! زندگی والے لوگ رنگ پہنتے ہیں جسے آگے کی سانسوں پر اعتبار ہی نہ ہو وہ کیا رنگ پہنیں گے۔“ سگی بیچ پر دونوں براہیمان ہو گئیں۔

”آگے کی سانسوں پر کس کا اعتبار ہوتا ہے فزا۔ حقیقتاً تو یہ کہنا ہی خوش فہمی ہوتی ہے کہ اب میرا یہ ارادہ ہے اور کل میں یہ کروں گی اسی لیے تو کہتے ہیں کل کو کس نے دیکھا ہے میں نے سنا ہے۔“

”یہ تو فیکٹ ہے لیکن خوشیاں جینے کا مژدہ سناتی ہیں۔ جن کے پاس دکھ ہوا نہیں آئندہ کا راستہ دور سے ہی سمجھائی دینے لگتا ہے۔“

”کوئی دکھ نہیں..... اللہ آپ کے دکھوں کا چارہ گر ہے جو مالک کل ہے وہ آپ کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔“

”ہاں کسی طرح تو وہ میرے دکھوں کو سمیٹے میرا چارہ ساز بنے نور۔“ اس کے اضطراب کی وجہ ابھی بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی باہر بھی اس کی کشمکش کو دور کرنے کے لیے سرگرداں تھی لیکن آج لگتا تھا وہ میاں ہو کر رہے گی سر بستہ راز کا دہانہ گل جائے گا۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

”نور..... میں بس اتنا چاہتی ہوں مجھے توبہ کی سہلت مل جائے میری سانسیں بند ہونے سے پہلے..... دیکھو خدا کس طرح میری مدد فرماتا ہے؟“

”کیا باتیں کر رہی ہیں آپ خدا ہر کسی کو توبہ کی توفیق

”بھجیو۔“ جس کسی نے سنا ششدر ہی رہ گیا، دادی جان نے بھی من و عن سارے معاملات سے بھی آگاہی دے دی تھی۔

”تم لوگوں کو اس کی موت سے ڈر رہے یا اس کی پشت پناہی سے انکار ہے؟“ امی نے نظریں چرائیں، اکلوتے بیٹے کے لیے اس قسم کے فیصلے سے ڈرتھا۔

”میں تیار ہوں.....“ برحان بھائی نے فیصلے پہ مہر لگا دی۔ ”امی کیا اس کے بعد مجھے لڑکیاں نہیں ملیں گی؟ آپ سارے ارمان اس نیکی کے بعد کے لیے اٹھا رکھیں۔“ سچ سچ نورالعین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ بے حد عقیدت سے اپنے وجہہ و حسین بھائی کو دیکھا جس کی عظمت نے اس کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

”ساری زندگی تو اپنے دل کی خوشی کے لیے کام کرتے ہی رہتے ہیں، کچھ کام خدا کی خوش نودی کے لیے بھی کرنے چاہئیں، نیکی کا پرچار کرنے سے نہیں کام چلتا جب تک کہ ہم خود کو مثال بھی نہ بنائیں۔“ وہ کچھ خوش پھر بھی نہ ہوئیں، چپ چاپ اٹھ کر کمرے میں چل دیں۔

فزا کے چہرے پر حیرانگی ہویدا ہوگئی، آنکھ پھاڑے اسے دیکھے گئی، چہرے پر زردی بکھری ہوئی تھی۔

”میں..... میں تو ڈوب ہی رہی ہوں نورالعین تم لوگوں نے ہمارے کیوں چھوڑ دیئے، بخدا میں اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔“

”اس میں ہمارا فائدہ ہے فزا کوئی تو ایسا کام کریں کہ خدا کے آگے ہم سرخرو ہو سکیں، اسے منہ دکھائیں اور میرا دل کہہ دیا ہے آپ بچ جائیں گی، ایک نئی زندگی کی شروعات کریں گی ہمارے ساتھ۔“ بہت طول ہو کر وہ مسکرا دی۔

”میں اپنے لوگوں کے ہاتھوں مرنے سے بہتر اس خدا کی رضا سے مرنا بہتر سمجھوں گی۔ جسے میں آخری دم راضی کر لوں گی۔“

”اللہ آپ کے اٹھائے گئے قدم میں آپ کا ساتھ دے گا۔“

پھر..... دعا کرو وہ مجھے اپنی خوشنودی سمیت اپنی طرف سیٹ لے اس کی رضائل جائے تو کیا ہی بات ہو نور۔ پھر زندگی کیا اور موت کیا۔“

گھر آرا تارا دادی کی گود میں سر رکھ کر کہہ پونے سوچ گئے۔

”کیا کروں دادی..... اس کے لیے کیا کر سکتی ہوں میں، وہ ایسے دہانے پر پہنچ چکی ہے جہاں سے واپسی کا راستہ نہیں، ہر راستہ کنویں اور کھائی کی طرف ہے۔ بس وہ اپنی الجھنوں اور اضطراب سے رہائی چاہتی ہے۔“ دادی کے چہرے پر غمگین سوچ نے ڈیرہ ڈال دیا تھا۔

”ویسے تو میں نے پہلے ہی اس کی پشت پناہی کے متعلق سوچ یا تھا لیکن اب سوچنے سے کام نہیں چلے گا، قدم اٹھانا ناگزیر ہو گیا ہے۔“ وہ سر اٹھا کر دیکھے گئی، آنسو تواتر سے بہ رہے تھے۔

”اس کی نیک سوچوں میں ہمیں شریک بننا چاہیے، برحان کو بلاؤ..... فزا کو مسلمان کر کے اس کے نکاح میں دیں گے ہم..... آج تو انکشاف کا دن تھا۔“

”دادی..... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟“

”صرف نیکی کی جانب گامزن کرنے کے لیے اصرار ہی نہیں کرتا، چہرے بلکہ کسی کے لیے لائحہ عمل بھی مرتب کرتا پڑتا ہے تب جا کر ہمارے قول اور فعل میں توازن آتا ہے سوچ تو میں پہلے سے ہی رہی تھی فزا کو بہو بنانے کے متعلق لیکن اب فیصلہ ہوا ہے۔“ آخری سانس وہ سکون سے لے لے رہی ہماری نیکی کا صلہ ہوگا نور۔“

”اور برحان بھائی..... امی اور دیگر لوگ مانیں گے؟“

”انہیں ماننا چاہیے، خدا خوش قسمت لوگوں کو ہی ایسے مواقع فراہم کرتا ہے۔ ثواب حاصل کرنے میں پس و پیش سے کام نہیں لینا چاہیے، ورنہ وہ جان سے گزر جائے گی اور ہمارے پاس غم آنسوؤں ملنے کے سوا کچھ نہیں رہ جائے گا کہ ہم نے اسے ذہنی اضطراب سے نجات نہیں دی، چند دن اس کی پوری زندگی کی کشمکش پر پھایا بن کر چھا جائیں گے جیٹا اسے بلاؤ اور اس سے پہلے برحان کو میرے پاس

دنیا
 کوشش کرو تم دنیا میں رہو
 دنیا تم میں بند ہے کوشش پانی میں رہتی ہے تو خوب
 تیرتی ہے
 لیکن جب کشتی میں پانی آ جاتا ہے تو
 وہ ڈوب جاتی ہے۔
 نبین اعظم..... سنا نوال، مظفر گڑھ
 کچھ لوگ
 زندگی کے ساحل پر پہنچتے تو بہت سے لوگ ملتے ہیں
 حسین سنگ ریزوں سے جیسے لوگ
 قیمتی موتیوں جیسے لوگ
 نویلی سنگیوں جیسے لوگ
 ان میں کچھ لوگ ہاتھوں میں جمی ریت کی مانند
 ہاتھوں سے ہی نہیں دل سے بھی نکل جاتے ہیں
 لیکن کچھ خوشبو صفت لوگ اور ان کے ہاتھوں کے
 لمس ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔
 فر واکنول..... شاد یوال، گجرات

کراچ مسجد میں ہو اس کے سارے عقائد کی درستی
 کے بعد بہت چپ چاپ سی لہرتے قدموں سمیت اس
 نے اس کے گھر کی دباؤ عبور کی..... اس گھر کے کینوں
 کو بھیگی آنکھوں سمیت دیکھا جنہوں نے اس کے
 لیے موت کی راہ آسان کر دی تھی اب ہر طرف سکون
 ہی سکون تھا۔

”بس اب میری دعا ہے نور کہ اسی پہ مجھے موت
 آ جائے میں کسی کی انگلیوں اور آرزوؤں کی قاتل بھی تو
 ہوں کیا تمہارے بھائی نے مجھ جیسی لڑکی کے ہی خواب
 دیکھے ہوں گے۔“

”تم ان سب باتوں کو فی الحال بھول جاؤ برحمان کی
 کوئی آرزو نہیں تھی کس بھی لڑکی کے بارے میں نہ کوئی
 خواہش تھی۔“ وادی جان کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

”اس کی نیکی کی آرزو ضرور تھی جو پوری ہوئی ہے
 اس کی نیکی کو تم یا سیت مت بنانا فزا آگے جو کچھ ہوتا
 ہے اس کا نہ تمہیں معلوم ہے نہ کسی اور کو خدا کے سوا یہ
 سربستہ راز کوئی نہیں جان سکتا میری بس یہی خواہش
 ہے خدا تمہیں ان مقدس راستوں پر گامزن رہنے کے
 لیے سکون فراہم کرے۔“

”خدا آپ لوگوں کو کبھی کسی غم سے ہمکنار نہ کرے
 وادی جان جو احسان آپ نے میری زندگی پر کیا ہے اس کا
 نعم البدل میں فراہم نہیں کر سکتی۔“ ان کا ہاتھ تمام کر وہ
 عقیدت سے گویا ہوئی۔

”خوش رہو۔“ وہ ہر نکل گئیں۔
 ”امی نے اسے دل سے قبول ہی نہیں کیا تھا وہ
 ان کا دل موہنے کی ہر صورت کوشش کرتی پیر دا بنے
 لگتی تو دھیرے سے پیر سمیٹ لیتیں سر دباتی تو انہ
 کر بیٹھ جاتیں۔“

”میرے سر میں درد نہیں ہے۔“ بھول جاتی خود زندگی
 کے خری لہات گن رہی ہے۔

اس کے آپریشن کی ڈیٹ ڈاکٹرز نے دے دی تھی اب
 دن رات چائے نماز پر گزارتی کھانے پینے کا ہوش بھول

چکی تھی نور کھانا لے کر کمرے میں ہی آ جاتی۔
 ”مجھے اب بھوک نہیں ہے نور میری روح سیر ہو چکی
 ہے۔“ عجیب طرح کی چھب آگئی تھی چہرے پر۔
 ”تمہارے بھائی کی صورت دیکھ کر میرا جینے کو دل
 چاہنے لگا ہے نور.....“ کبھی وہ آرزوگی سے بولتی۔
 ”پہنچیں گی فزا بھابی..... باپوس کیوں ہوتی ہیں۔“
 ”لیکن میں نے برحمان سے کہہ دیا ہے میرے مرنے
 کے بعد مجھے بھولی بسری یاد کچھ کر فراموش کر دیجیے گا اور اپنی
 دنیا نئے سرے سے تشکیل دیجیے گا میں کیوں کسی کی نیکی کو
 اس کے گلے کا ذمہ لے کر بھرنے کے لیے بناؤں گی۔“
 اس کے آپریشن کی ڈیٹ آگئی تھی۔ یہ بھی سننے میں آیا
 تھا فزا کے گھر والے بری طرح اس کی تلاش میں تھے۔
 ”مجھے آپ لوگ سب معاف کر دیجیے گا اے خدا تو
 بھی مجھے بخش دینا میں نے جو کچھ کیا تیری رضا کے لیے

”اس لڑکی نے بھی اپنی زندگی بس گزاری ہے بغیر کسی محسوسات کے جذبول سے عاری زندگی۔“

”نہیں..... جب اس کی وجہ سے کسی محتاج کے چہرے پہ مسکراہٹ کھیلتی ہوگی تو ضرور اس نے خوشی کا جذبہ محسوس کیا ہوگا نوز ابھی بھی جو ہوگا وہ اس کی خواہشات کے عین مطابق ہوگا خدا اس کی آرزو کے مطابق اس کی راہ متعین تو کرے گا نا۔“ اور خدا نے اس کی مرضی کی راہ متعین کر دی۔

اس کی بے قراری کو قرار آ گیا۔ وہ جو بہتی تھی میں خالم اور اندھی تقلید میں جتنا لوگوں کے ہاتھوں مرنے سے بہتر خدا کی رضا اور خوش نودی کے ساتھ مرنا پسند کروں گی۔ اڑتالیس گھنٹوں کے اندر ہی ڈاکٹر نے اس کی موت کی اطلاع دے دی۔

نور بے ساختہ برحان سے لپٹ گئی ہچکیاں تھم نہ رہی تھیں خود برحان کا نوسوں پا اختیار نہ ہا تھا۔

”صبر کرو..... اسی میں خدا کی رضا پوشیدہ تھی اب اس کی روح بے قرار ہو کر بھٹکے گی نہیں۔“ دادی جان نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔

”وہ زندہ بھی رہتی تو اس کے گھر والے جیتے جی اسے درگور کرتے رہتے بہتر یہی تھا کہ وہ پرسکون زندگی پا لیتی کہ مومن کی زندگی تو موت کے بعد کی ہے۔“ اس کی قبر پہ اچلے گللابی پھول بکھیرتے ہوئے تھے۔ برحان کے لب لہ رہے تھے۔

”اپنی بقایا زندگی تمہاری نیکی کے نام کرتا ہوں سواد زندگی میں ہم سفری کی کمی تو نہیں ہوگی لیکن تمہاری قربانی نے بقیہ تمام ناموں پہ مہر بٹھا دی ہے۔“ دور کھڑی سوگوار آنکھوں سے نور العین احمد کہتے ہی سوچ رہی تھی۔

”تم نے خدا کی رضا کے ساتھ ساتھ انسانوں کے دلوں میں بھی فتح کے پرچم گاڑ دیئے تم سے عظیم کون ہوگا فزا برحان۔“



کیا۔“ آپریشن تھیٹر جانے سے پہلے اس کے الفاظ ورد زباں تھیں اور سپید چہرے پر نور ہی نور ہو پدا تھا۔

”اتنے زیادہ اثر و رسوخ والے لوگ نہیں اس کے گھر والے فزانتی گئی تو میں اسے ملک سے باہر لے کر چلا جاؤں گا جب تک کہ آگ سرد نہیں ہوتی۔“ ان کے الفاظ اس سے نجت ہو جانے کی گواہی تھے۔

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ دادی جان جائے نمرز پر..... دعا گو تھیں۔

حد تو یہ تھی کہ امی بھی آئی تھیں اور بے حد مضطرب بھی۔ روال روال اس کے سکون کے لیے دعا گو تھا۔

کئی گھنٹوں کے آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے اس کی بے ہوشی کی اطلاع فراہم کی۔

”اللہ مالک ہے ہمارا کام ہو گیا آگے خدا کا کام ہے اڑتالیس گھنٹوں کے اندر یہ ہوش میں آگئیں تو ٹھیک ہے ورنہ خدا کی مرضی۔“

صرف شیشے میں سے اسے ذرا سادہ کیمنے کی اجازت تھی۔ مشینری میں جکڑی فزا کی ایک ایک بات ذہن میں گونج رہی تھی جو پہلے کیا تھی اب کیا ہوئی تھی پہلے چہرے پر حزن برستا تھا اب چہرے پر خدا کی عطا کردہ کوشش تھی۔

”امی..... آپ نے اسے معاف کر دیا تھا نا.....“

برحان بھئی کے الفاظ کی لرزش کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔

”جس حال میں وہ ہے اس حال میں دشمن بھی دیکھ کر کوئی ملال دل میں نہ لاتا..... میں تو پھر کچھ جھمکے ہی رشتے سے اس سے منسلک ہو چکی تھی۔“

یہ اڑتالیس گھنٹے اڑتالیس صدیاں تھیں جو سب کے جسم و جاں پہ وقت نزع کی سی کیفیت سوار کیے ہوئی تھیں۔

روح و جسم کو سلب کرنی ہوئی انسان نہ کچھ کہنے کی کیفیت میں تھا نہ دیکھنے کی..... بس سننے کی حس باقی تھی کہ کوئی مژدہ جاں سداے۔

ابھی تک تو کوئی خبر سننے کو نہیں ملی تھی چھتیس گھنٹے بعد نور العین رو دی دادی جان اور ہاتی سب بھی آبدیدہ ہو گئے۔



تہہارے آنے پہ سورج کے ہاتھ چمکیں گے
مرے مکاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
وہ مجھ کو سوئپ گیا فرصتیں دسمبر کی
درخت جاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

لیے پیٹ ٹھیل پر رکھی اور کچن سے بچھ لے آئی ابھی پہلا
نوالہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ امی کی آواز آئی۔
”اے لڑکی دھیرج رکھ منہ جل جائے گا تیرا۔ توبہ ہے
پلاؤ دیکھ کر اتاؤ لی ہو جاتی ہے۔“ بچھ اس کے ہاتھ سے
چھوٹ کر پلیٹ پر جا گرا۔ کالج کی پلیٹ اور اسٹیل کے بچھ
کا عجیب سا ارتعاش پیدا ہوا اس نے چونک کر چاروں
طرف دیکھا مگر چاروں طرف سناٹا تھا اداہی اور تنہائی نہ
امی نہ لباؤ نہ پاوراں کے چار شور بچاتے بچے..... دل بھرا آیا
آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اچانک ہی کھانے سے دل اکتا
گیا اس نے بچھ اٹھا کر پلیٹ میں رکھ دیا آنکھیں جھلکنے
کو بے تاب ہونے لگی تھیں یوں اچانک سے وہ تنہا ہو گئی۔
اس کے اپنے کہیں کھو گئے تنہائی کی ڈانٹ ڈپٹ نصیحتیں
لباجی کالا ڈیپار اور آبا کی محبت ان کے ڈھیر سارے بچوں کا
شور ٹنگ کرنا چیزوں کو خراب کرنا..... سب کچھ ایک خواب
بن کر رہ گیا تھا وہ باتیں جن سے عنایہ کو کبھی شدت سے چڑ
تھی۔ آج اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ وقت اور اذلان لوٹ
آئے وہ یادگار لمحات اس کی زندگی میں پھر سے واپس

دسمبر کی آخری تاریخ تھی وہ تھک کر گھر لوٹی تھی کیونکہ
آج کل کلوزنگ چل رہی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے اسے گھر
آنے تک کافی ٹائم لگ جاتا تھا ویسے بھی گھر میں کب کوئی
اس کا منتظر ہوتا کہ وہ جلدی واپس آتی۔ گھر کی وحشت اور
ویرانی سے بہتر تو آفس کا ماحول لگتا تھا۔ کم از کم لوگوں کے
ساتھ ٹائم پاس ہو جاتا اور نہ گھر میں تو سوائے سناٹا اور تنہائی
کے کیا تھا وہ تو رفتی انکل اور ان کی فیملی کا دم غنیمت تھا جو
اس کا خیال رکھ لیتی تھی۔
وہ گھر پہنچی تو کافی شام ہو چکی تھی آتے ہی چادر بند پر
پھینک کر وہ مغرب کی نماز کے لیے وضو کرنے چلی گئی۔
نماز سے فارغ ہوئی تو رفتی انکل کی پوتی مانا چلی آئی۔
”آئی! ممانے پلاؤ پکایا ہے اور آپ کے لیے بھیجا
ہے آپ کو پسند ہے نا؟“ دس سالہ مانانے گراما گرم پلاؤ
کی پلیٹ اس کو تھماتے ہوئے کہا۔
”تھینک یو گرڈ! ممانے بھی کہہ دینا۔“ پلاؤ کی مزے
دار خوشبو نے اس کو ابھوک دو چند کر دی تھی۔
کام کے چکر میں بچھ بھی ٹھیک سے نہ کر پائی تھی اس

”دور ٹھونکنے گندے ہیں تمہارے ہاتھ۔“ عتیابہ نے اسے دھکا دیتے ہوئے منہ بنا کر کہا تب ہی دو سالہ زاہد نے اپنا چاکلیٹ سے بھرا گندہ منہ اس کے سفید شلوار سے رگڑ ڈالا۔

”افوہ..... تو بہ ہے بچے ہوتم لوگ یا عذاب؟“ اس نے زاہد کو پرے دھکیلتے ہوئے فصرہ سے کہا۔ ”عجب بچے ہیں بالکل جنہاں پورہ پال رکھا ہے آپا نے۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تب ہی آپا اپنے بھاری بھر کم تھل تھل کرتے وجود کے ساتھ سامنے نظر آ گئیں۔

”سلام آیا!“ اس نے قدرے ناگواری سے کہا اور اپنے کمرے میں کھس گئی۔ بیک اور دو پیٹھ پر پھینک کر وہ کرسی پر بیٹھ کر جوتے کے تسمے کھولنے لگی اسی وقت امی بھی آ گئیں اس نے سلام کیا۔

”ولیکم استلام! تم ارسہ سے ملیں سلام کیا اسے؟“ امی نے پوچھا۔

”جی امی! مل بھی لی سلام بھی کیا اور یہ آپ کے لاڈے بچوں کی نشانیاں بھی محفوظ کر لی ہیں۔“ جوتا اتارتے ہوئے اس نے سفید شلوار کی طرف اشارہ کر کے قدرے بے زار لہجے میں کہا۔ ”اور روز روز آنے والوں سے کیا ملتا؟“ لہجہ بے زار کن تھا۔

”ارے یہ کیا بات ہوئی؟“ امی نے اس کا آئے گی دس بار۔ ”امی کو یہ بات ناگوار گزری تھی۔“ اچھا جلدی سے منہ دھو کر آ جاؤ تو کھانا لگا دوں۔ آج ارسہ نے پلاؤ بنایا ہے۔“ کہہ کر امی کمرے سے نکل گئیں عتیابہ منہ بتاتی ہوئی دوش روم کی طرف بڑھ گئی۔

”کیا حال ہے تمہارا پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟“ کھانے پر ارسہ نے پوچھا۔

”بس ہوتی رہی ہے۔“ اس نے دستر خوان پر گندگی مچاتے ارسہ کے بچوں پر غصیلی نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

”مہا پہلے مجھ سے۔“ چھ سالہ میرہ بولی۔

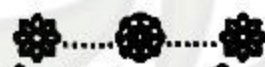
”میں پہلے مجھے۔“ چار سالہ عماد چنچا۔

آجائیں۔ امی لبا جی آپا اور ان کے بچے اذلان مگر یہ سب تو محض ایک خواب بن کر رہ گیا تھا۔ اب بھلا ببا امی کہاں سے آتے؟ وہ تو بہت دور جا چکے تھے جہاں سے لوٹ کر آنا ناممکن تھا ورنہ آپا..... آپا اپنے بچوں شوہر اور گھرداری میں مصروف تھیں۔ اکیلی تھی تو بس وہ..... جسے کو ڈستی تھی خاموشی اور گھر کا ماحول قبرستان جیسا لگتا تھا۔

”امی.....“ اس کے لبوں سے سسکی ابھری۔ ”کہاں چلے گئے سب لوگ..... کیوں مجھے اکیلا کر دیا؟ کیا میرا تصور اتنا بڑا تھا..... کیا میری سوچ اتنی غلط تھی؟ ہاں شاید..... شاید..... میں نے اس وقت غلط فیصلہ کیا تھا۔ مجھے مستقبل کی فکر نہ تھی مگر آج..... آج میں کتنی تنہا ہوں! کتنی لاچار اور مجبور۔“ آنسو بے تحاشا اٹھتے چلتے رہے تھے پلاؤ کی پلیٹ فریج میں رکھ کر وہ بالکنی میں چلی آئی۔

دسمبر کی آخری کھراؤد شام دھیرے دھیرے عداوت میں تبدیل ہو رہی تھی سمندر کی طرف سے آنے والی سرد ہواؤں سے خشکی مزید بڑھنے لگی تھی۔ بلیک شال اپنے سرد اچھی طرح لپٹتی ہوئی وہ کرسی پر آ بیٹھی۔ کرسی کی پشت سے سر فیک کرنا کھینس موند لیں، ماضی کے درتے بچے دھیرے دھیرے چلے گئے۔

”اذلان.....“ اس کے لبوں سے سسکی ابھری۔ ”کاش تم لوٹ آؤ اذلان..... میں بہت اکیلی ہوں! بہت تنہا! ابرار اس.....“



اس نے جیسے ہی گھر میں قدم رکھا محسن میں بکھرے کھلونوں، ٹالیوں اور پاپڑ کے رپرڈ خالی فیڈر پھینے ہوئے کاغذ اور مڑے مڑے اخبار کے ٹکڑوں پر نظر پڑی عتیابہ کا دل بُری طرح دھڑکا یعنی آج پھر آپا اپنے چار عدد شیطانوں کے ساتھ وارد ہو چکی تھیں۔ اندر کمرے میں بے تحاشا شور تھا۔

”آئی آ گئیں..... آئی آ گئیں..... آپ ہمارے لیے کیا لائی ہیں؟“ میرہ نے اپنے منگھر چپس اور کچپ میں بھرے ہاتھوں سے اس کا دامن تھامنا چاہا۔

”نہیں مجھے۔“ تین سال منیبہ بولی۔

”افوہ..... تو پہ ہے، بھی آ پا! کیسے برداشت کرتی ہوتی
ان شیطانوں کو۔ اللہ میں تو کسی صورت برداشت نہیں کر
پاؤں گی۔“ ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ زلمہ نے
پانی کا بھرا ہوا گلاس دسترخوان پر گرا دیا اور ساتھ ہی منیبہ
نے ایک تھپڑ عمار کو لگا دیا کیونکہ عمار نے اس کی پلیٹ سے
چکن کا ٹپس اٹھا لیا تھا۔

”یا اللہ!.....!“ عمار نے اپنی پلیٹ میں پلاؤ نکالا
اس پر راضیہ ڈالا اور دسترخوان سے اٹھ گئی کیونکہ یہ سب
کچھ اس کی بریداشت سے باہر تھا۔ اسے ڈسپلن اور
صغائی کی عادت تھی بچپن سے ہی گھر میں اس نے یہی
دیکھا تھا آ پا اس سے خاصی بڑی تھیں اور ان کے ہاں
کھانے پینے میں چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے ہر چیز میں ہر
بات میں ایک ڈسپلن اور پائیم ٹیبل ہوتا تھا۔ وہ اپنا کھانا
اپنے کمرے میں لے آتی تھی۔

”کیسا لگتا ہے کہ یہ بچے قید میں رہتے ہیں تب ہی
یہاں آ کر اتنا ہنگامہ چائے رکھتے ہیں جیسے جنگل سے
چھوٹ کر آئے ہوں۔“

”جب تمہارے ہوں گے ناں تب پتا لگے گا۔“
کمرے سے نکلتے نکلتے اس نے آ پا کی آواز سن لی۔
”اللہ نہ کرے۔“ وہ دل ہی دل میں کہتی ہوئی نکل گئی
تھی۔ کھانا کھا کر وہ برتن رکھ کر آئی تو عمار اور عمارت گئے۔
”آئی! ہمیں کپیر پڑو۔ ہم لگا کر دے دیں۔“

”جی نہیں! الاسٹ نام تم لوگوں نے میرا کپیر خراب
کر دیا تھا پورا ہفتہ لگا تھا تب جا کر ٹھیک ہوا جاؤ میں نہیں
لگاتی۔“ اس نے صاف انکار کر دیا۔ بچے منہ بنا کر کمرے
سے نکل گئے۔

عمار یہ اس بات سے تنگ آ چکی تھی کہ اسے جب دیکھو
اپنے چار عدد شیطانوں کے ساتھ آدھکتی تھی اور وہ اچھے
بھلے گھر کی سیٹنگ لگا کر رکھ دیتے ہر چیز الٹ پلٹ توڑ
پھوڑ گھر کا نقشہ ہی بٹڑ جاتا اور رات کو جب اسے اپنے گھر
واپس جانی تب عمارت کھا کھا سانس لیتی۔

”امی! آ پا کو اپنے گھر میں سکون نہیں ملتا کیا؟ ہر
دوسرے دن چلی آتی ہیں اور امی! آ پا کی کیا درگت بن گئی
ہے۔ ایسی تو نہیں تھیں یہ اچھی بھلی اسمارٹ ہوا کرتی
تھیں۔ کتنی صاف ستھری اور اپنا خیال رکھنے والی تھیں یہ مگر
اب..... اب چار چار دن کپڑے نہیں بدلتیں کنگھا نہیں
کرتیں ہر بچے کی پیدائش پر پانچ پانچ کلو وزن بڑھا کر
تو پ بن گئی ہیں ہالکل۔ اپنا خیال رکھتی ہیں ناں احمر بھائی
کا ہر دوسرے دن آ جاتی ہیں تو ان کا خیال کون رکھتا ہوگا اور
بھی تو لڑکیاں ہیں جو اپنے اپنے سسرال میں خوش رہتی
ہیں ان کے تین تین چار چار بچے ہیں مگر کوئی ایسا تو نہیں
ہو جاتا ناں۔“

”چپ کرو تم۔“ امی اسے خاموش کروا دیتی۔ ”بہت
بوسنے لگی ہو۔“ وہ کاندھے اچکانی ’وہ تو خود میں اپنی پڑھائی
میں گن رہنے والی سیدھی سادی اور ویل مینڈ لڑکی تھی جو
بس اپنے گھر کی اپنے کمرے کی صغائی سیٹنگ اور پڑھائی
سے مطلب رکھتی تھی جیسے اپنا اپنے کپڑوں کا جیومیٹر کا اور
وات کی پابندی کا جنون تھا وہ ذرا سی بھی غلط بات یاد تھی
برداشت نہیں کر سکتی تھی اور یہی وہ دوسروں سے جانتی تھی۔
اس روز چھٹی تھی آج عمارت پر سے سو کر آئی تھی وہ اٹھ کر
پاہر آئی تو امی نے واشنگ مشین لگائی ہوئی تھی وہ رات کو دیر
تک جاگ کر بڑھتی رہی تھی کیونکہ گیزا مزہ ہونے والے
تھے اسے شرمندگی ہونے لگی امی پر پیارا آ گیا کتنا خیال
رکھتی تھیں وہ اس کا گھر کی صغائی بھی ہو چکی تھی ناشتا تیار تھا
اور ساتھ ساتھ دوپہر کے لیے ہانڈی بھی چولہے پر چڑھ
چکی تھی۔

”امی میں بنا لوں گی لٹچ۔“ اس نے کہا۔
”نہیں تم پڑھائی کر لو اپنی بس گوشت بھون کر لوکی
ڈالنی ہے اس میں۔ تم ناشتا کر کے پڑھنے بیٹھ جاؤ۔ ہاں
اپنے ابو کے لیے آج زردہ پکا دینا انہیں تمہارے ہاتھ کا
زردہ پسند ہے۔“ امی نے مشین سے کپڑے نکال کر رسی پر
پھیلاتے ہوئے کہا۔

”جی امی۔“ کہہ کر وہ کچن کی سمت چل دی۔

بجھا سکتا جیسے کہ وہ رو چکی ہو۔
 ”سب خیریت ہے آ یا؟“ آج بجائے جھنجھلانے کے
 وہ پریشان ہوئی۔
 ”ہاں الحمد للہ!“ وہ مسکرائی، پھسکی اور بے جان بنی۔
 ”مطیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی ذرا۔“ امی نے جلدی
 سے کہا۔

”اوہ.....“ عنایہ نے بے ساختہ کہا۔ آ پا کی ہنسی ہنسی ہی
 شکل یقیناً نئے مہمان کی آمد کا پیش خیمہ ہے، ذہن اس پر
 جھنجھلا ہٹ سوار ہوئی۔ ”پتا نہیں کیا چاہتی ہیں آ یا؟“ دل
 ہی دل میں سوچتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اس
 کا اندازہ سو فیصد درست نکلا۔

”حد ہوئی آ پا! حالت دیکھی ہے اپنی آپ نے؟ پہلے
 ہی چار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، امر بھائی ڈھنگ سے
 جا ب نہیں کرتے آپ اکیلی گھر کے کام کرنی ہو کس طرح
 سب کچھ کر پاؤ گی۔ اب تک تو آپ کی ساس مرحومہ تھیں
 کہ انہوں نے ایسے وقت میں آپ کا ساتھ دیا تھا مگر.....“
 نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ارسلہ کے سامنے تلخ ہوئی۔
 ”کیا کروں گڑیا!“ ارسلہ رو ہنسی ہوئی تھی اس کے
 سامنے کی ہنسی عنایہ اور آج اسے اونچ نیچ صحیح غلط سمجھا
 رہی تھی۔ ”اور جب سے امر کو یہ پتا چلا ہے وہ خود بھی
 پریشان ہیں۔“ ارسلہ نے اپنے بھاری بھر کم وجود کو کرسی پر
 گراتے ہوئے کہا۔

”واہ جی واہ! وہ کیوں پریشان ہیں؟“
 ”اے لڑکی! تمہارا دماغ زیادہ چلنے لگا ہے بہت بولنے
 گئی ہو تم۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں اپنی تقریر جھاڑنے کی،
 جتنی ہوا اتنی ہی رہو۔“ امی نجمانے کہاں سے آئیں اور اس
 کی بات درمیان سے اچک لی اور اسے جھاڑ بھی دیا تھا وہ
 منہ ہناتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

ارسلہ دن رہ کر واپس چلی گئی تھی مگر اس بار ارسلہ بہت
 ہنسی ہنسی ہی رہی تھی اس کی یقیناً اور کوئی وجہ ہو گی نہ جانے
 کیوں عنایہ کے ذہن میں یہ خیال بار بار آ رہا تھا۔ اذلان
 سے بات ہوئی تھی وہ نارمل تھا اس نے کریدا بھی مگر اذلان

ناشتا کر کے وہ صحن کے اس کونے میں آ گئی جہاں پر
 موتیا اور چنبیلی کے پودے لگے تھے اور منی پلانٹ کے
 بڑے بڑے پتوں سے وہ چھوٹا سا کونا اس طرح سے کور
 ہو گیا تھا کہ وہاں کرسی پر بیٹھ کر پڑھنا عنایہ کو بہت اچھا لگتا
 تھا۔ اپنے گھر میں سب سے اچھی جگہ یہی لگتی تھی۔

ارسلہ کا دیور اذلان عنایہ کو پسند کرتا تھا وہ ایم بی اے
 کر چکا تھا اور ایک کمپنی میں پرنسپل جاب پر فائز تھا اس
 نے اپنی پسند کے بارے میں ارسلہ کو بتایا تھا ارسلہ نے امی
 سے بات کی، کوئی منشی پہلو نظر نہ آیا تھا کہ دشتے سے انکار کیا
 جائے۔ امر تھوڑا چھپھورا کام چور اور باتونی تھا جب کہ
 اذلان اس کے بالکل برعکس نہایت سو بڑ، سنجیدہ پڑھا لکھا
 اور اسماٹ بھی تھا۔ عنایہ سے پوچھا گیا اسے بھی اذلان
 اچھا لگتا تھا اس لیے رشتہ طے کر دیا گیا۔ امر اور اذلان کے
 والدین حیات نہیں تھے بس دو بھائی اور ایک شادی شدہ
 بہن تھی جو دوسرے شہر میں رہتی تھی، عنایہ کی پڑھائی مکمل
 ہونے کے بعد شادی ہو جاتی تھی۔ ارسلہ پر دہری ذمہ داری
 آن پڑی تھی ایک طرف بھائی جیسا دیور تھا تو دوسری طرف
 اپنی سگی بہن۔ آج کل عنایہ پڑھائی میں لگی ہوئی تھی اذلان
 سے اس کی بات چیت ہوتی تھی کبھی کبھار وہ گھر بھی آ جاتا
 ورنہ کال اور میسجز پر بات ہو چلا کرتی تھی۔ اذلان آج کل
 کے لڑکوں کی طرح چھپھورا اور لا ابالی نہ تھا بلکہ اس کی سنجیدگی
 اور بات کرنے کا خوب صورت اور دھیمالہجہ عنایہ کو بہت
 اچھا لگتا وہ خود بخوبی نفس اور اچھے اور پرسکون ماحول کی
 دہداد تھی اذلان بھی ویسا ہی تھا اس لیے دونوں کی آپس
 میں خوب بنتی تھی۔

اس روز وہ ٹانچ سے لوٹی تو ارسلہ اپنے بچوں سمیت
 موجود تھی لیکن آج بچے زیادہ شور شرابہ اور ہنگامہ نہیں
 کر رہے تھے بلکہ ایک کمرے میں بیٹھ کر وی دیکھ رہے
 تھے۔ لہذا امی اور ارسلہ بڑے کمرے میں بیٹھے تھے تینوں
 کا موڈ کچھ غیر معمولی لگ رہا تھا۔

”استلام علیکم!“ اس نے سلام کیا۔
 ”وعلیکم استلام!“ سب نے جواب دیا۔ ارسلہ کا چہرہ بجھا

بچوں کو ڈھنگ سے پال نہیں سکتے اور چلے ہیں شادی
رچانے.....“

گھر کا ماحول عجیب مگدسا ہو گیا تھا اس نے اذلان کو
کال ملائی تو اذلان نے خود بھی شدید حیرت کا اظہار کیا کہ
”مجھے تو کچھ بھی پتا نہیں ہے میں تو صبح جا کر رات کو آتا
ہوں مجھے نمازہ نہیں کہ بھائی اور بھائی میں کیا نا چاتی ہے یا
کیا مسئلہ ہو گیا ہے میں پتا کرتا ہوں۔“ اذلان اس وقت
آفس میں تھا۔

اذلان اور عنایہ کی شادی ہونے والی تھی تیاریاں ہو رہی
تھیں کہ اچانک سے احمر نے یہ نیا شوہر چھوڑ دیا جو سب
کے لیے بہت پریشان کن اور غیر متوقع تھا۔ سارے
خانمان میں تھو تھو ہونے والی بات تھی۔ لہا گھرائے اور ان
کو ساری بات بتائی گئی وہ بھی حیران رہ گئے تب لہانے احمر
کو کال کی کہ وہ کچھ دیر کے لیے گھرا جائے انہیں کچھ بات
کرنی ہے۔

اور پھر جب اسے پتا چلا کہ احمر بھائی دوسری شادی اس
وجہ سے کر رہے ہیں کہ آپ اپنا خیال بالکل بھی نہیں رکھتیں
نہ گھر کی فکر کرتی ہیں ناں احمر بھائی کی۔ احمر بھائی لاکھ
کوششیں کرتے کہ وہ ایک سرسبز کریں انہوں نے ہر بچے
کی پیدائش پر اپنا وزن بڑھا لیا تھا۔ احمر بھائی سمجھا سمجھا کر
تھک جاتے وہاں لاکھ دیتے تھے اچھے کپڑے لاتے انہیں
پارلر جانے کا کہتے خود پر توجہ دینے کا کہتے مگر اسہ کسی
بات کو اہمیت نہ دیتی۔ ہر وقت گھر کے کام بچوں کا رونا روٹی
رہتیں یا پھر ان سے جھگڑا کر کے میکے آ جاتیں۔ وہ سارا
الزام احمر بھائی کو دیتیں کہ میں شادی سے پہلے کتنی اسارٹ
تھی مگر بچوں کی وجہ سے میں کسی بے ذول اور بے تکی ہو گئی
ہوں۔ غرض یہ کہ دونوں ایک دوسرے سے تالاں تھے۔
چھوٹی چھوٹی باتیں بڑھتی گئیں اور نوبت یہاں تک پہنچی
تھی یہاں پر غلطی کس کی تھی؟ جس کی بھی تھی اب احمر ہر
صورت دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔ لہانے سمجھایا
آپا رہیں دھو میں مگر ان پر تو دھن سوار تھی بہر حال اذلان
نے سنا تو وہ بھی حیرت زدہ رہ گیا۔

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 141

نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی۔ عنایہ کے امتحانات بھی سر پر
تھے اوپر سے ہر دوسرے دن ارسہ کی آمد اور اس کے ساتھ
گھر کا ماحول عجیب سا ہو جاتا تھا۔ عنایہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا
تھا مگر اس وقت وہ اپنا سارا دھیان صرف اور صرف پڑھائی
پر رکھنا چاہتی تھی۔ کمرے کے باہر کیا ہو رہا ہے؟ کون آتا
جاتا ہے اسے کوئی غرض نہ تھی وہ عمل طود پر کمرے میں بند
ہو چکی تھی۔ کھانے کے وقت پرانی کھانا دے جاتیں اور
چائے کے وقت چائے اور ان دنوں میں شادی کی تیاریاں
بھی ہو رہی تھی ایگزام کے بعد جلد ہی شادی کی تاریخ طے
ہو چکی تھی۔

اللہ اللہ کہ اس کے امتحانات ختم ہوئے اور اس نے
سکھ کا سانس لیا آخری پھیر دے کر آئی تو خوب لمبی تان
کے سوئی۔ شاہ آسو کر اٹھی ہاتھ لے کر قدرے فریش ہو گئی
تھی وہ کمرے سے باہر آئی تو حسب معمول آپا کے بچوں
کو گھر میں دیکھا آپا امی کے کمرے میں تھیں اس نے
چائے بنائی اور تینوں کپڑے میں رکھ کر امی کے کمرے
میں آ گئی ارسہ رو رہی تھی۔

”آنے دیتھارے آپا کو میں بات کرواتی ہوں ان سے
تم فکر مت کرو۔“ امی اسے تسلیاں دے رہی تھیں۔
”ہائیں آپا..... خیریت تو ہے کیا ہوا؟“ چائے کی
ٹرے میز پر رکھ کر وہ ارسہ کے قریب آ بیٹھی۔ ارسہ اور زیادہ
رونے لگی۔

”آپا کیا ہوا؟ امی سب ٹھیک تو ہے ناں احمر بھائی اور
اذلان.....“ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”احمر..... احمر دوسری شادی کر رہا ہے۔“ امی نے تو
جیسے عنایہ کے ہر پر ہم پھوڑا۔

”کیا..... کیا پاگل ہو گئے ہیں احمر بھائی؟ اب انہیں
ایسا کرتے ٹرم نہیں آ رہی ہے۔ بچی بڑی ہو رہی ہے چار
بچے ہو چکے..... اور جب کہ چھوٹے بھائی کی شادی ہو رہی
ہے تو انہیں یہ شوق کیوں چڑھا ہوا ہے۔“ اسے زبردست
شاک لگا اس کے لیے یہ خیر قطعی غیر یقینی تھی۔ ایسا کیسے
ہو سکتا ہے وہ تو ڈھنگ سے کھاتے بھی نہیں اپنے بیوی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”اذلان ایک بات کہوں؟“ عنایہ نے اذلان سے پوچھا۔
 ”ایک نہیں سو باتیں کہو!“ اذلان نے مخمور لہجے میں کہا۔

”آپ وعدہ کرو میری بات مانو گے“ اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اذلان کی شرارت کرتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے یارا آج ہماری شادی ہوئی ہے اور آج تم ایسا کون سا وعدہ لینے جا رہی ہو؟“ اذلان نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

”اذلان! میں سنجیدہ ہوں پلیز.....“ عنایہ کے سنجیدہ لہجے نے اذلان کو بھی سنجیدہ کر دیا۔

”خیر تو بے عنایا جو کہنا ہے کھل کر کہو۔“

”آپ بھی کہیں احمر بھائی کی.....“

”ارے پاگل ہو گئی ہو کیا؟“ اذلان نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کاٹ دیا۔ ”آج کے دن یہ کیا فضول اور بے تکی بات کر رہی ہو تم؟ اللہ نہ کرے کہ کبھی ایسا ہو کہ تم ارسہ بھائی کی طرح ہو اور میں احمر بھائی کی طرح ری ایکٹ کروں۔ اپنے دل سے فضول خدشات نکال دو۔ کھمو وہ چاند بھی اس وقت ہماری محبت کا امین بنا رہا ہے۔“ اذلان نے اس کے ہاتھ تھام کر محبت سے پھر لہجے میں کہتے ہوئے اسے کھڑکی سے دور افق پر جگمگانا چاند دکھایا تو عنایہ نے مطمئن ہو کر اس کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

اس رات کی بہت خوب صورت صبح گئی دوڑوں نے اپنی زندگی کی پہلی صبح کی ابتدا کی تھی۔ محبت وعدے اور لطیف جذبات اور احساسات کے ساتھ کی گئی تھی دوڑوں بہت مطمئن مسرور اور شاداں تھے۔ دوڑوں صبح ناشتے کے لیے امی کے گھر ہی چلے گئے تھے ارسہ بھی بظاہر خوش نظر آ رہی تھی مگر اسے دیکھ کر عنایہ کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔ امی اباجی بھی خوش تھے بہت آؤ بھگت کر رہے تھے سارا دن دوڑوں وہاں رہے شام کو چند دوستوں اور رشتہ داروں کے لیے اذلان نے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا تھا۔

ارسہ ناراض ہو کر یہاں آ گئی تھی ادھر احمر بھی ناراض تھے اذلان بے چارہ شدید ٹینشن کا شکار تھا اسے بیڈر تھا کہ کہیں احمر کی وجہ سے اس کا اور عنایہ کا رشتہ بھی کھٹائی میں نہ پڑ جائے۔ اذلان نے بھی بھائی کو سمجھانا چاہا مگر احمر پر تو کوئی بات بھی اثر نہیں کر رہی تھی بس یہی کہتا کہ ارسہ خود اپنے ہاتھوں سے یہ نوہت لے کر آئی ہے اگر وہ چاہتی تو آج بھی اسٹارٹ اور جاذب نظر بن سکتی ہے مگر اس نے بھی میری بات کو اہمیت نہیں دی۔ مانا کہ بچوں کے بعد لڑکی میں تبدیلی ہو جاتی ہے مگر اس کا خیال رکھنا ہر عورت کا فرض ہے اپنے لیے نہ سہی اپنے شوہر کے لیے ایسا کرنا چاہیے مگر ہماری عورتیں ان باتوں پر توجہ نہیں دیتیں جو ان کے لیے ہی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

عنایہ بھی پریشان تھی نتیجہ یہ نکلا کہ اذلان بھی بھائی سے بدول ہو گیا اور اس نے نیا فلیٹ لے لیا تاکہ شادی کے بعد عنایہ کو الگ رکھ سکے کیونکہ ارسہ میکے میں تھی اور احمر اور اذلان ایک ساتھ رہتے تھے اب احمر گھر میں تمہارا گیا۔

حالات نے عجیب بے نکا سا رخ اختیار کر لیا تھا ارسہ جتنی خوشی خوشی شادی کی تیاریاں کر رہی تھی یکدم ہی بجھ سی گئی۔ بچے الگ سہے سہے سے رہنے لگے تھے طے یہ پایا کہ اذلان اور عنایہ کی شادی سادگی سے کر دی جائے کیونکہ اس سارے معاملے میں اذلان کا کوئی قصور نہ تھا اور وہ تو خود اس صورت حال سے پریشان تھا۔

ادھر عنایہ کوئی سوچ اور فکر نے پریشان کر رکھا تھا وہ دن رات عجیب و غریب باتیں سوچتی رہتی اور آنے والے دنوں کو لے کر خاصی پریشان رہتی۔ آخر کار خاندان کے کچھ بزرگوں اور کچھ لڑکوں کی موجودگی میں نہایت سادگی سے اذلان اور عنایہ کی شادی ہو گئی۔ احمر بھی شریک ہوا مگر مہمانوں کی طرح ارسہ یہیں پر بھی احمر نے شادی بھی نہیں کی تھی اور گھر میں اکیلا ہی رہ رہا تھا۔ عنایہ رخصت ہو کر اذلان کے فلیٹ میں آ گئی اذلان بہت اچھا اور ڈیزینٹ انسان تھا اس نے بہت پیارا اور اعتماد کے ساتھ زندگی کے نئے سفر کا آغاز کیا۔

کرنے کی فیضان بے چارہ شرمندہ ہوا جا رہا تھا۔
 ”سوری بھالی! میرے بچے بہت شرمیر ہیں۔“
 ”کوئی بات نہیں۔“ زبردستی مسکرا کر بولنا پڑا تھا۔
 ”مگر بھالی! بچوں کے بغیر گھر بھی تو گھر نہیں لگتا
 اور ہاں اذلان بھالی! بس اب آپ بھی تیاری پکڑیں
 پانچ چھ ماہ ہو گئے شادی کو جلدی جلدی ہمیں بھی دو
 چار بچوں کا چاچو بنا دو یار!“ فیضان نے ہاتوں کے
 دوران ہنستے ہنستے اذلان کو چھیڑنے والے انداز میں کہا
 تو اذلان بھی ہنس دیا۔

”ہاں جی ان شام اللہ ضرور!“
 ”ہائے اللہ نہیں.....“ بے ساختہ عنایہ کے منہ سے
 لگا اس کی نگاہوں کے سامنے ارسہ کا بھاری بھر کم وجود اور
 چنبلیے شرارتی اور ال میمز ڈنچے آگئے جو اس کی برداشت
 سے بالکل باہر تھے یہی وجہ تھی کہ اسے بچے سخت بُرے
 لگتے تھے۔

فیضان اور ارسہ دیر رات تک واپس لوٹے
 اذلان انہیں چھوڑ کر آیا تو عنایہ منہ پھلانے چیزیں
 سمیٹ رہی تھی۔

”صد ہوگئی کسے بد تمیز اور ال میمز ڈنچے ہیں تاکہ میں
 دم کر کے رکھ دیا۔ کوئی چیز نہیں چھوڑی ڈنریٹ اور ٹی سیٹ
 کا ستیا ناس کر دیا۔ بیڈ شیٹ پر پانی کا اتنا بڑا سا دھبہ ڈال
 دیا عجیب شیطالی صفت بچے تھے۔“ سارا غصہ اذلان کے
 سامنے نکلا اذلان اس کی جھنجھلاہٹ پر ہنس دیا۔

”ارے یار بچے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم اتنی مینشن
 مت لیا کرو۔“
 ”کیسے نہ لوں۔“ وہ بدستور غصے میں تھی۔

”اس لیے کہ کل کو ہمارے ہاں بھی تو چار پانچ بچے
 ہو جائیں گے تب تو یہ ترتیب یہ سینک یہ سجاوٹ یہ سب
 کچھ اسی طرح تو نہیں رہے گا ناں۔“ اذلان نے پیچھے سے
 آ کر اسے تمام کر خود سے لگاتے ہوئے پیار بھرے لہجے
 میں کہا۔

”اذلان پلیز!“ اس نے خود کو چھڑاتے ہوئے سخت

ویسے کے بعد عنایہ نے گھر کے کام اشارت کر دیے
 اذلان نے لاکھ کہا کہ کام کرنے کے لیے ماسی رکھ لیتے
 ہیں مگر عنایہ کسی صورت اس بات پر راضی نہ ہوئی اسے خود
 سے گھر سجانا سنو نا صاف ستھرا رکھنا اور ڈسپلن کی عادت
 تھی۔ اس لیے کسی کی مداخلت کہاں پسند تھی اس لیے وہ
 اپنی تمام تر کوششوں سے گھر سجانے سنوارنے میں لگی
 رہتی۔ ہر چیز صاف ستھری نکھری اپنی اپنی جگہ پر رکھنا اسے
 اچھا لگتا تھا بہت اچھی اور مطمئن زندگی کی ابتدا ہو چکی
 تھی دونوں اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون
 کرتے۔ اکثر شام کو اذلان کے آفس سے آنے کے بعد
 وہ لوگ امی کے ہاں چلے جاتے وہاں جا کر اسے سمجھن ہی
 محسوس ہوتی۔ آپا کے بچے گندا گھر نکھری ہوئی چیزیں
 بے ترتیبی یہ سب کچھ اسے بالکل اچھا نہیں لگتا اور وہ جلد ہی
 واپس آ جاتی۔



دھیرے دھیرے دن گزرتے رہے ان کی شادی کو 5
 ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا ارسہ ابھی تک میکے میں ہی تھی حالانکہ
 احمر بھالی نے شادی بھی نہ کی تھی۔ اس روز اذلان نے عنایہ
 کو کال کی کہ ”رات کو میرے دوست کی فیملی ہمارے گھر پر
 آ رہی ہے تم ذرا اہتمام کر لینا۔“
 ”اوکے۔“ عنایہ نے خوش دلی سے کہا۔

اذلان کو دم کا قیسا اور کہاں پسند تھے اس نے شام کے
 لیے دم کا قیسا کہا بریانی، قورمسا اور ٹرائفل بنا لیا۔ اذلان
 کے دوست فیضان اپنی بیوی ارسہ اور تین بچوں کے ساتھ
 آئے تھے۔

”انہو۔“ بچوں نے تو ہنگامہ بچا کر رکھ دیا تھا ہر چیز الٹ
 پلٹ ہو گئی تھی۔ ایک قیمتی کالج کی پلیٹ اور ایک اپورٹنڈ
 گلاس توڑ دیا، کارپٹ پر ٹرائفل کا بول گرا دیا اس کی بیڈ
 شیٹ پر پانی سے بھرا گلاس اٹھ مل دیا۔

دو گھنٹے میں اس کا چھوٹا سا گھر پچھلی بازار کا نمونہ پیش
 کرنے لگا عنایہ نہ چاہتے ہوئے بھی بار بار جھنجھلاہٹ کا
 شکار ہو رہی تھی۔ اسے کہاں عادت تھی یہ سب کچھ برداشت

ان کے معصوم قبہتوں میں زندگی پنہاں ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ گزرا ایک ایک پل یادگار رہتا ہے اور شادی کے بعد بچے بھی ضروری ہوتے ہیں۔“ اذلان نے لہجے کو نرم بنانے کی ناکام کوشش کی۔

”اور ہاں بچے جب پہلی پہلی بار ماں باپ کا نام لیتے ہیں تو جو سرور اور لذت ماں باپ کو محسوس ہوتی ہے اس کی تو مثال نہیں ملتی۔“

”اوہ! اذلان پلیز بند کرو یہ بچہ نامہ.....“ وہ نرمی طرح جھنجھلا گئی۔

”بچہ نامہ..... مطلب؟ کیا میں نے کوئی انہونی بات کہہ دی جو تمہیں اتنی بُری لگ گئی ہے۔ انہونی بات تو تم کر رہی ہو۔“ عنایہ کی بات پر اذلان نے غصے سے کہا۔

”تم نے تو سارے فائدے گنوا دیئے ہیں اور اس کے جو منفی اثرات ہوتے ہیں وہ کہاں گئے؟“ عنایہ کا انداز بدستور ٹھکھاتا تھا۔

”منفی اثرات..... کون سے منفی اثرات ہیں بھلا؟“ اذلان نے قدرے حیرت سے اسے دیکھ کر ایک ایک لفظ پڑھو دیتے ہوئے کہا۔

”پلیز اذلان! ابھی چپ ہو جاؤ تم، میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے اس بات کو فی الحال ختم کر دو۔“ عنایہ نے اپنا سر تھام کر بے زار لہجے میں کہا۔

”لوکے۔“ کہہ کر اذلان غصے سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس روز کے بعد سے ان دنوں میں غیر محسوس طریقے سے سرد جنگ کا آغاز ہو چکا تھا اب تو امی اور ارشد بھی دبی دبی زبان سے اسے اس بات کا احساس دلانے لگی تھیں کہ اسے ماں بن جانا چاہیے اس نے وہاں جانا بھی کم کر دیا تھا۔ آئے دن کے چھوٹے چھوٹے جھگڑے ہونے لگے

عنایہ ایک فضول سی بات کو لے کر اپنی بات پڑھتی رہی اور اذلان بھی آخر کب تک اس کی یہ بچکانہ بات برداشت کر سکتا تھا۔ اس روز بات کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی عنایہ نے صاف کہہ دیا تھا کہ اسے بچے سخت ناپسند ہیں اور وہ کسی

اور ترش لہجے میں کہا۔

”کیا پلیز یار! اچھا چلو میں کروتا ہوں تمہارے ساتھ صفائیاں، پلیز کول ڈاؤن۔“ اذلان نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے اسے پیار سے بہلایا۔ وہ واقعی بہت غصے میں تھی بات آتی گئی ہوگی اس روز اذلان نے اس کی بات کو سیریس نہیں لیا، کچھ دن اور گزرے اب اکثر دوست احباب اذلان کو چھیڑتے کہ یار کب گڈ نیوز دو گے کب ہمیں چاچو بناؤ گے کب مٹھائی کھلاؤ گے اذلان کو بھی احساس ہونے لگا۔

اس روز آفس سے آتے آتے اذلان خوب صورت سا بچے کا پورٹریٹ لے آیا اور اسے کمرے میں لگا دیا۔ ”یہ کیا ہے؟“ عنایہ چائے لے کر آئی تو اس نے پورٹریٹ دیکھ کر پوچھا۔

”ارے بچہ ہے یار! کیوٹ سا، ان شاء اللہ ہمارا بیٹا بھی ایسا ہوگا۔“ اذلان نے شریر نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ضروری ہے کہ ہمارے بھی بچے ہوں۔“ عنایہ کے بے تکلف سوال پر اذلان نے چونک کر اسے دیکھا۔

”یہ کیسی فضول بات کی تم نے؟“ اذلان کو اس کی بات پر غصا گیا تھا اس کی بات بھی ہی انہونی اور فضول۔

”کیوں اس میں کیا فضولیات ہیں؟“ عنایہ نے الٹا سوال کر ڈالا۔

”عنایہ! یہ کیسا مذاق ہے اگر یہ مذاق ہے تو بہت بھونڈا اور ناقابل برداشت مذاق ہے۔“ اذلان کا لہجہ سنگ گیا تھا۔

”کیوں کیا جن کی اولادیں نہیں ہوتیں وہ لوگ اچھی زندگی نہیں گزار سکتے؟“ عنایہ نے بھی تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

”ہاں نہیں گزارتے وہ اچھی زندگی بہت بڑی کی ہوتی ہے ان کی زندگی میں ان کا گھر ویران اور اداس رہتا ہے۔ بچے تو محبتوں کے امین ہوتے ہیں گھر کی رونق اور دل کا سکون ہوتے ہیں۔ ماں باپ کی محبت کی نشانی ہوتے ہیں

سلجھے ہوئے ہوتے ہیں ان کی زندگیوں کامیاب ہوتی ہیں۔ تم ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں کو چھوڑ کر ایک اپنی بہن کا رونا رونی ہوئی کوئی عقل والی بات ہے کیا؟ تم تو مجھے پاگل لگتی ہو؟“ اذلان کی حد سے بھی باہر ہو چکا تھا وہ سخت غصے میں آ چکا تھا۔

”کیا..... پاگل..... تم نے مجھے پاگل کہا؟“ عنایہ کو تو پختے لگ گئے۔

”ہاں ہاں تم پاگل ہو..... تمہاری سوچ انتہائی گھٹیا اور فضول ہے۔ تم نے بے کار اور بے تکی سوچیں اور خرافات پال لیے ہیں۔ تم میری برداشت کی آخری حدوں تک آ پہنچی ہو۔“ اذلان غصے سے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔

”اذلان..... زبان سنبھال کر بات کرو تم کیا کہہ رہے ہو تم کو اندازہ ہے؟ تم مجھے پاگل کہہ رہے ہو تم حد سے بڑھ رہے ہو۔“

”حد سے تو تم بڑھ رہی ہو کہ جتنا میں برداشت کر رہا ہوں تم اتنی ہی ضدی بن رہی ہو۔ واقعی مجھے تمہاری ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگا ہے۔“ وہ بدستور طیش میں تھا۔

”ٹھیک ہے اگر میں پاگل ہوں تو کیوں کر رہے ہو مجھے برداشت..... نکال دو اپنی زندگی سے.....“ وہ بھی دوہرو چلائی۔

”جو اس بند کرو تم۔“ اذلان کی برداشت ختم ہو چکی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ اٹھا اور عنایہ کے منہ پر لٹا نچہ مار دیا۔

”اذلان.....“ عنایہ کو اذلان سے قطعی یہ امید نہ تھی وہ چہرے پر ہاتھ رکھے آنسو بھری آنکھوں سے اذلان کو گھونڈنے لگی۔ ”جلال انسان.....“ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی اذلان تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

عنایہ کچھ دیر تو کم سم پٹھی رہی کچھ دیر بعد سنبھلی تو غصے سے اٹھی بیگ میں چند کپڑے ڈالے اور اسی وقت اذلان کا گھر چھوڑ کر امی کے گھر آ گئی اسے اس طرح اکیلا دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے۔

”کیا ہوا بیٹی! خیریت تو ہے ناں؟“ لاجی پریشان

صورت یہ دیکھ نہیں لگی اس کے سامنے ارسہ کی مثال تھی۔ پورے ہونے والے بچوں نے ارسہ کو بے ڈول سا بنا دیا تھا اسے اپنا ہوش تک نہ رہتا نیچے الگ ریں ریں کرتے رہتے۔ ایک روتا تو دوسرے کو بھوک لگ جاتی تیسرے پٹی گئی کر دیتا اور چوتھا گر جاتا۔

”افو.....“ ارسہ پاگل ہو جاتی۔ نہ اپنا خیال رکھ پانی نہ گھر کا گھر الگ گنڈا رہتا اور زندگی الگ اجیرن..... نہ رات کو نیند پوری ہوتی نہ دن کو سکھ چھین نصیب ہوتا۔ عورت پاگل ہو کر رہ جاتی ہے گھر بچوں اور شوہر کے درمیان..... بچوں میں لگ کر شوہر کی طرف دھیان نہیں دے پاتی تو شوہر اجیر بھائی کی طرح ادھر ادھر منہ مارتا شروع کر دیتے ہیں اور وہ کسی صورت ان مسائل اور الجھنوں کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی وہ اور اذلان بہت اچھی خوش گو اور مطمئن زندگی گزار رہے تھے مگر اب اذلان بدل رہا تھا بقول اس کے اذلان کو عنایہ سے زیادہ نیچے پسند تھے۔

اس روز لڑائی اچھی خاصی بڑھ گئی تھی ٹی وی پر کوئی ڈرامہ چل رہا تھا جس میں ماں کے بارے میں بتایا جا رہا تھا۔

”دیکھو عنایہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور تم اس جنت کو کیوں گنانا چاہتی ہو؟“ اذلان نے نرمی سے عنایہ کو مخاطب کیا تھا۔

”اذلان..... پار بازہر بار ایک ہی بات لے کر مجھے کیوں دہی کرتے ہو کیوں میری چڑ بنالی ہے تم نے؟ نہیں چاہیے مجھے جنت.....“ وہ دونوں لہجے میں بولی۔

”مگر مجھے چاہیے اس گھر کے لیے رونق اور نغمے منے کی تلقاریاں..“ اذلان کا لہجہ بھی دونوں کا تھا۔

”یعنی تمہیں میری نہیں صرف بچوں کی ضرورت ہے۔“ عنایہ نے لگا ہی ترجمی کر کے ترش لہجے میں کہا۔

”مجھے تمہاری ضرورت کیوں نہیں ہوگی؟ پاگل ہو گئی ہو تم تو..... کیا بے کار کی ضد لگا رہی ہے تم نے۔ دنیا کی ساری عورتیں ارسہ بھابی کی طرح تو نہیں ہو جاتیں ناں ہزاروں لاکھوں خواتین ہیں جو شاوی کے بیس پچیس سال بعد بھی مسلم اور اسماٹ رہتی ہیں۔ ان کے بچے با حصول اور

”ارسہ..... ارسہ.....“ سوکھے چڑی زدہ لمبوں سے

آہستگی سے پکارا۔

”جی..... کیسے ہیں آپ؟“ ارسہ نے دوڑ کر اس کے قریب جا کر پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ نقاہت سے کہا اس کی آنکھوں میں آنسو جھلسلا رہے تھے۔ ”ارسہ..... ارسہ مجھے پتا چل گیا ہے بڑے وقت میں صرف اپنا ہی کام آ سکتا ہے میں نے جس کی خاطر تمہیں چھوڑا تھا اس نے مجھے دھوکہ دے دیا میں بہت اکیلا ہوں ارسہ! مجھے تمہاری اور بچوں کی ضرورت ہے یہاں تم مجھے معاف کر دو گی؟“ دونوں ہاتھ جوڑے ہوا قاعدہ زور ہاتھا۔

”اگر پلیز! ایسا مت کہیں میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے اور قصور ہم دونوں کا ہی ہے بلکہ زیادہ میرا ہے۔ میں نے ہی غلطی کی اور آپ کو سوائے بچوں کے اور کچھ نہ دے سکی اب مجھے بھی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اب میں کہیں نہیں جاؤں گی۔“ ارسہ بھی رونے لگی تھی۔

”شکر ہے اللہ کا۔“ احر نے اس کے ہاتھ تھام کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

امی نے سکھ کا سانس لیا کہ چلو ارسہ پھر سے آ جاؤ گی ہے احر خود آ یا تھا اور بچوں کو لے گیا تھا۔ عنایہ اس سے بھی نہیں ملی اپنے کمرے میں بند رہی۔ عجیب سنی ہو گئی تھی وہ..... ارسہ خوشی خوشی اپنے کمر لوٹ گئی۔ احر کو ابھی چاب کی آفر بھی ہو گئی تھی اور وہ ارسہ اور بچوں کے ساتھ اسلام آباد شفٹ ہو گیا تھا۔

عنایہ کانس میں چاب مل گئی تھی اب وہ اورانی رہتے تھے وہ تو امی نے اوپر کے پورشن میں لہاجی کے دوست رفیق صاحب کی فیملی کو کرائے پر رکھ لیا تھا۔ ان کی وجہ سے بہت اطمینان تھا عنایہ صبح جاتی شام کھاتی عجیب بے کیف سی زندگی تھی۔ آفس سے آ کر وہ امی کے ساتھ ساتھ رہتی وہ کھانا پکاتی تو امی سامنے بآمدے میں بیٹھی ہوتیں وہ کپڑے استری کرتی تو امی کمرے میں ہوتیں۔ ٹی وی دیکھتی تو امی ساتھ ہوتیں رفتہ رفتہ اسے اس تنہائی سے ڈر

ہو گئے امی بدحواس ہو گئیں۔

”اباجی.....“ وہ ان کے گلے لگ کر سسک پڑی۔ ”مجھے اذلان نے گھر سے نکال دیا میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گی۔“ وہ زارہ قطار رو رہی تھی ارسہ اور امی بھی رونے لگے۔

”مگر ہوا کیسے..... کیا بات ہوئی؟ وہ تو بہت اچھا اور سچا دار بچہ ہے۔“ دونوں ہی حیران تھیں تب ہی اباجی دل پکڑے ایک طرف کو گرنے لگے تینوں چیخ کر ان کی طرف بھاگیں مگر شاید اباجی میں دوسری بیٹی کا یہ غم برداشت کرنے کی طاقت نہ تھی اور وہ بنا کچھ کہے چپ چاپ دور بہت دور چلے گئے۔ صد سے پر صد یہ کیا امتحان تھا؟ امی تو بالکل گم سم ہو گئی تھیں اباجی کی میت پر احر اور اذلان بھی آئے احر تو خاصا بدلا ہوا لگ رہا تھا ارسہ سے ملا بھی اور اسے تسلیاں دیں امی کے پاس بھی بیٹھا مگر اذلان صرف ارسہ اور امی سے ملا کیونکہ عنایہ نے اس سے ملنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ عنایہ بالکل گم سم تھی اسے لگ رہا تھا کہ اباجی کی موت کی ذمہ دار وہ تھی اور اس سے زیادہ اذلان حسرت سے اسے پھٹا رہا تھا۔

اذلان کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اس نے بعد میں بھی عنایہ سے ملنے کی بات کرنے کی کوشش کی مگر عنایہ نے منع کر دیا تھا۔ امی اور ارسہ سمجھاتے تو وہ رونا شروع کر دیتی اور کہتی کہ آپ لوگ ضد کر کے تو میں گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ عجیب سی صورت حال تھی عنایہ کی سوچ نے نہ صرف اسے یاد سب کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ عنایہ اپنے کمرے میں رہتی اس نے چاب کے لیے اپلائی کرنا شروع کر دی تھی امی کی عدت بھی ختم ہو چکی تھی۔ احر احر کو بھی شاید عقل آ گئی تھی اس کی طبیعت بہت خراب تھی تین دن تک بخار میں تیار رہا وہ تو محلے کی کسی خاتون نے ارسہ کو اطلاع کر دی ارسہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچی مگر وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ کچھ بھی ہو وہ اس کا شوہر تھا ارسہ نے ڈاکٹر کو بلوایا احر کو ہوش آیا تو یاس ارسہ کو دیکھا وہ ابھی ابھی نماز پڑھ کر ابھی تھی اور اس وقت صبح پر کچھ بڑھ کر احر پر دم کر رہی تھی۔ احر نے دیر سے دیر سے آنکھیں کھولیں۔

ام کلثوم
 میرا نام ام کلثوم ہے، ہم آٹھ بہن بھائی ہیں تین
 بھائی پانچ بھینس۔ میرے دو بھانجے دو بھینس اور ایک
 بھانجی ہے میں ان سے بہت پیار کرتی ہوں۔ تعلیم
 میٹرک ہے میں نے شریعت اور مغلہ کا کورس دونوں
 سر رکھا ہے دینی تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق
 ہے۔ کھانے میں بریانی بہت زیادہ پسند ہے مشروب
 ہر طرح کا پی لیتی ہوں۔ رنگوں میں کالا اور جامنی پسند
 ہے پھولوں میں گلاب اور چیتلی پسند ہے۔ فیورٹ
 رائٹر عینا آبی نازیہ کنول نازیہ سمیرا شریف طور پسند
 ہے۔ نعین سٹی ہوں اللہ سے دعا گو ہوں کہ مجھے اپنا
 اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر جانا اور اب زم
 زم پینا نصیب کرے آمین۔ غصہ کی تیز ہوں اکثر اپنا
 نقصان ہی کرتی ہوں لوگوں کو خوشیاں دینا پسند ہے
 اور ان کی خوشیوں میں شریک ہونا بھی۔ آج کل نے
 مجھے بہت اچھی اچھی دوستیں دیں جن میں منسہ عمر
 مسکان امید چوہدری ندا کرن شاہ کرن دفنا گل
 ہما سلکی ملک صبا نواز ام مریم نوشین اقبال نوشی
 زرتا شاہ انابہ علی امینہ ذکر فرزانہ فروا راجہ اکرم نسیم
 چوہدری ہیں۔ پرندے پالنے کا شوق ہے لباس میں
 اراک اور پاجامہ اور لمبا دوپٹہ پہنتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ
 ہم سب کو بہت سی خوشیاں نصیب کرے اب اجازت
 دیں دعا میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

کولیک فائقہ جس کے تین بچے تھے وہ آج بھی ان میرڈ
 اور اسمارٹ کی تھی۔



اچانک سردی بڑھ گئی تھی وہ خیالات سے چوڑی سامنے
 گھر میں بچے نئے سال کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے
 ان کے والدین اور دادا دادی بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس کی
 آنکھیں بھیگنے لگیں اپنے گرو شال کو مزید لپیٹا لیوں سے
 سر ڈاہنگی۔ بے قراری اور بے چینی حد سے بڑھنے لگی تھی۔
 وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تب ہی ڈور بیل بجی۔
 ”اس وقت کون ہو سکتا ہے؟“ دل میں خوف سا محسوس
 ہوا لیکن کبھی کبھی رفیق صاحب اس کی خیر خیریت لینے
 آ جاتے یا پھر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو آ جاتے۔ سر پر

لگنے لگا تھا۔ ارسہ اپنے گھر میں خوش تھی امرکافی بدل گیا
 تھا۔ اب دونوں مل کر مطمئن تھے اکثر ارسہ کی کال آ جاتی
 اس سے تو کم بات ہوتی امی سے کافی دیر تک باتیں کرتی۔
 ارسہ سے سمجھاتی کہ وہ اذلان کے پاس چلی جائے کب
 تک یونہی رہے گی۔ اذلان بھی دو تین بار آیا تھا مگر اس
 نے صاف منع کر دیا تھا وہ کہتی۔

”مجھے اب اس زندگی کی عادت ہو گئی ہے اذلان
 چاہے تو دوسری شادی کر سکتا ہے۔ مجھے امی کے ساتھ رہنا
 ہے ان کو نہیں چھوڑ سکتی۔“ اذلان نے کہا
 ”امی کو ساتھ رکھ لیں گے چاہو تو یہ گھر کرائے پر دے
 دو۔“ مگر عنایہ ہر بات پر انکار کر دیتی اذلان نے بھی دل
 برداشتہ ہو کر اسلام آباد کے کانس میں ٹرانسفر کروا لیا۔

وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا حالات چاہے جیسے بھی
 ہوں جانے والے ساتھ چھوڑ جائیں سردی گرمی خزاں
 بہار سب میں برابر اپنے وقت پر آتی اور جاتی ہیں۔ وقت نے
 کب کسی کا انتظار کیا ہے اچھا ہو یا برا گزرتا چلا جاتا ہے۔
 کوئی اس وقت سے حسیں یادیں لے کر جیتا ہے تو کوئی
 اس وقت سے ایوی اواسی اور بچھتاوے ہی لے پاتا ہے
 اور جب آہستہ آہستہ اس کا احساس ہوتا ہے تب وقت
 بہت آگے چلا ہاتا ہے تب چاہتے ہوئے بھی ہم وہ وقت
 واپس نہیں لاسکتے۔

دن ماہ اور ماہ سال میں بدلتے گئے اس دوران اماں
 بھی داغ مفارقت دے گئیں تب عنایہ کو تنہائی کا شدت
 سے احساس ہوا۔ رفیق صاحب کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں
 تھیں بیٹے کے دو دو بچے اور بیٹی کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے
 تھے۔ آئے دن بچے آتے تو اوپر شور ہنگامہ ہوتا اس کی
 روٹی پھینکی اور اس زندگی میں کچھ ارتعاش سا پیدا ہو جاتا
 اسے وہ لمحے ایسے لگتے ہر ہفتے کا وہ انتظار کرتی جب رفیق
 صاحب کے خاٹے نواسیاں آتے اور خوب شرارتیں
 کرتے۔ تب اسے احساس ہونے لگا کہ واقعی بچے زندگی
 کو کتنا حسین بناتے ہیں۔ رفیق صاحب کی بیٹی کی شادی کو
 پندرہ سال ہو گئے تھے وہ آج بھی اسمارٹ اور سٹلم تھی اس کی

”چلو بھی اب ایک کاٹوڑہ کھو بارہ بجنے والے ہیں۔“
 ارس نے کہا تب ہی احر کمرے میں داخل ہوا۔
 ”اور میری طرف سے یہ گفٹ ہے۔“ احر کی آواز
 پر وہ ہلٹی احر کے پیچھے اذلان کھڑا تھا۔ ہنستا مسکراتا اور
 ویسا ہی فریش.....

”یا اللہ.....!“ عنایہ سے اتنی ساری خوشیاں سنبھالی
 نہیں جا رہی تھیں۔ اللہ نے اس پر مہربانوں کی بوچھاڑ
 کر دی تھی اس کے اپنے اس کے ساتھ تھے جن کی محبتوں
 کے لیے وہ کتنا ترس رہی تھی تب ہی گھڑی نے بارہ بجائے
 باہر نئے سال کا جشن منایا جا رہا تھا وہ اذلان کا ہاتھ تھام کر
 ایک کاٹ رہی تھی۔

پانچ سال کے عرصے کے بعد اذلان کا قرب اور
 اس کے مانوس ہاتھوں کا لمس اسے بے خود کیے جا رہا تھا
 وہ نگاہوں میں بے تمنا شرمندگی لیے ہوئے تھی مگر
 اذلان تو جیسے سب کچھ بھول کر صرف اور صرف محبتیں
 لے کر واپس لوٹا تھا۔

”چلو پارجلدی سے ایک کاٹو۔“ اذلان نے اس کو چونکا
 دیا تو وہ مسکرا کر ایک کاٹنے لگی۔ چاروں طرف سے تالیوں
 کی آوازیں آ رہی تھیں ان لوگوں میں رفیق صاحب کی فیملی
 بھی شامل تھی۔

”سنو.....!“ عنایہ نے دھیرے سے اذلان کے کان
 میں کہا ”اگلے سال یہاں پر دو ایک ہوں گے ان شام اللہ؟“
 ”کیوں؟“ اذلان نے پوچھا۔

”ایک میرا اور ایک میرے بیٹے کا۔“ عنایہ کی بے ہاکی
 پر اذلان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”رنگی میری جان؟“ تالیوں کے شور کا فائدہ اٹھاتے
 ہوئے دھیرے سے کان میں گنگنایا تو عنایہ نے شرماتے
 ہوئے اشہات میں سر ہلا دیا اور دونوں نے ہاتھ تھام کر گویا
 نئے سرے سے خوب صورت زندگی کی شروعات کا وعدہ
 کر لیا تھا۔



شمال اوزھ کر وہ کمرے سے نکل کر صحن کی طرف آگئی باہر
 بچوں کا شور تھا، چھ مچھلے نو جوان بھی بارہ بجنے کے انتظار میں
 باہر جمع تھے اس نے دروازہ کھول دیا غیر متوقع طور پر ارس
 بچوں اور احر بھائی کو دیکھا تو اسے یقین نہیں آیا۔

”آپا..... آپا..... تم.....“ دوڑ کر ارس سے لپٹ گئی اور
 پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

”ارے ارے باگل لڑکی! اندر تو آنے دو ہمیں۔“ احر
 نے اس کا سر تھپتھا کر کہا تو وہ شرمندہ ہو گئی اور جلدی سے
 راستہ دیا۔

”ارے میرے بچوں.....“ بچوں کو دیکھ کر بے قابو
 ہو گئی عبیرہ زلیخا، عمارت منیبہ اور چھوٹو سب کو دیوانہ وار پیار
 کر رہی تھی ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بھی رواں
 تھے ارس نے بھی رو رہی تھی سب لوگ اندھا گئے۔

”بس کرو پگل لڑکی!“ ارس نے آگے بڑھ کر اس کے
 آنسو صاف کیے۔

”میرا خیال آ گیا آپ کو.....“ وہ سنبھلی تو غصے سے
 ارس سے مخاطب ہوئی۔

”ہمیں تمہارا ہمیشہ سے خیال رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ
 ہمیں تمہاری ایک ایک بات کی خبر ملتی رہی تم کتنا روٹی ہو
 کتنا تڑپی ہو..... تمہیں ہم لوگوں کی کتنی یاد آتی ہے.....“

اذلان کے لیے تم کتنی بے چین ہو سب کچھ پتا چلتا رہا۔
 رفیق انکل ایک ایک بات کی خبر دیتے رہے ہم سب
 تمہارے اپنے ہیں پاگل اور ہمیں پتا ہے کہ تمہیں بھی اپنی
 غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور پاگل لڑکی تو اپنی سالگرہ کا دن
 بھی بھول گئی یکم جنوری.....!“ ارس نے آہستہ آہستہ کہتے

ہوئے اس کے سر پر چپٹ لگائی۔ ”اس لیے ہم لوگوں نے
 سوچا کہ اچانک نئے سال کی آمد پر جا کر تمہیں سر پرانزدیں
 چلو بچو ایک نکالو جلدی سے.....“ ارس نے پہلے عنایہ کو پھر
 بچوں کو مخاطب کیا احر اٹھ کر باہر کی طرف چل دیے۔ بچوں
 نے جلدی جلدی ایک نکل کر ٹیبل پر سجا دیا۔

”آف.....!“ عنایہ کو ایک بار پھر روٹا آ گیا۔ واقعی اس
 کے اپنے اس کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔



کتابخانه
سید الشہداء

Copied From Web

WWW.PAKSOCIETY.COM



روٹھنے والے کو کس دل سے منانے جائیں
نئے مل جائیں گے اگر زخم پرانے جائیں
مینہ نہ برسے تو ہے پیاس سے دھرتی بے کل
بارشیں ہوں تو پرندوں کے ٹھکانے جائیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شاہ زیب اور مہر النساء کے سامنے اپنی ذات کی تحقیر ہوتے دیکھ کر شہوار صد سے بے شمار ہوش و خرد سے بے گانہ ہو جاتی ہے۔ تابندہ بی کے اچانک غائب ہو جانے سے اس کو اپنے تمام خدشات درست محسوس ہوتے ہیں۔ دوسری طرف مصطفیٰ کا سخت رویا سے کلفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ان حالات میں شدید بخار میں مبتلا وہ مصطفیٰ کے رحم و کرم پر ہے جب ہی مصطفیٰ ان تمام حقائق سے آگاہ ہوتے اسے دلا سہ دیتا اور اپنے رویے کو شہوار کے لیے نرم کر لیتا ہے۔ دوسری طرف مصطفیٰ کے لیے بھی تابندہ کا یہ عمل کافی حیران کن ہے جبکہ دیگر گھروالوں کو اس بات سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔ انا کاخفہ کو لے کر سخت اضطراب میں مبتلا ہے جب ہی اس دوران کبھی بھی پاکستان چلی آئی ہے۔ ولید کبھی سے ملنے جاتا ہے اور انا کو بھی ملانے کی غرض سے ساتھ لے جاتا ہے۔ جبکہ اس ملاقات کے دوران انا خود کو نہایت غیر اہم تصور کرتی ہے ایک مرتبہ پھر ولید اور اس کے تعلقات اتری کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ رابعہ دیگر گھروالوں کے ہمراہ ابو بکر کے ساتھ فلیٹ دیکھنے آتی ہے۔ تب ہی اس کی ملاقات عادلہ سے ہو جاتی ہے عادلہ ایک مرتبہ پھر دمکی آمیز رویا اپناتی ہے جبکہ ماموں اور بھابی کے سامنے رابعہ شدید نفرت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ شہوار کی علالت کا سن کر انا اس سے ملنے جاتی ہے لیکن راستے میں کاخفہ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ ولید کی جانب سے دستبرد دہانی کا کہتے انا اور ولید کے رشتے کو زبردستی کا تعلق قرار دیتی انا کو ولید کی طرف سے بدگمان کرنے کی پھر پور سعی کرتی ہے۔ ایسے میں انا انتہائی پریشانی کے عالم میں گھروٹ آتی ہے۔ دوسری طرف عبدالقیوم ایاز کو باہر بھیجنے کی پوری تیاری کر رہے ہیں اپنی ملاقات کے دوران وہ مصطفیٰ پر ہونے والے حملے سے بھی ایاز کو آگاہ کرتے ہیں جبکہ ایاز اپنے باپ کو نہایت ہی توجہ دیتے ہیں۔ وہ کاخفہ والا تمام معاملہ بھی ایاز کے سامنے رکھتے ہیں۔ مصطفیٰ اپنے طور سکندر علی کے گھر کے ایڈریس پر پہنچ کر تابندہ بوا سے تعلق معاہدہ حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے اب وہاں کراہی دار کی حیثیت سے کچھ لوگ مقیم ہوتے ہیں۔ وہاں سے مالک مکان کا نمبر لے کر مصطفیٰ نے سرے سے کوشش شروع کر دینا ہے۔ ایک مرتبہ پھر ولید کے کفر پہنچ کر اپنی محبت کا یقین دلانے اسے قائل کرنا چاہتی ہے۔ جبکہ کاخفہ کے دمکی آمیز رویوں کی بدولت ولید کی نظروں میں کاخفہ کا مقام گر جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



اس کی طبیعت کافی سنبھلی ہوتی تھی۔ وہ میڈیسن لے کر باہر نکلی تو میں جی نے کہے میں بلوالیا۔ وہ مہر النساء کے

کمرے میں آئی تو انہوں نے اسے ولید کے ہاں دعوت کا بتایا۔
 ”اتنی جلدی، کچھ دن بعد چلے جاتے تو.....“ وہ ابھی تک تابندہ بی والے انکشاف کو قبول نہیں کر پار ہی تھی۔ ایسے
 عالم میں وہ کیسے چلی جاتی جبکہ یہ سلسلے تو دل کی خوشی سے مشروط ہوتے ہیں۔ جبکہ اس کا دل ہی بچھ گیا تھا۔
 ”میں نے مصطفیٰ کو کہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ ولید کے والد صاحب نے خود بات کی تھی سوا سے ہائی بھرنا پڑی۔“ شہوار
 خاموشی ہو گئی۔

”انہوں نے سب ہی کو انوائٹ کیا ہے میں اور شاہزیب بھی تمہارے ساتھ چلیں گے مصطفیٰ نے ان کو بھی کال
 کر دی ہے۔ وہ وقت پر گھر آ جائیں گے۔ شام سے پہلے لکنا ہے۔“ شہوار نے سر ہلایا۔ وہ ان کے پاس سے اٹھ کر
 واپس مصطفیٰ والے کمرے میں آ گئی۔

دو دن کے بخار نے جسم میں نقاہت سی بھر دی تھی اب تھوڑا بہت چلنے پھرنے سے ہی تھکن کا احساس ہونے لگا تھا۔
 کمرے میں آ کر الماری کھول کر لباس دیکھنے لگی تو موبائل بچنے لگا۔ شہوار نے سب دیکھا۔
 مصطفیٰ کا نام جگمگا رہا تھا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیتے کال ریسیو کی۔

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام۔“

”طبیعت کیسی ہے؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔

”جی بہتر ہوں۔“ آواز میں تھکن اور نقاہت تھی۔

”بخارا ترا۔“ مصطفیٰ کا انداز نارمل تھا۔

”جی۔“

”ٹائٹ اور میڈیسن لی؟“

”جی۔“ وہ الماری کے پٹ کھلے چھوڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”بات یہ ہے کہ ولید کی میٹلی کی جانب سے ڈنر پر انوائٹ کیا گیا ہے میں نے اس جی کو فون کیا تو تھا..... پھر سوچا
 آپ کو بھی کہہ دوں۔“

”جی ابھی انہوں نے بتایا ہے۔“

”دو گے پھر امید کریں کہ آپ وقت پر تیار ہو جائیں گی؟“ مصطفیٰ پوچھ رہا تھا۔ انداز نجیدہ تھا۔

”جی۔“ دوسری طرف ایک ٹپا کو مصطفیٰ چونکا۔

”اوکے، میں مغرب سے پہلے گھر آ جاؤں گا ٹھیک ہے۔“

”جی۔“ شہوار کی وہی فرماں برداری تھی۔ دوسری طرف مصطفیٰ دوبارہ چونکا تھا۔

”یہ بیماری تو بڑی فائدہ مند ثابت ہوئی ہے، نہیں..... نہیں کی جگہ جی.....“ اس کا کلمہ پڑھا دیا ہے اس نے تو۔“
 مصطفیٰ کے بچے میں ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ شہوار ایک دم چپکے ہو گئی۔

”خیریت ہے نا۔ اتنی فرماں برداری مجھے ہضم نہیں ہو رہی۔“ مصطفیٰ کا انداز ہمیشہ نے والا تھا۔

وہ لب دہنوں تلخ دبا کر خاموش رہی۔ مصطفیٰ کا وہی سابقہ انداز تھا کیہ سترنگ اور پر جوش۔

”شہوار؟“ اس کی خاموشی پر مصطفیٰ نے پکارا۔

وہ پھر بھی خاموش رہی تھی دوسری طرف مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔

”او کے بڑی ہوں گمراہ کر بات ہوگی وقت پر ریڈی ہو جائے گا ماو کے۔“ دوسری طرف مصطفیٰ کے پاس کچھ لوگ چلتے تو اس نے جلدی سے بات سمیٹی تھی۔
 ”جی۔“ اس نے پھر آہستگی سے کہا۔
 ”اللہ حافظ۔“ مصطفیٰ نے کال بند کر دی۔

وہ جو ہسپتال سے واپسی کے بعد والے مصطفیٰ کے رویے پر پریشان تھی اور اب پھر اس کو پرانے رویے میں دیکھ کر ایک دم پرسکون ہو گئی تھی۔ یوں لگا جیسے دل و دماغ ایک دم ہلکے ہلکے سے ہو گئے ہوں۔ جسمانی کمزوری کے باوجود وہ پھر سے اٹھ کر المہ ری کی طرف بڑھی اور اتنا کے ہاں جانے کے لیے کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی۔



ناشتہ کرنے کے بعد وہ کالج نہیں گئی تھی۔ ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ وہ خود کو کالج جانے کے لیے آمادہ نہیں کر پارہی تھی کچھ دیر تو وہ کتابیں لے کر بیٹھی رہی مگر پھر ذہن الجھا رہا تو وہ بیٹ گئی۔ آج کل پھر اس کے اندر کی بے چینیوں نے آنکھوں کو روت چکے سو نہ رکھے تھے ذہن اتنا تھا کہ وہ خود کو سونے سے نہ روک پائی تھی۔ نجانے کب تک سوتی رہی کہ روشانی کے جھنجھوڑنے پر آنکھ کھلی تھی۔

”کیا بات ہے، کالج بھی نہیں گئی اور نہ ہی کمرے سے نکلی ہو۔“ اسے اسی طرح لینے دیکھ کر روشنی نے پوچھا۔
 ”میرا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔“

”موڈ کیوں نہیں ہو رہا تھا۔“ روشانی نے اس کا چہرہ دیکھا۔ بڑا ساٹ سا امداد تھا۔
 ”ضروری نہیں کہ ہر بات کی کوئی وجہ ہو۔“ وہ کچھ سختی سے کہہ کر ستر سے اتر کر ماش روم میں گھس گئی۔ روشانی نے حیرت سے اسے دیکھا۔ چند دن سے وہ اسے بڑی کم صدمہ اکھڑی اور بے ڈاری لگ رہی تھی۔
 ”وہ منہ ہاتھ دھو کر ناول سے چہرہ خشک کرتی واپس لوٹی تو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو دیکھنے لگی۔
 آنکھیں سوجتی اور سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے بے دردی سے لب بھینچ کر ناول سے آنکھوں کو مزید ریزا کر دیا۔ تمہیں پتا ہے بابا اور ولید نے مصطفیٰ اور اس کی فیملی کو ڈنر پر بلوائنٹ کیا ہے۔“ روشانی نے بتایا تو وہ ہنسنے لگی۔

”اچھا کہہ رہی ہے؟“ اس نے لیے پیئیر بالکل غیر متوقع تھی۔
 ”رات کا آئینے کے۔“
 ”اوہ...“

”ہمیں بھی ابھی بابا نے بتایا ہے۔ پھوپھو بونیک نہیں بارہیں گھر پر رات کو بہانہ ہوں گے تو وہ گھر پر ہی رک گئی ہیں۔“

”شادی کی دعوت دی ہے کیا؟“ وہ ناول واپس غسل خانے میں لٹکا کر روشانی کے سامنے بیٹھی۔
 ”ہاں مصطفیٰ بھائی بھی اب ٹھیک ہو چکے ہیں جا ب پر جا رہے ہیں بابا کہہ رہے تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے یہ زینٹا لیا جائے۔“

”شہوار بھی آئے گی؟“ شہوار کے تصور سے ہی اس کا موڈ ایک دم فریش ہو گیا تھا۔
 ”بالکل ظاہر ہے اسی کی شادی کے اعزاز میں ڈنر ہوگا۔“ انہوں نے گردن ہلائی۔
 ”پھوپھو کہہ رہی تھیں کہ ہمیں انھاروں۔ کھانے پینے کی آفڈ شزر ریڈی میڈ ہوں گی اور کچھ گھر پر بنانا ہوگا۔ ناغم تھوڑا

ہے اور کام کافی سارا ہے تم ایسا کرو مہنگراں کو ساتھ لے کر گھر کی صفائی کر لو۔" روشا نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
 "او کے میں کر لوں گی۔" اس کے کہنے پر روشا نے مسکرائی اور پھر بغور اس کو دیکھا اور پھر چوکی۔

"تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟"

"کیا ہوا ہے؟" انانے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ریڑھ ہوتی ہیں۔"

"ہاں صاحبن چلا گیا تھا آنکھوں میں جلن ہو رہی ہے۔"

"اوہ..... لیکن تمہارا چہرہ بھی سرخ سرخ ہو رہا ہے۔"

"میرا چہرہ قدرتی طور پر ریڈ پکڑ رکھتا ہے، عام روٹین میں بھی یہ سرخ ہی رہتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اتنا ریڈ بھی نہیں ہوتا۔" روشا نے کے لہجے میں تشویش تھی۔

"میرا خیال ہے وقت کم ہے اور کام بہت زیادہ ہے باہر چلتے ہیں رہ گیا میرا چہرہ اس پر ایسا تار چڑھاؤ آتے رہتے

ہیں۔ تم سب کو اب تک عادی ہو جانا چاہیے تھا۔" سنجیدگی سے کہہ کر بستر سے اٹھ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

روشا نے اسے بڑی سنجیدگی سے جاتے دیکھا تھا۔



عباس کو شہزیب صاحب نے اپنے آفس میں بلایا تھا۔ اکیل صاحب وہیں موجود تھے انہوں نے عباس کو ایک

فائل دی۔ عباس نے فائل دیکھی تو ایک دم لب بھینچ لیے تھے۔

"ہمارے خاندان میں آج تک ایسا سانحہ نہیں ہوا لیکن اپنے بزرگوں کی قدروں کو توڑ کر اب ہم یہ سب کرنے پر

مجبور ہیں۔ فائل ریڈی ہے تم دستخط کر دو آج ہی وکیل صاحب پیپر ڈبھیج دیں گے پہلے ہی اس معاملے کو بہت لٹکا چکے

ہیں اب مزید تاخیر نہیں چاہتے ہم۔" شاہزیب صاحب نے کہا۔

عباس نے ایک بار پھر پیپر ز کو دیکھا۔ نگاہوں میں معصوم سے آفاق کی شبیہ لہرائی تو ہونٹ داغوتے تلے بھینچ لیے۔

"اس رشتے کا انجام شاید یہی تھا۔" عباس کے اندر ماضی کے کئی واقعات نے اُدھم مچا ڈالا تھا۔ عادلہ کو بہت محبت اور

دھوم دھام سے وہ لوگ بیاہ کر لائے تھے۔ لیکن عادلہ جو کچھ کر چکی تھی ان جیسے خاندان میں ایسی عورتیں کم ہی بھاہ کر پاتی

ہیں ورنہ ستنے سال عباس نے تو پوری کوشش کی تھی کہ اس رشتے کو برقرار رکھے۔

اس نے سنجیدگی سے تمام پیپر ز سائن کر دیے تھے۔

"ابھی اپنی والدہ سے ذکر مت کرنا وہ کچھ پریشان ہیں، اوپر سے مصطفیٰ والا مادہ، میں خود ہی موقع دیکر کربات

کر لوں گا۔" شاہزیب صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا تو وہ بغیر آنکھ کپکپاہے وہاں سے نکل گیا اور انہوں

نے بہت دکھ سے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔

عباس اپنے کمرے میں آیا اور پھر اپنی تمام چیزیں سمیٹ کر وہ موبائل اور کی چین اٹھا کر راجد کی کیمین کی طرف چلا

آیا۔

"مس راجد میرے ساتھ چلیں پلیز۔" عباس کی آواز سن کر وہ ایک دم کھڑی ہو گئی تھی۔

"جی سر؟" وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

"میں باہر دھت کر رہا ہوں۔" عباس کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔

وہ کہہ کر چلا گیا تھا جبکہ وہ ایک دم چوکی تھی وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی اس نے آفس بوائے کو بلا کر سر کے ساتھ جانے

کی اطلاع دی اور خود کھپا بربند کر کے تمام چیزیں سیٹ کر بیگ اٹھا کر چار در درست کرتی باہر آ گئی تھی۔
عباس گاڑی میں بیٹھا اس کا منتظر تھا اسے دیکھ کر فرنٹ ڈور کھول دیا۔ وہ الجھ گئی تھی۔ اس کے بیٹھے ہی عباس نے
گاڑی اشارت کر کے بڑھا دی تھی۔ عباس کا انداز بہت سنجیدہ تھا آنکھوں پر گلاسز لگا رکھے تھے راجہ نے بغور دیکھا۔
”سر ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا تو عباس چونکا۔ راجہ کے چہرے پر پریشانی تھی۔
عباس نے خاموشی سے ایک طرف گاڑی روک دی تھی۔

”میں سمجھتا تھا کہ میں بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہوں مگر جب سے عادلہ میری زندگی میں آئی تو مجھے لگا ہر دن
میرا امتحان کا دن ہے اور ہر روز میں نے اس عورت سے اذیت اٹھائی تھی اس عورت نے مجھے اور میری فیملی کو صرف ذہنی
اذیت کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔“ عباس نے گہرا سانس لیتے سیٹ کی پشت سے سر نکاتے کہا اتنی بے مقصد گفتگو وہ سمجھ
نہیں پارتی تھی۔

”سر ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”آپ پریشان اور ہی ہیں۔“ عباس نے چہرہ موڑ کر پوچھا تو وہ خاموش ہی رہی۔

وہ کل سے عادلہ کے لئے کر خود بھی پریشان تھی سچ آفس آتے ہی عباس سے سامنا ہوتے ہی اس نے عادلہ کا رویہ سنا
ڈالا تھا اس کے بعد عباس شاہزیب کے پاس چلا گیا تھا اور ان سے کہہ کر اس مسئلے کا اب باقاعدہ حل چاہا تھا جو اب چند
گھنٹوں میں انہوں نے وکیل کو بلوا کر اس سے کاغذات پر دستخط لے لیے تھے۔ درحقیقت عباس خود سے زیادہ راجہ کو
لے کر شرمندہ تھا اور اب جبکہ ایک فیصلے پر وہ مہر ثبت کرتا تھا تو دل و دماغ توڑ پھوڑ کا شکار ہو رہے تھے۔

”ایم سوری مجھے آپ کو اس طرح اپنے ساتھ نہیں لانا چاہیے تھا۔“ عباس نے کہا تو وہ چونکی اسے پہلی بار محسوس ہوا
عباس پریشان ہے۔۔

”عادلہ نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا اس کو لے کر میں بہت ٹینس ہوا ہوں آپ کو جو بھی اذیت سہنا پڑ رہی ہے اس
کی اہم وجہ صرف میں ہوں اس لیے میں وہ سارا قصہ ہی تمام کرتا یا ہوں۔“
”جی سر۔“ اس نے حیرانگی سے کہا۔

”میں عادلہ کو ڈائیوڈس دے چکا ہوں۔“ عباس نے مزید کہا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی اس نے ہونٹوں پر ہاتھ
رکھ لیا تھا۔

”مجھے لگا آفس میں بیٹھ کر میں آپ سے بات نہیں کر پاؤں گا اور نہ ہی تسلی دے پاؤں گا اسی لیے آپ کو باہر لے کر
آنا پڑا۔“ عباس کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔

”میں اب تک اس عورت کو شخص اپنے بیٹے کے لیے برداشت کرتا رہا تھا۔ اس عورت نے ہزارے خاندان کو ایسے
نا قابلِ تمدنی نقصان دیے ہیں جس کا کوئی ازالہ ہی نہیں۔“ عباس کے لہجے میں دکھ تھا۔

”ہم نے بہت محبت سے عادلہ سے رشتہ جوڑا تھا۔ ہمیں اندازہ ہی نہ تھا کہ عادلہ اور اس کا خاندان اول درجے کے
گھٹیا لوگ ہیں میں نے ہر مرحلے پر عادلہ کے ساتھ کپروماز کی کوشش کی تھی۔ اس کو میری فیملی اور اس کی قدریں قید
خانہ لگتی تھیں اور پھر وہ رشتہ بھاننا چاہتی ہی نہ تھی۔“ عباس دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔

”آپ کو بہت دکھ ہو رہا ہے نا سر؟“ راجہ کو عباس کے رویے سے محسوس ہوا تو فوراً پوچھا۔

”مجھے خوش ہونا چاہیے کہ وہی میں خود بھی اندازہ نہیں کر پارہا۔“

”لیکن میرے مطمئن ضرور ہوں کہ اب میرا ایسی گھٹیا عورت سے کوئی ریلیشن نہیں رہا۔“ عباس نے ایک دم مطمئن

لجے میں کہا۔

”آپ نے آفاق کو دیکھا ہے؟“ ایک دم ہات بدلتے عباس نے پوچھا۔

”آپ کا بیٹا؟“

”ہاں.....!“

”جی آپ کے بھائی کی شادی پر دیکھا تھا ماشاء اللہ بہت کیوٹ ہے۔“

”وہ اتنا پیارا ہے کہ خود بخود اس کی طرف متوجہ ہونے کو دل کرتا ہے اور وہ سنگ دل عورت اس نے اس کی ایک بھی ذمہ داری بھانا پسند نہیں کی بلکہ وہ تو اسے پیدا کرنے پر ہی آمادہ نہ تھی لیکن میری وجہ سے مجبور ہوئی اور پھر اس نے اسے لاوارثوں کی طرح پھینک دیا اور پھر میرے دل میں عادلہ کے لیے کچھ باقی نہ رہا۔ جب بھی آفاق کو دوسروں کے پاس دیکھتا ہوں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس عورت کو شوٹ کر دوں جو ماں کے نام پر محض ایک دھبہ ہے۔“ عباس نے ایک دم مشتعل ہوتے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا تو رابعہ سہم گئی تھی۔

”سر پلیز۔“ اس نے بے اختیار عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو عباس نے لب بھنج لیے۔

وہ کچھ ہل ایسے ہی بیٹھا رہا تو رابعہ نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ اور پھر خود پر قابو پاتے اپنے اعصاب کو نائل کرتے اس نے گہرا سانس لیا تھا۔

”ایم سوری۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میرے اندر ایک دم غبار سا بھر گیا ہے۔ میں نے اگر کسی سے کچھ شیئر نہ کیا تو واقعی کچھ غلط کر بیٹھوں گا۔“ عباس نے سنجیدگی سے کہا۔

”کوئی بات نہیں سر۔“ وہ محسوس کر رہی تھی کہ عباس اس وقت خاصا ڈسٹرب ہے۔

”مجھے آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”کوئی بات نہیں سر، اگر آپ مجھ سے کچھ شیئر کریں گے تو یہ میری خوش بختی ہوگی۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو عباس نے اسے دیکھا۔

چند دن پہلے عباس کے اندر اس لڑکی کو دیکھ کر عجیب سے احساسات پیدا ہوئے تھے اور اب پھر اسے دیکھ کر دل میں عجیب سے سکون اتر ا تھا۔ ورنہ وہاں تو آگ لگی ہوئی تھی۔ سب کچھ بھسم کر دینے والی آگ جس پر اب چھینٹے سے پڑنے لگے تھے۔

”آپ بہت ڈیفرنٹ ہیں مس رابعہ۔“ عباس نے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

”مجھے بہت افسوس ہے کہ ہمارے اولین تعلقات خاصے ناخوش گوار رہے تھے لیکن میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ میں عادلہ کی ذات سے آپ کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔ میری ذات کو بنیاد بنا کر عادلہ نے آپ کو نقصان پہنچانے کا جو بھی سلسلہ شروع کیا ہے اس کو ختم کرنا میری ذمہ داری ہے۔“ عباس نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

”بھینٹکس سر لیکن آپ کی ڈائمنڈس کے سلسلے میں مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے کہ میری وجہ سے آپ کو یہ سب.....!“ وہ کچھ مزید بھی کہنے والی تھی عباس نے ایک دم روک دیا۔

”نہیں رابعہ..... میں نے عادلہ کو ویسے بھی چھوڑنا ہی تھا بس یہ تھا کہ جو کام مجھے کل کرنا تھا وہ آج کر ڈالا اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں آپ گلٹی محسوس نا کریں بہر حال مجھے یہ سب کچھ کرنا ہی تھا۔“ عباس کے کہنے پر وہ سر ہلا کر ہو گئی۔

”بہر حال مجھے دکھ ہوا ہے۔ ریلیفشن جو بھی ہو بڑی مشکل سے بنتا ہے ہزاروں قربانیاں دینا پڑتی ہیں یہ تعلق تو ایک کپے دھو کے کی طرح ہے جو ذرا کھنچاؤ لگا اور دباؤ آ گیا نور انوٹ گیا ایسے تعلق کو صرف محبت ہی مضبوط بناتی ہے اور اگر

محبت نہ رہے تو تعلق ٹوٹے میں لہو نہیں لگتا۔“

”ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں رابعہ، ہر تعلق کو محبت ہی مضبوط بناتی ہے ورنہ تعلق تو لہجوں میں ٹوٹ جاتے ہیں۔“ عباس کے لہجے میں ایک دم پھر گئی سی اتر آئی اور رابعہ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

❖❖.....○○.....❖❖

ماں جی اور شاہزیب صاحب تیار ہو گئے تھے شاہزیب صاحب پچھلے گھر لوٹے تھے مصطفیٰ نے کچھ دیر میں پہنچ جانے کا کہا تھا اور شہوار کا دل عجیب سا ہورہا تھا۔

ایک طرف تابندہ آگم دوسری طرف مصطفیٰ کا رویہ وہ چاہنے کے باوجود خوش نہیں ہو پارہی تھی لایعنی سوپوں نے اس کے اعصاب کو شل کر رکھا تھا اور پھر بیماری سے پیدا ہو جانے والی نقاہت نے اس کے اندر سے گویا ہر امنگ ہی چھین لی تھی۔

ماں جی کے کہنے پر اس نے لباس بدل لیا تھا لایعنی مصطفیٰ کے کمرے میں اس کے منع کرنے کے باوجود اسے میک اپ کر رہی رہی تھی کہ مصطفیٰ چلا آیا۔

”السلام علیکم؟“ مصطفیٰ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ شہوار جھینپ گئی تھی دوپٹہ بستر پڑا ہوا تھا اور پشت پر بالوں کا آبخار۔

”وعلیکم السلام کیسے، ہیں دیور جی۔“ بھابی نے چھیڑا تو وہ مسکرایا۔

”اے دن۔“ مصطفیٰ نے بیگ اور دوسری چیزیں بستر پر رکھ دی تھیں۔ ایک نگاہ ڈرینگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی شہوار پر ڈالی۔ وہ سر جھکائے ہوئے تھی خوب صورتی بے مثال تھی مصطفیٰ کی نگاہ ایک دم جم ہی گئی تھی لایعنی اس کا میک اپ کر چکی تھی اور اب چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

”کیسی لگ رہی ہے شہوار؟“ لایعنی مصطفیٰ کی نگاہ کی وارفتگی دیکھ چکی تھی شرارتا پوچھا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔

”مجھے تو کبھی بھی بری نہیں لگی، خواجواہ تکلف کیا اتنے رنگ ضائع کر کے میں تو بہت پہلے سے قبول کر چکا ہوں۔“ مصطفیٰ کے الفاظ پر شہوار ایک دم مت سی گئی تھی۔ بھابی کھلکھلا کر ہنسی تھیں۔

”یعنی کڈا نیلا گ مار رہے ہو؟“

”میں یہ کام نہیں کرتا۔“

”حیرت ہے پوپائیس آفسر ہو کر مار دھاڑ سے خود کو بری الذمہ قرار دے رہے ہو۔“ بھابی چھیڑ رہی تھیں وہ ہنس دیا۔ وہ الماری کی طرف بڑھا تو شہوار نے اٹھ کر بستر سے دوپٹا اٹھا کر خود پر ڈال لیا تھا یوں کہ بالوں کا آبخار بھی چھپ گیا تھا۔

”میں چلتی ہوں، باقی تیاری تو تم آرام سے کر لو گی۔“ بھابی نے اسے چھیڑا تو اس کا رنگ سرخ پڑ گیا تھا اس نے سر ہلا یا۔ اس کے دل کو کچھ سکون ہوتا تو شاید وہ بھی اس چھیڑ چھاڑ کو کچھ انجوائے کرتی مصطفیٰ الماری کھولے کھڑا تھا وہ شاید کوئی لباس دیکھ رہا تھا۔

”تم دونوں سکر بیل چال بند ہے کیا؟“ بھابی نے ایک دم نوٹ کیا تو فوراً کڈا مصطفیٰ اپنا لباس خود نکال رہا تھا انہیں زیب لگا تھا۔ شہوار اپنی جگہ چوری بن گئی۔

”آپ کے کپڑے واش روم میں لٹکا دیے ہیں۔“ بھابی کی بات کو نظر انداز کرتے اس نے مصطفیٰ سے کہا مصطفیٰ نے ہٹ کر دیکھا وہ ڈرینگ پر جھکی مختلف چیزیں سینے میں لگی ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ واش روم میں کھس گیا۔

بھالی ناسے مختلف حملوں سے بچھڑتے وہاں سے چمکی گئیں تو وہ بڑے بڑے حال سے انداز میں بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔ اسے اپنا سر چکراتا محسوس ہو رہا تھا اور پر سے فینسی لباس، میک اپ، جینز اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور پر سے ڈنر پر جانے کی ٹینشن۔

مہرا النساء کو اس نے بتایا بھی تھا کہ وہ نہیں جانتے گی مگر پھر مصطفیٰ کے رویے کو سوچ کر تیار ہو گئی تھی۔ لیکن کمزوری اعصاب پر غالب تھی۔ مصطفیٰ داس دم سے لگاتار اسے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھے دیکھ کر ٹھٹھا کا اور اس کے قریب چلا آیا۔

”طبیعت ٹھیک ہے؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے ایک دم ہلکیس واکی تھیں۔

”جی۔“ فوراً سر پر دوپٹہ جمایا۔

”بھلا اترا؟“

”جی۔“ وہ کہہ کر بیڈ سے اتر آئی اور صوفے پر بیٹھ کر مہرا کے ہم رنگ ہلکی ہلکی والی جوتی پہننے لگی۔ مصطفیٰ ڈورنگ کے سامنے کھڑا ہو کر ٹاول سے اپنے بال خشک کر رہا تھا ٹاول سائیز پر ڈال کر وہاں ہٹانے لگ گیا تھا۔ شہوار جتنا کھن کر کھڑی ہوئی تو اپنا سر پھر چکراتا محسوس ہو رہا وہ لب دہانی مصطفیٰ کی طرف آئی اور گیلانا ٹاول اٹھانے کو جھکی تو پھر ایک دم آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

اس نے فوراً اسٹول پر ہاتھ رکھا مگر پھر بھی لڑکھڑائی تھی مصطفیٰ جتا نے میں اسے دیکھ رہا تھا ایک دم پٹنا تھا۔

”کیا ہوا؟“ مصطفیٰ نے فوراً سے تھا۔

اس کا دل تو پہلے ہی پھوڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں ایک دم نمی ہی مست آئی تھی مصطفیٰ نے کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا اور پھر اس کی کھائی چپک کی تو چہرے پر تشویش کی کیفیت پیدا ہوئی۔

”بھلا تو ابھی بھی ہے۔“ دوسرے جھکائے آنسو روکنے کی کوشش میں تھی جو ایک دم بے نگو بے تاب تھے۔

”کیا ہوا ہے؟“ مصطفیٰ پریشان ہو گیا۔

دو خود پر ضبط نہ تھی پہننے لگی تو مصطفیٰ نے کندھوں پر دو اڈا ل کر دوک لیا۔

”میڈ۔“ لیسن لی؟“ اس نے سر جھکائے سر ہلایا تھا مصطفیٰ نے بغور دیکھا وہ ہلکا ہلکا لرز رہی تھی ایک پر اعتماد لڑکی کا اس وقت سارا اعتماد بڑھ بڑھ ہو گیا تھا۔

”آج تو نہیں رہا۔ میڈ۔ لیسن لی ہوتی تو اس کا اثر بھی ہوتا بھلا تو پھر بھی محسوس ہو رہا ہے۔“ مصطفیٰ کے لہجے میں تشویش تھی۔

”بس ٹھیک ہوں ہلکی سی حرکت ہے بس جس کی وجہ سے سر چکراتا تھا۔“ وہ مصطفیٰ کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ خود کو سنبھالتے مارل انداز میں کہنا چاہا مگر آواز کی لڑکھڑاہٹ برقرار تھی۔

”آمرت زیادہ طبیعت خراب ہے تو ہم ڈنر کینسل کر دیتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

مصطفیٰ کی آنکھوں اور چہرے پر اس کے لیے تشویش تھی۔

”نہیں میں ٹھیک ہوں بس ہلکی سی کمزوری ہے ورنہ میں خود اٹھا کر دویتی۔“ مصطفیٰ ہٹکا سا مسکرایا۔

”اے۔“

شہوار نے سر اٹھا کر دیکھا تو مصطفیٰ کو مکمل طور پر اپنا جانب متوجہ پا کر اس کا دل ایک دم تیز رفتاری سے دھڑکنے لگا تھا۔

”آپ تیار ہو جائیں ویر ہو رہی ہے۔“ اس نے کانپتی لڑکھرائی آواز میں بمشکل کہا۔
”تیار بھی ہو جائیں گے پہلے تو مجھے یہ بتاؤ ہمارے درمیان یہ کشیدگی کب تک چلے گی؟“ مصطفیٰ کا انداز بہت
سنجیدگی سے پوچھا تو ٹھہرا ایک دم ہی کنفیوژ ہو گئی۔

”خفا تو آپ ہیں؟“ نظرس چرا کر اس نے مصطفیٰ کے ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹنا چاہا تھا۔
لہجے میں ہلکی سی غلطی درآئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس کی وہاں سے ہٹنے کی کوشش تاکام بنا
دی۔

”کیا مجھے خفا نہیں ہونا چاہیے تھا؟“ مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں جمائکتے پوچھا تو وہ ایک دم ہلکیس گرائی۔ خوشنما
رنگوں سے جلی آنکھیں بڑی دلکش لگ رہی تھیں اور خوب صورت کام سے مزین لائٹ پنک سوٹ نے اس کی سہانی
رنگت کو مزید دفا تو کر ڈالا تھا وہ اس وقت نگاہوں کو خیرہ کرتی جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔

”میں اسپتال میں جس حالت میں تھا وہاں میں نے سب سے زیادہ تمہارا انتظار کیا تھا سبھی لوگ آئے تھے سوائے
تمہارے کیا اب بھی میں دل میں بدگمانی نہ لاتا۔“ مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔

”میں آپ سے بے سوری کر چکی ہوں۔“ وہ پہلے ہی نڈھال سی تھی اس طرح مسلسل کھڑے رہنے سے اسے لگا کہ جیسے
اس کی ٹانگیں سل ہو جائیں گی۔

”میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا میں جانا چاہتی تھی لیکن.....!“ وہ کہتے کہتے رکی پھر اس نے لب دانتوں
تسلی دیا لے تھے۔

”میں ایسا مرد نہیں ہوں کہ خواجہ اول میں بدگمانی رکھوں اگر یہ تابندہ بو والا معاملہ نہ ہوتا تو میں نے تم سے بہت بری
طرح نیٹنے کا سوچ رکھا تھا لیکن تمہاری یہ بیماری اور حالات دیکھ کر دل پیسج گیا ورنہ تو وہ حالت کرتا کہ تم خود مجھ سے پناہ
مانگتی۔“ لہجے میں نرمی بھی تھی لیکن غلطی بھی۔

شہوار کا دل ایک دم آٹھل چٹھل ہونے لگا اس نے مصطفیٰ کو دیکھا..... وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو پائے ہوئے تھی
ورنہ لگتا تھا کہ گویا اٹھی گر جائے گی اوپر سے مصطفیٰ کے تیور وہ مسلسل خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔

”ایم سوری۔“ اس نے پھر کہا۔

”میں جانتی تھی کہ میں غلطی کر رہی ہوں لیکن میں جن حالات سے گزر رہی تھی پھر ایک دم بدلنا کچھ وقت تو لگتا ہے
نا آپ بھلے مجھ سے خفا ہو لیں لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں میں نے جان بوجھ کر ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ بس اس وقت میں
آپ سے سامنا کرنے کی خود میں ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔“ اس نے آہستگی سے دل کی بات کہہ ڈالی۔

وہ مصطفیٰ کی ناراضی دیکھ چکی تھی اس کے دل میں ایک دم خوف بیٹھ گیا تھا۔ مصطفیٰ کا رویہ اب بدلا تھا تو وہ دل ہی دل
میں اسے اب شکایت کا کوئی بھی موقع نہ دینے کا ٹھان چکی تھی۔

”میں نے تو کئی بار آپ سے میو ہائل پر رابطہ کرنا چاہا آپ تو میری کال تک ریسپونڈ نہیں کرتے تھے۔“ اس کا دل دکھا
ہوا تھا۔ ایک دم آواز میں ہی آنٹھہری تھی۔

”ہاں تو کیوں کرنا، کوئی اتنے خلوص سے، بے پناہ محبت سے تمہاری طرف بار بار بڑھے اور تم بار بار نظر انداز کرو میں
بھی انسان تھا آخر کب تک برداشت کرتا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سمٹ آئی تھی۔

”مجھ جیسی لڑکی آپ جیسے انسان کے قابل نہیں ہے، میں ایک ایسی لڑکی جس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی ماں تک
اس کو چھوڑ کر چلی گئی ہے اس سے اس قدر محبت کی جائے۔“ اس کا دل تو پہلے ہی غم سے لبریز تھا مصطفیٰ کے الفاظ نے گویا

اور زخم لگا دیے تھے۔ مصطفیٰ نے بہت محبت سے دونوں کندھوں سے تمام کمرے اپنے قریب کر لیا تھا۔

”میرے لیے صرف تم اہم ہو، مجھے کسی بھی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ بات میں کئی بار کہہ چکا ہوں۔“ مصطفیٰ کے لہجے میں نرمی تھی اور بہت محبت سے اس کو سینٹا تھا رخساروں پر ہنسنے والے نوسو صاف کے تھے۔

”امی نے ایسا کیوں کیا..... کیوں؟“ تابندہ کے اس عمل نے اس قدر توجہ دیا تھا کہ اسے لگتا تھا کہ اس کی ساری انا، ساری اکثر سارا زخم پانی کے جھاگ کی مانند بیٹھ چکا تھا وہ اس سارے خاندان کے سامنے آنکھیں جمرانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

”وہ آجائیں گی میں خود ان کو تلاش کروں گا۔“ مصطفیٰ نے دلاسا دیا۔

”میرے لیے اپنی پہچان کا واحد سہارا وہی تھیں۔ اب میں دونوں ہاتھوں سے خالی ہوں کس کس کے سوالوں کے جواب دوں گا۔“

”شہوار میرے لیے یہ سب باتیں بے معنی ہیں۔ میں جتنا بھی تابندہ ہوا کو جانتا ہوں اس کی روشنی میں یہی کہوں گا کہ انہوں نے بلا سوچے سمجھے ایسا قدم نہیں اٹھایا ہوگا کہ کئی بغیر بتائے یوں چلے جانے والی بات تو میں سمجھتا ہوں کہ بھینا اس کی بھی کوئی ٹھوس وجہ ہوگی اور میں بہت جلد اس وجہ تک پہنچ جاؤں گا مجھ پر یقین کرو میں انہیں تلاش کر لوں گا۔“

مصطفیٰ نے اس کے نوسو صاف کیے تھے۔ انداز میں محبت و توجہ کی آمیزش تھی۔ شہوار کا وجود اس توجہ پر کھٹکنے لگا اس سے پہلے کہ وہ پیچھے ہٹی دروازہ بجا اٹھا۔

”شہوار.....“ لائیبہ بھابی کی پکار تھی وہ اپنا چہرہ صاف کرتے مصطفیٰ سے دور ہوئی تو مصطفیٰ پھر آئینے کے سامنے ٹھہر گیا تھا لائیبہ اندھا مگنی تھیں۔

”جی بھابی۔“ خود کو سنبھالتے اس نے کہا۔

”اگر تم دونوں تیار ہو گئے ہو تو باہر آ جاؤ ماں جی بلاری ہیں۔“ انہوں نے کہا۔

”جی آتے ہیں۔ بس یہ تیار ہو جائیں۔“ شہوار نے کہا تو انہوں نے اسے بغور دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو۔

شہوار کا چہرہ سرخ اور آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں سیک اپ بھی کا جل سمیت بیگا بیگا سا تھا وہ بستر کے کنارے بیٹھ گئی تھی انداز تھا ہت لیے ہوئے تھا۔

”کیا بات ہے تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ اس کا ٹھہرا انداز دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھیں انہوں نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”بخار و درہا ہے پھر سے۔“ مصطفیٰ نے کہا۔

بال بنا کر اس نے کوٹ پہنا تو بھابی نے تشویش زدہ نظروں سے دیکھا۔

”میڈیسن لے لو، وہاں جا کر بیٹھنا پڑے گا طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی پھر سے۔“ انہوں نے قریب آ کر ہاتھ تمام کر فکر مندی سے کہا تو وہ مسکرائی۔

”جی لے لیتی ہوں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلادیا تو مصطفیٰ نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا۔



ولید کے ہاں ڈنر پر مصطفیٰ کے گھر والوں کے علاوہ کیتھی بھی انوائٹڈ تھی۔ جہاں سب ہی اسے دیکھ کر چونکے تھے مصطفیٰ ایک دم خوش ہوا اور وہیں انا کا دل ایک دم بچھ سا گیا تھا۔ غیاث صاحب کو بھی کیتھی کا آنا اچھا نہ لگتا تھا تاہم انہوں نے اسے دیکھا تھا۔

نے ولید سے کچھ نہ کہا۔
 ”مجھے ولید نے ناطقی نہیں بتایا تھا کہ تم پاکستان آ چکی ہو۔“ مصطفیٰ نے کہا۔
 ”ولید مجھے منع کر چکا تھا۔ وہ تمہیں سر پرانزدینا چاہتا تھا۔“ کیتھی نے مسکرا کر کہا۔
 ”سر پرانزدینا تو واقعی مجھے ملا ہے۔ تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔“ مصطفیٰ کا انداز پر جوش تھا۔ ولید مسکرا رہا تھا۔

”ولید نے بتایا تھا تمہارے ایکسڈنٹ کے متعلق، میں نے سوچا تھا کہ تم سے طوں گی مگر ولید نے منع کر دیا تو میں رک گئی تھی۔“ وہاں ابھی موجود تھے۔ کیتھی سے کبھی ملے تھے۔ روشا نے بھی بڑی خوش اخلاقی اور گرم جوشی سے ملی تھی۔ بس انا اور ضیاء صاحب کا انداز ہی سنجیدہ تھا۔ چائے کے بعد کھانے کا دور چلا تھا۔

شہوان آج کل پرہیزی کھانوں پر بھی اس کی طبیعت کے سبب کسی نے اسے کچھ کھانے کو اصرار بھی نہ کیا تھا تاہم وہ ان سب کے ساتھ کچھ نہ کچھ لیتی رہی تھی۔ کھانے کے بعد سب بڑے محفل جما کر بیٹھ چکے تھے سب ہی لاؤنج میں آگئے تھے۔ کھانے کے بعد انا نے چائے بنا کر بڑوں کو پہنچائی اور ان سب کے لیے کافی بنا کر جب وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں ایک رونق لگی ہوئی تھی۔

”مصطفیٰ رہیں پورا سوکھی، یوروائف از سوپر بیٹی۔“ کیتھی کہہ رہی تھی سبھی مسکرا دیے تھے مصطفیٰ نے مسکرا کر شہوار کو دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی۔ انا نے خاموشی سے سب کو کافی سرو کی اور پھر شہوار کے پاس آ بیٹھی تھی۔

”تم اگر لیٹنا چاہو تو میرے کمرے میں چل کر آ رام کر سکتی ہو۔“ انا نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
 ”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی بیمار ہو تم کالج نہیں آ رہی تھی تو میں کبھی کہنا نہ روٹین کا بخار ہے میں کال کرتی رہی ہوں تم نے بھی ذکر نہ کیا۔“

”بس یونہی میں نے سوچا تمہیں کیا پریشان کروں۔ ایک دو دن میں سنبھل جاؤں گی لیکن یہ بخار تو لسا ہی ہوتا جا رہا ہے۔“ اس نے دیکھے سے کہا اور پھر سامنے دیکھنے لگی۔ روشا نے کے ساتھ بیٹھی کیتھی وہاں امریکہ کی باتیں شیئر کر رہی تھی۔

”کیتھی بہت پیاری لڑکی ہے..... ہے نا۔“ کافی کاسپ لیتے شہوار نے کہا تو انا نے بغور کیتھی کو دیکھا۔ وہ خوب صورت ڈریسنگ اور میک اپ نے اسے بہت ہی پیارا انداز دیا تھا۔

”یہ مصطفیٰ اور ولید بھائی کی فرینڈ تھی۔ مجھے سن کر بڑی حیرت ہو رہی ہے۔ ان کے انداز کو دیکھ کر لگتا ہے کہ ان کی آپس میں کافی بنتی رہتی ہے۔“ شہوار نے مزید کہا تو انا نے سنجیدگی سے سر ہلا دیا۔

”تم یہ جان کر شاید حیران ہو کہ یہ کیتھی ولید کو پسند کرتی تھی اور شادی کرنا چاہتی تھی لیکن ماموں نہ مانے تو یہ لوگ واپس آ گئے۔“ شہوار نے کہا تو شہوار نے چونک کر دیکھا۔

”اوہ..... رہی.....!“ انا نے سر ہلا دیا۔

”انٹرنیٹ۔“

”کیا ولید بھائی بھی ایسا چاہتے تھے؟“

”سے ہا۔“ اس نے کہا تو شہوار نے اب کے بہت غور سے کیتھی کو دیکھا۔

”یہ تو بہت ہی پیاری ہے۔“ اس کے لہجے میں تشویش پیدا ہوئی تھی۔

”تم دونوں کیا سرگوشیاں کر رہی ہو۔“ مصطفیٰ نے ان دونوں کو آپس میں بات کرتے دیکھ کر ٹوکا تو انا نے مسکرا کر

کہا۔

”آپ کی برائیاں کر رہے تھے ہم۔“

”اوہ... واقعی؟“ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ جینپ کرچہرہ پھیر گئی۔

”شہوار سے کیا پوچھتے ہیں میرے کہنے پر یقین نہیں ہے۔“

”شہوار سے مجھے یہی توقع تھی۔“ مصطفیٰ نے مصنوعی تہ سفس سے کہا تو شہوار ایک دم گھبرا گئی۔

”میں نے کوئی برائی نہیں کی۔ بلکہ ہم تو کوئی اور ہی بات کر رہے تھیں۔“ اس کا صفائی پیش کرنے کا انداز اتنا بے

ساختہ تھا کہ بھی کھلکھلا کر ہنس دیے تو شہوار ایک دم بزل ہوئی تھی۔

”مصطفیٰ بھائی پلیز شہوار کو کنفیوژ مت کریں اس کی طبیعت پہلے ہی خراب ہے۔“ اٹانے فوراً اس کی فیور کی۔

”کاش میں ان محترمہ کو کچھ کہہ سکتا۔ کنفیوژ کرنا تو بہت دور کی بات.....“ کبھی ہنس دیے تھے۔ شہوار کے لیے مصطفیٰ

کا یہ روپ بڑا انوکھا سا تھا۔

آج۔ سارا وقت مصطفیٰ کا رویہ اس کے لیے بڑا مہربان رہا تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد اس کا ذہن کافی حد تک

پر سکون ہوا تھا۔

”کیتھی تم جانتی ہو یہ ولید اور انا آپس میں فیانسی بھی ہیں؟“ مصطفیٰ نے روشانی کے ساتھ باتوں میں مصروف

کیتھی کو ایک دم پکار کر کہا تھا وہ چونگی۔ اس نے ولید اور انا دووں کو دیکھا تھا۔

”نہیں..... ولید نے بتایا تھا جب روشی کی شادی تھی تبھی بتایا تھا۔“ اٹانے چونک کر دیکھا۔ ولید مسکرا رہا تھا۔

”مجھے بہت خوشی ہوئی تھی۔“ کیتھی نے مسکرا کر کہا۔

”کچھ عرصے سے کیتھی سے رابطہ نہیں رہا تھا اس لیے مجھے کنفرم نہیں تھا کہ یہ جانتی بھی ہے کہ نہیں۔“

”جانتی تو میں بہت پہلے سے ہی تھی تب سے جب اٹل نے بتایا تھا کہ وہ ولید کی شادی پاکستان میں اپنی بھانجی انا

سے کریں گے۔“ کیتھی نے مزید کہا۔

”کیتھی سے متعلق ایک خبر میرے پاس بھی ہے۔“ ولید نے مسکرا کر کہا تو کیتھی بھی مسکرائی تھی اس کا انداز بہت پر

اعتماد تھا۔

”یہ بھی انگیجڈ ہو چکی ہے۔“ اس کی اطلاع پر کبھی حیران ہوئے تھے روشانی اور انا بھی۔

”رنگی.....؟“ روشانی نے پوچھا تو وہ مسکرائی۔

”کون ہے وہ؟“ روشانی نے مزید پوچھا۔

”میرا اولیگ ہے تم لوگ نہیں جانتے اسے۔“ روشانی نے سر ہلادیا تھا۔

”کانگریس بجولیشن۔ اس گڈ نیوز۔“ مصطفیٰ نے بھی کہا تو وہ نے مسکرا دی۔

”جھینکس۔“

اٹانے بہت الجھ کر سب کو دیکھا۔ سبھی کا انداز بہت نارمل سا تھا اور سب سے زیادہ حیرت اسے مسکراتے ہوئے ولید کو

دیکھ کر ہو رہی تھی۔ تو کیا وہ سب جو اسے علم ہوا تھا وہ سب منط تھا وہ جو روشی نے کیتھی کے بارے میں بتایا تھا اس کے اندر

عجیب سی۔ بے سکونی نے بسیرا کیا تھا۔

”اگر وہ سب محض جھوٹ تھا تو پھر یہ لڑکی یہاں کیوں آ گئی ہے۔“ اس دن کیتھی سے ہونے والی ملاقات ایک دم

اس کے ذہن کی سطح پر روشن ہوئی تو ساتھ ہی کیتھی کا والہانہ و پر جوش خیر مقدم بھی یاد آیا۔ کیسے وہ ولید کو دیکھ کر اس کی طرف

بڑی تھی اور کتنی خوش تھی وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔

تھی جو بھی سوچی سب سے زیادہ تو اسے کم بخت کا صفہ کی باتوں نے الجھا کر دکھ دیا تھا جانے وہ خود پر کیسے کنٹرول کر رہی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ ایک دم ولید کے سامنے جا کھڑی ہو جائے اور تمام حساب بے باقی کر دے۔ اس نے سنجیدگی سے مصطفیٰ، احسن اور تھی کے ساتھ مصروف گفتگو ولید کو دیکھا جبکہ روشی اب شہوار سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے ولید کو چہرے میں ہنس بکھار دیا۔

ہمیشہ کی طرح تک سبک سا تیار وہ اس وقت بھی اس کے دل کی دھڑکنوں کو منتشر کر گیا تھا ان کے اندر ایک دم سرد مہری سی اترنے لگی تھی۔ وہ لب بھینچ کر خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔

مصطفیٰ کی کسی بات کا جواب دیتے ولید نے خاموشی سے اسے باہر جاتے دیکھا تھا۔ وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی بلکہ دو دن سے اس کے سامنے بھی نہیں آ رہی تھی اس کے انداز میں وہ اپنے لیے بڑی سرد مہری سی محسوس کر رہا تھا۔ اس کا انداز سنجیدہ سنجیدہ سا تھا کئی بار ولید کا دل چاہا کہ اس سے بات کرے مگر پھر ہر بار رک جاتا۔ اب بھی اسے باہر جاتے دیکھ کر وہ دوبارہ مصطفیٰ سے باتوں میں لگ گیا تھا لیکن اندر ہی اندر ان کا رویا سے تکلیف دے رہا تھا۔



وہ نماز پڑھ کر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گئی تھی کچھ دیر وہ نیٹ سرچنگ کرتی رہی تھی پھر اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے موبائل اٹھا لیا تھا انجان نمبر تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے کال ریسیو کی۔

”رابعہ بول رہی ہوتا۔“ دوسری طرف سے تصدیق چاہی تھی وہ چونگی۔

”آپ کون؟“

”میں عادلہ بات کر رہی ہوں۔“ نخواست سے کہا تو رابعہ نے گہرا سانس لیا۔

سرعباس اسے طلاق دے چکے تھے شاید اس کو اطلاع پہنچ چکی ہوگی جب بھی اب پھر اس کو تنگ کرنے کے لیے کال کی تھی۔

”تمی فرمائیے۔“

”تم جتنی ہو عباس کے ساتھ اس کے آفس میں کام کرتے اس کے ساتھ گاڑیوں میں گھومتے اپنی اوقات بھول گئی ہو تو میں تم جیسی لڑکیوں کو ان کی اوقات بہت اچھی طرح یاد کر سکتی ہوں۔“ دوسری طرف وہ زہریلے ناگ کی طرح پھنکاری تھی۔

”نہ میں اپنی اوقات بھولی ہوں اور نہ ہی حیثیت۔ میں شاہزیب کے آفس میں کام کرنے والی ایک ورکر ہوں اگر میں ان لوگوں کے ساتھ ان لوگوں کی گاڑی میں موجود ہوں تو بھی میرا کردار آپ جتنا گرا ہوا نہیں ہے۔“ وہ کیوں اس عورت سے بڑی ایک دم نفرت سے کہا۔

”پتا تو تمہیں اب چلے گا کہ کس کا کردار گرا ہوا ہے اور کس کا نہیں بڑی پارسانی پھرتی ہو لمبی چادر اوڑھ کر دنیا والوں کو دھوکہ دیتی ہو آج میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں اس فراڈ انسان کے پہلو میں عیاشیاں کرتے دیکھا تھا۔“ دوسری طرف تو وہ گویا پھٹ پڑی تھی۔

”شٹ اپ۔“ رابعہ بھی پھنکاری تھی۔

”تمہاری یہ نام نہاد نیک نامی میں ساری پبلک کے سامنے کھول دوں گی کہ تم اپنی شکل سے بھی نفرت کرنے پر مجبور

ہو جاؤ گی۔ عباس نے تمہارے کہنے پر مجھ سے دن قید کیا۔ تم سمجھتی ہو کہ تم نے مجھے یوں ذلیل کرا کر کوئی معرکہ سر کر لیا ہے تو بھول ہے تمہاری۔ اصل میں ذلالت کیا ہوتی ہے تمہیں پتا اب چلے گا۔ انتہائی غصے سے کہتے وہ پھنکاری گئی۔
 ”انتظار کرنا تم۔“ رابعہ نے کال بند کر دی تھی۔ وہ اٹھ کر کمرے میں بیٹھنے لگی تھی۔
 اچھی بھلی زندگی تھی نجانے کہاں سے یہ نحوست آ چکی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ ابھی کال کر کے سر عباس کو اس کی دھمکیوں کے بارے میں بتا دے مگر وہ پھر ارادہ بدل گئی۔ وہ پہلے ہی اس کو طلاق دینے کی وجہ سے ہرٹ تھے وہ انہیں یہ بتا کر مزید پریشان ہی کرتی۔ وہ بہت بڑے حال انداز میں دوبارہ گری پر گر گئی تھی اور خود ہی اس عورت کی دھمکیوں سے نبھنے کا حل سوچنے لگی تھی۔



گھر واپسی پر شہوار کو لگا تھا کہ اس کے جسم کی حرارت کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے تک وہ لوگ گھر واپس آ گئے تھے، وہ لوگ آنے ہی نہیں دے رہے تھے مگر شہوار کی طبیعت کی وجہ سے انہوں نے آنے کی اجازت دی تھی۔ گھر آتے ہی وہ کپڑے بدل کر بستر پر گر گئی تھی وہاں مسلسل بیٹھے رہنے سے جسم کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے پلکیں میوند لی تھیں۔ مصطفیٰ کمرے میں آیا تو اسے بستر پر دراز دیکھ کر رکا اور پھر گہرا سانس لیتے اپنا لباس لے کر واش روم میں گھس گیا۔

شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لی۔ مصطفیٰ واپس کمرے میں آیا اور موہائل سائیڈ ٹیبل پر رکھے وہ بستر کی طرف آ گیا اٹھا۔ سر ہانہ شہوار کے قریب رکھے وہ اس کی طرف جھکا تھا۔
 ”شہوار“ اس نے پکارا تو اس نے فوراً پلکیں وا کر کے دیکھا۔

مصطفیٰ اس کے قریب ہی بستر پر موجود تھا اس کی طرف جھکا بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا وہ پلکیں جھکا گئی تھی۔
 ”آتے ہی بستر میں گھس گئیں کم از کم میرا انتظار تو کیا ہوتا اور یہ کیا لباس بھی بدل لیا۔“ مصطفیٰ کہہ رہا تھا شہوار کے چہرے کا رنگ ایک دم سرخ ہونے لگا۔

”میری طبیعت خراب ہو رہی تھی۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔ ”سر میں درد ہو رہا تھا۔“ آواز میں نفاہت اور تھکن موجود تھی۔

”مجھے تو آ رہا ہے مجھ سے بچنے کے بہانے ہیں یہ سب درد نہ بخار و خارتو کچھ بھی نہیں۔“ مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا جبکہ آنکھوں میں چمک سی تھی۔

شہوار ایک دم گھبرا گئی تھی وہ مصطفیٰ کی شرارت سمجھ نہ پاتی تھی۔
 ”میں جھوٹ نہیں بول رہی خود چیک کر لیں۔“ اس نے اپنا ہاتھ مصطفیٰ کی طرف بڑھایا جسے اس نے تمام لیا تھا۔
 مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر نرمی سے دبانے شروع کر دیا تھا۔

مٹے مٹیک اپ سے اس کے خوب صورت نقوش مزید اجاگر ہو رہے تھے مصطفیٰ کے لہجے میں خود بخود نرمی اور آئی تھی۔ شہوار نے سر ہلا دیا تھا۔ اس نے اٹھنا چاہا تو مصطفیٰ نے ایک دھڑک دیا۔
 ”دلیتی رہو۔“ شہوار دوبارہ لیٹ گئی تھی لیکن وہ مصطفیٰ سے نگاہیں چرا رہی تھی۔

”آپ کا زخم کیسا ہے؟“ چند لمبے نظریں چرانے کے بعد اسے کچھ نہ سوچا تو اپنی طرف مسلسل دیکھتے مصطفیٰ کی توجہ ہٹانے کو اس نے پوچھ تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا۔
 ”میرے زخم کا کچھ جلدی خیال نہیں آ گیا؟“ وہ شرمندہ ہوئی۔

”ابھی تو بہت جلدی پوچھ لیا ہے کچھ عرصہ انتظار کر لیتیں جب پھر کوئی نیاز ختم لگتا پھر پوچھ لیتیں۔“ انداز میں شرارت تھی وہ ہاتھ مسلے لگی۔

”میں آپ سے ہار ہارا کیسی بڑھ چکی ہوں آپ مجھے ہار ہار شرمندہ مت کریں۔“ مارے شرمندگی کے اسے ایک دم رونا آنے لگا تھا اور آواز بھی رندھ گئی تھی۔

”کوئی بھی میری کیفیت نہیں سمجھ سکتا میرے جیسی لڑکیاں اندر سے کسی توڑ پھوڑ کا شکار ہوتی ہیں۔ مجھے امی نے کبھی بھی میری پہچان کے حوالے سے کوئی اعتماد نہیں دیا ایسے میں اگر میں کچھ منہ رپیوں کا اظہار کر رہی تھی تو غلط کیا تھا؟ ان کی محبت ان کے خلوص پر شک نہیں لیکن میری ذات کی تسکین کے لیے جو حوالے درکار تھے وہی مجھے میسر نہ تھے تو کیا میں بد اعتمادی اور احساس کمتری کا شکار نہ ہوتی کیا میں منہ رپی روئے اختیار نہ کرتی؟“ وہ ایک دم رو پڑی اور اس کے رونے پر مصطفیٰ پریشان ہو گیا تھا۔

”ارے.... ارے یہ کیا ہو رہا ہے۔“ وہ رونے لگی تو مصطفیٰ نے فوراً اسے کندھوں سے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

”مجھے آپ کی محبت آپ کے خلوص پر کوئی شک نہیں لیکن جس طرح قدم قدم پر میری ذات کے حوالے سے سوال اٹھائے گئے ہیں کیا میں منہ رپی نہ سوچتی؟ کیا میں سبھی سے بدظن نہ ہوتی؟ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں نے آپ سے شادی کی پھر وہ واقعہ ہو گیا۔ میں نے خود مہمانوں میں سے کچھ لوگوں کو کہتے سنا تھا کہ وہن منحوس ہے آپ کے ساتھ جو بھی حادثہ ہوا اس کی وجہ میں تھی اور میں نہیں جانتی تھی کہ میری ذات پھر آپ کے کسی نقصان کا سبب بن جائے۔ امی کے علاوہ قدرت کی طرف سے میں نے کوئی حقیقی رشتہ نہیں دیکھا مگر آپ سب لوگوں کی محبتوں کی مقروض تھی۔“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ حیران ہو رہا تھا۔

”لوگوں کی تو عادت ہے باتیں کرنے کی کبھی جمپلس تھے تم خواہنا خود کو پریشان کرتی رہیں کم از کم مجھ سے کہا تو ہوتا۔“ مصطفیٰ نے نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس کو دلاسا دینے کی کوشش کی۔

کچھ ہل رونے کے بعد شہوار کو اپنی کنڈیشن کا احساس ہوا تو اس نے دور ہونا چاہا تھا مگر مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ نظریں چرا گئی تھی۔

”ابھی کچھ دیر اور رو لو، اسی بہانے مجھے احساس تو ہو گا کہ تیرے پہلو میں میری نئی نویلی دلہن ہے۔“ مصطفیٰ کا انداز گنہگار بن گیا۔ وہ بڑل ہو گئی تھی۔

”دیکھیں مجھے تنگ نہیں کریں میری طبیعت پہلے ہی بہت خراب ہے۔“ اس نے نرمے پن سے کہا تو نگاہیں جھکی ہوئی تھیں مصطفیٰ ہنسا دیا۔

”یہ پہلو تو نہیں چلے گا اب پہلے جو بھی حالات تھے جو بھی وجوہات تھیں ان کو دیکھتا رہو لیکن اب تو صلح ہو جانی چاہیے ہماری۔“ مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ ایک دم شرمناک ہو گئی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کی گرفت سے نکلنا چاہا تھا مگر مصطفیٰ کے تپو تو کچھ اور ہی کہا ہے تھے۔

”آپ جانتے ہیں کہ میری طبیعت کتنی خراب ہے اگر آپ نے مجھے تنگ کیا تو میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔“ مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

”مجھے دس دے رہی ہو؟“ شہوار خاموش ہی رہی۔

”اوکے، پہلو دیکھتا ہوں یہ بہانے کب تک چلتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے بازو ہٹا لیے تھے۔ شہوار سرخ چہرہ لیے نظریں چراتی بیچے ہٹی تھی۔

مصطفیٰ نے مسکرا کر: "کھا تو وہ لب و باقی اپنے آپ کو نامل کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے نظریں چراہی تھی۔"

❖❖.....○○.....❖❖

کیتھی رات ان کے ہاں ہی رک گئی تھی صبح اس نے جانا تھا انا تیار ہو کر کالج کے لیے نکلے تو وہ بھی سب سے الوداعی کلمات کہتے ولید کے ساتھ جانے کو تیار تھی۔ انا سے بھی وہ گرجوشی سے ملی تھی۔

"تم سے مل کر اور تم لوگوں کے گھر میں وقت گزار کر بہت اچھا لگا۔" مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ انا نے بھی مسکرا کر سر ہلا

دیا۔

"آؤ انا میں تمہیں ہمیں ڈراپ کر دوں گا میں اسی جانب جا رہا ہوں۔" ولید نے اسے کالج جانے کے لیے تیار دیکھ کر

کہا۔

"نو ٹھیکس میں ڈراپ کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" انداز میں رکھائی تھی۔

صبوحی نے چونک کر اسے دیکھا وہ چند دنوں سے انا کا رویہ محسوس کر رہی تھی ولید کے ساتھ اس کی بول چال تقریباً بند

تھی۔

"چلی جاؤ نا ولی۔ کے ساتھ ہی مجھے کچھ دیر بعد ڈراپ کو لے کر روشی کے ہمراہ ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔" ماما کے کہنے

پر اس کے چہرے پر ناگواری چھائی تھی۔

ماما، ولید اور کیتھی کو رخصت کرنے باہر آئی تھیں جبکہ باقی لوگ اندر سے ہی سلام دعا کر چکے تھے۔

"تو کچھ دیر بعد چلی جائیے گا آپ دونوں۔" اس کے الفاظ پر ولید نے اسے بغور دیکھا۔

"نہیں مجھے آج بوتیک ڈرا جلدی جانا ہے اس لیے میں یہ کام جلدی کروں گی۔ ڈاکٹر سے ٹائم لے چکی ہوں۔" انا

کے زاویے بگڑے تھے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ کہہ کر اپنی چادر سنبھالتی بہت خفگی سے گاڑی کی طرف بڑھی تھی ولید بھی ساتھ تھا ولید نے اس کے

لیے فرنٹ ڈور کھولا تھا مگر وہ نظر انداز کرتے پچھلے دروازے کی طرف بڑھی تھی جو لاک تھا۔

"تم آگے بیٹھو نا۔" ولید نے آہستگی سے کہا تو اس نے سنجیدگی سے دیکھا۔ کیتھی ماما کے گلے مل کر ان کی طرف آ رہی

تھی۔

"کیتھی کو بیٹھا لیجئے گا یہ دروازہ کھولیں۔" لہجے میں تضحی تھی۔

کیتھی ان کے قریب آ گئی تھی انا پچھلی سیٹ کے دائیں دروازے کے پاس کھڑی تھی ولید نے کیتھی کے لیے پچھلا

بایاں دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ بیٹھ گئی تھی۔ ولید نے اسے پھر فرنٹ سیٹ کی طرف آنے کا اشارہ کیا تو وہ سلگ اٹھی اور ماما

اسے اس طرح کھڑے دیکھ کر قریب چلی آئیں۔

"کیا بات ہے نا بیٹھ نہیں رہی تم۔" انہوں نے ٹوکا تو وہ ولید کو غصیلی نگاہوں سے دیکھتے گھوم کر ہائیں طرف فرنٹ

سیٹ کے کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گئی تو ولید نے مسکرا کر دروازہ بند کا اور خود گھوم کر ڈراپ اورنگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

انا کا موڈ سخت آف تھا مگر وہ کیتھی کی وجہ سے صبر کیے ہوئے تھی۔ ولید نے گاڑی گیٹ سے نکال کر رستے پر ڈال دی

تھی۔ ایک نظر اسے دیکھا اور پھر بیک ویو مرر سے کیتھی کو۔

"کیسا لگا کیتھی تمہیں ہمارے یہاں رات رکنا۔" ولید نے ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

"بہت اچھا اور مصطفیٰ سے ملاقات کو بہت انجوائے کیا میں نے ڈرن بھی بہت اچھا تھا اور اسٹیشن یہاں سب کا رویہ

اور پیار، مجھے بہت امپریس کیا ہے اس سب نے۔" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ انا نے اس کی طرف دیکھا وہ خوش مزاج

لڑکی تھی۔

”کب تک پاکستان میں رکنے کا ارادہ ہے؟“ اس نے پوچھا۔
 ”مے بی نیکسٹ ویک میں ہم لوگ چلے جائیں۔“ کیتھی کی بات پر انا نے اسے الجھ کر دیکھا۔
 ”اڈل بتا رہے تھے کہ وہ اب جلدی ہی تمہاری شادی کر رہے ہیں تم نے تو ذکر ہی نہیں کیا۔“ کیتھی نے مسکرا کر انا کو دیکھتے پوچھا تو انا چونکی تھی ولید نے مسکرا کر انا کو دیکھا تھا۔
 ”کہہ تو وہ مجھے بھی رہے تھے چونکہ ابھی ایسا کچھ قائل نہیں ہوا تو میں نے بھی ذکر نہیں کیا۔“ انا پریشان ہو گئی تھی۔
 اس کے ہم میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔

”چلو جب بھی فنکشن ہو مجھے بتا دینا میں انا کے لیے اچھا سا گفٹ سینڈ کروں گی۔“ انا کو دیکھ کر مسکرا کر اس نے کہا۔
 ولید نے انا کو دیکھا وہ ابھی ہوتی تھی لیکن کیتھی کی بات پر محض مسکرائی تھی۔
 ”انا بہت کم بولتی ہیں؟“ وہ کہہ رہی تھی۔ ولید ہنس دیا۔
 ”میرے لیے سنی اطلاع ہے۔“ انا کو اس کا یہ مذاق قطعاً نہ بھایا تھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں آپ دونوں بات کر رہے تھے میں سن رہی تھی۔“ اس نے مروٹا کہا تو کیتھی مسکرائی۔
 ”ولید، روشی اور مصطفیٰ تینوں کے ساتھ میرا بہت اچھا وقت گزرا ہے ان لوگوں سے بے تکلفی بھی ہے یہ لوگ تو پاکستان گئے تھے اور پھر میں نے بہت مس کیا سب کو۔“ کیتھی بتا رہی تھی اس نے سر ہلا دیا۔ اس نے محسوس کیا کیتھی واقعی ان سب سے خاصی بے تکلف تھی۔

”خاصہاً ولید سے جس میں اس کا رویا اب بھی ویسا ہی تھا بے تکلف اور اپنائیت سے لبریز۔
 ”پھر کب پاکستان کا چکر لگاؤ گی؟“ ولید نے کیتھی سے پوچھا۔
 ”کنفرم نہیں ابھی بھی آفس کی جانب سے ٹیم کے ساتھ آئے ہوں جب سے یہ نیو جاب شروع کی ہے اکثر کسی نہ کسی ملک کے ٹور پر رہتے ہیں۔ بھی یہاں بھی وہاں۔“ وہ بتا رہی تھی انا نے توجہ سے اس کی بات سنی تھی۔
 ”اوکے جب بھی دوبارہ پاکستان کا چکر لگاؤ ہم سے ملنے ضرور آنا۔“ ولید نے کہا۔
 ”وائے ناٹ، تم دونوں بھی شادی کے بعد امریکا کا چکر لگانا۔“ کیتھی نے کہا تو ولید نے مسکرا کر انا کو دیکھا وہ نگاہ چرائی۔

”شیر۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔
 ”تمہارا سوڈ کیوں آف ہے؟“ کیتھی کو جواب دے کر اس نے آہستگی سے آٹو کا۔
 ”آپ سے مطلب؟“ ولید کے سوال پر اس نے سگ کر کہتے رخ بدل لیا تھا۔
 ”کیتھی موجود نہ ہوتی تو میں بتاتا کہ میرا تم سے کیا مطلب ہے؟“ ولید تین چار دنوں سے اس کا رویہ برداشت کر رہا تھا اب ایک دم سنجیدگی سے کہا۔

”مجھے تم سے کسی عمل بندی کی پہلے بھی توقع نہیں تھی لیکن میں ان گزرے ایک دو دن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم حد سے زیادہ رونا ہولی جا رہی ہو۔“ کیتھی کی وجہ سے آہستگی سے بول رہا تھا۔
 ”میں آپ سے کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ آپ کے ساتھ آپ کی مہمان موجود ہے میں نہیں چاہتی کہ کوئی بد مزگی ہو۔ بہتر یہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ مجھے کالج ڈراپ کر دیں۔“ انا کے لہجے میں بڑی گستاخانہ سی گئی تھی۔ ولید نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

جس دن سے کاشفہ کے بارے میں بتایا تھا اس کا رویہ بدل گیا تھا لیکن اس کے بعد وہ اس سے کیتھی سے ملنے گئی تھی کچھ نارٹل ہو گئی تھی لیکن اس کے بعد اس کا رویہ بالکل بدل ہی گیا تھا بلکہ وہ ٹپل کر رہا تھا کہ وہ اسے دیکھتے ہی منظر سے غائب ہو جاتی تھی وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی۔ کل بھی وہ اس سے بہت متنفر اور اکٹھی اکٹھی ہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ناگوارگی چھانے لگی تھی۔ ولید نے اسے دیکھا وہ بیگ کے اسٹریپ سے کھیلتی اس کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے باہر کی طرف متوجہ تھی۔ کچھ دیر بعد اس کا کالج آ گیا تھا وہ کیتھی کو اللہ حافظ کہہ کر گاڑی سے اتر گئی تھی۔ اس کے اترنے کے بعد کیتھی پچھلا دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی انا سنجیدگی سے دیکھتے کالج کے گیٹ سے اندر گھس گئی تھی۔



وہ کمرے سے نکلی تو چونکہ اس کے لیے ایک لفافہ لیے چلا آیا۔
 ”یہ پوسٹ مین آپ کے لیے دے گیا تھا۔“ عادلہ نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے لیا تھا۔ خاکی لفافہ جو رجسٹر کروا کر بھیجا گیا تھا۔ عادلہ نے حیران ہو کر الٹ پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ سٹنگ روم میں چلی آئی تھی مام وہاں موجود تھیں۔ اس نے ان کے پاس مومے پر بیٹھ کر لفافہ چاک کیا تھا۔
 ”کیا ہے یہ؟“ انہوں نے پوچھا تو عادلہ نے کندھے اچکائے۔
 اس نے اندر سے، برآمد ہونے والے کاغذات کو بغور دیکھا جوں جوں اس کی نظر ان کاغذات پر پھسلتی جا رہی تھی اس کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔

”کیا ہوا، کیا ہے یہ؟“ مام نے پوچھا۔ عادلہ کو لگا اس کے اندر ایک آگ بھڑک اٹھی ہو۔
 ”عباس نے ڈائری اور سپر زکھوائے ہیں۔“ اس نے کاغذات سینٹرل ٹیبل پر پھینکتے ہوئے کہا۔
 ”اوہ.....“ مام ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھیں۔ وہ عباس کے ساتھ خود بھی رہنا نہیں چاہتی تھی مگر اب ان کاغذات کو دیکھ کر عادلہ کو لگ رہا تھا کہ جیسے عباس نے اسے بھری بزم میں ذلیل کر دیا ہو۔ اس کے منہ پر تانچہ، رو دیا ہو۔ وہ طیش کے عالم میں اٹھ کر بیٹھنے لگی تھی۔

”میں جانتی ہوں اس نے ایسا کیوں کیا ہے؟“ کاغذات پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر وہ بھڑکی تھی۔
 ”وہ کنزرویٹیو، جاہل انسان میں نے ہمیشہ سے اس کی اوقات میں رکھا تھا اس کی اتنی جرأت۔“ وہ طیش میں تھی۔
 ”دفع کرو تم خوب بھی تو ایسا ہی چاہتی تھی۔“ مام نے اس کے غصے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں چاہتی تھی لیکن میں اس کو بتانا چاہتی تھی کہ میں کس حد تک جا سکتی ہوں۔ میں خود کورٹ میں اس کی عزت نیلام کرنا چاہتی تھی۔“ اسے رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے یہ کام پہلے کیوں نہیں کیا۔ عباس اس سے برتری لے گیا تھا۔

”گولی مارو، تمہیں کون سا رشتوں کی کمی ہے بلکہ کورٹ میں تو تم اب بھی جا سکتی ہو۔ آفاق کو لینے کا کیس کر دو، دیکھو کیسے ان لوگوں کی عزت نیلام ہوتی ہے۔“ مام نے اسے نئی راہ دکھانی تو ایک دم صگی۔
 عباس نے اسے کئی دن ایک ویران سنسان گھر میں قید کر رکھا تھا اس کے اندر انتقام کی ایک آگ بھڑک رہی تھی اس کو لے کر وہ رابنہ کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ عباس نے بے شک اسے طلاق دے دی تھی لیکن ٹرپ کا پتا تو اس کے اپنے ہاتھ میں بھی تھا۔

”چھوڑوں گی تو میں بھی نہیں اسے دیکھے گا کیا حالت بناتی ہوں میں اس کی۔“ وہ متنفر سے کہہ کر کاغذات تمام کر

کمرے میں چلی گئی۔ مام نے اس کے جانے کے بعد ایک گہرا سانس لیا اور ایک بار پھرٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

❖❖.....❖❖

ابوبکر نے جو گھر لیا تھا وہ اس کی ڈیکوریشن کر رہا تھا۔ ہر کام ان لوگوں کے مشورے سے کر رہا تھا ماموں اور ثریا بیگم اس سے بہت خوش تھے۔ وہ آفس سے لوٹی تو امی نے اسے پاس بٹھا لیا۔

”یہ جاب چھوڑو اور گھر داری سیکھو۔ ابوبکر گھر بیٹ کر رہا ہے میں اور تمہارے ماموں سوچ رہے ہیں کہ اس یا اگلے ماہ میں تمہیں رخصت کر دیں آج سہیل کی بھی کال آئی تھی وہ اس ماہ میں پاکستان آ رہا ہے چھٹی لے کر پھر شادی کر کے ہی جائے گا۔“ امی کہہ رہی تھیں اور اسے حیرت ہو رہی تھی۔

”اتنی جلدی کس بات کی ہے اور جاب چھوڑنا ضرور ہے کیا؟“ اس نے کہا تو امی نے گھورا۔

”مجھے جاب کرنے والی لڑکیاں بالکل بھی پسند نہیں لیکن تمہارے ماموں کی وجہ سے خاموش ہوں سہیل ایک ماہ کی چھٹی پر آ رہا ہے پھر پتا نہیں کب چکر لگے ویسے بھی ابوبکر سے بات کرنی ہے میں نے وہ بھی لبا چوڑا کھڑا نہیں پالنا چاہتا سا ابھی سے نکاح اور رخصتی ہوگی۔“ امی نے سنجیدگی سے اسے کہا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ یعنی سب طے ہو چکا تھا۔ اس کے اندر خوش گواری کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔

”جاؤ جا کر اپنی بھانجی کا ہاتھ بناؤ جاب اور کمپیوٹر کے سوا تمہیں کوئی اور کام دکھائی ہی نہیں دیتا کل آفس جانا اور اپنے سر سے بات کر لینا۔ میں نہیں چاہتی تم اب جاب کرو۔“ امی کا دونوک انداز تھا وہ منہ بسورتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بجائے کچن میں جانے کے وہ دوبارہ اپنے کمرے میں چلی آئی شام کے وقت کمرے سے نکلی تھی ابوبکر آ چکا تھا۔ بھانجی نے اس کی چائے اس کے کمرے میں پہنچانے کا کہا تو وہ کچھ سوچتی ٹرے لیے اوپر چلی آئی تھی۔ اس نے دستک دی اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔

”آجائیں۔“ وہ اندر داخل ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر چونکا۔

”ارے آپ نے کیوں زحمت کی؟ میں خود نیچٹا نے والا تھا۔“

”کوئی بات نہیں، ماموں گھر نہیں تھے میں نے سوچا کہ خود چائے دے آؤں۔“ اس نے ٹرے نیبل پر رکھ دی۔

”مجھے آپ سے ایک بات کہنی تھی۔“ کچھ سوچتے اس نے کہا تو وہ چونکا۔

”جی کہیے۔“

”امی چاہ رہی تھیں کہ میں جاب چھوڑ دوں۔“ اس نے کہا تو وہ سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔

”امی کی خواہش ہے کہ شادی سے پہلے میں یہ جاب چھوڑ دوں جبکہ میں فوراً یہ جاب نہیں چھوڑ سکتی۔ پہلے مجھے نوٹس دینا ہوگا اس کے بعد ہی کچھ ہوگا۔“

”نہیں میں ایسا کچھ نہیں چاہ رہا اگر آپ جاب کرنا چاہ رہی ہیں تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ خوشی سے جاب جاری رکھ سکتی ہیں۔“ راجہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مجھے ٹیکس۔ میں جاب چھوڑ دوں گی لیکن ابھی فوری نہیں چھوڑ سکتی پہلے نوٹس دوں گی پھر جو سر لوگ فیصلہ کریں گے۔“

”اٹس اوکے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ وہ مسکرائی۔

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 170

”آپ اپنے گھر کا سنا میں کہاں تک کام پہنچا۔“ ابو بکر نے جائے کام لے لیا۔
 ”ابھی تو رینٹ پر ہی لے رہا ہوں ساتھ ساتھ کوئی مناسب جگہ دیکھ کر ذاتی گھر بناؤں گا سینگ کر رہا ہوں کچھ دن
 میں یہ کام بھی ہو جائے گا ایک سیکنڈ ہینڈ گاڑی لینے کا سوچ رہا ہوں پبلک ٹرانسپورٹ میں پراہم ہوتی ہے۔“ وہ پر عزم تھا
 مضبوط ارادوں کا مالک۔ رابعہ نے اس کے الفاظ پر سر ہلا دیا تھا۔

”آپ سنا نہیں آپ کے سر کی وائف نے پھر تو تنگ نہیں کیا تاہم اس دن کے بعد۔“
 ”نہیں کال آئی تھی مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا میرے اسے ڈائریس ہیجہ بھوادے ہیں۔“
 ”اوہ عجیب عورت ہے اگر وہ چاہتی تو گھر ساکتی تھی۔“

”جتنا میں س عورت کو بھی ہوں وہ خود پسند اور مغرور عورت ہے ایسی عورتوں کے لیے کسی کی عزت بے عزتی کوئی
 معنی نہیں رکھتی اور نہ ہی ایسی عورتیں گھر بناتی ہیں۔“ رابعہ کے بچے میں سنجیدگی درآئی تھی۔
 ”بہر حال عباس اور ان کی فیملی نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے۔ وہ عورت واقعی ان کو ڈیزر نہیں کرتی تھی۔“ ابو بکر نے
 بھی اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ محض سر ہلا گئی تھی۔

”نو کے چلتی ہوں۔“ ابو بکر چائے پی چکا تھا خالی گٹرے میں رکھے وہ ٹی تھی ابو بکر نے اسے بغور دیکھا سلیقے سے
 دو پینڈاؤں سے مناسب قدر و قامت کے ساتھ وہ کافی اثر کیٹھو گئی تھی۔
 ابو بکر نے خاموشی سے اسے کمرے سے نکل کر میز حیاں اترتے نیچے جاتے دیکھا تھا۔



وہ ساجدہ کے دونوں بیٹوں احمد اور شایان کے ساتھ مارکیٹ آئی تھیں انہوں نے احمد اور شایان کے لیے کپڑے
 خریدے جو بہت اچھے اور قیمتی تھے اور ان کپڑوں کو دیکھ کر دونوں بے انتہا خوش ہوئے تھے انہوں نے ان کی پسند کے
 اسپورٹس بیٹ اور دوسرا سامان بھی خریدا تھا شایان نے کیرم اور لیڈ بھی لیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ان کے باپ
 فرید کے لیے بھی کچھ سامان لیا تھا۔ وہ اس وقت ان کی ماں اور وادی کے لیے کچھ دیکھ رہی تھیں جب ان کی نگاہ گلاس
 وال کے دوسری طرف کھڑے وجود پر پڑی تھی۔ وہ چونک گئی تھیں۔ انہیں لگا کہ انہوں نے اس وجود کو نہیں دیکھا ہے۔
 وہ بے اختیار گلاس وال کے قریب ہوئی تھیں۔ اس وجود کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا۔ دونوں کوئی بات کر رہے تھے پھر
 دوسرے وجود نے سر ہلایا تھا لڑکے نے ہاتھ سے کسی رکشے کو اشارہ کیا تو تابندہ بوا کو لگا ان کے وجود ایک دم ساکت ہو گیا
 ہے۔ وہ دونوں رکشے میں بیٹھ رہے تھے۔

وہ ایک دم حرکت میں آئی تھیں تیزی سے بھاگنے والے انداز میں وہ سب ساز و سامان وہیں چھوڑ کر باہر کی طرف
 بھاگی تھیں۔ لوگوں نے حیران ہو کر ان کو دیکھا تھا۔ احمد اور شایان بھی گھبرا گئے تھے۔ وہ بھی تیزی سے سڑک کی طرف
 آئی تھیں لیکن باب وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

رکشہ پٹی سوار یوں سمیت جا چکا تھا تابندہ بی کو لگا کہ جیسے ان کا وجود ایک دم برف کے تودے میں دب گیا ہے۔ وہ
 کچھ ہل نہایت اضطراب سے ارد گرد دیکھتی رہی تھیں اور پھر انتہائی مایوسی کی کیفیت میں واپس دکان کی طرف چلی آئی
 تھیں۔

وہ برسوں بعد اسے دیکھ رہی تھیں لیکن آنکھوں پر یقین نہیں تھا۔ شاید ان کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی وہ وجود شاید کوئی اور
 تھا۔ وہ جیسا سوچ رہی تھیں ویسا کچھ نہ تھا۔ وہ نہایت مایوسی کی کیفیت میں سارا ساز و سامان سمیٹتے ہل پے کر کے بچوں کو
 لے کر باہر نکلا آئی تھیں۔ اب ان کا ذہن مزید شاپنگ کے لیے پرسکون نہ تھا۔

بچے ان کے کم صم انداز پر پریشان ہو رہے تھے۔ لیکن کچھ پوچھ نہیں رہے تھے۔ گھر آنے کے بعد بھی وقتے وقتے سے انہیں وہ سین یا آ رہا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کی نظر کو دھوکا ہوا ہے۔ انہوں نے پہچاننے میں کوئی غلطی کر ڈالی ہے۔ وہ وجود شاید کوئی اور تھا۔ وہ سارا وقت عجیب خالی الذہنی کیفیت میں غرق رہی تھیں۔ ساجدہ بچوں اور فریڈ کا سازو سامان دیکھ کر خفا ہوئی تھی۔ اسے یہ سب تکلفات شرمندہ کر رہے تھے۔ وہ اس کو نال کرا د پر چلی آئی تھیں۔

وہی کمرے، وہی درود یوار تھے۔ لیکن یہاں کے مکین زندگی کا سفر مکمل کر چکے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ وہ جب سے آئی تھیں بہت حوصلے سے رہ رہی تھیں مگر اب انہیں لگ رہا تھا کہ اگر چند دن تک وہ مزید اسی کیفیت میں رہیں تو ان کا دل پھٹ جائے گا۔ انہیں رہ رہ کر شہوار کی یاد آ رہی تھی۔ وہ کیسے ہر وقت اپنے اصل کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین رہا کرتی تھی۔ کیسے کیسے سوالات کیا کرتی تھی اور وہ ہر بار اسے نال جاتی تھیں۔

وہ اسے بھلا کیا جواب دیتی کہ سچ کیا ہے، وہ کون ہے؟ وہ بھلا کیسے اس کو بتا دیتیں اور اب اتنے دن گزر جانے کے باوجود انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوا تھا۔ انہیں تو ہر چہرے میں۔ مٹی کے چہرے نظر آنے لگے تھے۔ وہ رک رک کر لوگوں کے چہرے دیکھنے کی کوشش کرتی تھیں کہ شاید کوئی چمڑا ہوا لوگوں کی بھیڑ میں نظر آ جائے۔

”کیا مجھے واپس چلے جانا چاہیے اور جا کر شہوار کو سب حقیقت بتا دینی چاہیے؟“ وہ سوچ سوچ کر ہارنے لگیں تو دل نے کہا۔

”ایسے کیسے چلی جاؤں؟“ ان کے دماغ نے نئی حکمرانی۔

”ابھی تو میرے ہاتھ کوئی جواب نہیں آیا اس الجھتے ہوئے ریشم کا ایک سرا تک تو ملا نہیں محض گمان پھر کیسے جا کر ان لوگوں پر ایک نئی قیامت توڑ دوں؟ ویسے بھی نجانے اب تک میری گم شدگی سے ان لوگوں نے نجانے کیا کیا اندازے لگا لیے ہوں گے۔“ دماغ کی جنگ بڑھنے لگی تو ان کے آنسوؤں کی رفتار میں تیزی آتی چلی گئی تھی۔ آج جس چہرے کا گمان کرتے ہوئے باہر بھاگی تھیں وہ چہرہ تو ان کے دل دور رخ کے اب کسی گوشے میں نہ تھا اور جو تھا اس کا کہیں سراغ ہی نہیں مل رہا تھا۔

”یا اللہ عمر بہت گئی اس آبلہ پائی میں یا میرے مالک میری مشکل آسان فرما اور میرے لیے سچ کی راہیں کھول دے میری بچی کی زندگی کا سوال ہے۔ میرے مالک، میرے پروردگار مجھے سیدھا راستہ دکھا۔“ وہ شدت سے رونے لگیں تو خود بخود دل محو مناجات ہوتا چلا گیا تھا۔



ولید اپنے آفس میں تھا جب اس کے نمبر پر بار بار کالشنہ کی کال آ رہی تھی وہ مسلسل انکوار کر رہا تھا لیکن جب پھر کال آئی تو اس نے بہت غصے سے کال پک کی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے تمہیں؟“ وہ پھٹ پڑا۔

”تم کیسی بے حس لڑکی ہو تمہیں ذرا بھی اندازہ نہیں کہ تم اپنی ان حرکتوں سے صرف اور صرف میرے دل میں اپنے خلاف نفرت پیدا کر رہی ہو۔“

”ولید مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“ دوسری طرف کا وفد سختی سے بولی۔

”شٹ اپ میں تم سے بات کرنا تو دور تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ اب خبردار جو تم نے مجھے ڈسٹرب کیا تو، اس مائی لاسٹ وارننگ۔“ وہ سختی سے بولا۔

”جی بہتر۔“

”اور سناؤ، اور کیا ہو رہا ہے۔“ مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔
”کچھ نہیں بس اتنے دن بعد کالج آئی ہوں تو کالج ہو چکا ہے۔ سوچ رہی ہوں وہ سب کیسے کور ہوگا۔“ شہوار نے تفصیلی جواب دیا۔

”اور اس کے علاوہ؟“ مصطفیٰ نے پھر پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ شہوار کی وہی سنجیدگی تھی۔

”اور.....“ مصطفیٰ نے جان بوجھ کر کہا تو دوسری طرف وہ سوچنے لگی کہ اور کیا بتائے۔

”اور آپ کیسے ہیں؟“ جب کچھ نہ سوچھا تو یہی پوچھ لیا۔

”ہاں، وہ پوچھو میں ہمارا حال اور ہم حیرت سے مرئی نہ جائیں۔“ مصطفیٰ کا انداز ایک دم شرارتی ہوا تھا۔ شہوار جینپ سی گئی تھی۔ بڑا برہنہ سا انداز تھا۔

”اب ایسی بات نہیں ہے۔“ دوسری طرف سے جب شہوار سے کچھ بھی نہ بن پڑا تو چڑھ کر کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

”تو پھر کیسی بات ہے؟“ مصطفیٰ نے چھیڑا تو وہ مزید چڑھی۔

”آپ نے کالج کیوں کی؟“

”کیوں بھی بغیر کسی ریزن کے کاپی ٹی ٹی ٹی بیٹھ کر کالج نہیں کر سکتا ہوں۔“ شہوار کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

مصطفیٰ ان دو تین دن میں اس کو کئی بار کالج کر چکا تھا لیکن تب وہ بڑی تھا بس حال احوال کی حد تک بات ہوتی تھی۔

”آپ جس کام کے لیے گئے ہوئے تھے وہ کسپٹ ہو گیا۔“ اس نے پوچھا تو مصطفیٰ کو ایک دم احساس ہوا کہ اس نے شہوار کو کون کون کال کی ہے۔

”ہاں کام تو ہو گیا ہے لیکن آفسرز کی طرف سے ایک ارجنٹ میٹنگ کی کال آگئی ہے ہو سکتا ہے میں آج واپس نہ

آسکوں۔“ مصطفیٰ نے بتایا تو دوسری طرف شہوار چونکی۔

”لیکن پہلے تو ذکر نہیں کیا تھا آپ نے؟“

”ہاں ابھی کچھ دیر پہلے کال آئی تھی۔“ مصطفیٰ کے بتانے پر شہوار خاموش رہی تھی اس نے ایک دوپل کو کچھ سوچا تھا

اور پھر کہا۔

”آپ نے امی کے بارے میں کچھ پتا کرایا۔“ اس کے لہجے میں ایک آس تھی۔

”اس سے اگلے دن تو یہاں آ گیا تھا اب یہاں سے واپس آ کر پتا کراؤں گا امجد خان تو خود بڑی ہے ورنہ اسے

کہتا۔“ مصطفیٰ کی بات پر وہ ایک دم بھڑکی گئی تھی۔

”پتا نہیں وہ کہاں ہوں گی اور کس حال میں ہوں گی میرا دل ہر وقت پریشان رہتا ہے۔ میں جب بھی ان کے

بارے میں سوچتی ہوں تو دل رکنے لگتا ہے آج بھی آنٹی جی نے زبردستی کالج بھیج دیا ورنہ میرا دل نہیں مان رہا تھا آنے

کو۔“ ایک دم اس کا لہجہ بگڑ سا گیا۔

”پریشان نہیں ہوتے وہ ٹھیک ہوں گی میں ان شاء اللہ جلد ہی پتا کر لوں گا۔ ڈونٹ وری سب ٹھیک ہو جائے گا اور

کالج آ کر بہت اچھا کیا گھر رہ کر سوچ سوچ کر بیمار ہونے سے بہتر ہے کہ اسٹڈی میں بڑی ہو کر ٹینشن ریلیف کی

جائے ویسے ہی وقت کے ساتھ ہر چیز نارمل ہونے لگتی ہے۔“ مصطفیٰ کا انداز دلا سے سے بھر پور تھا۔

”کاش میرا دل ٹھہر جائے میں اس صدمے کو جھیلنے کی طاقت پیدا کر لوں۔ میں جب بھی یہ سوچتی ہوں کہ امی مجھے

چھوڑ کر چلی گئی ہیں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔“ اس کی آواز میں نئی سستا کی تھی مصطفیٰ ایک دم پریشان ہوا۔
”سوچنے سے اور پریشان ہونے سے کراسر ختم نہیں ہو جاتے۔“ مصطفیٰ نے پھر ہمت بندھانا چاہی تو دوسری
طرف شہوار نے ایک دم خود کو حوصلہ دیا۔

”ہاں ان کے بغیر زندگی گزر رہی ہے لیکن میرے دل کو تو ایک مسلسل روگ لگا گئی ہیں وہ، کاش وہ مجھے ایک پارٹل
جائیں اور پھر میں ان کو بھی نہیں جانے دوں۔ ان سے اپنی ہر خطا کی معافی مانگ لو۔“ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس
لیا۔

ابھی زخم ہر اتھا سو ہر پل نہیں دے رہا تھا اسے اس کی حالت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ شاید کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ
سنبھل جائے اور اسے بھی سکون آ جائے۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس وقت تو مینٹگ کے لیے نکلنا ہے پھر بات ہوگی۔
او کے اپنا بہت سا راجیال رکھنا ٹھیک ہے۔“ مصطفیٰ کے پاس وقت کم تھا اس نے فوراً بات سمیٹی تھی۔
”جی۔“

”آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔“ اس نے کہا تو مصطفیٰ مسکرا دیا جو بڑی بھرپور مسکراہٹ تھی۔
”کاش میں اس جملے کو ریکارڈ کر کے اپنے پاس محفوظ رکھ سکتا۔“ اس کی بات پر دوسری طرف شہوار ہلکا سا جھینپی تھی۔
”او کے میں کال بند کر رہی ہوں، اللہ حافظ۔“ جھینپ کر اس نے کہا تو مصطفیٰ کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ گہری
ہوئی تھی۔

”سنو تو۔۔ دوسری طرف شہوار رک گئی تھی۔

”جی۔“

”آئی مس یویری میچ، ول پوس می؟“ لہجے میں جذبات کا رچاؤ تھا دوسری طرف سے شہوار نے کال کاٹ دی تھی
مصطفیٰ نے وہ پائل کو کان سے ہٹا کر اسے گھورا اور پھر ایک گہرا سانس خارج کیا۔
”ایک تو یہ لڑکی بھی نا۔“ وہ بڑبڑایا۔



شہوار چینی گئی تو وہ بھی ڈرائیور کا انتظار کرتے گیٹ کی طرف چلی آئی تھی ڈرائیور ابھی تک لینے نہیں آیا تھا اس نے
اسے کال کی تو علم ہوا کہ گاڑی خراب ہے اور اسے خود ہی واپس جانا ہو گا یا پھر کچھ وقت انتظار کرنا ہو گا۔ انا کا کونٹ سے
برا حال ہونے لگا تھا۔

جاننے والی سبھی لڑکیاں جا چکی تھیں ورنہ وہ کسی سے لفٹ ہی لے لیتی۔ مگر میں صرف دو گاڑیاں تھیں ایک ولید کی
اور ایک ان کی۔ ولید گاڑی خود یوز کرتا تھا جبکہ ان لوگوں کی گاڑی سبھی کے استعمال میں تھی ڈرائیور پہلے اسے پھر باقی
لوگوں کو لاتا۔ لے جاتا تھا۔

اس نے سوچا کہ ولید کو کال کر لے کہ وہ اسے پک کر لے مگر پھر ارادہ ترک کرنا بڑا پچھلے چند دنوں سے ولید کے
ساتھ وہ اس قدر کھنچاؤ اور تاؤ کا شکار ہو چکی تھی کہ اب خود اس سے رابطہ کرنے پر اس کی انا آڑے آ گئی تھی۔ اس نے
سوچا کہ وہ خبری ہی روز تک چلی جائے گی اور پھر وہاں سے کوئی سواری لے گی۔ وہ سانس لڑکیوں کے ساتھ روٹ بس کا
ویٹ کر رہی تھی جب ایک گاڑی ان کے پاس آ کر رکھی تھی۔

وہ جو اپنے ہی دھیان میں کھڑی تھا گاڑی سے نکلنے والے وجود کو دیکھ کر جھنجکی تھی۔

آنچل فروری ۱۵، ۱۷۶۱

”کیسی ہو؟“ اس کے سامنے مصطفیٰ کے کزن کی بیوی شائستہ کھڑی تھی۔

”آپ؟“

”میں شائستہ زاہد کی وائف، زاہد مصطفیٰ کا کزن، شہوار کی شادی میں ہم ملے تھے۔“ شائستہ نے اس سے ہاتھ ملاتے اپنا تعارف دیا تو وہ مسکرائی۔

”جی بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں۔“ ان کو دیکھ کر اسے دلی خوشی ہوئی تھی۔ فوراً خوش اخلاقی سے کہا۔
”میں حماد کے ساتھ یہاں کسی کام سے آئی تھی گھر واپس جا رہی تھی کہ یہاں تمہیں دیکھا تو حماد کو گاڑی روکنے کا کہا۔“ شائستہ نے غلوں سے کہا۔

”آپ یقیناً اسی شہر میں رہتی ہیں نا۔“

”بالکل، ہم ادھر ہی رہتے ہیں جبکہ باقی فیملی گاؤں میں ہوتی ہے۔“ انہوں نے مسکرا کر گاڑی کی طرف دیکھا فرنٹ سیٹ پر بیٹھا مصطفیٰ کا کزن حماد اسے ہی دیکھ رہا تھا اس نے فوراً اسے متنبہ کر دیا۔

”تم یہاں کہاں کھڑی تھی؟“

”دراصل گاڑی خراب تھی روٹ کی بس کا انتظار کر رہی تھی۔“

”آؤ ہمارے ساتھ ہم ڈراپ کر دیں گے۔“ شائستہ نے غلوں سے کہا۔

”ارے نہیں آپ کو خواہ مخواہ زحمت ہوئی۔“

”زحمت کیسی آؤ تکلف مت کرو پلیز آؤ نا۔“ شائستہ نے اصرار کیا تو وہ بادل ناخواستہ اس کے ساتھ پچھلی سیٹ کی طرف بیٹھی تھی۔ حماد کا ہنسا ہوا ہے اس کو دیکھتا رہا تھا اور وہ اسے نظر انداز کیے شائستہ کے ساتھ باتوں میں لگی رہی تھی۔
گھر پہنچ کر وہ بعد اصرار ان دونوں کو اندر لے آئی تھی۔ ماموں اور روٹی گھر پر ہی تھے وہ ان کے ساتھ لاؤنج کی طرف آئی تو وہاں ولید کو بھی دیکھ کر چوکی۔

ولید اس وقت گھر پر نہیں ہوتا تھا وہ حماد سے خوش اخلاقی سے ملا تھا۔ وہ خود کچن کی طرف چلی آئی تھی۔ ان لوگوں کے لیے چائے اور دیگر لوازمات صغرا کے ساتھ تیار کرنے لگ گئی تھی۔

”ارے تم تو خواہ مخواہ تکلفات میں پڑ گئی ہو نا بیٹھو ادھر۔“ وہ شائستہ کے ساتھ بیٹھ گئی تھی روٹی چائے سرو کرنے لگ گئی تھی۔

وہ یونہی شائستہ کی کسی بات پر ہنسی تو حماد فوراً متوجہ ہوا تھا۔ لاشعوری طور پر اس کی نگاہ ان پر جم گئی تھی ولید جو اس کے قریب ہی تھا اس نے بہت ناگواری سے انا کو دیکھا تھا۔ وہ ایک لمحے میں حماد کی نگاہ کا ارتکاز محسوس کر گیا تھا۔

”انا ایک گلاس پانی کالا دو ذرا۔“ اس کے بعد بھی گا ہے گا سے حماد کی نگاہ اس کی طرف اٹھی تو انا کو وہاں سے اٹھانا ہی مناسب سمجھا تھا۔ فوراً بہانے سے کہا تو انا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

”روٹی لادیتا ہے۔“ سنجیدگی سے کہا۔ کروہ پھر شائستہ کے ساتھ بات کرنے لگی تھی۔

”میں لادیتی ہوں۔“ روٹی فوراً وہاں سے چلی گئی تھی۔ ولید نے بڑے ضبط سے انا کو دیکھا۔ وہ بالکل عین حماد کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

چائے پیتا ہوا گا ہے گا سے دیکھ رہا تھا روٹی نے اسے پانی لادیا تھا۔ ولید ضبط کیے بیٹھا ہوا تھا فیاض صاحب حماد سے بات چیت جاری رکھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو انا بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

”ایک بار پھر شائستہ بھابی آپ کا اور حماد صاحبہ آپ دونوں کا بہت بہت شکریہ“ وہ خوش اخلاقی سے کہہ رہی تھی ولید نے سنجیدگی سے دیکھا تھا۔
”اُس اور کے اُس آنرقاری۔“

”پھر بھی آپ لوگوں نے آؤ شآف دے جا کر میری میاں کی ہے ورنہ میں روٹ بس کے انتظار میں نہ جانے کب تک خوار ہوتی۔“ وہ مسکرا کر حماد کے سامنے کھڑی براہ راست مخاطب تھی۔ ولید کو مکمل طور پر نظر انداز کر رکھا تھا۔
ولید نے وہیں حماد سے ہاتھ ملا لیا تھا جبکہ وہ شائستہ کے ساتھ گیت تک آئی تھی۔
”اب تو آپ کو ہمارے گھر کا ایڈریس معلوم ہو گیا ہے آئی رہے گا۔“ انا نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا تو وہ دونوں مسکرائے تھے۔

”ہم تو آجائیں گے لیکن کسی دن آپ بھی ہماری طرف چکر لگائیے گا نا۔“ حماد نے کہا تھا وہ ہنس دی۔
”اوکے کسی دن شہوار کے ساتھ آؤں گی۔“
”ہم انتظار کریں گے۔“ شائستہ نے کہا تو وہ مسکرا کر سر ہلا گئی تھی۔ وہ دونوں چلے گئے تھے۔
ان کو سی آف کر کے وہ لاؤنج کی طرف جانے کی بجائے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔ کاریڈور سے گزرتے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

”انا.....“ ولید کی پکار پر وہ ایک دم رکی۔
”مصطفیٰ کے کزن کی دائف اور اس کا بھائی کہاں مل گئے تھے تمہیں۔“ انداز تفتیشی تھا انا نے چونک کر دیکھا۔
”کیوں نہیں نے بتایا نہیں آپ کو۔“ انا نے سر دمہری سے پوچھا۔
”میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔“ ولید قریب آ نکا تھا لہجے میں تھی تھی۔
وہ پہلے ہی کاخفہ کے دیے کو لے کر نہیں تھا اور اب مزید انا کے یہ تو؟
”میں آپ کے کسی بھی سوال و جواب کی پابند نہیں ہوں۔“ ولید کے حکم بھرے انداز پر وہ ایک دم بھنا کر بولی۔
”شٹ اپ انا۔“ ولید کو ایک دم غصا گیا تو انا بغیر کچھ کہے سے جانے لگی تو ولید فوراً سامنے گیا تھا۔
”تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے جس دن سے کاخفہ کے متعلق تمہیں بتایا ہے تمہارا تو رویہ ہی بدل چکا ہے خراکیوں کر رہی ہو تم ایسا۔“ ولید نے دونوں انداز میں پوچھا تو انا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”میں کسی بھی ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ رستہ چھوڑیں میرا۔“ لہجے میں تلخی دنا گواری تھی۔
”جب تک بات ٹیئر نہیں ہوگی تم یہاں سے مل بھی نہیں سکتی۔“ ولید مزید پھیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ انا نے غصے سے دیکھا۔

”اول تو مجھے آپ کی کسی بھی راہ چلتی فرینڈ کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے وہ کاخفہ ہو یا کبھی اور دوسرا یہ کتاب کو کوئی حق نہیں کتاب اس طرح میرا رستہ روک کر مجھے سے باز پرس کریں۔“ وہ اندر سے بھری تھی تھی ایک دم پھٹی بیڑی۔

”فرق نہیں پڑتا تو کیوں اس طرح بی ہو کر رہی ہو؟ کاخفہ کے بارے میں جو بھی تھا تمہیں سب بتا دیا تھا جب سب کچھ ٹیئر تھا تو ایسی حرکتوں کا مقصد۔“

”میں کہہ چکی ہوں کہ میں آپ کے سامنے آپ کے کسی بھی سوال کی جواب دہ نہیں ہوں۔“ وہ تلخی سے کہہ کر سائیڈ سے ہو کر جانے لگی تھی ولید کا دماغ ایک دم گھوم گیا تھا۔ اس نے بہت جا رہا تھا انداز میں انا کا بازو پکڑ کر دھکیلا تو وہ دیوار

مسکراہٹ

ایک شخص دوسرے سے I am Going کا مطلب کیا ہے؟

دوسرا۔ ”میں جا رہا ہوں۔“

پہلا شخص۔ ”ایسا تو نہیں جانے دوں گا، پہلے مطلب بتا۔“

سائرہ حبیب، نیلہ خان مومن... عبدالحکیم

کے ساتھ جا کر آئی۔

”آہ.....“ اس کا بازو بری طرح دیوار سے ٹکرایا تھا وہ کراہ کر رہ گئی تھی۔

”بی بی یو ر سیٹنگ ولی۔“ وہ تکلیف سے ایک دم چیخ اٹھی تھی۔ ولید نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

”جب میں تم سے بات کر رہا ہوں تو میری بات کا جواب دو اور خیر دار تم یہاں سے لٹی بھی تو۔“ اندر کا سارا اہال نکل

گیا تھا۔

اس کے قریب ہو کر دیوار پر ہاتھ رکھ کر اس نے کہا تو انا کے چہرے پر پانی بہنے لگا

”کیا مسئلہ ہے تمہیں کیوں دماغ خراب کر رہی ہو تم اپنا بھی اور میرا بھی۔“ وہ اس کی تکلیف اور آنسوؤں کو مکمل طور

پر نظر انداز کیے ہوئے تھا۔

”آپ ایک انتہائی مغرور اور خود پسند انسان ہیں میں کیوں جواب دوں آپ کو؟ میں جس کے ساتھ مرضی آؤں

جاؤں آپ کو کیا فرق پڑتا ہے خیر دار آئندہ میرے کسی بھی معاملے میں انٹرفیئر کرنے کی کوشش کی تو۔“ بازو کو دوسرے

ہاتھ سے دباتے وہ نئی سے کہہ رہی تھی۔ ولید نے غصے سے اسے گھورا۔

”دماغ خراب ہو چکا ہے تمہارا۔ کون سا غرور اور خود پسندی دیکھ لی تم نے میرے اندر؟“ ولید کا انداز بے انتہا سنجیدہ

تھا۔

”ہاں ہو چکا ہے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔“ وہ بالکل بدلتا لٹی سے مخاطب تھی۔ ولید نے چند لمحے تاسف سے اسے

دیکھا۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی بد دماغ لڑکی ہو سکتی ہو۔“

”چلیں اب تو پتا چل گیا ہے نا ویسے بھی زبردستی گلے پڑاڑھوں بھانا بڑ رہا ہے آپ کو میری تمام خامیوں کا علم ہو چکا

ہے فیصلہ کر کیوں نہیں لیتے پھر۔“ وہ تو جیسے ایک دم دھوکہ انداز پر اتر آئی تھی۔

”شٹ اپ۔“ اس کے الفاظ پر ولید ایک دم بیٹھا اٹھا۔

”واٹ آن ہنس، کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟“ لٹنی سے باز پرس کی تھی انا کے چہرے کی طرف بغور دیکھا تھا شاید کوئی

سراغ ہی مل جائے۔

”میرے دنتے سے ہٹ جائیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ چہرہ پھیرتے اس نے لٹنی سے کہا۔

ولید چند لمحے بہت تاسف سے کھڑا دیکھا رہا اور پھر لب بلبھی کرتیزی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔ انا نے غصے سے

اسے جاتے دیکھا تھا اور پھر تیزی سے وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی آئی تھی۔

❖❖.....○○.....❖❖

ولید کا غصہ۔ سے برا حال تھا وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور بڑی شدت سے انا کے رویوں کو محسوس کر رہا تھا۔ انا

پہلے ہی اس کی طرف سے خفگی کا اظہار کرتی تھی لیکن کسی بھی زیادہ لحاظ بدتمیزی والا انداز نہ تھا۔ جبکہ آج تو وہ مکمل طور پر بدلی ہوئی تھی۔ تو صرف اس بات کو لے کر بدظن ہو چکی تھی کہ اس نے انا کو کاشفہ کے بارے میں سب کچھ سچ بتا ڈالا تھا۔ اگر ایسی بات تھی تو کم از کم وہ اظہار تو کرتی۔ جبکہ وہ کہتی تھی کے پاس اس کے ہمراہی تھی تب تک وہ اس قدر خفا تو نہ تھی جس قدر اب عسوس ہو رہی تھی۔

ولید کو اس کی اس درجہ شدید خفگی کی کوئی خاص وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی سوائے اس کے کہ وہ اس کو کاشفہ کے بارے میں بتا چکا تھا۔ وہ بہت دیر تک الجھتا رہا تھا لیکن انا کی خفگی کا کوئی سراہا تھا نہ لگا تو وہ کمرے سے نکل آیا تھا۔ شام کا وقت تھا بابا لان میں بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں کوئی اخبار تھا۔ وہ ان کے پاس آ گیا وہ آج آفس سے جلدی اٹھ گیا تھا صرف اپنے اس ذہنی غلجوان سے بچنے کے لیے لیکن گہرا کرانا کے رویے والے کراؤڈ سٹرب ہو گیا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے بابا؟“ ان کے پاس بیٹھے اس نے مسکرا کر پوچھا۔

انہوں نے اخبار سائیڈ پر رکھتے اسے مسکرا کر دیکھا۔

”کچھ خاص نہیں صبح کا باسی اخبار ایک بار پھر دیکھ رہا تھا۔“

”تائس اٹھا مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں کہو۔“ ولید ایک پل رکا انداز سوچنے والا تھا ضیاء صاحب نے بغور دیکھا تھا۔

”کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے کیا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“

”تو پھر۔“

”آپ نے مجھ سے انا کے بارے میں بات کی تھی نا۔“ اس نے ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔

”انا کے بارے میں؟“ انہوں نے نا سنجی سے دیکھا۔

”آپ بناوی کا ذکر کر رہے تھے۔“

”ہاں تو؟“

”میں ریڈی ہوں۔ آپ پھوپھو سے بات کر لیں اور جب بھی آپ کا موڈ ہوتا سچ رکھ لیں۔“ اس نے سنجیدگی سے

کہا تھا ضیاء صاحب ایک دم خوش ہو گئے تھے۔

”کیا واقعی؟“ وہ بے یقین تھے۔

”بالکل۔“ وہ سنجیدہ تھا۔

”جیتے رہو تم نے تو میرے دل کی خواہش پوری کر دی ہے میں آج ہی صبحی اور وقار سے بات کرتا ہوں۔“ وہ ایک

دم پر جوش ہو گئے تھے۔ ولید مسکرا دیا۔

”میں نے آپ کو کہا تو تھا کہ میں سوچ کر آپ کو بتا دوں گا۔“

”بہت اچھا فیصلہ کیا تم نے۔“ وہ واقعی بہت خوش تھے۔ وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔

”لو کے مجھے کسی کام سے کہیں جانا ہے پھر بات ہوگی۔“ وہ کہہ کر کھڑا ہوا تو انہوں نے سر ہلایا وہ کی چین ہلاتا اپنی

گاڑی کی طرف بڑھا تھا وہ مسکرا کر اسے جاتا دیکھتے رہے تھے۔

❖❖.....○○.....❖❖

وہ آف ٹائم سے پہلے سرعہ اس کے روم میں آئی تھی۔

حدیث رسول ﷺ

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں حضور ﷺ سے صحابہ آرام نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس دینار اور درہم اور سامان دنیا نہ ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری امت کا مفلس شخص وہ ہے جو کہ قیامت کے دن نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اور دیگر بہت سی مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی ایسے دوسرے حق والے کو اس نیکیوں میں سے (اس کے حق کے مطابق) نیکیاں دی جائیں گی پھر اگر دوسروں کے حقوق چکانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو گئیں تو (ان کے حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کیے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

شمینہ مغل..... ایبٹ آباد

”سر مجھ سے ایک ضروری بات کرنی ہے اگر آپ فری ہیں تو میں بات کر لوں۔“ اس نے کہا تو عباس نے

اسے دیکھا۔

”بیٹھیں۔“ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

”جی کیسے..... کیا بات ہے آپ کچھ ابھی ہوئی ہیں۔“

”وہ مجھ سے آپ کو انکار کرنا تھا کہ میں یہ جاب چھوڑنا چاہتی ہوں۔“ عباس چونکا۔

”کیوں بھئی تیریت؟“

”جی سر، وہ دراصل میری شادی کا سلسلہ چل رہا ہے تو ای چاہتی ہیں کہ میں اب جاب چھوڑ دوں۔“ جھجکتے ہوئے

اس نے کہا تو عباس خاموش رہ گیا بہت سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا تھا۔

”کب ہے شادی؟“

”شاید اسی یا نیکسٹ منٹھ۔“

”لیکن ارجنٹل تو جاب نہیں چھوڑ سکتیں آپ۔“ عباس کا لہجہ آہ دم پر فیشنل ہو گیا تھا۔

”اسی لیے تو نوٹس دے رہی ہوں۔“ عباس خاموش ہو گیا۔

”کہاں ہو رہی ہے آپ کی شادی؟“ کچھ توقف کے بعد عباس نے پوچھا۔

”آپ ابو بکر کی جانتے ہیں ان سے ملے بھی ہیں وہی ہیں۔“ عباس نے سر ہلایا۔

”نأس مین چپ ابو بکر تو، او کے گڈ لک۔“ عباس نے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔

”او کے آپ نوٹس ٹائپ کر کے دے دیں میں ہا ہا کو فارورڈ کر دیتا ہوں۔ آپ کی موجودگی میں ہی کسی اور ایپلٹائی کا

بندوبست کر لیتے ہیں۔ آپ اسے فرینڈ کر دیجیے گا لیکن آپ سے یک گل ہے؟“ عباس نے بات کرتے کرتے ایک دم

سنجیدگی سے کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

”جی سر۔“

”آپ کی شادی کا سلسلہ چل رہا تھا آپ بروقت انفارم کر دیتیں اب ایک دم بتا رہی ہیں تو حیرانی ہو رہی ہے

مجھے۔“

”ایم سوری سر لیکن یہ ہمارا گھریلو ایٹو تھا آفس میں اپنے ایٹوز ڈسکس کرنا مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ اب جبکہ میں بتا چکی ہوں اور زبیر بھی دے رہی ہوں فوری نہیں چھوڑ رہی۔ جب تک آپ کے روٹر کے مطابق ڈوریشن کاپیٹ نہیں ہو جاتا میں جا ب پر آتی رہوں گی۔“ اس نے سنجیدگی سے سب کہہ دیا تھا عباس خاموش ہو گیا تھا۔

”سر میں جاؤں اب؟“ وہ کھڑی ہو گئی تو عباس نے سر ہلادیا۔ وہ اٹھ کر نکل آئی۔

یہ لڑکی اپنے انداز و اطوار سمیت دل کو اچھی لگی تھی لیکن اب اس کی شادی کا سن کر دل کو ناگواری سی ہو رہی تھی۔ ایک دم عباس کا موزہ نارمل ہوا تھا۔ وہ لب بھینچ کر سر جھٹک کر دوبارہ اپنی فائلز کی طرف جھک گیا تھا۔

❖ ❖ ○ ○ ❖ ❖

اس کی گھر آ کر بھی مصطفیٰ سے بات ہوئی تھی اس نے کل واپسی کا بتایا تھا وہ چینیج کر کے روم سے باہر آ گئی تھی آج دوپہر میں شائستہ بھابی اور حماد آئے ہوئے تھے گھر واپسی تک وہ لوگ جا چکے تھے وہ کچن میں آئی تو ماں جی موجود تھیں۔

”السلام علیکم۔“
 ”وعلیکم السلام جیتی رہو کیسا گزرا آج کا دن؟“ انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔
 ”اچھا گزر گیا۔“
 ”طبیعت ٹھیک رہی۔“

”جی۔“
 ”کچھ کھاؤ گی؟“ انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔
 ”میں خود لے لیتی ہوں آپ آرام کریں۔“
 ”تم بیچر میں نکال دیتی ہوں۔“ انہوں نے محبت سے کہا تو وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔
 ”مصطفیٰ سے بات ہوئی۔“ انہوں نے کھانا گرم کرتے ہوئے پوچھا۔
 ”جی۔“

”کب تک واپس آ رہا ہے؟“
 ”کل زبیر آنے کا کہہ رہے تھے۔“

”ایک تو میں مصطفیٰ کی اس جا ب کے حق میں نہ تھی۔ صرف اس کے باپ کی وجہ سے خاموش رہی اور اب نہ دن کا پتہ نہ رات کا۔ ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں کچھ تعزیاں بڑھا لیتا تو کیا جاتا اور پر سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے مجھے انتہائی مان میں رکھے تا مین۔“ کھانا گرم کرتے ہوئے وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتی رہی تھیں۔

بہر حال مصطفیٰ کو مس تو وہ بھی کر رہی تھی لیکن سب کی طرح بر ملا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

”واپس آتا ہے تو میں اسے کہتی ہوں چند چھٹیاں لے لے اور تمہیں گھمانے پھرانے لے جائیں۔ سبھی لوگ رشتہ دار دعوتوں پر بلارہے ہیں میں تو تمہاری اور مصطفیٰ کی طبیعت کی وجہ سے ٹال رہی تھی عائشہ اور صبا بھی کہہ رہی تھیں کہ تم کو ان کے ہاں ایک دو دن کے لیے بھیجوں، تمہاری طبیعت بھی سنبھل جائے گی۔“ گرم کھانا لا کر اس کے سامنے رکھتے انہوں نے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

”جی ٹھیک ہے وہ آئیں گے تو کسی چھٹی والے دن چلے جائیں گے۔“ انہوں نے محبت سے شہوار کو دیکھا۔ ذاتی طور پر انہیں شہوار بہت پسند تھی۔

دیسے۔ سے بولنے والی اپنی ذات تک محدود رہنے والی عادلہ کے بعد تو انہوں نے ہمیشہ شہوار کو مصطفیٰ کا سوچا تھا

فزل
 فکر ملاقات کبھی تو ان کو ستاتی ہوگی
 کبھی تنہائی میں یاد بھی زلاتی ہوگی
 جب خیالوں میں ہوتی ہوگی ملاقات ہم سے
 پھر دیوانی سی حالت ہو جاتی ہوگی
 پاس ہوں تو کسی بات کی فکر نہیں ہوتی
 پھرتے وقت جدائی بھی تڑپاتی ہوگی
 ماما کہ ان کو ہم سے محبت نہیں ندیم
 مگر گزرے لحوں کی یاد تو آتی ہوگی
 ملک ندیم عہاس..... ڈھکوسا ہوا

حقیقی طور پر تائبندہ کے چلے جانے سے شہوار جس طرح بکھری تھی ان کا دل اس کے لیے مزید نرم ہو گیا تھا۔
 ”خوش رہا کر، تم میرے بیٹے کی خوشی اور میرے گھر کی رونق ہو۔“ اس کے پاس ہی بیٹھے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو شہوار کی آنکھیں بھیگ گئیں تھی۔
 ”آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ اور لائیبہ بھائی نہ ہوتیں تو شاید می کے جانے کا سن کر جس طرح میں بکھری ہوں کبھی سنبھل نہ پاتی اور نجانے کہاں ہوں گی۔“ وہ ان کا ہاتھ تھام کر ایک دم رو دی تھی۔ یہ حادثہ تو اس کے دل کا روگ بنتا جا رہا تھا۔

”ارے..... ایسا نہیں کہتے۔“ انہوں نے ساتھ لگا لیا۔
 ”تم ہمیں ہمیشہ سے ہی عزیز ہو اور رہو گی یہ گنی تائبندہ کی بات میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ اس نے بلا سوچے سمجھے کوئی قدم نہ اٹھایا ہو گا وہ کوئی ایسی ویسی عورت نہ تھی۔ وہ باعزت اور حیا دار عورت تھی ایک عرصہ ہمارے ساتھ گزارا ہے اس نے۔ بہنوں کی طرح عزیز تھی وہ مجھے تم فکر نہیں کیا کر وہ آ جائے گی۔“ اس کو دلا سدیجے آنسو صاف کرتے انہوں نے کہا تو وہ خاموش ہی رہی۔

”آپ بہت اچھی ہیں اگر آپ نہ ہوتیں تو میرے لیے ان حالات میں جینا مشکل ہو جاتا۔“ وہ دل سے ان کی اچھائی کی معترف تھی۔

”سب کے ساتھ نیکی کرنے والی بس اللہ کی ذات ہے، میں تو اس کی عام سی بندنی ہوں۔ بس تم اور مصطفیٰ مجھے بہت عزیز ہو بہت ارمانوں سے میں تمہیں بیاہ کر اپنے گھر لائی ہوں میری دعا ہے اللہ تمہیں ہمیشہ ہنستا مسکراتا اور آباؤ داد رکھے، آمین۔“ انہوں نے دل کی گہرائیوں سے دعا دی۔ شہوار کو لگا کہ وہ ایک دم نہال ہو گئی ہو۔ سرکتی ہوئی زمین پھر سے اس کے پاؤں تلے آگئی ہو۔

”کبھی بھی خود و تنہا مت سمجھنا تم میرے لیے بہو سے بڑھ کر میری بیٹی ہو کبھی بھی یہ خیال مت کرنا کہ تمہارا کوئی سیکہ نہیں ہے مصطفیٰ کوئی زیادتی کرتا ہے تو ڈائریکٹ مجھ سے کہنا فوراً اس کے کان کھینچوں گی۔ کوئی زیادتی نہیں ہونے دوں گی تمہارے ساتھ۔“ ان کی اس قدر محبت کی وجہ سے آنکھیں بھر آئی تھیں۔ انہوں نے محبت سے اس کی آنکھیں صاف کی تھیں۔

”کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے پہلے یہ کھا لو اتنے دنوں میں دیکھو کیسی کمزور ہو رہی ہو یہ سارا ختم کرنا ہے اور اپنی صحت کا خاص خیال رکھا کرو میرا مصطفیٰ ہمیشہ فریش رہنے والا انسان ہے میں چاہتی ہوں میری بہو بھی اسی طرح فریش اور تروتازہ رہے۔“ وہ تھینب گئی۔

وہ واقعی خوش قسمت تھی کہ ماں کے بعد اسے واقعی ماں کی طرح محبت کرنے والی ہستی ملی تھی۔
”آپ بہت اچھی ہیں۔“ وہ بے اختیار کہہ اٹھی تھی وہ ہنس دئی تھیں۔

”جلدی سے کھانا ختم کر لو میں ملازمہ کو بھیجتی ہوں وہ تمہیں چائے بنا کر دیتی ہے۔“ وہ کہہ کر چلی گئی۔
دل و دماغ سے تمام بوجھ سر کے محسوس ہوئے تھے۔ اسے لگا کہ جیسے ماں جی کی محبت نے اس کے دل کو بہت سارا نہال کر ڈالا ہے۔ وہ ایک دم فریش ہوئی تھی۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی ان حالات میں ان جیسے پر خلوص محبت کرنے والے لوگوں کا ساتھ میرا آنا بھی ایک نعمت سے کم نہ تھا۔



وہ دل دماغ سے تمام بوجھ ہٹا کر کھانے کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو چکی تھی۔ ولید شادی کے لیے راضی ہے ماموں نے بابا پاپا سے بات کر لی تھی ان کو بھلا کب اعتراض ہو سکتا تھا اتنا کو علم ہوا تو وہ ایک دم ساکت ہو چکی تھی۔ وہ ولید سے لاکھ بدظن سہی لیکن دل میں کبھی بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ تعلق ختم ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔
وہ تو ایسی دیوانی تھی کہ ہر حال میں ولید کو پانا چاہتی تھی لیکن اب ایسے عالم میں اس کو لگ رہا تھا کہ اس کا دل بالکل ویران بن چکا ہے طرح ہے جہاں کوئی احساس کوئی جذبہ باقی نہیں رہا۔ ولید کے منہ سے کافقہ کے متعلق سن کر وہ شاک میں آئی تھی لیکن بدظن نہ ہوئی تھی مگر کافقہ کی زبان سے وہ سیکھتے زہریلے الفاظ سن کر وہ بالکل ہی ڈھس گئی تھی۔

ولید کافقہ کو پسند کرتا ہے اس کو محض اپنی بہن کی خاطر قبول کر رہا ہے یہ ایسی حقیقت تھی جس نے اس کے اندر گویا ہر احساس ختم کر ڈالا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ حج حج کر دے، چلائے اپنے اندر کا سارا غبار نکال دے لیکن وہ اپنی ذات سے لڑائی رہا رہی تھی جو کسی بھی طور ولید سے دستبرداری کے لیے آمادہ ہی نہ تھی۔ اور اب یہ شادی کا سلسلہ کیا ولید واقعی جسٹ کپور دماغ کر رہا ہے وہ اصل میں کافقہ کو پسند کرتا ہے اور محض روشی کے لیے اسے قبول کر رہا ہے۔

اگر یہ سچ ہوتا تو کیا ہوگا کیا وہ واقعی ہمیشہ کے لیے ولید کی محبت سے محروم رہے گی کافقہ نے ولید کے لیے خودکشی کی تھی ولید نے خریدنا یا تھا۔ کافقہ ولید کی محبت میں اتنا آگے بڑھ چکی تھی تو کیا واقعی اس سارے میں ولید بھی انوا لو تھا۔ وہ سوچ سوچ کر بھینسے گی تو کمرے سے نکل آئی تھی۔ رات کا وقت تھا ابھی اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ وہ راہداری سے گزرتے رک گئی تھی ولید نے وی لاؤنج میں صوفے پر لیٹا ہوا تھا سامنے ٹی وی چل رہا تھا وہ کئی ٹائپے تک وہیں منجمد کھڑی دیکھتی رہی تھی۔ ٹی وی پر کوئی ٹاک شو چل رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اندر آ گئی تھی۔ ولید اسی طرح لیٹا ہوا تھا وہ قریب آئی تو پنا چلا وہ سوچا ہے اس کا موبائل نیمل پر پڑا ہوا تھا۔

وہ خاموشی سے سائیز صوفے پر بیٹھ گئی تھی اس نے اس کا موبائل اٹھا لیا تھا کچھ سمجھ نہ آئی تو وہ موبائل چیک کرنے لگی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ موبائل چیک کرتے وہ ولید کو بھی دیکھ رہی تھی وہ مکمل طور پر نیند میں تھا۔ کافقہ کی کئی کالز تھیں ریسیور مسڈ کالز اس کا دل پھر ایک دم اچاٹ ہونے لگا تھا۔ کافقہ کے ان گنت میسجز ان باکس میں تھے۔ بہت ساری شاعری تھی ایک میسج پر وہ ٹھنک گئی تھی۔

”مجھے اس طرح تم اس مقام پر آ کر چھوڑ نہیں سکتے تم مجھے چھوڑ بھی دو تو بھی میں اب تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی تم نے مجھے غلط بیچ کیا ہے میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھے ہو اور میں جو ہوں وہ تمہیں بہت جلد بتا چل جائے گا۔“ عجیب سا میسج

میرے دل کی آواز
 ○ بے حیائی کی انتہا ہوتی ہے جب باپ بیٹی کو گالی دیتا ہے۔
 ○ کسی کا باطن معلوم کرنا چاہو تو اس کے غصے کا انتظار کرو۔
 ○ اپنے خلاق کو پھولوں جیسا بنا لو جو دوسروں کی روح کو سحر کر دے۔
 ○ کسی کے ٹکڑوں پر نظر رکھنے سے اچھا ہے کہ خود محنت کر کے دوسروں کی مدد کرو۔
 ○ نفس کی مانو گے تو تباہ ہو جاؤ گے کیونکہ شیطان کا شکار ہمیشہ نفس ہوتا ہے۔
 ○ اپنی زبان کو قابو میں رکھو ایسا نہ ہو کہ مد مقابل مجبور ہو کر تمہیں نقصان پہنچا دے اور تمہاری عزت نفس کو ٹھیس پہنچا دے جس کی یاداش میں تمہارا ضمیر ملامت کرے۔
 ○ صرف آنکھوں کو حیا کی ضرورت ہے، ہورنہ پردہ تو دل کا ہی کافی ہے۔

تھا۔ وہ الجھتی تھی۔ اس نے ولید کو دیکھتے اگلا توجہ اپنی طرف کیا تھا۔
 ”میں تمہاری خاطر بدلنے کو تیار ہوں، ولید پلیز ایک ہارتم میری بات سن لے، آئی سویر میں تمہاری خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، پلیز مجھے اس طرح رجسٹر کر دو۔“ وہ الجھتی تھی اس دن کا صفحہ کچھ اور انداز میں کہہ رہی تھی اور آج اس کے الفاظ کچھ اور تھے۔ اس نے ایک اور توجہ اپنی طرف کیا تو مسمکھی۔
 ”تم یہ سب اس لیے کر رہے ہو کہ وہ تمہاری بہن کی تندہ ہے ورنہ تم نے ہمیشہ مجھ سے فرینڈ شپ رکھی تھی اب اپنی بہن کے لیے تم مجھے چھوڑ رہے ہو۔“ انا کا دل خراب ہونے لگا تھا۔
 وہ کاغذ کا نمبر نوٹ کرتے موبائل واپس نیبل پر رکھتے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید کو دیکھا وہ سو رہا تھا۔ اس نے لب بھینچ کر پی وی آف کیا تھا اور باہر نکلنے سے پہلے لائن آف کی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ بند کرتے وہ واپس اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ بستر پر اس کا موبائل پڑا ہوا تھا۔ اس نے ذہن میں نوٹ شدہ نمبر سیل پر ڈائل کیا اور خاموشی سے دوسری طرف ہونے والی کال بیل سننے لگی تھی۔

❖ ❖ ❖ ❖

اس کی مصطفیٰ سے بات ہوئی تھی مصطفیٰ نے بتایا تھا کہ وہ کل لیٹ ہو جائے گا شاید صبح نہیں شام کٹائے۔ شہوار کا دل مصطفیٰ کی یہ بات سن کر ایک دم بچھ سا گیا تھا۔ تین چار دن ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے اسے لگ رہا تھا کہ جیسے صدیاں بیت گئی ہیں اس نے مصطفیٰ سے کچھ نہیں کہا بس خاموش ہو گئی تھی۔
 اس کا بچھیلے دنوں سے بہت سارا حرج ہو چکا تھا وہ اپنی بکس لے کر بیٹھ گئی تھی۔ تین چار گھنٹے وہ اپنی بکس کے ساتھ دماغ کھاتی رہی تھی۔ وہ سونے کا سوچ کر اٹھی تو اس کے موبائل پر پیج ٹون بجنے لگی۔ کتابیں سمیٹتے اس نے سیل دیکھا مصطفیٰ کا پیج تھا۔ مصطفیٰ کا نام دیکھ کر اس کے ہونٹ مسکرائے تھے۔

”کیا کر رہی ہو؟“

”کچھ نہیں بس پڑھ رہی تھی۔“ اس نے رہنمائی کیا۔

”کیا پڑھ رہی ہیں۔“

”اسٹڈی کر رہی تھی۔“ اس نے کراؤن کے نیچے سے کمر نکالتے بڑے ریٹیکس موڈ میں جواب دیا۔

کچھ بچھیلے دنوں سے مصطفیٰ کی غیر موجودگی کا احساس اور کچھ آج ماں کی باتوں کا اثر تھا اس کا رویہ ایک دم بڑا

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 185

مقاہمت آمیز تھا۔

”میرا بہت سارا خرچ ہو چکا تھا سو جا اسٹڈی کو بھی اب برابر نام دیا کروں۔“ اس نے نیکسٹ میسج کیا۔
 ”سبھی کی فکر ہے صرف میری ہی فکر نہیں ہے۔“ مصطفیٰ کا میسج آیا تو وہ خاموش ہو گئی اب بھلا جواب میں کیا لکھتی؟
 کتابیں اٹھا کر اس نے سائٹل پر رکھ دیں نماز پڑھ چکی تھی سو وہ وہیں سیم دراز ہو گئی تھی۔

”رہلائی تو کرو۔“ اس کی خاموشی پر دوسرا میسج آیا۔

”مجھے ڈسٹرب مت کریں آرام سے اسٹڈی کرنے دیں۔“ سکر کر ٹائپ کرتے اس نے سینڈ کیا۔

”او..... ظالم لڑکی..... کیا میں تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہوں؟“ ناراضی والی اسمائیلز تھیں وہ ہنس دیں۔

”تو اور کیا، دھیان سے پڑھنے ہی نہیں دے رہے۔“ وہ بھی ایک دم بہادر بنی تھی۔

”کبھی اتنے دھیان سے میری جان مجھے پڑھو نا۔“ عجیب سا میسج تھا وہ ایک دم سرخ پڑ گئی وہ کئی ٹاپے تک موبائل کی

اسکرین پر جھگمگائے لفظوں کو دیکھے گئی تھی۔ میسج ٹون ایک بار پھر بجی تو وہ چونکی۔

”کیا ہوا؟“ ایک میسج پھر آ گیا تھا۔

”کیا مجھے پڑھنے کا موڈ نہیں۔“ ساتھ خوب صورت اسمائیلز تھیں اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”آپ تو اتنی دور بیٹھے ہوئے ہیں آپ کو کیسے پڑھوں؟“ وہ جانتی تھی وہ کیا ٹائپ کر رہی ہے لیکن اس وقت اس پر

مصطفیٰ کا احساس حمل طور پر حاوی تھا اس نے میسج سینڈ کر دیا۔

”اف..... کیا ڈائلاگ مارا ہے۔ دل تو کر رہا ہے اڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں پھر دیکھوں محترمہ شہوار صاحبہ مجھے

کیسے پڑھتی ہیں۔“ شہوار کا رنگ ایک دم سرخ انار کی طرح دکھنے لگا تھا کافی دیر تک خاموش رہی تھی۔

”اچھا بس اب مجھے نیندا رہی ہے۔“ کچھ سوچتے اس نے رہلائی کیا۔

”لیکن ابھی تو تم خود ہی کہہ رہی تھیں کہ پڑھ رہی ہو اور میں تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہوں۔“ جواب فوراً حاضر تھا۔

”لیکن اب نیندا رہی ہے سونے لگی ہوں آپ بھی سو جائیں اللہ حافظ۔“ اس نے فوراً بات ختم کرنا چاہی۔

ابھی وہ سیدھی ہی ہوئی تھی موبائل بجنے لگا تھا اب کے مصطفیٰ کی کال تھی۔ وہ ایک دم سرخ پڑ گئی تھی۔ لڑتے ہاتھوں

سے اس نے کال ریسپونڈ کی اور خاموشی سے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

”شہوار۔“ مصطفیٰ نے رکارا۔

”جی۔“ وہ ایک دم بہت کنفیوز ہوئی تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

”تم شرماتی ہو؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔ شہوار کو خونخوہا برا لگنے لگا۔

وہ اتنی دور تھا کون سا قریب تھا جو وہ ایسے ہی ایکٹ کر رہی تھی کم از کم بات تو کر ہی سکتی تھی۔

”نہیں تو۔“ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

”اچھا میں سمجھا کہ شاید میرے ڈائلاگز مارنے پر تم شرماتی ہو، سوچا کال کر لوں علم تو ہو کہ کیسے شرماتی ہو تم، میرے

سامنے تو تم ہیٹھ خونخواری کی طرح ری ایکٹ کر رہی ہو سوچا یہ شرمانے والا سٹیج بھی نوٹس کروں کیسا لگ رہا ہے۔“

اف یہ مصطفیٰ اور اس کی باتیں وہ حقیقتاً شرمندہ ہو گئی تھی۔

”آپ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔“ وہ فوراً برامان گئی۔

”وللہ..... اتنا بڑا الزام..... اتنے دور بیٹھے شوہر پر ایسا الزام لگا رہی ہو اب تو حسرت ہی ہے۔“ مصطفیٰ رات کے

اس لمحے اس پر جوش تھا کہ شہوار کی تمام حساسیات یک دم لیل ہو گئی تھیں۔

”اچھا یہ بتاؤ مجھے مس کر رہی ہو؟“ وہ بالکل خاموش تھی اس کی خاموشی قیل کرتے مصطفیٰ نے ٹریک بدلا تھا۔ وہ اور کنفیوژ ہو گئی تھی۔

”نہیں۔“ اس نے خود کو سنبھالتے کہا تھا۔ مصطفیٰ ہنس دیا تھا۔ بڑی جو نثار اور کھکتی ہنسی تھی شہوار کا دل ایک دم بے انتہا شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔

”جو تھوٹ بولتا ہے وہ سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔ کبھی دل کی بات بھی کہہ دیا کرو۔“ مصطفیٰ نے چھیڑا۔
”میرا دل مکمل طور پر میرے کنٹرول میں ہے مجھے خواہ مخواہ پزل نہیں کریں۔“ وہ کون سا قریب تھا خود کو سنبھالتے چڑ کر بولی۔

”ذرا یہی ڈائلاگ دل پر ہاتھ رکھ کر کہو نا۔“ مصطفیٰ کے لب و لہجہ میں ایک دم ہزار ہاں جذبوں کی گراہٹ اور نرمی دہرائی تھی۔ وہ مکمل طور پر پزل ہو گئی تھی۔
”مصطفیٰ پلیز۔“ وہ ہنس دیا تھا پر جوش زندگی کی حرارت سے بھر پور ہنسی۔ شہوار کا دل جیسے بے قابو ہو گیا تھا۔
”تو پھر کہو نا دل پوس کی؟“

”مجھے نیندا رہی ہے، اللہ حافظ۔“ اس نے فوراً کال بند کرنا چاہی تھی۔
”بڑی ظالم ہو خیر واہیں آ کر اچھی طرح خبر لوں گا اتنی دور تر تے سلتے شوہر کے لیے دو لفظ بھی بولنے کو تیار نہیں، یار شوہر ہوں تمہارا تمہاری ذات پر پورا اختیار ہے میرا اب ایسی بھی کیا بے گامی۔“ مصطفیٰ کا انداز ایک دم روٹھا روٹھا سا تھا۔

شہوار کا دل ایک دم بے چین ہو گیا تھا تاہم وہ لب کھلتے خاموش رہی تھی۔
”او کے کل واپسی پر بات ہوگی اپنا خیال رکھنا خواہ مخواہ کی کوئی بات نہیں سوچنا ٹھیک ہے۔“ اگلے ہی پل مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ پریشان ہو گئی تھی مصطفیٰ کی سنجیدگی اس کے دل میں ایک دم بوجھ بڑھانے لگی تھی۔
”آپ خفا ہو گئے ہیں۔“ اپنی تمام انا کو پس پشت ڈالتے اس نے فوراً پوچھا۔
”تمہیں میری خفگی کی کوئی پروا ہے کیا؟“ سنجیدہ انداز تھا۔ وہ فوراً پریشان ہو گئی۔

”دیکھیں مصطفیٰ ایسے مت کریں آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کس حراج کی ہوں آپ اس طرح ناراض ہو کر کال بند کریں گے تو میں ساری رات سو نہیں پاؤں گی۔“ وہ لاشعوری طور پر اتنا بڑا اظہار کر گئی تھی کہ دل میں مصطفیٰ کی خفگی کا احساس ایسا شدید تھا کہ اسے خود بھی پتا نہیں چلا تھا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے۔

”ارے..... پھر کہو ذرا کیا کہا ہے؟“ مصطفیٰ تو ایک دم نہال ہو گیا تھا۔ ”شہوار، ہونا پھر سے؟“ وہ فوراً بے قرار ہوا تھا پھر بیکار تو شہوار چوکی تھی۔ شہوار کو ایک دم احساس ہوا تھا وہ کیا کہہ گئی ہے۔

”مجھے نہیں پتا اب مجھ سے بات نہیں کیجیے گا۔“ وہ ایک دم خود سے بھی خفا ہو گئی تھی فوراً کال بند کر دی تھی اتنی شرمندگی لیل ہونے لگی تھی اسے اب خود پر غصا رہا تھا سنبھالنے مصطفیٰ نے کیا سوچا ہوگا۔ اگلے ہی پل مصطفیٰ کا سٹیج آ گیا تھا۔
”تھینک یو سوچ سوچ ہارٹ..... لو یو.....!“ ساتھ ساتھ ہلکے خوب صورت بھر پور وہ اور سرخ ہو گئی تھی پھر سٹیج آیا تھا۔

”ہیو یو سوٹ ڈر، بزم، مس یو۔“ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے اس اظہار پر مصطفیٰ کس قدر خوش ہوا ہوگا مصطفیٰ کا سوچتے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ سٹائی تھی۔



وہ مہربان کان سے لگائے سن رہی تھی۔
 ”ہیلا! کون.....!“ نسوانی آواز پر وہ سنبھلی تھی۔
 ”کافہ بول رہی ہیں؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
 ”ہاں..... لیکن تم کون؟“

”انا بات کر رہی ہوں، ولید ضیا احمد کی کزن۔“
 ”او.....“ دوسری طرف فوراً پہچان لیا گیا تھا۔

”ولید اور میری شادی کی بات چل رہی ہے لیکن اس سے پہلے میں تم سے چند باتیں پوچھنا چاہتی ہوں تم نے اس دن پھولوں کی دکان پر جو کچھ کہا وہ کس حد تک سچ ہے۔“ انا کا انداز سنجیدہ تھا۔
 ”ولید سے پوچھو۔ وہ بتائے گا ہمارے درمیان کیا کچھ تھا۔“ دوسری طرف کے جواب نے انا کو ساکت کر دیا تھا۔
 ”کیا کچھ تھا؟“

”آپ لڑکی کسی لڑکے کے لیے جان سے ہاتھ دھونے کی کوشش کیوں کرتی ہے۔“ سلگتا انداز تھا۔ انا کو لگا اس کے جسم سے جیسے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

”مجھے یہ بتاؤ ولید بھی تم سے محبت کرتا تھا یا نہیں۔“ اسے اپنی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔
 ”تمہارے درمیان میں آنے سے پہلے تک مجھے بھی یہی یقین تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔“ الفاظ ایسے تھے کہ انا ایک دم بستر پر گر گئی تھی۔

”وہ اب تمہاری وجہ سے مجھے رو کر رہا ہے لیکن اب میں کسی بھی صورت اسے نہیں چھوڑوں گی۔ بہت فیمر ہو کر ولید کی طرف بڑھی تھی اس کی خاطر میں اپنی لمبی اپنی سوسائٹی اپنا سرکل سب کچھ چھوڑنے کو تیار تھی اور اس نے مجھے چیرٹ کیا۔ میں کئی بار اس کی طرف گئی۔ اس کے سامنے ٹر ٹرائی جب تم جیسی لڑکی متبادل مل رہی ہو تو پھر کون ماضی کی غلطیوں کو یاد رکھتا ہے۔“ وہ بے انتہا نفرت سے کہہ رہی تھی۔

”ولید کو کہہ دینا اب اس کے برے دن شروع ہو چکے ہیں۔ میرے ساتھ دھوکہ کر کے اچھا نہیں کیا۔ کافہ لوگوں کے دلوں سے کھینچتی تھی لیکن کوئی اس کے دل سے کھیل جائے اور وہ چپ چاپ سہہ لے ایسا نہیں ہوگا۔ اب وہ بھی انجام کے لیے تیار رہے، ایک ایک کر کے اس کے سب رشتے اس سے چھینوں گی تم بھی دیکھنا اور وہ بھی دیکھے گا۔“ نفرت و غر سے وہ کہہ رہی تھی ادھر کال بند ہو گئی تھی۔ انا کو لگا جیسے اس کا وجود بالکل ساکت ہو گیا ہے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



انتباہ
 ادارہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز کے تحت شائع ہونے والے پرچہ ماہنامہ نئے افق اور ماہنامہ آئین کی تمام تحریریں ادارہ کے پاس محفوظ ہیں اس لیے سلسلے دار ناول، ناولٹ، ناول یا افسانے کو انٹرنیٹ کے ذریعے کسی بھی سوشل میڈیا پیج، گروپ، ویب سائٹ، ویب پیج یا بلوگ پر اپ لوڈ کرنے کی زحمت نہ کریں۔ بصورت دیگر ادارہ مجرمانہ عمل پر قانونی کارروائی کرنے کا مجاز ہوگا۔



سوانح
ہادی
ڈاکٹر
کلام



مشق
الہدیہ

Copied From Web

WWW.PAKSOCIETY.COM

ساقی کی اک صدا کے افسانے بن گئے
 کچھ پھول ٹوٹ کر مرے پیمانے بن گئے
 کافی جہاں تصورِ جاناں میں ایک شب
 کہتے ہیں لوگ اس جگہ بت خانے بن گئے

چکروں سے دور رہو ہمیشہ..... ورنہ میری طرح خطی بن جاؤ گے۔“ وہ ٹالنے لگا۔ ساتھ ہی بڑی خوب صورتی سے بات بدلتی چاہی مگر علی کوئی اور بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔
 ”آپ نے بہت دیر لگا دی دعا دینے میں۔“ پھر گویا ناقابل یقین انکشاف کر گیا۔

”مطلب.....؟“ جس پر آرش چونکا۔

”مجھے محبت ہوگئی ہے۔“ مختصر آیتا۔

”کس سے.....؟“ وہ بے یقینی سے پوچھنے لگا۔

”اسے جانتا نہیں ہوں میں۔“ وہ بتانے لگا لہجے میں خود بخود شیریں سی گھل گئی تھی جسے آرش نے محسوس کرتے ہوئے بھی نظر انداز کیا۔

”کیا.....؟“ اور تب نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ”پھر کیسی محبت.....؟“

”شاید سچی محبت۔“ علی نے محض اتنا کہا۔

”تم ابھی سے پاگلوں والی بات کر رہے ہو۔“

”ابھی سے.....“ علی حد درجہ چونکا۔

”ہاں..... مت سوچو محبت کے بارے میں یہ سوائے روگ کے کچھ نہیں دیتی۔ ہر بار بار ہم جیسے اس محبت کے ہاتھوں تڑپتے ہیں۔ بہت ظالم چیز ہے یہ محبت برباد کر دیتی ہے سب کچھ۔“ آرش ایک دم جذباتی ہوا۔ علی نے قدرے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

”میں کیسے یقین کر لوں کہ محبت اس قدر ظالم ہوتی ہے؟“ پھر جان بوجھ کر سوال کیا اور اپنی بات جاری رکھی۔

”سب کے لیے تو یہ کبھی روگ ثابت نہیں ہوتی کسی کو ہر

”محبت نام اس ادھوری کہانی کا ہے جو انسان کے جیون میں گویا لکھ دی جاتی ہے جس کا آغاز تو کبھی کبھار بناء شور شرابہ کے ہو جاتا ہے مگر جوں ہی وہ کہانی آگے بڑھتی ہے اس کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے پھر افسانوں کی باتوں پر حقیقت اپنا آپ ظاہر کرنا شروع کرتی ہے تب اندر باہر کے موسم بدلتے ہیں۔ خواہوں کی دنیا خود بخود گھم جاتی ہے کہ محبت کی کہانی اپنی سچ سے پہلے ہی کسی نہ کسی حادثے کے زیر اثر آئے اپنے مسافر کو ہجر کے کریماک سمندر کی بے رحم موجوں کے حوالے کر دیتی ہے اور یوں ہر بار بار محبت کی کہانی ادھوری رہ جاتی ہے.....! نہایت نرم مگر ریاضیت بھرا لہجہ ایک پل میں اس کی کیفیت اس کے اندر کا حال بیان کر گیا تھا جس سے برسوں پرانے زخم گویا پھر سے تازہ ہوئے تھے۔

”بر بار..... بار بار.....“ جبکہ علی اس کے دل میں اٹھتے طوفانوں کی اصلیت سے ناواقف محض اتنا ہی بولا بلکہ اس کے الفاظ کو حیرت سے دہرانے لگا تو ایک دم آرش عباس بیگ نے اس کی طرف دیکھا پھر دل کی بدلتی چلتی کیفیت کو یکسر نظر انداز کر کے مسکرایا۔

”آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟“ علی نے عجب نظروں سے اسے دیکھا۔

”یہ ہنسنے والی ہی تو بات ہے۔“

”مطلب.....؟“

”کچھ نہیں..... تم نہیں سمجھو گئے ابھی نادان ہو محبت کی تکلیف دہ بار کیوں سے انجان ہو اور میری دعا ہے کہ تم ان

جاؤ گے۔“ وہ ہندیانی انداز میں گویا چلایا اور اپنی کہہ کر مزید وہاں نندا کا باہر نکل گیا۔

علی آج نئے سرے سے اس کی ذات میں الجھا سوچوں میں الجھل سی پگئی ایک ہی پرانا سوال ذہن میں گردش کرتا اسے سوچنے پر مجبور کر گیا۔

”اتنی نفرت محبت کے نام سے کیوں ہے آرش عباس بیگ کو؟“ وہ محض سوچ کر رہ جاتا کہ اپنے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا پر اسے جواب چاہیے تھا۔

آرش عباس بیگ اپنی حالت، کیفیت، تڑپ، کرب، عشق کی تنگنی، روح کی بے قراری، خمیر کی عدالت میں پچھتاوے اور محبوب سے جدائی کا ذمہ دار محبت کو سمجھتا تھا۔ اسی ہے وہ خود کو مزید اذیت دیتا۔ اپنے خالی ہاتھوں میں نظر آتے خون سے اپنے مجرم ہونے کا تصور کرتا مگر آج تک اس نے اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا جس کے رونما ہونے کے بعد وہ خود سے ہر ایک سے بیگانہ ہو گیا تھا۔

علی کی ملاقات تین سال قبل آرش سے ہوئی اور تب سے اب تک روزانہ ہوتی، کبھی کبھار دونوں سارا سارا دن ساتھ رہتے آرش علی کے اصرار پر اس سے ملتا اور علی پہلی ملاقات کے بعد سے اس کی ذات میں ایسا الجھا کہ پھر نکل نہ سکا۔ آرش کو لے کر اسے بہت تجسس تھا وہ اس کی آنکھوں میں چھائی ویرانی، چہرے پر بکھری الجھنوں اور اکتاہٹ، لب و لہجے میں اپنی ذات کے لیے بے زاری سے چونکا تھا۔ اس کی وجہ جاننا چاہتا تھا مگر آج تک وہ اس سب کی وجہ جاننے کی کوشش میں محض ایک بات کا اندازہ لگا پایا جس کا اکثر اوقات آرش عباس بھی تذکرہ کرتا اور وہ محبت تھی۔

آرش عباس بیگ کے دل میں محبت کے لیے بہت تنگی موجود تھی جس کے لیے علی بہت متشکر سا رہتا اور اب جبکہ علی خود محبت کا مسافر بن چکا تھا آرش کے دل میں موجود نفرت کی بابت اور اس حادثے کے متعلق جاننے کے لیے دن رات ایک کرتا اپنی آئندہ زندگی کا فیصلہ کرنے سے

بار بار نہیں کرتی پھر تب کیسے کہہ سکتے ہیں۔ میں نے بھی محبت کی اور اس سے کی ہے جسے میں جانتا تک نہیں ہوں پھر بھی اس کا احساس میرے دل کو شانت کیے ہوئے ہے میں مان ہی نہیں سکتا کہ محبت ظالم ہوتی ہے۔“ علی نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا مقصد اس کے مخالف جانا ہرگز نہ تھا بلکہ اس کے اندر چھپے راز کو جاننا اسے کرب سے نکالنا تھا جسے کئی برسوں سے وہ خود پر حاوی کیے تڑپ رہا تھا مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ بڑی مہارت سے دل کی تڑپ سہہ لیتا آج بھی وہ اندر سے بے قرار تو ضرور ہوا تھا مگر علی کی جذباتی باتوں کے مذہب اثر بالکل نہ آیا۔

”دیکھو علی! ابھی تمہاری ابتدا ہے، انتہا کو تم جان ہی نہیں سکتے اور شاید تم ٹھیک کہتے ہو کہ ہر کوئی عشق کی آگ میں نہیں جلتا لیکن ہر کوئی عشق کے کسی نہ کسی موڑ پر بے بس ضرور ہوتا ہے پھر اتنا بے بسی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی نظروں میں گر جاتا ہے فنا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے ہی محبوب کا مجرم قاتل بن جاتا ہے۔“ آخر میں اس کا لہجہ کچھکپاہٹ کا شکار ہوا تھا علی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید ضبط کی حدوں سے گزرتا اپنی بے بسی کا اظہار کر گیا تھا۔ ایسی بے بس جو اس کی زندگی کا بد صورت کر بنا کر حادثہ بن کر رہ گئی تھی۔

”محض محبت کے نام پر۔“ توقف کے بعد وہ ٹوٹنے لہجے میں بڑبڑایا۔ ”نفرت ہے مجھے محبت کے نام سے..... شدید نفرت۔“

”پر کیوں..... کوئی تو وجہ ہوگی۔“ علی نے نہایت یاسیت و تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”بے ناوجہ..... یہ محبت ہی تو وجہ ہے اسی کے ہاتھوں جان جاتی ہے بے یقینی بڑھتی ہے۔ میری نفرت کی وجہ ہے محبت میرے محبوب کی موت کی وجہ ہے یہی محبت..... اسی کے ہاتھوں میں نے اسے کھویا جو مجھے میری زندگی سے بڑھ کر تھی۔ جس کے بعد میں مجبور ہو کر رہ گیا ہوں سکون سے جی سکتا، عمل نہ حرام موت مر سکتا ہوں ایسی ہے یہ محبت..... مت پر داس کے چکروں میں ورنہ خالی ہاتھ رہ

ہو جاؤں گا..... پلیز معاف کر دو مجھے۔“ ندامت و شرمندگی سے چورنگا ہیں عرش پر نکائے وہ بانگل دیوانہ پاگل لگ رہا تھا لجاجت بھری گزارش کرتا اس کا دل اسے پر طول، غم زدہ کئے جا رہا تھا۔ اعتراف جرم سے بھی جس میں کمی نہ آتی تھی آنکھوں میں نمکین پانی جمع کیے وہ مسلسل اسوۂ سے ہم کلام تھا۔

مگر انہوں..... وہ آرش عباس بیگ کی دسترس سے دور بہت دور تھی۔

علی نے بریک پر پاؤں رکھا گاڑی بڑے آرام سے ایک جگہ رکی اس نے رست وایج پر نظر دوڑای تو خاموش لب ہولے سے مسکرا دیئے۔ وہ آنے ہی والی تھی جسے روزانہ علی اسی جگہ کھڑے ہو کر بس دور سے دیکھتا۔ اپنے دل کو تسکین پہنچاتا البتہ کبھی اس کے قریب جانے کی سوچتا بھی نہ جو پچھلے کئی ہفتوں سے اس کے دل کے سکون میں بالکل چھائے محبت کی خوشبو بکھیر رہی تھی اور یہ محبت یک طرفہ تھی۔

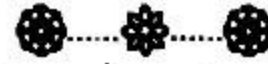
وہ لڑکی جس سے علی محبت کرنے لگا تھا اسے جانتا تک نہ تھا نہ اس کا نام نہ پتا..... وہ روزانہ صبح آٹھ بجے وہاں سے گزرتی، علی ہمیشہ اسے دیکھنے کے ساتھ اس کے متعلق سوچتا جانے وہ کس اسکول کالج میں پڑھتی تھی یا پڑھاتی تھی۔ صبح کی ٹائمنگ تو وہ جانتا تھا مگر وہ لڑکی واپس کس وقت آتی تھی اس کا علم علی کو نہیں تھا نہ اس متعلق کسی سے پوچھ سکتا تھا علی کی خود کی جانب ٹائمنگ صبح نو سے شام چار بجے تک تھی سو کبھی ایسا کوئی موقع ہی نہ ملا جس سے علم ہو سکے وہ پوری طرح متحوا نظر آتا تھا۔

نظر ہار بار رست وایج پر ڈالتا تقریباً پندرہ بیس منٹ معمول سے اوپر ہو چکے تھے مگر اس لڑکی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا وہ شکر سا گاڑی سے باہر نکلا اور گرد کھوجتی نظرس دوڑانے لگا جیسی ہواؤں نے رخ بدلا وہ یک دم واپس گاڑی میں آ بیٹھا۔ وہ آ رہی تھی برقعہ پہنے کندھے سے بیگ لٹکائے ایک ہاتھ سے چند کتابیں سنبھالے اور

انچل فروری ۲۰۱۵ء 192

پہلے تو ہر حال میں جاننا چاہ رہا تھا کہ کہیں کوئی حادثہ اس کے ساتھ بھی نہ ہو جائے۔

بہر حال آج کا دن بھی ایک ہی کشمکش میں ناکام گزرا۔



کوئی بھی چوٹ دل و دماغ پر اس وقت بُری طرح اثر انداز ہوتی ہے جب احساس میں شدت ہو جذبیوں میں انتہا اور تشنگی کے خیال سے روح میں بے قراری کی لہر دوڑ رہی ہو۔ ارنا ان سب کے بغیر دل صرف دھڑکتا ہے سانس چلتی ہیں مگر صرف زندہ رہنے کے لیے اور آنکھیں خواب بننے لگتی ہیں اگر کوئی فسوں خیز لہ اندر کی دنیا بدل دیتا ہے اور بعض آنکھیں جو کبھی کسی حسین احساس کو محسوس کر کے نہیں چمکتیں وہ ہمیشہ ساٹ رہتی ہیں بالکل اجازت ویران اور بے نوری..... مگر آرش عباس بیگ کی آنکھیں تمام رنگوں سے رنگنے کے بعد خواب بننے لگتے یک دم اپنی روش بدل گئیں اپنی چمک کھو کر ایسی اجڑی کہ اب ہر وقت متورم سی جلتی رہیں مگر اسے ذرہ برابر بھی پروا نہ تھی۔ علی کو وہ ہیں چھوڑ کر وہ باہر نکل آیا تھا کہ اندر چلتے طوفان شدت اختیار کرنے لگے تھے وحشتیں بڑھنے لگی تھیں ملال اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا طویل لمبی سڑک پر اٹھنے چھوٹے چھوٹے قدم غیر ارادی طور پر تھے۔ اسے لگا جیسے وہ کاتوں سے گزر رہا ہو تپتے انگارے اس کی راہ میں حائل ہو یک دم وہ کراہ اٹھا۔

”کتابا بد نصیب ہوں میں..... کاش اسوۂ تم نے مجھے معاف کر دیا ہوتا۔“ زریب بڑبڑاتا انداز و لہجہ بے حد نام و پچھتاؤں میں گھرا تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا پھر وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھنے لگا۔

”میں نے تم سے سچا عشق کیا تھا مگر میری بد نصیبی کہ میری وحشت، میرا سچا عشق تمہیں نکل گیا..... میں مجرم ہوں تمہارا واہس آؤ مجھے میرے کیے کی سزا دو یا ایک بار صرف ایک بار کہہ دو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا پھر میں ہر اذیت سے اس سستی زندگی سے نجات پا کر خود فنا

صدق زہرا حسنین

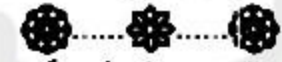
ڈیئر قارئین اور آنچل اشاف اسلام علیکم! میرا نام صدق زہرا حسنین ہے 16 اکتوبر کو شہر راولپنڈی میں جلوہ افروز ہو کر اس کی رنگینوں میں مزید اضافہ کیا (آہم)۔ اس لحاظ سے میرا اشار لبر ہے اب گھر والوں کا ذکر کروں ہم دو بہنیں اور پانچ بھائی ہیں۔ میں سب سے بڑی ہوں اور عارفہ سب سے چھوٹی ہے۔ میں بی ایڈ کر رہی ہوں اور عارفہ ابھی Prep II میں ہے۔ میرے بھائی نجابت انوار تو صیف ظفر اور مختیار سب مل کر ہم دونوں بہنوں کو بہت تنگ کرتے ہیں۔ میں امی ابو سے بہت پیار کرتی ہوں لیکن اظہار نہیں کرتی۔ لباس میں مجھے لائیک شرٹ ٹراؤزر اور فریک پینڈ ہے۔ رنگوں میں سرخ بہت متاثر کرتا ہے۔ کھانوں میں بریانی، مچھلی اور بھنڈیاں بہت پسند ہیں۔ کھیلوں میں کرکٹ پسند ہے اور جب پاکستان کا بیچ ہوتا ہے تب دیکھتی ہوں کرکٹرز میں مصباح الحق فیورٹ ہے۔ اداکاریوں میں شاہ رخ خان، فیصل قریشی، مسیح خان اور لڑکیوں میں کاجل صبا قریشی، عازہ خان فیورٹ ہیں۔ پارٹ بہت پسند ہے پارٹ میں بھیلنا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ بہت حساس ہوں، خوبیوں میں انصاف پسند ہوں اور اچھی رازدار ہوں۔ پاکستان اور آری سے بہت محبت ہے۔ دوستوں میں شبانہ طاہرہ بیست فرینڈز ہیں، مس یوفرینڈز۔ پسندیدہ رائٹرز میں نازیہ کنول، سمیرا شریف، اقراء، صفیر احمد، نمرہ احمد اور بھی بہت سی ہیں۔ ناؤٹرز میں ”پتھروں کی پلکوں پر“ اور ”یہ چاہتیں یہ شدتیں“ بیست ہیں۔ میری ساری کزنز میری دوستیں ہیں، مس یوآل۔ آخر میں آنچل کی ترقی کیلئے دعائیں ہمیشہ اپنے والدین کی ہر بات مانو انہیں دکھ نہ دینا پھر دیکھنا تمہاری زندگی کتنی حسین ہو جائے گی اللہ حافظ۔

جی مار دیا تم نے..... میں تو ابھی اسی وقت مر جاؤں گی مگر تم چاہ کر بھی نہیں مر سکتے۔ میں قیامت کے دن خدا کے سامنے تم سے پوچھوں گی کہ آخر میں ہی کیوں تمہیں

دوسرے سے نقاب سنبھالنے کالی گھنگسور پلکوں سے مزین خوب صورت نکمیں جھکائے۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائی اب موڈ کاٹ کے گاڑی کی سمت بڑھی علی نے فوراً سے پہلے نگاہوں کا زاویہ بدلا کہ کہیں اسے شک نہ ہو جائے۔ لڑکی بنا، اسے دیکھے گاڑی کے قریب سے ہوتی گزر گئی علی ایک دم سیدھا ہوا گردن گھما کر پیچھے دیکھا جبکہ گلے چند سینکڈ میں ہی وہ منظر سے اوٹ چل ہو چکی تھی۔

”کیا میں کبھی اپنی کیفیت کا اظہار کر سکوں گا؟“ علی اس کے جانے کے بعد خود سے ہم کلام ہوا ساتھ ہی گاڑی اشارت کی۔

”پراسے دل..... میرا وعدہ ہے تجھ سے یہ لڑکی تیری بے قراری نہ بڑھائے گی تیرے جذباتوں کو ضرور امر کرے گی۔“ پھر گویا خود کو تسلی دیتا دھیرے سے مسکرانے لگا۔



اگلی صبح بادلوں نے سورج کو نکلنے چکینے کا موقع ہی نہ دیا اور خود آسمان کی وسعتیں میں گویا پھیل سے گئے اور ساتھ میں ہوا کو بھی شامل کر لیا۔ سو بدلتے موسم میں دونوں کے گٹھ جوڑ سے خوش گوار تہہ ملی رونما ہوئی، تھوڑی بہت سردی کا احساس بھی جاگنے لگا کچھ ہی دیر میں بارش ہونے کی قوی امید تھی۔

آرش عباس بیگ نے کھڑکی کے پٹ وا کے تو ہوا کا ایک خوش نما سا جھوا کا چہرے سے ٹکرا کر فضا میں بکھرا۔ وہ بنا کوئی تاثر ظاہر کیے، خالی نظروں سے باہر دیکھنے لگا جہاں اکاڈکا افراد بارش کی آمد سے قبل اپنی منزل تک پہنچنے کی جستجو میں تھے۔ وہ خالی نظروں کے ساتھ خالی الذہن بھی تھا جسکی بادل زور سے گرجے تو اس نے نہایت ناگواری سے ہنسنے لگا، سیکر کر نہیں ٹھوٹا چاہا مگر اسی اثناء میں کوئی اور اسے اپنی طرف متوجہ کر گیا۔

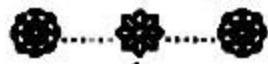
”آرش عباس بیگ..... نفرت کرتی ہوں میں تم سے تمہاری اس غلیظ حرکت نے میرے دل میں تمہارے لیے زہر بھر دیا ہے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی کبھی بھی نہیں..... اپنے کیے پر تمہیں پچھتانا پڑے گا مجھے جیتے

موسم بے حد خوب صورت تھا، ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی، علی نے گاڑی اپنی مخصوص جگہ پر روکی اور گاڑی کے اندر ہی بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس احساس کو محسوس کرتے ہوئے کہ اب اس کی چاہتوں و شدتوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ایک ایک لمحہ اس لڑکی کو سوچتا، اس کی تمنا کرتا، اس کا ساتھ چاہتا حتیٰ کہ وہ اپنی کیفیت سے حد درجہ بے قرار سا رہنے لگا تھا مگر اس بے قراری سے وہ ہرگز بھی تنگ نہ تھا۔ وہ اپنے محبوب کا ادھورا سا دیدار کرتا، محض اس کی جھلکی آنکھوں کو دیکھتا تو ایک دم پرسکون ہو جاتا ایسے کہ جیسے وہ جھلکی آنکھیں زندگی کی پیما ہوں۔

لمحہ بھر میں وہ لڑکی خود کو برقعہ میں چھپائے چلی گئی جھکائے ارد گرد سے بالکل بے خبر اس کے قریب سے گزر جاتی مگر محض وہ ایک لمحہ ہی علی کے لیے جینے کی وجہ بن جاتا، جسے سارا دن سوچ کر وہ مسکراتا رہتا، مگر پچھلے کئی دنوں سے اس کی اندرونی کیفیت بدلنے لگی تھی۔

”کیوں.....؟“ وجہ سے معلوم نہیں تھی اور آج تو اس کی پریشانی و دیوانگی بھی بڑھی ہوئی تھی پورا ایک گھنٹہ گزرنے کے باوجود بھی اس کا انتظار انتظار ہی رہا وہ سنا آئی جسے علی کے لیے آنا چاہیے تھا بار بار رسٹ و ایچ پر نگاہ ڈالتا وہ بے تابی سے ارد گرد دیکھتا رہا مگر بے کار..... آٹھ سے نو ہو چکے تھے اس لڑکی کی کوئی خبر کوئی نشان نہ تھا۔

علی مایوس سا سر جھٹکتا گاڑی میں آبیٹھا آفس کے لیے بھی دیر ہو رہی تھی سو بادل نحواستہ گاڑی اشارت کی اور آفس کی طرف بڑھ گیا۔



”آج سارا دن میں بے سکون رہا میری آنکھیں بے چین رہیں ذہن و دل بڑی طرح الجھے رہے کیوں..... کیا اس لیے کہ آج میں محض اس انجان لڑکی کی آنکھیں نہ دیکھ سکا اگر ایسا ہے تو میرا آگے کیا بنے گا؟ ایسی حالت میں تو میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔“ شام کو علی سیدھا آرش کے پاس آیا اپنی کیفیت بیان کی۔

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 194

تمہارے جرم کی سزاؤں جہانوں میں ملے گی۔ میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گی تم ہرگز معافی کے قابل نہیں ہو.....“ یہ بازگشت، مقابل کا لہجہ، نفرت، تلخ انداز اپنے کانوں میں پڑتے ہی وہ اندر تک لرز اٹھا۔ گھبرا کر یہاں وہاں دیکھا مگر وہ خود موجود نہیں تھی ہمیشہ کی طرح آرش کا تعاقب کرتی یہ صرف آواز تھی۔

اسوۂ کے آخری الفاظ..... تڑپا دینے والے الفاظ تھے۔ جن کے زیر اثر وہ پچھلے چار سالوں سے بے قرار سا ذہن کاٹ رہا تھا۔ اسوۂ کے کہنے کے عین کے مطابق پچھتا رہا تھا اس جہاں میں اپنے جرم کی سزا پارہا تھا۔ دوسرے جہاں جانے کا شدت سے انتظار کر رہا تھا جہاں اسوۂ سے اس کی ملاقات مقصود تھی مگر اسوۂ نے سچ کہا تھا وہ اب چاہ کر بھی مرنے نہیں پائے گا یا شاید ابھی اس جہاں میں اس کی سزا پوری نہیں ہوئی تھی۔

”قیامت کے دن تمہارے سامنے میں بھی خدا سے پوچھوں گا کہ آخر میں ہی کیوں محبت کے ہاتھوں تمہارا مجرم بنا۔“ آرش کو لگا جیسے ذہن و دل پر نمونہ بوجھان گرا ہو۔ اس کی آنکھیں خود بخود بھرا آئیں تو سر اٹھائے فلک پر نظریں گاڑے جھلی دیوانوں کی طرح اسے کھونچنے لگا جو یہاں بھی ہی نہیں جمائش کی دسترس میں ہی نہیں تھی۔

”بھڑک لیسی آگ میرے دل میں جل رہی ہے اسوۂ کہ اگر تم یہاں ہوتیں تو مجھے پچھتاؤں میں گرا دیکہ کر میری حالت زار پر ہنس کھا کر ضرور معاف کر دیتیں مگر افسوس تم یہاں نہیں ہو..... کاش تم یہاں ہوتیں اور میں کسی بد صورت حادثے کا شکار ہو جاتا مگر تمہاری موت کا سبب نہ بنتا تمہاری جگہ میں مر جاتا۔“ آرش اس سے مخاطب اس کے لیے رو دیا ایک مرد ہو کر اپنی بے بسی پر رو دیا اسوۂ کی جوان اور اپنی وحشت سے سرزد حادثاتی موت پر رو دیا مگر افسوس اب اس رونے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اپنے خالی ہاتھوں کو پُر طول تاسف بھری یا سیت زدہ نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔



طرف کیا دو قدم آگے چل کر کھڑکی کے پاس جا رکھا چہرہ خود بخود فرش کی طرف اٹھا تھا۔

”جھکی آنکھیں..... برقع..... پردہ..... سب وہی..... علی کی کیفیت میرا ماضی.....“ وہ دل ہی دل میں بولا۔ دماغ گھومنے لگا نہیں سمجھنے لگیں۔

”مگر پچھلے کئی دنوں سے میں الجھ سا گیا ہوں۔“ جیسی علی نے اس کی محویت کو توڑا آرش نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر وہ بولا۔

”میرے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی ہے پتا نہیں کیوں پر ب دل چاہتا ہے کہ اس سے بات کروں اسے جانوں... اس کی آواز کیسی ہے وہ خود کیسی ہے؟“ علی کا لب و لہجہ احساس شدت سے مزید اس کی دیوانگی ظاہر کر رہا تھا۔

جبکہ آرش اس کی ایک ایک بات پر ہر لمحہ متعجب سا چاہتے ہوئے بھی اپنے ماضی میں کچھ ایسی ہی شدت کی جھلک دیکھنے پر مجبور سا ہوتا جا رہا تھا علی کی باتیں شدت کیفیت سے اپنا آپدہرانی نظر آ رہی تھیں۔

”نہیں علی! ایسا مت کرنا خود کو روک لؤ ابھی سے جذبات پر قابو کر لو ورنہ..... کچھ اچھا نہیں ہوگا۔“ جب ہی اسے باور ملا۔

”کیا اچھا نہیں ہوگا؟“ علی کچھ نہ سمجھا۔

”اگر یوگی دل کی بات مانتے رہے تو خالی ہاتھ رہ جاؤ گے میری طرح دل کی بھی مت سننا۔ دماغ سے کام لو سزا جھیلنا آسان نہیں ہوتا پچھتاوے جان لے لیتے ہیں۔“ وہ الجھ کے بولا۔

”کیسی سزا..... کیسے پچھتاوے.....؟“ وہ حیران ہوا۔

”مت پوچھو مجھ سے ایسے سوال میں تمہیں نہیں سمجھا سکتا پلیز میرے سامنے ایسی باتیں مت کیا کرو تکلیف ہوتی ہے مجھے۔ دل دکھتا ہے میرا پلیز.....“ جولیا آرش خلاف توقع چلا یا علی حیران سا رہ گیا ساتھ ہی شرمندگی سے بولا۔

”سوری آرش ویری سوی..... میں مزید کچھ نہیں

”اسی لیے کہتا ہوں کہ مت پڑوان چکروں میں۔“

جبکہ آرش جولیا اپنے مختصر و مفید ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا البتہ علی کی بے چینی ایک لمحے کو اسے اس کے ماضی میں لے گئی تھی جب وہ بھی کچھ ایسا ہی بے تاب سا تھا۔ بالکل یوں ہی اسوہ کے نظر نہ آنے پر بے چین سا الجھا ہوا اپنے دوست کو تار ہاتھا۔

”یار میں تو مر جاؤں گا اسوہ کو دیکھے بغیر۔“

”نہ کر یار آرش! ایسا کیا ہے اس میں؟“ اس کے دوست فیضان نے بات اسی مذاق میں اڑائی۔

”میں نہیں جانتا پر اس کی آنکھیں میرے دل پر جادو سا کر گئی ہیں نجانے اس کی آنکھوں میں کیسا طلسم ہے جو میرے دل کو اپنی طرف پھینکتی ہیں۔“ آرش جذباتی سا ہوا۔

”جادو..... کہیں وہ جادو گرئی نہ ہو۔“ جبکہ فیضان غیر سنجیدہ تھا۔

”بی سیریس فیضانی.....“ آرش خفا ہوا۔

”سوری یارا! اگر وہ نہیں آئی تو میں کیا کروں البتہ تم انتظار کر سکتے ہو کل کا ایک بات مزید اگر سکون چاہتے ہو تو کوشش کرنا کہ تمہارا جادو بھی اس پر چل جائے۔“

فیضان کی بازگشت کانوں میں گونجی تو وہ سر جھٹک کر سیدھا ہوا اور علی کو دیکھا جو اس کا ماضی دہرا رہا تھا دونوں کی محبت کی ابتدا بھی آنکھوں سے ہوئی تھی مگر وہ فیضان نہیں تھا جو علی کی کیفیت کا مذاق اڑاتا یا لٹا لٹا رہتا۔

”نہیں یہ ممکن نہیں ہے آرش اب تو میری زندگی کی ضمانت بن چکی ہیں اس کی آنکھیں۔“ علی کہنے لگا۔

”بات ابھی تک صرف آنکھوں تک ہے۔“ وہ پوچھنے لگا۔

”مطلب؟“ وہ حیران ہوا۔

”تم نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا؟“

”نہیں..... وہ برقعہ پہنتی ہے پردے میں ہوتی ہے صرف اس کی جھکی آنکھیں.....“ علی تھوڑا سا جھک کر بولا بات لاہوری چھوڑی۔

”اُف خدایا.....“ آرش نے سرعت سے رخ دوسری

پوچھتا آگین سوری.....“
 ”پلیز فیضان!“ آرش کو اس کا انداز پسند نہ آیا سختی سے بولا۔

”سچ میں یارا عشق دماغ کا خلل ہے وہ لڑکی جسے تم نے ٹھیک سے دیکھا نہیں جسے تم جانتے نہیں ابھی پہلے ہی قدم پر تمہیں امتحان میں ڈال گئی ہے آگے کیا بنے گا تمہارا یا یوں کرو جا کر کہہ دو اس سے بتا دو اپنے دل کا حال۔“
 فیضان نے ہنسی مذاق میں بات ہی ختم کر دی۔
 ”نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔“ جبکہ آرش ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

”پھر سوچنا چھوڑ دو اسے۔“
 ”یہ ممکن نہیں ہے۔“ وہ سرعت سے بولا کہ دل کو ایسی بات سننا تک گوارا نہ تھی۔

”وہ میرے دل میں بسی ہے میری زندگی کی امین ہے۔“
 ”پچھلے کئی دنوں سے میں الجھ سا گیا ہوں میرے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی ہے۔ پتا نہیں کیوں پر میرا دل چاہتا ہے کہ اب اس کی سیاہ گہری آنکھوں کو گھنٹوں تک پڑھتا ہوں اسے جانوں جانے اس کی آواز کیسی ہے وہ خود کیسی ہے؟“

”سچ میں؟“ فیضان آرش کی دیوانگی پر بے یقین سا تھا۔

”میں اسے ایک بار صرف ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔“
 جبکہ وہ اپنی ہی کہہ رہا تھا۔
 ”تو مسئلہ کیا ہے؟“

”اس کا پردہ.....“ آرش برجستہ بولا۔
 ”اتار دو.....“ فیضان نے دو ٹوک صلاح دی۔

”مگر.....“ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس وقت اس کے مقابل اس کا وہ دوست کھڑا تھا جو اس کے نزدیک اس کا سب سے بڑا اہل دل تھا اور فیضان آرش کے خود پر یقین سے بخوبی واقف تھا سوسائے ٹوک گیا۔

”مگر تم اسے چاہتے ہو تو اگر مگر نہیں..... بس عشق کے اس موڑ پر تمہیں اسے دیکھنا ضروری ہے اپنے سکون کے لیے اسے دیکھنا کوئی جرم نہیں۔ کسی بھی طرح اس کا انتخاب

”اگر اوکے۔“ وہ یک دم سنبھل کر بولا۔ ”چائے لو گے؟“

”نہیں اب چلوں گا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
 ”لوگے کل آؤ گے؟“ آرش نے استفسار کیا۔
 ”ہاں آنے کی پوری کوشش کروں گا اللہ حافظ۔“
 ”اللہ حافظ.....“ الوداعی کلمات کے بعد علی چلا گیا جبکہ آرش وہاں بیگ کافی دیر تک الجھا رہا اپنی ذات سے ہٹ کر آج علی کے متعلق سوچتا رہا کیونکہ علی کا حال اسے اس کے ماضی کا آئینہ دکھاتا اور کم از کم جسے سوچنا یا برداشت کرنا اس کے لیے کسی اذیت سے کم نہ تھا کافی دیر بعد وہ جھنجھلا کر سیدھا ہوا اور سر جھٹک کر گویا کسی بھی سوچ یا خیالات سے فرار پانے کی سعی کرنے لگا۔



یاد رہی عذاب ہے یارب
 چھین لے مجھ سے حافظہ میرا
 ”یار تو اس قدر پاگل ہو سکتا ہے مجھے اندازہ نہیں تھا۔“
 فیضان نے زبمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔

”پلیز یار فیضان!“ وہ بے بسی سے اسے ٹوکنے لگا ساتھ ہی ارد گرد دیکھا دونوں یونیورسٹی کے کلاں میں ایک کونا سنبھالے ہوئے تھے۔

”پہلے خود کو دیکھو کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی۔“
 ”مجھے کیا ہوا؟“ آرش التاحیران ہوا۔

”چہرہ کیوں اجاز رکھا ہے تم نے شیو بھی بڑھی ہوئی ہے آنکھیں ابھی ویران اداں سی ہیں کیوں آخرا؟“

”ایک ہفتے سے میں نے اسوہ کو نہیں دیکھا جانے کیوں وہ یونیورسٹی بھی نہیں آ رہی۔ میرے دل میں عجیب و سوسے پل رہے ہیں۔“ فیضان اس کا بیٹھ فریضہ تھا سو کبھی کبھ نہ چھپاتا بے چارگی سے بتانے لگا جمی فیضان مظلوم ہو کر یک مرتبہ پھر بسا۔

”تو یوں کہو کہ اس جاو گرنی کا جاو تمہیں بے سکون کیے ہوئے ہے۔“

بار اور گرد متلاشی نظروں سے دیکھتی اپنے آپ میں مٹی
جاری تھی ایسے میں علی نے دانستہ یا نادانستہ اپنے قدم اس
کی طرف بڑھائے۔
”ہیکسکیوز می مس!“

”جی۔“ آواز پر لڑکی نے سوالیہ نظروں سے
اسے دیکھا۔

”آپ چاہیں تو میں آپ کو گھر تک چھوڑ سکتا ہوں۔“
وہ اصل بات کی طرف آیا۔

”نہیں شکریہ میں چلی جاؤں گی۔“ لڑکی نے فوراً
معذرت کی۔ علی اس کے لہجے میں چھپی گھبراہٹ کو صاف
محسوس کر گیا تھا۔

”گھبرائے مت مس! میں کوئی آوارہ بد مزاج نہیں
ہوں! آپ مکمل طور پر بارش میں بھیگ چکی ہیں آپ کو
لٹ لے لینی چاہیے۔ ٹیکسی جانے کب ملے اور ملے گی
یا نہ ملے۔ میں آپ کو بحفاظت آپ کے گھر تک چھوڑ
دوں گا۔“ اپنے دل میں اس کے لیے جگہ ایک طرف فی
الحال وہ نہایت مودب و اخلاق سے بولا۔

اسی لیے لڑکی نے پہلے علی کو دیکھا پھر سوچا فیصلہ کیا
ٹیکسی ملنے نہ ملنے کا کچھ پتا نہیں تھا۔ اوپر سے شدید بارش
سیاہ بادل دن بدن بگڑتے حالات سے وہ دل ہی دل میں
خائف و سراسیمہ تھی اور جلدی گھر پہنچنا بھی ضروری تھا سو
توقف کے بعد اثبات میں سر ہلائی اس کی بیروی میں
گاڑی میں جا بیٹھی۔

علی نے گاڑی اشارت کی مگر لاکھ چاہتے ہوئے بھی
لڑکی کی طرف دوبارہ نہ دیکھ سکا البتہ بات کرنے کو بہت
دل چاہا سو موضوع آغاز تلاش کرنے لگا جسمی نظرس ڈیش
بورڈ پر دیکھے شاہ پر گئیں تو الفاظ کے تانے بانے بچنے لگا۔
”میڈیسن کس لیے آپ کے گھر میں کوئی بیمار
ہے کیا؟“ بات گویا تھی تو بے فکری مگر شروعات کے
لیے کافی تھی۔

”جی! میرے ابو بیمار ہیں۔“ لڑکی نے جواب دینے
میں کوئی تباہت نہ جانی۔

اتار کر دیکھ لو اسے۔“ فیضان نے بڑی سہولت سے اسے
رضامند کرنا چاہا۔
”اسے بُرا لگے گا۔“ آرش دلائل سننے کے بعد اتنا ہی
بول سکا۔

”سوری بول دینا۔“ فیضان نے مشورہ مفت دیا آرش
سوچنے لگا فیضان کا مشورہ اور عمل..... اور کافی دیر سوچنے
کے بعد بلا خروہ اثبات میں سر ہلا گیا کیونکہ اپنی اپنے دل کی
بڑھتی بے قراری بے بس کرنی جا رہی تھی۔ اسے سکون
چاہیے تھا قرار چاہیے تاہم شاید وہ صرف آنکھوں پر اکتفا
کرنے سے پاگل ہو جاتا۔

”کاش.....“ ایسی سانس خارج کرتا وہ ماضی کی بھول
بھلیوں سے سر جھٹکتا اپنے حال میں لوٹا گزری ایک ایک
بات برسوں سے اس کے تعاقب میں تھی۔ اسے ہر بر لوہ
بے قرار کیے اذیت میں گھیرے ہوئے تھی وہ اپنے ماضی
سے نجات چاہتا تھا مگر افسوس بہت کچھ چاہتے ہوئے بھی
وہ کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔

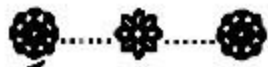
”کاش فیضان میں تمہاری باتوں میں نہ آیا ہوتا۔“
حسرت بھرے لہجے میں دوست سے دل ہی دل میں
مخاطب ہوتا آرش عہاں بیگ درد کی شدت ضبط کرنے
کے لیے آنکھیں موند گیا۔



کل سے شروع کیا، ہلکی بوندا باندی موسلا دھار بارش
کا روپ اختیار کر چکی تھی کالے سیاہ بادل آسمان کی
دستوں میں پھیلی دن میں رات کا سا منظر پیش کر رہے
تھے۔ علی گاڑی سے نکل کر تقریباً دوڑتا ہوا میڈیکل اسٹور
کے اندر داخل ہوا مطلوبہ میڈیسن لی اور واپس مڑا لیکن
گاڑی میں بیٹھنے سے قبل اس کی نظر بالکل غیر ارادی طور پر
اپنی بائیں جانب گئی تو ٹھنک کر رکنا اگلے ہی لمحے اس کے
ہونٹ خود بخود پھیلے۔

وہ لڑکی جسے دونوں سے اس نے نہ دیکھا تھا آج
بالکل غیر متوقع طور پر سامنے تھی البتہ وہ مکمل طور پر بارش
میں بھیگ چکی تھی اور شاید کسی ٹیکسی کے انتظار میں تھی جو بار

ساشاد تھا اور اب تو اس کے گھر کا پتا بھی معلوم ہو چکا تھا۔
قدم آگے بڑھانے کے لیے راہ لگئی تھی اسی لیے لب گنگنا
اٹھے تھے۔



آرش عباس بیگ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔
”آپ ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟“ ہالا خراس
نے پوچھا۔

”پتا نہیں۔“ آرش آواز پر ہوش میں آیا پھر بولا۔
”بہت خوش لگ رہے ہو آج؟“
”ہاں آج میں بہت خوش ہوں۔“ وہ شاد تھا مسکرا
کر بولا۔

”خوش ہونا اچھی بات ہے۔“ آرش نے محض
اتنا ہی کہا۔

”میری خوشی کی وجہ نہیں پوچھیں گے؟“
”وجہ پوچھ کر کیا کرنا؟ کسی وجہ کے بغیر بھی تم خوش رہو
میں تو یہی چاہوں گا کوئی غم تمہارے قریب نہ آئے۔“ وہ
مخصوص انداز میں بولا علی نے بغور اسے دیکھا۔

”ایک بات..... بھی خوشی کے لیے وجہ تلاش نہ
کرنا، بعض اوقات سکھ کی تلاش دکھ دے جاتی ہے
انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ خوشی کے لیے ہر اس لمحے
کو جیو جو تمہیں مل رہا ہو اپنی بساط سے آگے بڑھنا
نقصان دہ ہوتا ہے۔“ آرش کیا سوچ کر یہ بولا تھا علی
کچھ نہ سمجھا اسی لیے سر جھٹکنے لگا۔

”آج میں بہت خوش ہوں آج میں نے اس سے
بات کی اس لڑکی کی قربت میں رہا جس سے میری ہر خوشی
منسوب ہے۔“ پھر خود ہی بتانے لگا۔ آرش عباس نے
عجیب نظروں سے اسے گھورا۔

”تم بھی باز نہیں آسکتے علی!“ لہجے میں خود بخود سختی در
آئی تھی۔

”جی.....“ وہ خاصہ چونکا تھا۔
”تم میری کسی بات کو اہمیت نہیں دیتے، کتنی بار تمہیں
منع کیا ہے کہ مت پڑو محبت کے چکروں میں مگر نہیں تمہیں

”اوہ وہی سوری..... کیا ہوا ہے نہیں؟“

”پارٹ پشمنٹ ہیں پچھلے کئی دنوں سے ان کی طبیعت
خراب تھی اور میڈیسن ختم ہو چکی تھی، جیسی اتنی تیز بارش
میں آنا پڑا۔“ لڑکی نے بنا علی کو دیکھے سر جھکائے جواب
دیا۔

”تو کسی بھائی وغیرہ کو بھیج کر منگوا لیتیں۔“ وہ بھی بالکل
سامنے دیکھا ہوا تھا۔

”میرا بھائی نہیں ہے، امی خود بیمار رہتی ہیں۔ ایک میں
ہی گھر میں پختی ہوں میڈیسن ختم نہ ہوئی ہو تو میں کبھی
ایسے موسم میں گھر سے باہر نہ نکلتی اور میں معذرت خواہ ہوں
کہ ناحق آپ کو تکلیف دی۔“ لڑکی بیٹھنے سے قبل عجیب
دوسے کا شمار ہوئی تھی مگر اب علی کی مناسب گفتگو کے
پیش نظر قدرے ریلکس ہو کر بات کر رہی تھی آخر میں اس
کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں تکلیف کی کیا بات ہے بلکہ مجھے تو خوشی
ہوئی ہے کہ میں آپ کے کسی کام آسکا۔“
”شکریہ۔“ لڑکی نے شکریہ کے ساتھ بات سمیٹی۔

اب کہ علی خاموش رہا جبکہ اندر ڈھیروں ڈھیروں سکون
اترنا جا رہا تھا ہر بے قراری کو اس لڑکی کی سنگت میں قرار مل
رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کیا اسے ہی محبت کہتی ہیں کیا یونہی دل
کو چین ملتا ہے اور اگر اسے ہی محبت کہتے ہیں تو دل کا چین
جائز ہے۔

علی کے لیے محبت کا احساس خوب صدمت تھا، علی کا
چہرہ انبساط کی چمک سے تہمتا رہا تھا وہ اندر سے بہت خوش
تھا اسی خوشی میں وقت گزرنے کا احساس نہ رہا۔ لڑکی سے
پوچھ کر گاڑی اس کے گھر کے سامنے روکی بہت دل چاہا کہ
اس کا نام پوچھے مگر ہمت نہ ہوئی سو دل کی حسرت دل میں
ہی رہ گئی لڑکی نے اترنے سے پہلے شکریہ کے ساتھ ایک
مرتبہ پھر معذرت کی اور لکڑی کے دروازے کو عبور کرتی اپنے
چھوٹے سے گھر میں داخل ہوئی۔ علی نے بغور اس کے گھر
کی طرف دیکھتے ہوئے گاڑی آگے بڑھائی اس سے نام تو
نہیں پوچھ سکا تھا مگر دل ایک ذرا سی ملاقات پر ہی مطمئن

کامیاب ہوا۔“ علی تے جب کوئی جواب نہ بن پایا تو اپنا قصہ چھیڑا۔

”یہ تمہارا اختیار نہیں قسمت ہے فی الحال قسمت تم پر مہربان ہے تم نے اس لڑکی سے بات کی تو خوش ہو مگر یہ خوشی یقیناً چند دنوں کے لیے ہوگی اور پھر تمہیں حقیقت کا ادراک ہوگا۔ اپنی بے اختیاری کا علم ہوگا جب تمہارا دل اسے دیکھنا چاہے گا اس کا قرب مانگے گا مگر تم ناکام رہو گے پھر اپنی بے بسی کے ہاتھوں مجبور ہو جاؤ گے اتنا کہ محبت کی ظاہری خوب صورتی میں چھپی بد صورتی تمہارا دل مردہ کر دے گی تب تمہیں کوئی اختیار خود پر نہ رہے گا۔“ آرش نے اسے باور کروانا چاہا علی نے بغور سے سنا پھر کہا۔

”اچھ ہے محبت میں بے اختیار ہونا کسی کے لیے کچھ بھی کرنا اور سچ بتاؤں تو آرش میرا دل چاہتا ہے کہ میں محبت کی رنج تک پہنچوں۔ محبت کو قریب سے صحیح معنوں میں جانوں چاہے مجھے بے اختیار ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔“

”پاگل ہو تم مجھ سے بھی بڑے پاگل..... میں تو انجانے میں اس حال کو پہنچا مگر تم جان بوجھ کر برباد ہونا چاہتے ہو۔ مجھے بتانے سمجھانے والا کوئی نہ تھا اور تم ہو کہ سمجھنا نہیں چاہ رہے۔“ اب آرش نے نرمی سے کہا علی کو تقویت ملی۔

”میں سمجھنا چاہتا ہوں آرش بس آپ ایک مرتبہ مجھے ٹھیک طرح سے سمجھا کر تو دیکھیں۔“ سنجیدگی سے بولا۔ علی کی بات کا مفہوم آرش یک دم سمجھا مگر دھیان نہ دیا۔

”میرا ماضی جان کر کیا کرو گے؟“

”اپنی آئندہ کی زندگی کا فیصلہ کروں گا۔“ وہ صاف بولا۔

”فیصلے پر عمل شاید تمہارے لیے مشکل ہو۔“

”کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا اور اگر واقعی محبت جہاں کا دوسرا نام ثابت ہوئی تو یقیناً جانیں میں اپنے بڑھتے قدم روک لوں گا بس آپ صرف مجھے اتنا بتادیں کیا آپ کے ساتھ ایسا کیا ہوا کہ آپ محبت کا نام سنتے ہی رنج ہو جاتے ہیں۔“ علی نے راہ سیدھی دیکھ کر فائدہ اٹھانا چاہا مگر آرش

خود کو برباد کرنے کا شوق ہے۔ عمر بھر کا روگ لگانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے کرو محبت اور دیکھ لو اس کا اذیت ناک انجام..... مگر پلیز مجھ سے آئندہ اس موضوع پر بات نہ کرنا تکلیف ہوتی ہے مجھے دس دھکتا ہے میرا..... میرے لیے کسی سزا سے کم نہیں ہے یہ موضوع۔“ آرش یک دم بے قابو ہوتا چلا کر پھر بولا لرب و لہجہ یاسیت میں ڈوبا تھا آخر میں علی کو وہ بہت بے بس دکھائی دیا البتہ ہمیشہ کی طرح وہ خود اگلے ہی لمحے نارمل ہو۔

”سوری آرش!“ علی سر جھکا گیا۔

”کیوں کرتے ہو میرے سامنے محبت کی باتیں؟“

آرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور گویا شکوہ کیا۔

”آپ کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں کہ جس سے دل کی بات کروں۔“ علی نے اسے نارمل دیکھ کر آہستگی سے کہا۔

”تمہارے دل کی بات میری روح تک کو بے چین کر دیتی ہے۔“

”آخر کیوں.....؟“

”کیونکہ میرے لیے محبت کا لفظ کسی سزا سے کم نہیں۔“

”مطلب.....؟“

”محبت کا نام خوب صورت ہے مگر یہ خود خوب صورت نہیں ہے ساری بد صورتی ہے بے بسی وحشت..... اس ایک لفظ میں چھپی ہے جبر انسان کو اپنے خول میں قید کیے ورنہ بنا کر ساری عمر سزا جیتی ہے کسی کی جان لے لیتی ہے تو کسی کو زندہ لاش بنا دیتی ہے۔“

”نہیں آرش! ایسا نہیں ہوتا اگر انسان چاہے تو اپنے اختیار سے اس لفظ کی خوب صورتی کو پاسکتا ہے۔“

”محبت میں اختیار ہوتا ہی کہاں ہے میرے دوست! اچھا برا سب بے اختیاری میں ہوتا ہے۔ قصور وار محبت ہوتی ہے اور بے اختیاری انسان کو مجرم بنا دیتی ہے۔“

محبت کے خلاف آرش کے لہجے میں سختی تھی۔

”مجھے بھی تو محبت ہوئی ہے میں بھی جانتا ہوں محبت کو اور سب کچھ میرے اختیار میں ہے میرا دل چاہتا ہے اسے دیکھنے کو تو میں اسے دیکھتا ہوں اس سے بات کرنا چاہتا تھا؟“

کئی دنوں سے اس کی حالت میں بے بسی جھلک دکھائی دینے لگی اس کے دل میں ایک خواہش جنم لینے لگی وہ الجھسا گیا۔ مگر سلجھاؤ کا کوئی طریقہ نظر نہ آیا تو بے بسی کی انتہا کو پہنچ کر آرش عباس بیگ سے رابطہ کیا۔

”میں بے بس ہوتا جا رہا ہوں آرش اب محض اس کی آنکھوں پر میرا دل اکتفا نہیں کر رہا میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اسے پانا چاہتا ہوں۔“ آرش نے علی کے الفاظ پر بے یقینی سے اسے دیکھا کیوں کہ یہ الفاظ بے شک علی کے تھے مگر کیفیت آرش جیسی..... ٹھیک آرش بھی اسی طرح بے بسی کی انتہا کو پہنچ کر فیضان کے پاس گیا تھا اور آج علی اس کے پاس آیا تھا۔

مگر وہ فیضان نہ تھا کہ کوئی بھی غلط مشورہ دیتا سو گنہگار سوچ میں پڑ گیا، کئی لمحوں تک اس کی آنکھوں میں اترتی بے تابی کو پڑھتا علی کی آنکھوں میں سچائی بھی تھی اور محبت کو پانے کی لگن بھی واضح تھی اور پھر وہ اگلے ہی لمحے فیصلہ کر گیا۔

”علی..... تم میں مجھے اپنا آپ نظر آتا ہے اسی لیے ہمیشہ میں نے تمہیں روکا کہ کہیں میری طرح تم بھی ساری عمر پچھتاوے میں نہ گزار دو مگر آج میں نے تمہاری آنکھوں میں سچائی دیکھی ہے۔ تم اس لڑکی کے بغیر واقعی نہیں رہ سکتے اسی لیے..... اسی لیے آج میں اپنی خاموشی توڑ رہا ہوں اپنے ماضی کی تلخ کہانی تمہیں سنانے جا رہا ہوں تاکہ تم آرش نہ بن سکو۔ کوئی تمہاری وجہ سے خود کو موت کے منہ میں اتار کر تمہیں بڑھنے کے لیے زندہ نہ چھوڑ جائے تمہاری آبادی تمہارے سکون کے لیے آج میں تمام قفل توڑنے جا رہا ہوں۔“ آرش عباس بیگ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

علی نے فی الفور اپنی پریشانی کو پس پشت ڈال لے اپنی ساری توجہ اس کی طرف مبذول کی آرش نے ایک لمبی سانس خارج کی پھر ماضی کی بند کتاب کھولنے لگا۔



اسوہ..... وہ لڑکی جس کی صورت آرش نے کبھی نہیں

نے لاکھ چاہ کر بھی اگلے کئی لمحوں تک اس کا جواب نہ دے سکا اپنے ماضی کو بیان نہ کر سکا علی نے بہت دیر انتظار کرنے سے بعد خاموشی کو توڑ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا مخاطب ہوا۔

”میری زندگی میں آبادی یا بربادی کا اختیار اب آپ کے پاس ہے۔ آرش! چاہیں تو کچھ نہ بول کر مجھے برباد ہونے دیں یا سب بول کر مجھے اس اذیت میں گرنے سے بچالیں جس نے آپ کا سکون چھینا ہوا ہے۔“ التجائیہ گزراش کرتا دھیرے سے وہ آرش کو کیلا چھوڑ کر نکل آیا۔



آرش کی طرف سے نکل کر وہ گھر چلا آیا بارش رک جی تھی اور وہ بارش رکنے سے قبل برستی بارش میں دعا مانگ چکا تھا بے بس ہونے سے قبل وہ رب کے حضور سے پانے کی دعا کر چکا تھا کہ کہیں تشنہ نہ رہ جائے۔ اسے سکون چاہیے تھا قلبی قرار: اپنی تازگی کا طالب وہ کسی بھی کسک کا خواہش مند نہ تھا۔ علی جانتا تھا کہ بارش میں مانگی گئی دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں سو اپنے اندر بڑھتے پھیلتے محبت کے طوفان سے کوئی نقصان ہونے سے قبل اس نے رب سے اپنی چاہت مانگ لی اپنا قرار مانگ لیا..... اسے مانگ لیا جس کے بغیر جینا اس کے لیے ناممکن تھا۔ یہ اس کے پیار کی سچائی تھی جو، اس کے روپ سنگھار کو دیکھے اس کی سنگت کا مستحکم تھا۔

دن یونہی دو چار ہو کر گزرتے گئے آرش سے وہ تقریباً روزانہ ہی ملتا۔ اسے اپنا حال دل ہر بدلتی کیفیت سنانا جسے آرش اب صرف خاموشی سے سنتا جو اب کچھ نہ بولتا کہ دن بہ دن آرش کی امداد کی کیفیت اسے مزید ضمیر کی عدالت میں تنگ کرتی شرمندہ کرنی جا رہی تھی ایسے میں علی بھی خاموش ہو کر واپس چلا آتا۔

آرش کی محبت سے مخالفت اور اب گنہگار خاموشی علی کے ذہن میں سوالات کا جھنڈ کھڑا کر دیتی جن کے جواب نہ پا کر وہ جھنجھلا سا جاتا تو اپنے پرانے دوستوں کے پاس چلا جاتا۔ ذہن کو ادھر ادھر کی باتوں میں محو رکھتا لیکن پچھلے

اطراف گویا فسیوں پھیلنے لگا۔ آنکھیں اسوہ پر جم سی گئیں وہ خوب صورت تھی بے حد خوب صورت آرش کی سوچ سے زیادہ..... اپنی پھیل سی گہری آنکھوں سے زیادہ سندھ..... آرش مبہوت سا اسے دیکھے گیا ہوا آنکھیں جھپکائے منہ کھولے ساتھ ہی بے اختیار ہی میں ہاتھ آگے بڑھا کر اسے چھونے کی کوشش کرنے لگا گویا کسی خواب سے حقیقت میں آنے کے لیے اس کی موجودگی و خوب صورتی کا یقین کرنے لگا مگر ایسا کرنے سے پہلے اس کی محویت ٹوٹی۔

”چناخ.....“ اسوہ نے زور تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا جو اسے ہوش کی دنیا میں واپس لایا۔ جب تک اسوہ نے پھرتی سے چہرے پر نقاب ڈھانپ لیا تھا۔

”سوری.....“ اور آرش اپنی پری پلان بدتمیزی و بداخلاقی پر تھپڑ کھانے کے بعد جیسے شرمندہ سا ہو کر رہ گیا تھا مگر تب تک اسوہ بڑی تیزی سے وہاں سے نکل کر جا چکی تھی اس کے جاتے ہی فیضان دوبارہ کلاس میں آیا۔

”یا زیادہ آگے تو نہیں بڑھا بڑے غصے میں گئی ہے۔“ وہ ہنستے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا آرش نے قدرے حیرانگی سے اسے دیکھا مگر زبان سے کچھ نہ بولا۔

آرش کا دل وقتی طور پر تو مطمئن ہو چکا تھا مگر دو دن گزرتے ہی پھر سے اس پر بے بسی طاری ہونے لگی وہ الجھتا جا رہا تھا جبکہ اسوہ کئی دن یونہی سے غیر حاضر ہونے کے بعد دوبارہ سے آنے لگی۔ آرش نے اسے کھوجنے کی کوشش کی تو اپنے لیے اس کی آنکھوں میں پہلے جیسی اجنبیت سے ہٹ کر دنیا جہاں کی نفرت دیکھی تو تڑپ کر رہ گیا شرمندہ الگ ہوا مگر دماغ سے کام نہ لیا بدل کی آئی اور پھر سے فیضان سے اپنا مسئلہ شیئر کیا۔

”نفرت کو محبت میں بدل دو۔“ وہ اتنا ہی بولا۔

”کیسے؟“

”کسی بھی طرح۔“ فیضان نے جواباً کندھے اچکائے۔ آرش اس کے غیر واضح جواب پر مطمئن نہ ہو سکا مزید دن یونہی گزرے۔

دیکھی تھی حالانکہ دو سہ ماہی سے وہ ایک ہی کلاس میں پڑھ رہے تھے مگر وہ برقعہ پہنتی تھی اسوہ کے علاوہ کلاس میں دو لڑکیاں اور بھی تھیں ایک تو کبھی کبھار ہی آتی جبکہ دوسری ہر وقت موہاٹل میں لگی رہتی۔ اسی لیے اسوہ لڑکیوں کے علاوہ اس لڑکی سے بھی کٹ کر رہتی نہ کسی سے بات کرتی نہ کسی کو دوست بناتی۔

آرش عباس بیگم دل پھینک ہرگز نہیں تھا مگر اسوہ کی یہ ادا اسے پسند تھی، ہمیشہ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتا لاکھ چاہنے کے باوجود بھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہ کرتا بس دور سے اس کی آنکھوں کو دیکھتا رہتا کہ جانے انجانے میں اسے اسوہ سے محبت ہو گئی تھی۔ اسوہ کی آنکھوں میں عجب طلسماتی سحر تھا وہ کھنچا چلا جاتا۔ بہت دنوں تک ایسا ہوتا رہا پھر رفتہ رفتہ آرش نے محسوس کیا اس کی کیفیت بدلتے ہوئے شدت اختیار کرنے لگی تھی وہ الجھ سا گیا پھر بہت سوچنے کے بعد فیضان کے پاس گیا کہ اندر شدت سے پھیلتی محبت اسے بے بس کرنے لگی تھی۔

ایسے میں اسوہ بھی یونہی سے غیر حاضر رہنے لگی اور آرش جو اس کا عادی ہو چکا تھا اسے نہ دیکھ کر تڑپ سا گیا اس نے فیضان کو بتایا کہ وہ اسوہ کی آنکھوں پر اکتفا نہیں کر سکتا۔ اس کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا مگر اس کی خواہش کی راہ میں اسوہ کا پردہ حائل تھا جسے ہٹانے کا فیضان نے اسے طریقہ بتایا پہلے تو وہ گھبرایا کہ ایسے کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر پھر ان گیا کہ وہ بہت بے بس ہو چکا تھا۔ دل میں بے قراری کا سمندر موجزن تھا کئی دنوں تک اس نے اسوہ کا انتظار کیا پھر ایک دن اسوہ کلاس میں آئی۔

آرش اور فیضان اس وقت کلاس میں اکیلے تھے فیضان کے مطابق موقع اچھا تھا سو وہ اسوہ کے داخل ہوتے ہی باہر نکل گیا۔ آرش نے اپنے اندر ہمت مجتمع کی اگر وہ محبت میں مجبور نہ ہوتا تو کبھی اپنی جگہ سے نہ اٹھتا مگر اسے اٹھنا پڑا۔ طبی قراری کی خاطر اسوہ کی طرف بڑھا اور اگلے ہی لمحے سرعت سے اس کا نقاب اتار دیا جیسی اس کے دل نے وقت ختم جانے کی خواہش ظاہر کی اس کے

”شادی کرو گی مجھ سے.....؟“ اس نے تاثر لیے بغیر اپنا سوال دہرایا اب کہ اسوہ نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا۔

”میں تو کیا آپ جیسے لڑکے سے کوئی بھی لڑکی شادی نہیں کرے گی۔“ پھر تنفر سے طنز یہ کہتی ہل بھر میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی آرش اس کے صاف انکار پر تلملا اٹھا کچھ اپنی بے بسی پر رنجیدہ بھی ہوا۔

مگر وہ آرش کی پہلی حرکت کے بعد شاید اس کے کریکٹر کو بہت گرا ہوا سمجھ چکی تھی اور سمجھتی بھی کیوں نہ اپنی حرکت پر بعد میں وہ خود بھی بے یقین سا خود پر غصہ بھی تھا۔

”فرسٹ ایمپریشن از دی لاسٹ ایمپریشن“ یہ معقولہ سو فیصد سچ ثابت ہوا۔ اس کے بعد آرش نے ہر بار اسوہ سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ آرش کو تڑی طرح نظر انداز کرتی ایسے میں فیضان نے دوست سے ہمدردی ظاہر کی۔

”میں اس سے کبھی محبت کرتا ہوں فیضان! اور وہ مجھ سے شدید نفرت..... میں اسے کھونا نہیں چاہتا اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر وہ ہر مرتبہ سخت انکار کر رہی ہے۔ میں بے بس ہو کر ہارنا نہیں چاہتا تم ہی بتاؤ کیا کروں میں؟“ آرش نے اسے سب بتایا پھر پوچھا۔

اسوہ کے انکار نے اسے محبت میں واپسی بے بس کر دیا تھا بہت مجبور ہو کر وہ فیضان سے رابطہ کرتا تھا۔

”اے اپنی طرف مائل کرو۔“ فیضان نے اسے مشورہ دیا۔

”کیسے..... وہ تو میری بات بھی سننا پسند نہیں کرتی۔“

”بات تو کیا منت کرے گی وہ تمہاری..... خود تمہارے پاس آ کر شادی کا کہے گی۔“ فیضان نے ہل بھر میں سب ترتیب دیا۔

”سچ میں ایسا ہو سکتا ہے؟“ آرش کھل اٹھانستے ہی برجستہ پوچھا۔

”ہاں سچ میں میرے دوست! ایسا ممکن ہے۔“ اس

البتہ دن بدن آرش کی سوچیں الجھتی جا رہی تھیں اس کی کیفیت اسے پریشان و بے بس کیے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں نے اس کا چہرہ بھی دیکھ لیا تھا مگر اب اگلی خواہش نے اسے تڑپا کر رکھ دیا محبت اسے مجبور کرنے لگی بے بس کرنے لگی اس کا دل اسوہ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا اس کا قرب چاہتا تھا اسی لیے جب ایک دن اسے موقع ملا تو وہ سیدھا اسوہ کے پاس پہنچ گیا وہ گھبرا ہی گئی۔

”جانے دیں مجھے۔“

”میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں؟“

”مجھے کوئی بات نہیں کرنی آپ سے۔“

”میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔“

”مجھے نفرت ہے آپ سے۔“

”میرے جذبات سچے ہیں آپ کی نفرت کو محبت میں بدل لیں گے۔“

”آپ کی چھچھوری حرکت کے بعد میں آپ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی محبت تو دور کی بات ہے۔“ وہ کئی سے بولی۔

”وہ سب میں نے مجبوری میں کیا تھا۔“ آرش نے وضاحت دی۔

”جو بھی تھا پلیز آپ میرے سامنے سے نہیں کیوں میرا تماشہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔“ اب کہ وہ بے چارگی سے بولی۔

”میں اپنی اس حرکت پر شرمندہ ہوں۔“ آرش نے بجائے ہٹنے کے آہستگی سے کہا۔

اسوہ نے کوئی توجہ نہ دی آرش کو اس کی بات سمیت نظر انداز کر کے جانے لگی تو آرش نے اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے مقابل کیا۔

”پلیز.....“ وہ عاجز آ چکی تھی آرش بھی کیا کرتا عشق میں مجبور تھا اپنی بے بسی سے ٹکنا چکا تھا۔

”شادی کرو گی مجھ سے؟“ جیسی اس سے استفسار کیا۔

”ہوش میں تو ہیں آپ؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں جانے دیں مجھے۔“ وہ دنگ سی آرش پر چلائی۔

نوحہ عم

وہ بہار گلستاں کہاں رہ گئی؟
کیا چمن کا مقدر خزاں رہ گئی؟
لال جس جس کے مارے گئے ظلم سے
ہاتھ ملتی وہ ہر ایک ماں رہ گئی
سوچتا ہوں میں تنہائی میں بیٹھ کر
کیوں میری کل زمین بے اماں رہ گئی؟
آنکھوں میں گہروں کے چہکتے تھے جو
آج ان کی فقط داستاں رہ گئی
ایک خوشبو جو کل تیری پہچان تھی
وہ کہاں اے مرے گلستاں رہ گئی
ظلم اہل چمن پر وہ دیکھا کہ بس
گنگ ہو کر ہماری زباں رہ گئی
خون دلایا کرے گی ہمیں عمر بھر
یہ جو یادوں کی اک کہکشاں رہ گئی
روپ میں آدمی کے دندے ہیں یہ
آدمیت ہی ان میں کہاں رہ گئی
ظلم سے مار ڈالیں یہ چاہے جسے
کب تمہیں طفل و جوان رہ گئی
صدقہ مصطفیٰ ﷺ رحم کر اب خدا
اک تیری ذات ہی مہرباں رہ گئی
دل پر تہذیب گزرا ہے وہ سانچہ
تا ابد میرے لب پر فغاں رہ گئی

راؤ تہذیب حسین تہذیب..... رحیم یارخان

بڑھا نقاب تو اس کا کب کا اتر چکا تھا اب کس آرش نے
وحشت کی انتہا کو پہنچ کر اس کا اسکارف کھینچا۔
”پلیز آرش..... خدا کے لیے رحم کرو مجھ پر مجھے بدنام
رہا کر کے تمہیں کیا ملے گا اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو
پلیز جانے دو مجھے..... تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو تو
ٹھیک ہے میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں..... مگر پلیز
مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔“ وہ یک دم اپنی ہار تسلیم کر گئی روتے
ہوئے التجا کرنے لگی مگر تب تک اس کے دماغ نے کام کرنا

نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تجویز دی جسے سن کر اول تو
آرش نہ مانا لیکن فیضان نے اپنی تجویز پر مثبت دلائل دیئے
کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بے بسی کے ہاتھوں آرش کو
مجبوراً ماننا پڑا کہ اسوۂ کے بغیر زندگی کا تصور بھی اس کے لیے
محال تھا۔

چند دن حریہ اس نے بے قراری بوڑھی تنگ کرتی بے
بسی میں گزارے، پھر وہ دن آ گیا جب اس نے فیضان
کے کہنے کے مطابق یونیورسٹی کے بعد اسوۂ کو زبردستی گاڑی
میں ڈالا اور اسے فیضان کے پرانے گھر لے آیا وہ جگہ
بالکل ویران تھی اور آرش اپنی بے بسی کے ہاتھوں اس کی
محبت میں اندھا سے پانے کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کو
تیار تھا۔ اسے کسی قسم کا کوئی خوف نہ تھا نہ ہی اسوۂ کی چیخ و
بیکار کی پروا تھی جس نے سارے رستے روتے ہوئے التجا
کی کہ اسے چھوڑ دے جانے دے۔
”پلیز جانے دو مجھے.....“

”ایسے کیسے جانے دوں محبت کرنا ہوں تم سے۔ پانا
چاہتا ہوں تمہیں۔“ جبکہ آرش پر وحشت سوار ہو چکی تھی
اسے کمرے میں لا کر پھینکتے ہوئے جنوبی انداز میں بولا۔
”خدا کے واسطے رحم کرو مجھ پر میری بوڑھی ماں میری
راہ دیکھ رہی ہوگی۔ کوئی نہیں ہے میری ماں کا میرے سوا
میں ان کا واحد سہارا ہوں۔ مت چھینو ان سے ان کا
سہارا..... جانے دو مجھے پلیز.....“ اسوۂ اس کے قدموں
میں گری آرش نے کندھوں سے پکڑ کر اسے اٹھایا۔

”جب تمہیں میری پروا نہیں تو میں کیوں کسی کی پروا
کروں شادی کرنا چاہتا تھا میں تم سے..... تم نہ مانی تو مجبوراً
مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا اب جب تمام پردے درمیان میں
سے ہٹ جائیں گے پھر تم خود میرے پیچھے ڈگی اور شادی
کے لیے کہو گی۔“

ہوس کھل طور پر آرش کو اپنے سحر میں لیے تھی اور وہ
دیوانہ بنا چھوٹے سوچنے سمجھنے سے قاصر محض فیضان کی کہی
باتیں دہرا رہا تھا۔ فیضان نے اسے اسوۂ کو بے بس کرنے
کی تجویز دی تھی اس پر عمل پیرا تھا کہتے ہی اس کی طرف

”میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا اسوۂ۔“ اس کی آنکھیں بھرا آئیں۔

”تم نے مجھے جیتے جی مار دیا ہے۔“
”مجھے معاف کر دو اسوۂ! تمہاری حالت بہت نازک.....“

”چھوڑو مجھے..... اسوۂ نے خاک اس کی گرفت سے جھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے تحفالت سلسلہ کھلا۔
”میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا میں تمہیں ابھی ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتا ہوں۔“ وہ کہتے ہی اسے اٹھانے لگا مگر وہ نہ ہلی۔

”نہیں.....“ تکلیف میں بھی بڑی تلخی سے انکار کیا۔
”پلیز اسوۂ..... نادان مت بنو تم میری محبت ہو میں تمہیں کچھ بھی نہیں ہونے دوں گا۔“ وہ تڑپ کر بولا۔

”آرش عباس بیگ..... نفرت کرتی ہوں میں تم سے تمہاری اس غلیظ حرکت نے میرے دل میں تمہارے لیے زہر بھرا دیا ہے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اپنے کسے پر تمہیں بچھڑانا ہوگا۔ مجھے جیتے جی مار دیا تم نے میں تو ابھی اس وقت مر جاؤں گی مگر تم چاہ کر بھی نہیں مر سکتے۔

میں قیامت کے دن خدا کے سامنے تم سے پوچھوں گی کہ آخر میں ہی کیوں..... تمہیں تمہارے جرم کی سزا دونوں جہانوں میں ملے گی میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی..... تم ہرگز معافی کے قائل نہیں ہو۔“ اسوۂ کے لہجے میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت تھی اس کے الفاظ نے آرش کو اندر تک لرزا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس وقت سبھی معنوں میں بے بس ہوا تھا جب اسوۂ نے آخری بار عجیب نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی بانہوں میں دم توڑا تھا وہ لاکھ چاہنے کے باوجود بھی چلا نہ سکا مگر اسوۂ کے بے جان جسم پر بہتے آنسوؤں کو روکنے میں بھی ناکام رہا آرش کا عشق بے دردی مار گیا تھا اسے۔

وہ زور زور سے رونے لگا اسوۂ ریت کی مانند اس کی ہتھیلی سے پھسل چکی تھی وہ خالی ہاتھ رہ گیا تھا علی نے لب بچھنے اسے دیکھا۔ آرش نے اپنے پوروں سے آنکھیں

”ہو تم..... ہاتھ مت لگاؤ مجھے.....“ اور اس حالت میں بھی اس سے شدید نفرت کا اظہار کرنے لگی۔
”مر جانے دو مجھے.....“

چھوڑ دیا تھا۔
وہ اپنی بے بسی کے ہاتھوں انسان سے حیوان بن چکا تھا اس پر عمل طور پر وحشت سوار ہو چکی تھی۔ اسوۂ کی بات شادی کے لیے اسوۂ کا اقرار اسے سنائی ہی نہ دیا وہ بنا اس کی حالت پر دھیان دینے آگے بڑھا اور مضبوطی سے اس پر اپنی گرفت جمادی وہ کئی لمحوں تک پھڑ پھڑاتی رہی مگر بلا آخر بہت سی ناکام کوششوں کے بعد تھک ہار کر رونے لگی کچھ ہی دیر بعد آرش نے اسے آزاد کیا۔

اسوۂ خود کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی آرش فیضان کی تجویز پر کامیابی سے عمل پیرا ہونے کے بعد سرور سا تھا جبکہ اسوۂ پر پہاڑ ٹوٹے ہوئے تھے لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ مسلسل روئے جا رہی تھی اسے اپنی ذات سے گھن آنے لگی۔ شرمندگی سے آنکھیں میچے دل ہی دل میں مرجانے کی دعا کرنے لگی جو آرش نے اس کے ساتھ کیا وہ اس کی برداشت سے باہر تھا عزت گنوا کر سکون کھو بیٹھی ذات کا بھرم خاک میں مل گیا تھا۔

آرش توقف کے بعد اس کی طرف مڑا تو اس کی حالت کیفیت رونما: یکہ کر دنگہ گیا تڑپ کر آگے بڑھا لیکن اسوۂ نے فوراً اسے دھکا دیا اور اسی حالت میں بھاگ نکلی آرش اس کے پیچھے لپکا اسے وادوی اس نے ایک نہ سنی ناساے مڑ کر دیکھا مگر جیسے ہی..... جیسے ہی وہ مین گیٹ کراس کر کے باہر نکلی ایک زبردست چیخ اس کی سماعتوں سے ٹکرائی وہ فوراً سے پہلے باہر نکلا تو قدم جیسے لڑکھڑاسے گئے۔

اسوۂ زمین پر خین سے لت پت پڑی تھی ایک تیز رفتار ٹرک اسے ٹکر مار کے جاچکا تھا۔ وہ حیران پریشان گھبرا کر آگے بڑھا زمین پر بیٹھا اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔

”اسوۂ... اسوۂ آنکھیں کھولو۔“ آرش نے حیزی سے اس کے گال تھپتھپائے اس نے بمشکل بند ہوئی آنکھیں ہلکے سے کھولیں۔
”ہو تم..... ہاتھ مت لگاؤ مجھے.....“ اور اس حالت میں بھی اس سے شدید نفرت کا اظہار کرنے لگی۔
”مر جانے دو مجھے.....“

صاف کرتے ہوئے بسی سانس خدج کی پھر توقف کے بعد بولا۔

”میری نام نہاد محبت بے بسی اور وحشت نے اسوہ کی جان لے لی جسے پانے کے لیے میں نے فیضان کے کہنے پر اس کے ساتھ غلط کیا وہ نام ہو کر ذلت کی زندگی نہیں جینا چاہتی تھی اسے اذیت سے چھٹکارا لیا گیا مگر مجھے اسی لمحے پچھتاؤں نے گھیر لیا۔ میں اذیت کی دلدل میں پھنستا چلا گیا میری بے بسی مجھے لے ڈوبی۔ محبت پر سے میرا اعتبار اٹھ گیا فیضان کی دوستی میرے لیے دشمنی سے بدتر ثابت ہوئی۔ میں نے اس سے تعلق توڑ لیا میرا دل بے قراری سے مردہ ہو گیا اسوہ کی فریاد بد دعا ہر وقت میرے کانوں میں گونجنے لگی میں پاگل ہونے کو تھا..... محبت نے مجھے برباد کر دیا..... محبت نے مجھے وحشت دے بسی دی تھی..... محبت نے اسوہ کی جان لے لی تھی..... محبت نے مجھے کیلا کر دیا تھا..... محبت نے مجھے اذیت و پچھتاؤں میں ساری عمر کے لیے ڈال دیا..... محبت میرے لیے روگ تھی..... محبت نے اسوہ کی ماں کا سہارا اس سے چھین لیا تھا۔ محبت کی تباہ کاری نے اسوہ کو مجھ سے چھین کر ایسی سزا دی کہ میں سنبھل ہی نہ سکا بس اسی دن سے مجھے محبت سے نفرت ہو گئی۔ اسوہ کی محبت کے بعد میں نے اس سے بہت معافی مانگی ارب سے قرار مانگا نمازیں پڑھیں مگر اللہ تعالیٰ جب تک اپنے بندوں کو معاف نہیں کرتا جب تک بندہ اپنے حق میں اپنے خطا دار کو معاف نہ کرے اور اسوہ نے مجھے معاف نہیں کیا تھا۔ آج تک میں اس سے معافی مانگ رہا ہوں اپنے گناہ پر پچھتا رہا ہوں مگر میری بد نصیبی تو دیکھو کہ مجھے معاف کرنے والی اب اس دنیا میں ہے ہی نہیں اور میں ایک گناہ کرنے کے بعد خود کو جیسا حرام فعل کر کے اذیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے قابل بھی نہ رہا میں موت کا انتظا کر رہا ہوں کہ مجھے اسوہ کے پاس جا کر اس سے معافی مانگنی ہے۔“ آرش کے گالوں پر پھر سے آنسوؤں کی قطار بندھی تھی۔

”یہ تھی میری کہانی.....“ وہ آخر میں افسردگی و ملال

دنیا

یہ دنیا ایک بس اسٹاپ، ایئر پورٹ اور ریلوے اسٹیشن کی طرح ہے جہاں مسافر آتے اور چلے جاتے ہیں لیکن یہاں کوئی بھی مستقل قیام نہیں کر سکتا۔

یہ ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا جھومنا، دریاؤں کا بہنا، چڑیوں کا گانا، دن کا اجالا، رات کی تاریکی، بارش کی ٹھنڈک، سورج کی تپش، یہ اپنوں کی محبت، دشمنوں کی دشمنی، رشتوں پر اعتبار سب کچھ اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ اس دنیا میں رونما ہونے والی بہت سی تبدیلیاں ہیں یہ دنیا ایک خواب سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔

گلشن شہزادی..... نیلا اور

ہمارے حکمران

تضاد حالات کہوں

یا تضاد وقت کہوں

اس انقلاب کو میں کیا کہوں

کل جس نبی ﷺ کا خلیفہ ہوتا تھا

راتوں کو گلیوں میں گشت پر

غریب چاہوں کی فکر میں

آج اس نبی ﷺ کا اتنی بندوق تھا سے کھڑا ہے

حکمران کے تحفظ کے لیے.....!

عائشہ صدیقہ..... چکوال

سے بولا لہجہ بھاری ہو چکا تھا۔

محبت بے بسی و وحشت کے ملاپ سے سرزد ہونے والی تباہی نے آرش کو مردہ سا کر دیا تھا شرمندگی و عداوت اسے اندر سے کھانے لگی تھی، علی تمام داستان سننے کے بعد کچھ بھی کہنے سے قاصر تھا۔

”اسی لیے میں تمہیں محبت کرنے سے روکتا رہا۔“ آرش نے علی کو مخاطب کیا۔

”آئی ایم ویری سوری آرش! مجھے واقعی بہت دکھ ہوا ہے سب جان کر۔“ وہ جواباً اتنا ہی بولا آرش کچھ نہ بولا کئی لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔

”مجھے بے بس ہونے سے پہلے کیا کرنا چاہیے؟“

خوش تھا۔

اس امید کے ساتھ کہ جلد ہی اس کی ایک طرفہ محبت بے بس ہونے سے قبل دو طرفہ ہو جائے گی۔



آرش عباس بیگ علی کے نکاح میں شرکت کے بعد سیدھا قبرستان چلا آیا اسوہ کی قبر صاف کی فاتحہ پڑھی اور پھر معمول کی طرح باتوں کا سلسلہ شروع کیا۔

”آج برسوں بعد میں بے سکون ہوا ہوں اسوہ! بہت مطمئن ہوں میں آج کہ جیسے میرے ہر گناہ کی تلافی ہو گئی ہو، علی نے باعزت طریقے سے نکاح کر کے اپنی محبت کو پایا۔ وہ خوش تھا، بہت خوش تھا..... محبت واقعی خوب صورت ہوتی ہے اگر اسے خود پر سوار نہ کیا جائے۔ کاش علی کی طرح کوئی مجھے بھی بتانے یا سمجھانے والا ہوتا، مجھے اپنی بد نصیبی سے زیادہ تمہاری موت کا دکھ ہے، میں تمہارے بغیر بھی خوش رہ ہی نہیں سکتا بلکہ کوئی بھی اپنی محبت کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے میں نے اپنے تئیں ایک اور آرش کو اسوہ کی موت کا ذمہ دار ہونے سے بچانا چاہا کہ شاید میرا یہ اقدام تمہیں پسند آجائے اور تم مجھے معاف کر دو، اپنی اذیت و سزا کے قسم ہونے اور تم سے ملاقات کا شدت سے انتظار کروں گا۔“ وہ دل ہی دل میں اسوہ سے مخاطب تھا۔

آج ضمیر پر کسی قسم کے بوجھ کا احساس بھی اسے شرمندہ کرنے کے لیے موجود نہ تھا، وہ اعد سے بالکل بے سکون و مطمئن تھا۔ اسے قوی امید تھی کہ اپنے ساتھ ہونے والی محبت کے تمام نشیب و فراز دکھ درد سے اسے جلد ہی اسوہ کی طرف سے معافی کا عندیہ مل جائے گا، آخر میں پھر فاتحہ پڑھتا، وہاپس پلٹ گیا۔ جسمی نیلگوں آسمان پر دن بھر تھے سورج کو بادلوں نے اپنی اوٹ میں لے لیا، آرش نے عرش کی طرف دیکھا تو لب دھیرے سے مسکرائے۔ شاید اسی وقت اسوہ نے بادلوں کی آمد سے آرش کو معافی کا پیغام دے دیا تھا۔



جب ہی علی نے کافی دیر سوچنے کے بعد استفسار کیا۔

”تمہارے جذبات و پیار میں کوئی کھوٹ نہیں، میں مزید تمہیں محبت سے پیچھے ہٹنے کو نہیں کہوں گا، ہاں مگر میں فیضان نہیں ہوں اسی لیے تمہیں ایک بہتر صلاح ضرور دوں گا کہ محبت میں بے بس ہونے سے قبل ہی باعزت طریقے سے، اس لڑکی کے گھر رشتہ بھیج کر تمام فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو، وہ سب بہتر کرے گا اور اگر وہ لڑکی تمہارے نصیب میں ہوئی تو تمہیں ضرور ملے گی۔“ آرش نے نیک نیتی سے اسے مشورہ دیا، وہ مطمئن سا اٹھ کھڑا ہوا، آرش کے قریب آیا۔ اسے گلے لگایا، آرش کے ماضی سے باآسانی وہ فیصلہ کر گیا تھا۔

”تمہیں، یوسوچ آرش!“ پھر تشکر سے بولا اور بات جاری رکھی۔ ”جہاں آپ نے علی کو آرش بننے سے بچایا وہاں آپ نے ایک اور اسوہ کو ذلت و بدنامی سے بچا کر زندگی دے دی۔“

”خوش رہو۔“ آرش نے اس کو دعا دی۔ علی دھیرے سے مسکراتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔



علی آرش کے سکون کی دعا کرتا ہوا اسی وقت سیدھا اپنے گھر ماں باپ کے پاس گیا، انہیں اس لڑکی کے متعلق بتایا۔ اپنی خواہش ظاہر کی اپنی محبت کا بتایا، اول تو انہوں نے انکار کیا مگر پھر علی کے اصرار و خواہش کے آگے انہیں ماننا پڑا، سوا گلے ہی دن وہ ان کے گھر رشتہ لے کر گئے۔

لڑکی کا نام مومنہ تھا، اگلوٹی تھی، باپ بیمار تھا۔ ماں کی طبیعت بھی زیادہ تر خراب ہی رہتی تھی اور وہ گھر کی واحد کفیل تھی، ایک اسکول میں پڑھا کر گھر چلا رہی تھی ایسے میں علی جیسے امیر کبیر سلجھے ہوئے نیک لڑکے کا رشتہ تا کسی نعمت سے کم نہ تھا۔ انکار کا بھی کوئی جواز نہیں تھا سو بیمار ماں باپ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے حامی بھر لی اور اگلے دو ماہ بعد شادی کی تاریخ دے دی۔ آرش کے کہنے پر علی نے باعزت طریقے سے مومنہ کا رشتہ مانگا، سب کچھ ہننا شواری کے آسانی سے انجام پایا، اسے اپنی محبت مل رہی تھی وہ بہت



عزیز کی بات
حصہ ۱

آرزو یہ ہے کہ ان کو ہر نظر دیکھا کریں
ہم ہی ان کے سامنے ہوں وہ جدھر دیکھا کریں
اک طرف ہو ساری دنیا، اک طرف صورت تیری
ہم تجھے دنیا سے بو کر بے خبر دیکھا کریں

کی نازک پشت پر ڈولتی لانی ریشمی چوٹی سے الجھ کر
رہ گئیں۔

”آ رہی ہوں بھی..... آ رہی ہوں۔ ٹھنسی پر انگلی
رکھ کر بھول ہی جاتے ہیں ذرا عقل تیز نہیں ہے.....
ارے بھئی صبر تو کرو آگئی۔“ اس نے ڈسٹ بن گیٹ
سے باہر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے دودھ کی تھیلی تھامی تھی
اور جانے دودھ والے نے کیا کیا کہ ایک بار پھر اس کی
بک جھک جاری ہوگئی۔

”لو..... ابھی پانچ تاریخ آئی نہیں ہے اور تمہیں
پیسوں کی بڑی؟ ابھی جاؤ بچوں کو اسکول سے دیر
ہو جائے گی کل حساب کرنا۔“

”بی بی! کل بھی مجھے اسی وقت آنا ہے۔“

”تو اتوار کو کر لینا۔“ جگلت بھرا عاجز انداز۔

”اتوار تو بڑی دور بڑی ہے بی بی جی!“ بات
درخشاں کے دماغ میں ساگنی۔ وہ جھنجھلائی ہوئی مڑی
اور بڑبڑاہٹ مسلسل جاری تھی۔

کہنے کو وہ ایک چھوٹی سی بات تھی مگر اتنی خوب
صورت اور اہم کہ اسے پیارے بھرے رومانٹک انداز
میں اتنے ہی خوب صورت لفظوں کے ساتھ درخشاں
کے کالوں میں انڈیلنے کے لیے فہد کب سے اس کی
تاک میں تھا اور وہ تھی کہ گھڑی کی سوئیوں کو منہ چڑانی
گھر بھر میں پھر کی کی طرح گھومتی پھر رہی تھی۔ یہاں
سے وہاں وہاں سے یہاں..... آج اسی بات کے لیے
فہد نے چھٹی کی تھی بات جنسی اہم تھی اتنے ہی خوب
صورت انداز میں وہ اسے کہنا چاہتا تھا مگر وہ ہاتھ آئی
تب نا وہ تو تھرکتا چلتا پارہ تھی۔ کسی جگہ ٹھہرنی تھمتی
ہی نہ تھی اس پر اس کی پیچی کی طرح کتر کتر چلتی زبان
الاماں.....

صبح کے اولین وقت میں فہد نے دودھ والے کی
کال تیل پر اسے تیز تیز قدموں سے گیٹ تک جاتے
دیکھا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈسٹ بن تھا جو
انہی وقتوں میں گیٹ پر رکھنا ہوتا تھا فہد کی نظریں اس

کو ڈھیلا ہو رہا تھا پاپا سے کہنا ذرا کس دیں۔“ اس نے اپنے مگن انداز میں فہد کی جانب نظر ہی نہ کی تھی وہ آیا تو تھا موقع پا کر اس سے اپنے دل کی بات کہے مگر اس کا مصروف و مگن انداز دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیا۔ اس نے ٹوسٹر میں نئے ٹوسٹ کھسیڈے، جھٹ پٹ اٹھا تو زگر گرم تیل میں ڈالا اور کھوتی چائے میں دودھ اٹھیلنے لگی۔ فہد نے ایک وارفتہ نظر اس پر ڈالی۔ یوں محو سی وہ دل میں اتری جا رہی تھی، کتنی دراز پلکیں، صبح چہرہ جس کے گرد پنک دوپٹے کا ہالہ بنائے وہ بلا کی معصوم و مقدس نظر آ رہی تھی کہ یکدم ہی فہد کو اس پر ڈھیروں ڈھیر پیارا آ گیا۔

”صدقے جاواں۔“ اس کے اندر سے اک نعرہ مستانہ گونجا تھا وہ خاموشی سے پینا کا ہاتھ تھامے لاؤنج تک آ گیا۔ بچوں کو تیار کرنے تک درخشاں لاؤنج کے وسط میں دھری ڈاننگ ٹیبل پر ناشتا لگا چکی تھی۔ ناشتا وقت پر مگر افراتفری کے ساتھ تھا، دین آگئی۔ چلو جی چھٹی ہوئی، فہد کا خیال تھا کہ اب مطلع صاف رہے گا مگر ہائے ری قسمت.....!

بچے سدھارے تو ماسی آگئی اور درخشاں کی مغز ماری ایک بار پھر جاری ہوئی۔

”آگئیں تم آج سورج کہاں سے نکلا جو وقت پر پہنچ گئیں؟ پہلے لاؤنج سمیٹو پھر کمروں کا رخ کرنا۔ بچوں کی تیاری میں سارا گھر میدان جنگ بن جاتا ہے اور سنو خبردار جو برتنوں کو ہاتھ بھی لگایا تو..... میں خود کچن اور ڈاننگ سمیٹ لوں گی۔“ وہ تیز تیز پوٹے ہوئے پھرتی سے ڈاننگ ٹیبل سے برتن اٹھا رہی تھی۔ فہد نے لاؤنج کے ایک گوشے میں پڑے صوفے سے پشت لگا کر سگریٹ سلگالی تھی۔

کبھی کبھی وہ سوچتا اگر درخشاں نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟ شاید وہ اسی طرح تھا کسی گوشہ میں بیٹھا سگریٹ پھونکتا نظر آتا۔ یہ ساری ہنگامہ خیزی رونق میلہ اور پھیلاؤ سب اسی کے دم قدم سے تو ہے۔ وہ جس مشاقی و

”صینے کی ابتدائی تاریکیں بھی عذاب ہوتی ہیں بار بار گھنٹیاں بجتیں ہیں پرس کھلتا ہے، کھلی اور گیس کے بلن راشن گر دوسری..... اسکول ٹیوشن کی فیئر بھگتاؤ تو دودھ اخبار کیبل والے سر پر آن سوار ہوتے ہیں۔“ اس نے کچھ سرخ اور سبز نوٹ پرس سے نکال کر دودھ والے کے ہاتھ پر دھر دیے۔

”ابھی یہ رکھو رات بجٹ کا رجسٹر چیک کر لوں تو کل صبح پکا حساب کر لینا۔“ اگلے ہی پل اس نے مین گیٹ بند کر دیا تھا۔

”ہر روز جتنی صبح اٹھ جاؤ مگر تھوڑی بہت تاخیر لازمی ہے۔“ اس کا رخ بچوں کے کمرے کی طرف تھا۔ فہد مسکراتا ہوا غراب سے واش روم میں مٹس گیا۔ لوگ کہتے ہیں درخشاں بولتی زیادہ سنتی کم ہے جبکہ خود فہد کا خیال تھا کہ وہ سننے کے لیے بھی کہاں دستیاب ہے اور اس کی ملامت..... اللہ بچائے جو کوئی اس کے ہاتھ لگتا دو چار کھری کھری ضرور سنتا۔

دوسرے مرحلے پر درخشاں کی آواز کچن سے بلند ہو رہی تھی، فہر کو فریش ہونے میں کچھ وقت لگا اور اس کے بعد اسے بی الفور چائے کی طلب ہوتی تھی۔ سو وہ کچن کے دروازے پر تھا، ایک چوہے پر کیتلی میں چائے کھول رہی تھی دوسرے ہر اٹھے فرائی کرنے کے لیے فرانگ پین میں تیل کڑکڑا رہا تھا۔ ٹوسٹر میں ٹوسٹ اچھل رہے درخشاں کی نظر کرم کے خنجر تھے جو کنگھاہالوں میں پھنسائے سات سالہ پینا کے بالوں کو بینڈ سے کس رہی تھی۔

”کتنی بار سمجھایا ہے اب تم بڑی ہو گئی ہو تم، بہن بھائیوں سے بڑی ہوا نے کام خود کیا کرو۔ ان کا بھی خیال کیا کرو مرناتی اچھی تو خود اپنی پونی نہیں بنا سکتیں۔ دوسروں کی خبر گیری کیا خاک کرو گی؟ یہ لوہن گئی پونی، اب جا کر زین کی خبر لو وہ دو بارہ تو بستر میں نہیں مٹس گیا؟ چاروں بیگڑا نے روم سے اٹھا کر باہر لاؤنج میں رکھو اور ہاں مانی کے بیگ کا اسٹریپ رات

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

صبر کرنے کا وقت

صبر اپنے وقت پر ہوتا ہے مدت گزر جانے کے بعد تو ہر ایک کو صبر آتی جاتا ہے وہ صبر باعث اجر نہیں ہوتا صبر وہی باعث اجر ہوتا ہے جو ارادہ اور اختیار سے معصیت کو دہانے کے لیے کیا جائے حدیث شریف میں ہے کہ ایک بڑھیا کا جوان بیٹا مر گیا نبی کریم ﷺ اور سے گزرے بڑھاوا دینا کر رہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا صبر کرو وہ آپ ﷺ کو پہنچاتی تھی جواب دیا کہ ہاں تمہارا جوان بیٹا مر گیا ہوتا تو ہوتا چلتا آپ ﷺ چل دیے کسی نے کہا اللہ کے رسول محمد ﷺ تھے۔ وہ بڑھیا دوڑی دوڑی آئی اور کہا اب میں صبر کروں گی آپ ﷺ نے فرمایا۔

ترجمہ: صدمہ اور رنج پہنچے ہی آدمی صبر کرے تو موجب اجر ہوتا ہے۔

مدیحہ شبیر..... شاہ کڈر

میں وہ اسٹور روم کے دروازے پر تھا جہاں پشت موڑے درخشاں ماسی پر برس رہی تھی جو نام انداز میں اپنا سر سہلا رہی تھی۔

”ذرا عقل نہیں ہے تمہیں، ہزار بار کہا ہے کہ اپنی آنکھیں کھلی رکھا کر ڈالو ماری سے ایک ڈبا اتارنے میں ہی اپنا سر پھوڑ لیا، ابھی اگر رہٹ جاتیں تو بلاک پڑتا سر پر بھیجا ہا ہر آ جاتا، خیر زیادہ تو نہیں گئی؟“

فہد نے سکھ کی سانس لیا اور یہ سانس ابھی درمیان ہی میں تھی کہ آ پا کا فون آ گیا۔ امی کو شام تک کے لیے ہسپتال میں ایڈمٹ کر لیا گیا تھا، عنقریب ان کا آپریشن متوقع تھا۔ شام تک تمام ٹیسٹ رپورٹس آنے کے بعد آپریشن کی تاریخ دے کر فارغ کر دینا تھا۔ آ پا نے صرف اطلاع دی تھی مگر درخشاں کو ایک نئی فکر لگ گئی۔ آ پا کا کھانا امی کے لیے سوپ، ہسپتال ان کے گھر سے قریب تھا، دوپہر کے لیے ہانڈی وہ چڑھا چکی تھی۔ صفائی کے دوران کچن میں کس کر کھٹ پٹ

مہارت سے اس کے گھر بچوں اور خاندان کو لے کر چلتی جیسے اپنی ذات بھی نہیں پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ درخشاں اس کی زندگی کا لازم جز تھی شاید اس کے بناء وہ ادھر رہتی رہ جاتا۔ اس نے نہیں پڑھا تھا کہ لو میرج دو طرح سے ہوتی ہے اک وہ جو عورت کی کسی بھی کو اپنی پر دل ہار کر مرد زمانے بھر سے لڑ کر یا اہل طریقے سے اسے اپناتا ہے۔ دوسری وہ جو ہا ہی رضا مندی کے تحت جا سکتی ہے۔ کچھ یا زیادہ عرصہ کی میل جول یا ربط کے دوران تکھیل پاتے جذبوں کے اغتنام پر وجود میں آتی ہے۔ درخشاں کا شمار خوش قسمت ترین عورت میں سے تھا، فہد نے اسے کسی دوست کی شادی کی تقریب میں دیکھا تھا اور ہالا خر تھوڑی بہت کوشش کے بعد حاصل کر لیا تھا۔ یہ اور بات، کہ اس کی کوششوں سے درخشاں شادی ہونے تک لاعلم رہی تھی۔

درخشاں ماسی کے سر پر سوار گھر بھر کی صفائی کے لیے ہلکان تھی، درمیانی وقفہ میں کچن میں جھاگتی۔ فریج میں کھٹ پٹ کرنی رہتی تھی، یقیناً کچ کی تیاری جاری تھی۔ سگریٹ مسل کر وہ اخبار منہ سے لگائے بھانت بھانت کی آوازیں سنتا رہا۔

”نڈیراں..... ارے بھئی ٹھیک سے جھاڑو دو میل مٹی رہ گیا تو بچوں کو چھینکیں لگ جاتی ہیں۔ ارے کہاں کھس گئیں ابھی بیڈ کے نیچے کی صفائی نہیں ہوئی تم سے ابھی تو سارے گھر کی صفائی پڑی ہے۔“

”ارے سستی ہو پونچھا دوبارہ دھو کر لاؤ“ فرش پر نشان رہ جائیں گے۔“ وہ بولتی اسے نچا نچا کر لاؤ کچ سے باہر ہانک کر لے گئی تھی۔

”دھڑام.....“ اگلے ہی پل اسٹور سے اک دھماکا نما آواز پر فہد کا دھیان ٹوٹا تھا، پچھلے دنوں گھر میں کچھ کنسرکشن کا کام ہوا تھا۔ اسٹور روم میں کئی بلاکس ایک کے بعد ایک دھرے تھے۔ آواز پر فہد کا ذہن سب سے پہلے اسی طرف گیا تھا پھر اگلے ہی لمحہ

وقت سے کچھ پہلے بالا خرفہد نے درخشاں کو چاہی لیا۔ وہ حسب توقع بیڈ روم کی الماری کھنگال رہی تھی اس نے شکر منایا کہ چاروں آفت کے پرکالے کہیں نظر نہ آ رہے تھے مگر درخشاں کو بھلا کہاں فراغت تھی۔

”ارے فہد! کہاں گم ہیں آپ؟ ذرا گھر کی پروا نہیں ہے آپ کو۔ یہ نہیں کہ چھٹی کی ہے تو دو چار گھر کے دھندے ہی بھگتا دیں مگر نا آپ کو اخباری وی یا سگریٹ سے فرصت ملے تب نا کب سے آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں ذرا ایک چکر مار کیٹ کا لگا لیجئے ڈنر کے لیے۔“

”ارے یارا ڈنر کو گولی مارو آج ہم کھانا باہر کھائیں گے واپسی میں میں تمہیں گھرے دلوؤں گا اور.....“ وہ میدان صاف پا کر اس کے قریب کھسکا مگر درخشاں کو پتہ لگ گئے۔

”ہا میں دماغ تو درست ہے کبھی تو عقل کی بات کر لیا کریں ابھی کتنی بے منتس باقی ہے بجٹ منہ چڑا جائے گا۔“

”ارے یارا! کبھی کبھی تم بھی بجٹ کو منہ چڑا دیا کرو کم از کم آج تو.....“ مگر وہاں منتنا کون تھا۔

”آئے ہائے..... کم عقلی کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان خود اپنی کبی بات بھول جاتا ہے۔ یاد نہیں مہینہ کے آخر میں فضیلت آپا کی بیٹی کی شادی ہے ہوٹل بازی کریں گے تو تنگ پڑ جائیں گے۔ ابھی ساری تیاری باقی ہے۔“ فہد کو یاد آیا خود اسی نے اس ماہ ہاتھ روک کر خرچ کی صلاح دی تھی۔

”اچھا تو پھر ڈنر کے بعد آکس کریم ہی کھالیں گے واپسی میں بیٹھے بان اور.....“

”لو بھلا وہ کس خوشی میں.....؟“ اور خوشی کی وجہ وہ بات تھی جس کے لیے فہد صبح سے ہلکان تھا۔ درخشاں کی بات کا جواب کال تیل نے دیا اس بار دروازے پر ٹیوٹر تھا انہیں اندر لا کر بٹھایا تو کیبل والا وارد ہوا۔ اسے چلنا کیا تو مانی دامن گیر تھا۔ اسے بلیک بورڈ پر لکھا

کرتی رہی تھی۔ گھنٹہ بھر میں سوپ سالن تیار ہو گیا درخشاں نے فریزر کے کچھ کباب بھی مل کر ساتھ کیے جھٹ پٹ روٹیاں پکائیں۔ آیا کب سے اس کے ہاتھ کے کھانے کی فرمائشیں کر رہی تھیں امی اپنی مستقل سکونت آپا کے پاس ہی رکھتی تھیں کہ چاؤ اور ارنالوں سے بپاہ کر لانے والی دو بدترین بہوؤں سے چوٹ کھائے بیٹھی تھیں۔ درخشاں کو کہ ایک حساس و نیک دل لڑکی تھی وہ ہر ممکن ساس کا دل ہاتھوں میں رکھنے کی کوشش کرتی مگر بہوؤں پر سے امی کا اعتماد اٹھ چکا تھا۔ درخشاں پر تو بھر بھی من چاہی کی مہر تھی۔

درخشاں نے نقن اسے پکڑا کر چلتے وقت ایک اور نوید دی تھی کہ بچوں کو اسکول سے لیتے ہوئے لوٹنا ہے۔ اسکول سے فون آیا تھا وین خراب ہو گئی ہے۔

”لو جی رلو گل یعنی یک نہ شد دوشد۔ ہائے آؤ

رہا! کیری مناں..... کیری نہ مناں.....“ اسے جانا تھا اور وہ نکل ہی پڑا۔ فہد کا بس نہ چل رہا تھا کہ گھڑی کی سوئیوں کو نوچ کر پھینک دے جو ہر وقت درخشاں کو انگلیوں پر نہجتا تھا۔ راستے بھر اسے افسوس ہوتا رہا ناحق چھٹی کی اس سے بہتر تھا کہ آفس ہی چلا جاتا۔ ایک میج کر دیتا درخشاں جب فارغ ہوتی پڑھ لیتی مگر.....

ہائے آداب محبت کے تقاضے ساغر

ابھی تو سر ارادن تھا اور دل کے بہلانے کو یہ خیال بہت ہی اچھا تھا اسی خیال نے اسے سرور رکھا۔ اس کی واپسی جلد ہی ہو گئی کیونکہ ہسپتال میں بچوں کو اسکول سے لینے کا بہانہ کام آیا۔ بچوں کے لوٹنے کے کچھ دیر بعد ان کے میج اور سچ سے فارغ ہو کر آرام تک کے وقفہ میں درخشاں تقریباً فارغ ہی ہوتی تھی۔ واش ہوئے پڑے پریس کر کے ہنگ کرتی پابینڈ روم ہی میں یہاں وہاں کام ڈھونڈ ڈھونڈ کر کرتی رہتی۔ بچوں کا ٹیوٹر چار بجے آتا تھا اور فہد کا خیال تھا کہ تب تک کے دنوں میں راوی چین ہی چین لکھتا ہے سو اس

نورین شاہد

اسلام علیکم اشروع کرتی ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ کیسے مزاج ہیں آپ سب کے؟ میں بھی بالکل ٹھیک ہوں (ارے میں کون ہوں) جی میرا نام ہے نورین شاہد اور میرا تعلق رحیم یار خان سے ہے۔ اسنے والدین کی پہلی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے میں 30 جون کی ہفتی رات میں ٹھنڈک کا احساس بن کر دنیا میں آئی میرے دو بھائی اور چار بہنیں ہیں پہلے نمبر پر میں پھر نوشین بلال مہرین ابراز فارہ اور جویریہ میں تھرڈ انمبر کی اسٹوڈنٹ ہوں بی ایس سی کر رہی ہوں۔ میرے ابو اور امی بہت اچھے ہیں اللہ انہیں لمبی عمر اور صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔ جی تو مجھے کالا سفید فیروزہ رنگ پسند ہے کھانے میں پلاؤ کسٹرڈ چائے گلاب چائے پسند ہیں۔ چوڑیاں (کسی اور کے پہنے ہوئے) اچھی لگتی ہیں۔ مہندی لگانا پسند ہے صرف تھوڑی بہت لگانی آتی ہے شلوار قمیص اور لمبا دوپٹا پسند ہے مجھے سورج کو طلوع و غروب ہوتے دیکھنا چاند کو دیکھنا کہانیاں پڑھنا ٹی وی پر کھڑے ہو کر دور تک دیکھنا لان میں بیٹھ کر چائے پینا سرسبز گھاس پر ننگے پاؤں چلنا بہت پسند ہے۔ میں ایف ایم بہت زیادہ سنتی ہوں خاص طور پر ایف ایم 106 کے آر جے خرم مصور عباس دعا اور فضا آ پی عثمان حبیب حمید کنول صدیق کنول وسیم ارشد اور ایف ایم 99 کے اسد چوہدری اور سارینہ بہت پسند ہیں۔ ایف ایم میں کام کرنے کا بہت شوق ہے اور جلد یہ خواب پورا ہو جائے گا میرے دوست بہت کم ہیں دوست بنانا نہیں آتے مجھے ویسے میری بیسٹ فرینڈ ماریہ اور تمینہ ہیں۔ اب آتے ہیں خوبوں اور خامیوں کی طرف تو خامیاں ہیں کہ غصہ بہت زیادہ آتا ہے جلدی چڑ جاتی ہوں نماز ریگولر نہیں پڑھتی خود غرض لوگ پسند نہیں ہیں۔ خامیاں تو بتادیں اب خوبیاں تو بقول امی اور نوشی کوئی بھی نہیں ہے ویسے میں بہت حساس ہوں اور پتا نہیں بندہ اپنے منہ مٹھوئے اچھا نہیں لگتا۔ میں نیوز بہت سنتی ہوں اینکرز میں عائشہ بخش اور محمد جنید پسند ہیں سکرز میں عاطف اسلم راحت فتح علی خان شریا گھوشال مہدی حسن نور جہاں بہت اچھے لگتے ہیں۔ ایکٹرز میں محمد علی زینا وحید مراد ایشوریا مادھوری پسند ہیں ایک پیغام آپ سب کے نام۔ اپنے روشے ہوئے دوست کو بار بار مناد کیونکہ ہیروں کی مالا لٹ کر بھی ہیروں کی رہتی ہے۔ اللہ حافظ۔

جب درخشاں گھر بھر کے دھندے بھگتا کر سونے سے کچھ دیر پہلے اسے میسر ہوتی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ واپسی میں درخشاں کا من پسند خوش نما آکس کیک لیتا ہوا گھر جائے گا مگر کار کا ٹائر برسٹ ہو گیا وہ چیخ کیا تو ایندھن منہ چڑا رہا تھا۔ ٹیلر سے اس کی منہ ماری ہو گئی جانے کس شاپ پر وہ ایک شاپنگ بیگ بھول گیا اس نے کار کو دو چار بار اشارت کر کے سی این جی کی قطار میں کھڑا کیا تھا واپسی تک فہد کا موڈ اچھی طرح غارت ہو چکا تھا اور اس نے ٹھان لی تھی کہ اب اسے ایک لفظ بھی نہیں کہنا ہے مگر درخشاں کو وہ بات یاد تھی۔!



آج کا دن اس کی پوری حیات پر حاوی تھا اسی

صاف نظر نہیں آتا تھا اسے آنکھیں ٹیٹ کروانے کے لیے لے کر جانا تھا یوں فٹ ہال کی طرح گھومتے فہد کا موڈ اتنا خراب ہو چکا تھا کہ اب اس خوب صورت بات کا حسن ہی ضائع ہو جاتا تھا۔ دل پر پتھر رکھتے ہوئے اس نے گاڑی نکالی تھی درخشاں کے کام ختم ہوتے تو وہ اس پر نظر کرتی اور درخشاں کے بقیہ کاموں کی لسٹ کوئی فہد سے سنتا۔ زین نے بریانی کی فرمائش کی ہے مانی کی آنکھوں کا مسئلہ ٹیلر سے کپڑے لینے ہیں راجے کے لیے وہی..... یہ وہ..... اس نے کئی چیزوں کی فہرست بھی چلتے چلتے اسے تھما دی تھی ڈنر کا پروگرام تو رو ہو ہی چکا تھا۔ اب رہی وہ خوب صورت بات تو اب اس کے لیے رات تک کا انتظار کرنا تھا

”اسے بچنے دیجیے..... آپ کہیے۔“
 ”فون کہیں امی کا نہ ہو۔“ فہد کا اندیشہ بجا تھا
 درخشاں کو اٹھنا پڑا۔ فون واقعی امی کا تھا ان کی نیٹ
 رپورٹس کے بعد ڈسپارچ کر کے آپریشن کی تاریخ
 دے دی گئی تھی۔ آپریشن 16 فروری یعنی دو دن بعد
 تھا آج 14 فروری ہے ان کی شادی کی سالگرہ کا
 محبت بھرا دن۔ درخشاں کے دماغ کی جیسے کسی نے
 گھڑکی کھول دی تھی وہ سر تھام کر دھب سے اس کے
 نزدیک بیٹھ گئی۔ فہد دلچسپی سے اس کے چہرے کے
 بدلتے تاثرات دیکھتا رہا تھا۔

”اب کہنا ہائے اللہ میں تو بھول گئی۔“ اس
 نے حرا لیا۔

”فہد! میں کتنی بُری ہوں نا۔“
 ”اوہ ہوں..... اتنی بُری بھی نہیں ایک اچھی خاتون
 خانہ بہترین ماں اور بہو مگر بے پروا بیوی۔“ فہد نے
 شرارتاً اس کی ناک دبائی۔

”فہد! اس گھر کے جھیلے.....“
 ”جی ہاں اور اس گھر کے جھیلوں میں الجھ کر آپ
 اس محسوم گھروالے کو بھول ہی جاتی ہیں پارہ صفت
 بیگم صاحبہ!“ دیوار گیر گھڑی نے بارہ بچنے کا اعلان
 کر دیا اور درخشاں کا تاسف۔

”ہائے اللہ کتنی جلدی وقت گزر گیا۔“
 ”جی نہیں آپ ایک بار پھر بھول رہی ہیں
 ہمارے بیڈروم کی گھڑی پندرہ منٹ آگے چلتی ہے۔“
 دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیئے اور پھر فہد
 نے وہی خوب صورت بات درخشاں کے کانوں میں
 کہی تھی کہ تم میرے زندگی ہو۔



لیے اسے ہمیشہ اس دن کا انتظار رہتا تھا گزشتہ آٹھ
 سالوں میں وہ کبھی اس دن کو فراموش نہ کر سکا تھا۔ آج
 چودہ فروری تھی محبت کا دن اور ان کی شادی کی سالگرہ
 بھی۔ محبت کے دن پر وہ محبت کے بندھن میں بندھے
 تھے اور یہی وہ بات تھی جسے خاص الخاص انداز میں وہ
 کرنے کے لیے وہ دن بھر درخشاں کے آس پاس
 منڈلاتا رہا تھا۔ گزشتہ سال درخشاں نے اس سے وعدہ
 کیا تھا کہ وہ اب کبھی اس دن کو نہیں بھولے گی مگر آج
 دن بھر کے اس کے انداز و تیور بتاتے رہے تھے کہ
 اسے خاک یاد نہیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بھول
 گئی ہے رات میں جب وہ سب بچوں کے یونیفارمز
 پر لیس کر کے بیگز تیار کرنے کے بعد فہد کے لیے گرم
 دودھ کا گلاس لے کر آئی تو وہ بیڈ پر بیٹھائی وی چینل
 سرچ کر رہا تھا گو کہ اس نے کچھ نہ کہنے کی ٹھان لی تھی
 مگر درخشاں کو وہ ادھوری بات یاد تھی اور اس کے
 استفسار پر نہ کرتے بھی خود سے اس کی بے پروائی کا
 شکوہ تو کر ہی بیٹھا۔

”واہ..... کون کہتا ہے کہ مجھے ذرا بھی آپ کی پروا
 نہیں صبح آفس کے لیے آپ کے کپڑے پر لیس
 ہیں۔“ اس سے پہلے کہ وہ فہد کی بات سے وابستہ دیگر
 فرائض گنوا تی۔ فہد نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر اس
 کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔

”میری مراد اس سینے میں کلبلاتے مچلتے تڑپتے
 دل کے ارمانوں سے ہے۔“

”آہ.....“ وہ ہمیشہ کی طرح برامان گئی۔

”فہد! اب ہمارے بچے بڑے ہو رہے ہیں۔“

”تو کیا ہم بوڑھے ہو گئے ہیں؟“

”اوہ ہوں..... یہ میں نے کب کہا؟“

”تو پھر مان لیجیے کہ آج پھر آپ آج کا.....“ فہد

کی بات درمیان میں تھی کہ سائیڈ ٹیبل پر اس کا موبائل

شور مچانے لگا۔ دونوں کا دھیان و نظر ایک ساتھ ہٹنے
 تھے مگر درخشاں پھر اسے دیکھنے لگی۔



محمد حنیف کراچی



WWW.PAKSOCIETY.COM

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغِ فساں لا الہ الا اللہ
اگر چہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم ہے اذالہ الا اللہ

ہو جاؤں اس فیصلے کو لیتے ہوئے میرے خاندان کوئی خلش کوئی
کسک نہیں ہے۔ میں مطمئن ہوں میں جانتی ہوں اللہ
نے مجھے اس سفر میں اس سے کئی گنا بڑھ کر عطا فرمایا ہے
جتنا میں نے چاہا اور خواہش کی تھی۔

آنجل میں طویل تحریر کی صورت میں چھپنے کی خواہش
بھی اللہ نے پوری کر دی ہے احسان ہے مالک کا میرا
آخری ناول ”ہم مصطفوی ﷺ ہیں“ تصوف کے
موضوع پر ہوگا۔ میری تحریر کتابوں کی صورت آپ کو
میری کئی کئی محسوس نہیں ہونے دے گی مجھے یقین ہے
میں ان لوگوں کی مشکور ہوں جنہوں نے میری تحریروں کو
بڑھا اور پسند کیا ان کی اور زیادہ مشکور ہوں جنہوں نے
مجھے محض برداشت کیا۔

اپنی تحریروں کے ذریعے میرا شعوری مقصد اصلاح رہا
ہے اگر اس کوشش میں ایک فیصد بھی کامیابی حاصل ہوئی تو
قلم اٹھانے کا مقصد پورا ہو گیا ہے میری آپ سے اتنا
ہے آپ فاطمہ، عباس، وقاص یا ابراہیم نہیں ہیں آپ
لا رہے ہیں نہیں ہیں مگر پھر بھی خود کو سنوارنا ضروری ہے کہ
ہم ٹھوکر کھا کر سنبھلیں؟ ہمیں ویسے بھی اپنی اصلاح کا بیڑا
اٹھالینا چاہیے۔ یاد رکھیے تبلیغ بعد کا مرحلہ ہے پہلے اپنی
اصلاح ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں بھی یہ ارشاد ہوا
ہے جس کا مہلوم ہے۔

”اور تم دوسروں کو جو حکم دیتے ہو خود نہیں کرتے ہو۔“
میری آپ سے گزارش ہے کہ زندگی میں ایک بار
قرآن پاک کو ترجمہ سے ضرور پڑھیں۔ جہاں رہیں خوش

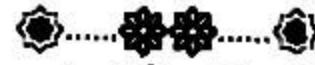
ذیہ قارئین السلام علیکم!

دعا ہے اللہ ہمیشہ آپ پر مہربان ہوتا رہے۔

اللہ کے افضل و کرم سے میں رب العزت کی مشکور ہوں
عاجز ہوں۔ جس نے اس ناول کے ذریعے آنجل میں
مسلل پچیس ماہ تک مجھے آپ کے ہمراہ رکھا۔ آپ کی
راے میرے لیے بہت قیمتی اور خاص رہی ہے۔ وہ بھی جو
آنجل کے خطوط کے ذریعے مجھ تک پہنچی اور جو میری محترم
ریڈرز بہنوں نے ساتھ ساتھ فون کے ذریعے مجھ تک
پہنچائی۔ ”مجھے ہے حکم اذالہ“ آپ پڑھ چکے تھی رائے
اگلے ماہ بھی مجھ تک پہنچ جائے گی اللہ نے چاہا تو۔ آج
آپ سے مخاطب ہونے کا مقصد آپ کا اسٹیشن ٹیکس کہنا
ہے آپ کی اس ناول کی پسندیدگی پر آنجل اسٹاف خاص
طور پر قیصر آئی اور طاہر بھائی کو بھی جن کا تعاون رہا کہ میں
اپنی اس تحریر کو مزید نکھارنے کے لیے اسے دوسری مرتبہ
لکھنے کی خواہش پوری کر سکی۔

آج اس طرح آپ سے مخاطب ہونے کا ایک اور
مقصد بھی ہے قارئین کرام اور وہ یہ کہ عین ممکن ہے اس
طرح میں آپ سے آخری مرتبہ مخاطب ہوں تو وجہ میرے
کیئریر کا اختتام ہے۔ 20 اپریل 2013 کو جب میں یہ
سطور لکھ رہی ہوں تو میرے پاس سلسلے وار صرف ایک ناول
بچا ہے۔ دو سال بعد آپ اس خط کو پڑھ رہے ہوں گے تو
میری شدید خواہش ہے اللہ اس آخری ناول کے لیے بھی
کوئی بہت اچھا اور بہترین سبب پیدا فرمائے اور یوں میں
پوری خوش اسلوبی کے ساتھ اس کام سے کنارہ کش

رہیں میرے والدین بھائی بہنوں کے ساتھ ملک کی سلامتی کے لیے حاضر و کفایت رہیں، والسلام
امہ مریم



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عباس پر چلائی جانے والی گولیوں کا نشانہ فاطمہ بنتی ہے جبکہ اسے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر عباس اپنے لہسان کھو بیٹھتا ہے۔ فاطمہ کو اپنی زندگی سے دور ہوتے دیکھ کر عباس کو شدید زیاں کا احساس ہوتا ہے جب ہی اس کا دل فاطمہ کی محبت میں چور اس کی زندگی کے لیے دہ گونہ جاتا ہے۔ فاطمہ ہوش میں آنے کے بعد عباس نے وارنکیوں کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے۔ دوسری طرف عباس اپنی بوکھلاہٹ میں ابراہیم احمد کے سامنے عریضہ کی بات کر بیٹھتا ہے جبکہ ابراہیم احمد اس معاملے کوئی الحاح ملتوی کر دیتا ہے۔ دوسری طرف سکندر کا تلخ رویہ لاریب کو گھائل کیے دیتا ہے۔ اسے لاریب کی تمام باتوں کے پیچھے کوئی اور مقصد نظر آتا ہے جبکہ لاریب کے منہ سے اپنے لیے محبت کا سن کر سکندر بھڑک اٹھتا ہے۔ جبرائیل دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو اور سکندر کا جاہلانہ انداز فریضہ کے علم میں آ جاتا ہے جب ہی وہ سکندر کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ سکندر فریضہ کی باتوں پر عمل کرنے کا عزم کرتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہی صالح اپنے مکر فریب کے حال میں سکندر کو الجھا دیتی ہے جبکہ وہ اس انتہائی نمل پر شدید رد عمل کا مظاہرہ کرتے صالح پر ہاتھ اٹھاتا ہے گھر والے تائی اماں اور صالح کی فطرت سے آگاہ ہوتے ہیں۔ جبکہ لاریب کو بدگمان کرنے میں تائی اماں یہ کرنے میں کامیاب رہتی ہیں۔ لاریب اس صورت حال میں گھر چھوڑ کر ایمان کے پاس چلی آتی ہے اور دوسری طرف ایمان کی زبانی سکندر کی حمایت کا سن کر مجبوراً اسے واپس آنا پڑتا ہے جبکہ لاریب کی بدگمانی سکندر کو مزید شکست سے دوچار کر دیتی ہے۔ فاطمہ کی طبیعت رفتہ رفتہ ٹھیک ہونے لگتی ہے لیکن اب وہ کسی طور بندوں کی محبت

میں اپنے رب کی محبت کو بھلا دینا نہیں چاہتی یہی وجہ ہے کہ وہ عباس کو یکسر نظر انداز کرتی ہے دوسری طرف عباس اپنے گزشتہ رویوں کی فاطمہ سے معافی مانگتے نئی زندگی شروع کرتا ہے۔ عباس عریضہ کی موت میں خدا کی مصلحت سمجھتے خدا کی رضا میں راضی ہو جاتا ہے۔ لاریب اماں کے کہنے پر فاطمہ کی عیادت کے لیے آتی ہے جب ہی اس کا سامنا عباس سے ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف سکندر بھی عباس کی طرف پہنچ جاتا ہے جبکہ سکندر کو وہاں دیکھ کر لاریب شدید خوف و خدشات میں گھر جاتی ہے۔ عباس کا یکسر بدلا ہوا انداز سکندر کو بہت متاثر کرتا ہے۔ دیو کوئی وی اسکرین پر عالم دین کی حیثیت سے وعظ کرتے دیکھ کر فاطمہ شدید حیرت کا شکار ہوتی ہے۔ اس کی نئی شناخت ہارون کے نام سے سامنے آتی ہے جبکہ فاطمہ خوشگوار حیرت میں مبتلا رہتی ہے۔ لاریب کے منہ سے خوش خبری سن کر سکندر ایک مرتبہ پھر اس سے بدگمان ہونے لگتا ہے۔ اس کو لاریب کا اپنی ذات پر شک کرنا بالکل پسند نہیں آتا جبکہ لاریب اپنے شک کو محبت سے تعبیر کرتے اپنے دل کا تمام احوال سکندر کو بتا دیتی ہے۔ عباس کے پاں جانے پر بھی وہ صفائی دیتے اماں کو لے جانے کا ذکر کرتی ہے جبکہ لاریب کے منہ سے تمام حقیقت جان کر سکندر کی دل کی کیفیت بھی بدلنے لگتی ہے جب ہی وہ سابقہ تمام رویوں کو بھلا کر ایک نئی زندگی کے آغاز کا فیصلہ کرتے ہیں ایسے میں لاریب پوری سچائی سے اپنے سابقہ رویوں کی معافی مانگ لیتی ہے جبکہ لاریب کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کے رنگ دیکھ کر سکندر بھی لاریب کی محبت پر ایمان لے آتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



"اللہ تبارک و تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا کہہ کر جن بندوں کو مخاطب فرما رہا ہے آخراں میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ رب کائنات انہیں براہ راست مخاطب فرما رہا ہے۔ جبکہ وہ اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے تغیر، نبی، رسول محبوب کرتا رہا ہے۔ اہل ایمان کو مخاطب کرنے کا مطلب

بندوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی عبادت و اطاعت کے لیے اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ عبادت اختیار نہ کریں۔

”اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ پہلے سے بھی اور اس قرآن میں بھی سورۃ الحج 78 اس آیت مبارکہ کے مخاطب وہ تمام افراد ہیں جو آغاز تاریخ انسانی سے توحید و آخرت، رسالت اور کتب الہی کو ماننے والے رہے ہیں۔

دعوت حق کو ماننے والی ملت پہلے بھی نوحی، ابراہیمی، موسوی، یا مسیحی نہیں کہلاتی تھی بلکہ ان کا نام بھی مسلم یعنی اللہ کے تابع و فرمان ہی تھا اور آج بھی مسلم اللہ کے تابع و فرمان اور مسلمان کہلاتے ہیں۔ ہر مذہب نے حسب ہدایت الہی سلامتی کی راہ کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر اس کوشش کی تکمیل ہو گئی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں رب کائنات نے یوں ارشاد فرمایا۔

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو میں نے پسند کیا۔“ سورۃ المائدہ 3

اس آیت مبارکہ میں تمام مسلمانوں اور تمام اہل ایمان کو یہ اطلاع دی جا رہی ہے کہ نبی آخری الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پہنچایا ہوا دین یعنی اسلام آج مکمل ہو گیا۔ اس اعلان الہی کا مقصد یہ بھی ہے کہ وہ دین جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جو مختلف اقوام اور مختلف ادوار سے ہوتا ہوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا اور اپنی تکمیل کو جا پہنچا۔

دین کو مکمل کر دینے سے مراد اس نظام الہی کی تکمیل ہے جس سے انسانوں میں اللہ کی بندگی اور اس عارضی جائے قیام یعنی دنیا میں اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک مکمل نظام فکر، ایک مکمل نظام حیات سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔“ ابراہیم نے کچھ توقف کیا تھا اور ہاتھ اٹھا کر اس نوجوان کو اشارے سے منع کیا جو

ہوا ایمان تھا وہ جو ہر ہے جس نے بندے کو اس کا اہل کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ براہ راست مخاطب ہو کر اس کی رہنمائی فرما رہا ہے اس لیے ضروری ہے کہ سب پہلے یہ سمجھا جائے کہ ”ایمان“ کیا ہے اور ایمان کے لغوی معنی ماننے، مطمئن کرنا، تسلیم کرنے کے ہیں۔

امام رافضی اصفہانی کے نزدیک اس کا مطلب زبان سے اقرار کرنا، دل سے تسلیم کرنا اور اپنے عمل سے ظاہر کرنا ہے۔ ایمانی اصلاح میں ایمان کفر کی ضد ہے۔ قرآن حکیم کی آیات کے مطابق اسلام اور ایمان دو الگ الگ مفہوم ہیں قرآن حکیم سے ایمان کی تفصیل معلوم کرنے سے پہلے ہم اسلام سے رجوع کریں گے کیونکہ ایمان لانے کے لیے دین اسلام کا قبول کرنا ضروری ہے۔“

ابراہیم احمد خطاب کہہ رہے تھے ہزاروں کے مجمع پر اس وقت سکوت کا ایسا عالم طاری تھا کہ گویا سانس لینے کی آواز بھی سنائی دے سکے۔ عباس کے واہنی جانب وقاص حیدر جبکہ بائیں طرف سکندر حیات موجود تھا۔ سکندر کے ساتھ شرجیل پھر فرزند نظر آ رہا تھا۔ یہ ایسا پلیٹ فارم تھا جہاں دلوں کے بغض و عناد بھلا کر کوئی آگاہی دین کے شوق میں کشاں کشاں چلا آ رہا تھا۔ ہر کسی کی توجہ کا مرکز ڈاؤس کے پیچھے نظر آتا ابراہیم کا چہرہ تھا جس کے آگے بے شمار مانیک تھے۔

”قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بنی نوع انسان کے مذہب کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ شروع سے انسانوں کا مذہب ”اسلام“ ہی رہا ہے۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں حکم ہوا ہے۔

”بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“

یعنی اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صرف ایک ہی نظام زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات صحیح و درست ہے وہ یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک و معبود تسلیم کرے اور اس کی ہی بندگی و غلامی اختیار کرے۔ اس کی بندگی و اطاعت میں اپنی طرف سے کوئی اختراع و ایجاد نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے جو ہدایت بھیجی ہے اس پر کسی بیسی کے بغیر اس طرح عمل کرنا اس کا نام اسلام ہے اور

مجمع سے اٹھ کر اپنے سیل فون پر اس کی مووی بنانے میں مصروف تھا۔

”ہمارے مذہب میں تصویر بنانے، بنوانے اور چھانے کی سختی سے ممانعت ہے۔“ اس نے نرمی و رمان سے آگاہ کیا تو نوجوان محنت زدہ نظر آیا جیسی مووی کی سرہ آف کیا۔ سیل فون جیب میں رکھتا اپنی جگہ پر واپس جا بیٹھا مگر فرار ٹھنک سا گیا تھا اس کے چہرے پر واضح تغیر نظر آنے لگا۔ اسے یاد آیا وہ کیسے موویز میں کام کرنے کے جنون میں مبتلا تھا کتنا اچھا ہوا اللہ نے اسے اس گمراہی کے راستے پر چلنے ہی نہ دیا۔ کیا ضروری تھا وہ بھی دیگر لوگوں کی طرح ٹھوکر کھا کر زخم خوردہ ہو کر اللہ کی جانب راضی ہوتا ہدایت اگر بغیر کسی نقصان کے مل جائے تو اور بھی غنیمت ہے اس نے تشکر سے سوچا اور آ سوئی سے مسکرانے لگا۔

”عباس بھائی کہتے ہیں اللہ نے اگر ہمیں ہدایت سے نوازنا ہو تو پھر وہ خود ہی اپنے بندوں کے فیصلوں کا تمہا بن جایا کرتا ہے۔ برائی سے روک دیتا۔ اچھائی کی طرف راضی کرنا اسی کا کام بن جاتا ہے اور یہ ایک عظیم خوش بختی ہے کسی بھی انسان کی۔“ اس کے اندر طمانیت کا احساس مزید گہرا ہونے لگا اس نے پھر سے اپنی توجہ ابراہیم احمد کی جانب مبذول کی جو واعظ کا سلسلہ وہیں سے جوڑ چکا تھا جہاں چھوڑا تھا۔

کر کے مذہب کی شکل ہی بدل ڈالی۔ حضرت عثمان سے ایک حدیث مروی ہے کہ ”جو شخص اس حال میں مرا کہا سے اس بات کا یقین تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔“ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا تو درکنار کسی اور کو اللہ کی صفات میں شریک کرنے کو خود ”قرآن مجید“ نے ظلم عظیم قرار دیا ہے شرک کو اس لیے ظلم کہا گیا ہے کیونکہ اس طرح انسان خود پر ظلم کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بن جاتا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب اور خلیفہ کے مرتبے پر فائز کیا ہے۔ یہ اس کی اپنے بندوں سے بے پناہ محبت و شفقت کی دلیل ہے۔ اگر ہم احکام الہی سے کسی بھی طرح کی بغاوت یا انحراف کرتے ہیں تو خود سے اپنے آقا و مالک اپنے خالق سے بغاوت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہی ظلم عظیم ہے۔ قرآن حکیم میں تمام جن و انس کی تخلیق کی غرض و غایت اور ان کا مقصد حیات اللہ کی عبادت و اطاعت ہی بتایا گیا ہے۔

ایک مومن جب اسلام کی اس دعوت حق کو قبول کرتا ہے تو وہ ایک ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جو اس کی دنیا ہے۔ جو سلامتی و فلاح کی دنیا ہے۔ جس میں کوئی حیرانی و پریشانی نہیں ہے۔ جس میں کوئی گمراہی و فساد نہیں ہے۔ یہاں ہر ذی روح کی تمام موجودات کے ساتھ ہم آہنگی ہے ایمان ایک ایسا عالم ہے جہاں نفس انسانی کے خفیہ ترین امور و پوشیدہ ترین گوشے بھی اطمینان و سکون پاتے ہیں اور اجتماعی زندگی بھی پر سکون و مطمئن ہوتی ہے۔ سلامتی کے جس نظام میں مومن داخل ہوتا ہے اس سے بندے اور اس کے رب کے مابین تعلق کا صحیح تصور ملتا ہے۔ یہ نصاب مالک و بندے اور اس کائنات کے ساتھ اس کے تعلق اور ہر چیز کا حکمت کے ساتھ پورا ہونا ثابت کرتا ہے۔

”اب یہیں یہ سمجھنا ہے کہ دین یا مذہب اور اسلام ہے کیا مذہب کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کامل اور اس کی عبادت خالص ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی سورۃ فاتحہ میں ہم سے کہلویا جا رہا ہے۔“

”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔“

تمام مذاہب میں عبادت کا جو بھی طریقہ رائج ہو ان میں مخاطب اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی کیا جاتا ہے۔ وراصل سب مذاہب کی اصل اساس اللہ تعالیٰ کی ہی ذات واحد ہے۔ اس میں رد و بدل بعد کی بات ہے۔ بعد میں لوگوں نے حسب منشا

اللہ جبارک و تعالیٰ نے اس کائناتی نظام کو ایسا بنایا ہے کہ یہ سب کا سب اور اس کی ہر ہر چیز انسان کی فلاح و بہتری

جوابی لہجہ لہانت آمیزی کی تلخی سے بھر پور تھا۔ عباس جو کچھ
فاصلے پر کسی سے بات چیت میں مصروف تھا سکندر کی بلند
پہلچاٹاواز پر چونک کر متوجہ ہو گیا۔

”اوں ہوں سکندر حیات، بری بات ہے بہت۔“ اس
نے نرمی سے ٹوکا اور دونوں کے قریب آ گیا۔ پھر اپنا ہاتھ
نرمی و سنان آمیز انداز میں سکندر کے شانے پر رکھا۔

”ابھی ہمیں کس بات کی تاکید کی جا رہی تھی۔ بات
سننے میں کیا حرج ہے بھلا؟“ اس کا انداز دباؤ ڈالتا ہوا تھا نہ
ہی مجبور کرنے وال اور برتری جتلانے والا اس کے برعکس
اس میں عجیب نرمی و سنان کے ساتھ ساتھ انوکھا وقار تھا جو
قاتل کرنے میں اپنا ثانی نہ رکھتا ہو۔ سکندر انکار کی پوزیشن
میں نہیں رہا وقاص نے تشکرانہ نگاہ سے عباس کو دیکھا جو
مسکرا کر اسے دیکھتا پلٹ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

”مجھے معافی ہی مانگنی تھی تم سے سکندر، جس وقت میں
نے تمہیں ہر وہ نازیبا بات کہی تب میں کسی بہت بڑی غلط
فہمی و گمراہی سے دوچار تھا مگر اب شرمندہ ہوں۔ دیکھو تم
بھی جانتے ہو ناں کہ اللہ بھی اس وقت تک مجھے معاف
نہیں کرے گا جب تک میں تم سے معافی نہ مانگ لوں۔“
وہ کتنا عاجز نظر آ رہا تھا۔ کتنا بے بس، سکندر نے اٹھپنے میں
جتلا ہو کر اسے دیکھا۔ کچھ عرصے سے اپنے بدلے ہوئے
انداز و اطوار سے وہ حیران کر رہا تھا اسے مگر سکندر نے کبھی
خاص دھیان ہی نہ دیا اور اس کی سابقہ حرکتوں کے باعث
ہمیشہ کترا کر گزرا گیا تھا اس سے یہاں تک کہ یہ نوبت بھی
نہیں آنے دی تھی جس کا موقع اسے اب بھی مل گیا تھا۔

”توبہ اور معافی وہی ہوتی ہے وقاص صاحب جو دائمی
ہو۔“ اس کا لہجہ صاف طنزیہ تھا وقاص کا جھکا ہوا سر کچھ اور
جھک گیا۔

”میں اللہ سے دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ میرے دل کو
اب کبھی نہ پھیرنا بعد اس کے جبکہ تو نے مجھے ہدایت بخش
دی ہے اور میرا خاتمہ بالخیر بالا ایمان فرماتا۔ آمین۔“

اس کا بھرایا ہوا دم لہجہ تھا مگر سکندر کے دل کی دنیا کو
تہہ ہالا کر گیا تھا۔ وہ پوری آنکھیں وا کیے خدا کی قدرت

کے لیے ہے اور مدح حیات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو
اپنا نائب اور خلیفہ مقرر فرمایا ہے اس لیے اس کی آسائش و
آرام کی ہر ہر چیز کو اس کے تابع بنایا تاکہ وہ پوری یکسوئی
سے اطاعت و بندگی میں مصروف رہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ
تو نہایت مہربان نہایت شفیق ہے۔

گناہوں کو معاف کرنے والا..... توبہ قبول کرنے
والا..... مصیبت زدوں کی پکار سننے والا ان کی مصیبتوں کو
دور کرنے والا۔

وہ ذات باری تعالیٰ ہی ہے جس کے سایہ رحمت میں
مسلمان مانوس و مامون رہتا ہے اللہ فرماتا ہے۔

”اے ایمان والو! شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو جو شخص
شیطان کے قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور
برے کاموں کا ہی کہے گا اور اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا
تو تم میں سے کوئی بھی پاک و صاف نہ ہوتا لیکن اللہ جسے
پاک کرنا چاہے کر دیتا ہے اور اللہ سب سننے والا جاننے والا
ہے۔“ النور

اس کا اچھ خوش الحان اور انداز پر تاثر تھا۔ سکندر یک
تک اسے دیکھتا رہا۔ اس کی سنہری اور کشادہ پیشانی جو
سجدے کے واضح نشان سے دکھتی تھی یہ نوجوان اپنے اندر
بلاشبہ کوئی الوکھی کشش رکھتا تھا اس کے منہ سے نکلنے کی
بات اس باعث بھی اچھی لگتی تھی کہ وہ باعمل نظر آتا تھا۔
امیراہم احمد کے خطاب کے بعد دیگر علمائے بھی خطاب کیا
اور آخر میں دعا ہوئی۔

”آج تمہاری اہم میٹنگ تھی۔“ فرانز نے اسے یاد دلایا
سکندر نے کاندھے اچکا دیے تھے۔

”یاد ہے مجھے۔“ وہ الوداعی انداز میں سب سے مل رہا
تھا جب وہ ص نے بھی اپنی چوڑی ہتھیلی اس کی جانب
مصافحہ کی غرض سے بڑھائی۔

”مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے سکندر۔“ سکندر نے
مصافحہ بھی تبرا کیا تھا چہرے کے ناگوار تاثرات اس اگلی
فرمائش پر گہرے ہوتے چلے گئے۔

”مجھے تم سے ہرگز بھی کوئی بات نہیں کرنی۔“ اس کا

لہجے کی بے لگائی اور کھنڈ پن میں مجال ہے عباس کی موجودگی محسوس کرنے کے باوجود فرق آیا ہو بلکہ عباس کو ایک لمحے کو لگا یا سے ہی خصوصیت سے جملانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسی عباس حیدر کے پرکشش وجہ چہرے پر ایک دمگ آ کر گزرا تھا۔

”آپ جائیں یہاں سے سما، سما کا دھیان رکھیے گا پلیز۔“ عباس نے آگے بڑھ کر خود دیا کو لیا اور اسے نرمی سے مخاطب کیا۔

”آپ اطمینان سے نماز پڑھ لیں فاطمہ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔“ ملازمہ کے جانے کے بعد وہ دیا کو کاندھے سے لگائے تھکتے ہوئے محل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ فاطمہ نے ایک نگاہ اس کے سنجیدہ نظر آتے چہرے کو دیکھا اور کوئی تاثر دے بغیر جائے نماز بچھا کر نماز میں مشغول ہو گئی۔ عباس دیا کو لے کر کمرے سے نکل کر ٹیرس پر ٹہلتا رہا۔

”آپ کہیں جو بھی بات کرنی ہے نماز پڑھ چکی ہوں میں۔“ اس کے لہجے میں معمولی سی ہی تہدیلی تھی بے نیازی اور کھائی کا البتہ وہی عالم تھا۔ عباس نے سوئی ہوئی دیا کو جھک کر بستر پر لٹا دیا۔ سیدھا ہونے سے قبل ایک نظر اسے دیکھا۔ آنسی گلابی سوٹ میں ہم رنگ دوپٹہ نماز کے اسٹائل میں لپیٹے شعائیں بکھیرتے رنگ و روپ اور جگڑ لینے والی جاڑویت کے ہمراہ وہ اتنی من موٹی لگ رہی تھی مگر اس کو کئی عباس کی نظروں میں ستائش کی بجائے نظر نظر آ رہا تھا۔ اسے ایک بار پھر تاخیر کا مال گھیرنے لگا۔ اتنی تاخیر کہ اس بیلے کی نازک کلی کا انتظار شاید مرجھا گیا تھا۔

اس کی نظروں نے فاطمہ کو جزبز کر دیا۔ اس نے بے اختیار لائینی ٹائیس جھکا کر ہونٹ جھینچوہ اسے کیسے کہتی کہ مجھے معاف کر میرے ہم سفر تھے چاہنا میری بھول تھی کسی راہ پر جو آئی نظر تھے دیکھنا میری بھول تھی کوئی نظم ہو یا کوئی غزل کہیں رات ہو یا کہیں سحر وہ کلی کلی وہ شہر شہر تھے ڈھونڈنا میری بھول تھی میرے غم کی کوئی روا نہیں مجھے تجھ سے کوئی گلہ نہیں

کے اس مظاہرے کو مستشدد سادہ کیسے چار ہا تھا یہ وقاص تھا وہی.....؟ جو فرور و تکبیر کا مجموعہ ہوا کرتا تھا۔ اللہ نے اس پر عنایت کی انہما کر دی وہ سراپا تہدیل ہوا سامنے کھڑا تھا۔ سکندر کو بے انہما بے حساب غماصتوں نے آن لیا۔ اب بھلا وہ کون ہوتا تھا اسے نہ معاف کرنے والا وہ بولا تو اس کی آواز پر بھی خفیف سی لرزش تھی اس کے دل پر اتنی کپکپاہٹ کی طرہ۔

”میں نے بھی تمہیں معاف کیا وقاص اللہ بھی تمہیں معاف فرمائے میرے لیے بھی دعا کرنا عداوت بلاشبہ ہر کسی کا نصیب نہیں بنا کرنی۔ اللہ مجھ پر بھی اپنی خاص عنایت فرمائے آمین۔“ وہ اس کا کاندھا ٹھپک رہا تھا اس کے ہاتھوں میں بھی لرزش تھی اس کے دل اس کی آواز کی طرح بھلا کون ہوتا تھا۔ وہ ان چند لمحوں میں تغیر کے کیسے عمل سے گزر گیا تھا۔



دروازہ کھلنے کی آواز پر فاطمہ نے بے اختیار گردن موڑ کر دیکھا مگر عباس کو اندر آتے پا کر اس نے تیزی سے رخ بدل لیا تھا۔ اس بات کو سرے سے نظر انداز کیے لحوہ بھر کو ہونے والے نگاہ کے تصادم نے عباس کے ہونٹوں پر دوستانہ اور برخلوس مسکان بکھیر دی تھی۔ جو خالصتاً اس کے لیے تھی مگر وہ اب پیچھے نہ پلٹ کر دیکھنے کا ہی تہیہ کر چکی تھی۔

”السلام علیکم! فاطمہ طبیعت کیسی ہے اب؟“ عباس کا لہجہ و انداز مریدانہ تھا۔ اس کے باوجود جب وہ کمرے میں داخل ہوا فاطمہ ملازمہ پر برسنے میں مصروف تھی وہاں خرویا کو وہاں سے کیوں نہیں لے جاتی۔

”یہ چپ ہی نہیں ہو رہی ہے میم، آپ کے پاس آنے کی ضد لگا رہی ہے۔“ فاطمہ نے عباس کا سلام اور سوال دونوں نظر انداز کیے تھے اور اپنی سرد نظروں کو ملازمہ پر جمایا۔

”کتنی بار کہا ہے تم سے، جب میں نماز پڑھ رہی ہوں بچوں کو یاد رکھا کرو مجھ سے بلا سڑنٹس ہوتی ہے۔“ اس کے

میرا کوئی تیرے سوا نہیں یہی سوچنا میری بھول تھی اس کی آنکھوں میں نمی اتر رہی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کرتی بھی بے بس ہونے لگی تھی۔ کتنا مشکل تھا یہ سب، بہت کھٹن ماس کارونے کو دل کرنے لگا۔

”بازو کا زخم کیسا ہے اب؟ مومنٹ تو ٹھیک سے ہوتی ہے نا؟“ عباس نے اس کی جانب پیش رفت کی اور اس کے مقابل صوفے پر آ بیٹھا۔ فاطمہ کے چہرے کی رنگت میں تبدیلی آئی۔ پہلے وہ خود میں کٹی پھر یکفخت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس پر وہ خود سے ہی سب سے زیادہ خائف تھی۔ جانتی تھی عباس کی مزید کوئی پیش رفت اسے ہر ادے کی وہ اس شخص کے سامنے کہاں ٹھہر سکتی تھی۔ وہ اب اللہ کے آگے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔ یہ بچاؤ ضروری تھا۔ مگر اس وقت وہ دھک سے رہ گئی جب عباس نے بہت نرمی و ملامت سے اس کی کلائی تھام لی تھی۔

”بہت خفا ہوا فاطمہ؟ آئی ایم سوری مجھے اسی موضوع پر تم سے کچھ کہنا ہے۔“ اس کے کس اور نظروں کی طرح اس کا لہجہ بھی نرم اور لودیتا ہوا تھا۔ فاطمہ کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہونے لگی۔ گوشت پوست کا بدن گویا مومی مجسمہ تھا جو اس ساحر کی تپش کے آگے ہر لمحہ گھلتا جا رہا تھا۔ عجیب بدحواسی بھری مشکل آ پڑی تھی اس نازک مرحلے پر۔

”مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا ہے، خیر آپ بتائیے؟“ لرزتی پلکوں کو اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھتے فاطمہ نے جان بڑادی تھی لہجے کی کپکپاہٹ پر قابو پانے میں، عباس نے اس کے ہاتھ چھڑانے اور پھر سے فاصلہ بڑھانے کو گہری نظروں سے دیکھا اور چہرے پر دانستہ کوئی تاثر نہیں آنے دیا۔

”مجھے تم سے معذرت کرنی ہے فاطمہ اپنے رویے پر اپنی بدسلوکی کی جن ذلوں یہ سب ہوتا رہا تم جانتی ہو میں کس درجہ پریشان اور ذہنی طور پر ٹھہرا ہوا تھا۔ اسی خطرناکی کیفیت کے زیر اثر اکثر تم سے جس بی ہو بھی کرتا رہا جو مجھے بہر حال زیب نہیں دیتا تھا۔“ اس نے لمحہ بھر کا توقف کیا اور گہرا سانس بھر کر خود کو ڈھیلا چھوڑتے محنت زدہ نظر

اس پڑالی۔

”دراصل جن ذلوں تم سے عریضہ کی ملاقات ہوئی وہ بہت ڈسٹرب تھی کچھ باتوں کو لے کر تمہیں میرے ساتھ دیکھنا اور ساتھ کام کرتے پانا اس کی برداشت کا بہت بڑا امتحان تھا وہ بہت پوزیٹیو تھی میرے معاملے میں پھر تمہاری بے تحاشا اور غیر معمولی خوبصورتی بھی اسے خائف کرنے میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔“ عباس نے لمحہ بھر کا توقف کر کے اس کے چہرے کو دیکھا جو سپاٹ تھا سر جھکا ہوا وہ کچھ بھی نتیجاخذ کرنے میں ناکام رہا تھا۔

”مجھے اس کے خدشات پر غصہ آتا تھا۔ اس کے خدشات میرے نزدیک غیر اہم اور بے بنیاد تھے۔ اس باعث متعدد بار ہماری سب کلامی بھی ہوئی، فاطمہ..... عریضہ کی ڈیٹھ کے بعد ناگزیر سبکی جب مجھے تم سے شادی کرنا پڑی تو مجھے لگنے لگا تھا میں عریضہ کے ساتھ شدید قسم کی بے وفائی کا مرتکب ہو چکا ہوں۔ تمہارے ساتھ شدید رویے کے پیچھے یہی سوچ کارفرما تھی۔ تم کہہ سکتی ہو مجھے ان ذلوں خود پر اپنے جذبات و احساسات پر بالکل اختیار نہیں رہا تھا۔ لیکن اب مجھے اپنی غلطی کے ساتھ اپنی زیادتی کا بھی احساس ہو چکا ہے اور.....!“

”اس اوکے، مجھے آپ سے قطعاً کوئی شکایت نہیں ہے۔“ فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ عباس جو اسے بخورد کچھ رہا تھا آہستگی سے مسکرایا۔

”اگر شکایت نہیں ہے تو پھر خفا کیوں رہتی ہو مجھ سے؟“ اس کا انداز جملانا ہوا نہیں تھا۔ صلح جو تھا چھیڑنا ہوا اپنا پتہ آ میز بھی۔ اس کے باوجود فاطمہ کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آ سکا۔

”میں خفا نہیں ہوں کسی سے بھی آپ سے تو بالکل نہیں کیوں کہ میں سمجھتی ہوں یہ سب احساس وہاں ہوتے ہیں جہاں محبت ہو، جہاں رشتوں کی اہمیت ان کی ضرورت کا احساس باقی ہو۔ ہمارے رشتے میں کبھی بھی ایسا کوئی مان کوئی استحقاق قائم ہی نہیں ہوا۔ میں نے مان لیا کہ وہ جذبہ میری حماقت کے سوا کچھ نہیں تھا۔“ وہ کہہ رہی تھی اور

امید سے دیکھا تھا اور تھک گئی تھی وہ..... جس کی آنکھوں میں فاطمہ کے لیے کبھی کوئی جذبہ نہ بھرا تھا ہاں مگر نفرت و بغض اور لہانت کے جذبات کے سوا۔ اس نے سنا تھا وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے وقت کو پلٹتے آج دیکھ بھی لیا تھا۔ آج صرف وہ بے بس نہیں تھی عباس بھی اس کے ساتھ خواہش و طلب کی اس کھٹن سرحد پر کھڑا تھا۔ اس کا دل بھرا یا اس کی آنکھیں بھی بھرا آئیں اس کا دل چاہا اس شخص کو اپنا آپ مان کر دے وہ تو ازل سے دیوانی تھی اس کی مگر یہ زندگی کا ایسا مقام تھا جہاں اسے ہارنا نہیں تھا۔ ایک بار پھر اس شخص کی جیت کا سامان کر کے ازلی وابدی بربادی اپنے دامن میں نہیں سمیٹتی تھی۔

”میں سمجھتی ہوں اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے عباس صاحب میں واپس اٹھ یا جانے کا فیصلہ کر چکی ہوں میرا نہیں خیال آپ مجھے روکنے کا کوئی حق رکھتے ہیں مجھے پوری امید بھی ہے کہ آپ کو اپنے بچوں کے لیے کوئی اور بہت اچھی گورننس میسر آ جائے گی۔“ اس نے جیسے تیسے بھی سہی مگر اپنی بات مکمل کر لی۔ اپنا مدعا اس تک پہنچا دیا۔ اس نے اس پل دانستہ عباس کی جانب نہیں دیکھا۔ اس نے کہا تھا وہ اپنا دل اپنے پیروں تلے چل ڈالے گی اس نے ایسا کر لیا تھا اس نے سوچا تھا اللہ کے مقابلے میں وہ کبھی عباس کو اب جیتنے نہیں دے گی اس نے اپنی سوچ پر عمل کر کے دکھا دیا تھا۔ اس نے نگاہ پھیر لی۔ ہر احساس ہر اذیت سے دانستہ روئی کی مانند دھنک کر بکھرتی روح سے۔

لبو لہان ہو کر تڑپتے بلکتے دل سے
ریت سے بھرتی نگار ہوتی آنکھوں سے بھی
رگ رگ میں دوڑتی نارسائی کی دائمی وحشی احساس سے بھی

اس نے کسی کا خیال نہیں کیا۔ بہت جی لی تھی وہ اپنی خواہش خاطر اس پر کچھ اللہ کا بھی حق تھا۔ اسے بہر حال مزید اپنے رب کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا تھا۔

عباس جیسے کم صدم ہوتا رہا تھا۔ معاہدہ چونکا اور جیسے ایک دم سے اس کے دلوں ہاتھ بے قرار سے انداز میں تمام لیے۔ ”ایسا نہیں ہے فاطمہ تم غلط سوچتی ہو ہمارے رشتے میں مان اور استحقاق قائم نہیں ہوا مگر ہو تو سکتا ہے نا، بلکہ میں کرنے کا خواہش مند بھی تو ہوں۔ میری بات سنو فاطمہ میں پوری دیانت داری سے آج اعتراف کرتا ہوں کہ تمہاری ہمراہی میرے لیے بہت بڑا فخر ہے تم اتنی ہی باوقار اور مکمل لڑکی ہو میں بھی پہلی نظر میں ہی تم سے متاثر ہوا تھا۔ تمہاری دلکشی تمہارا رکھ رکھاؤ تمہارے انداز و اطوار سے تمہاری بے تحاشہ خوب صورتی سے بھی۔ تم کسی بھی مرد کا خواب ہو سکتی تھیں فاطمہ میرا بھی آسانی سے تب ہی ہو جاتیں اگر تب میری زندگی میں عریضہ نہ آ چکی ہوتی۔ وہ تمہارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ وہ ایک عام سی لڑکی تھی۔ عام سی سونہیں اور خیالات رکھنے والی صرف ظاہر پر جان دینے والی مگر اس کا کیا ہوتا کہ مجھے صرف اسی سے محبت تھی۔ سامن دنیا سے بھی زیادہ اہم اس کی موجودگی اور غیر موجودگی میں مجھے کبھی کوئی اور عورت بھلی لگ ہی نہ سکی اور لگ بھی نہیں سکتی تھی۔ بس دل کا تقاضا اور خواہش ہی صرف عریضہ سے منسوب تھی۔ پھر اسے کھونے کا مرحلہ دیوانگی کی آخری حدیں تھیں۔ تمہارا اس سے موازنہ کرو تو میں خود حیران ہوتا ہوں حیرانی تو یہ بھی ہے کہ میں آج بھی اسے اپنے دل میں موجود پاتا ہوں میں جانتا ہوں میں تمہیں اذیت دے رہا ہوں مگر یہ دل آج بھی پرطال جیتا اور غم کی مار سہتا ہے لیکن فاطمہ تمہاری الگ جگہ الگ مقام ہے میرے دل میں۔ میں نے جیسے جیسے تمہیں سمجھا تمہیں جانا تب مجھے اندازہ ہوا۔ کیا تم اتنی گنجائش بھی نہیں رکھتی فاطمہ کہ: ہنسی کی میری کتابوں سے صرف نظر کر کے میرے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کر سکو؟ میں تمہیں تمہارا مقام تمہارے حقوق پورے انصاف کے ساتھ فراہم کروں گا۔ میں تم سے اتنی محبت کروں گا فاطمہ کہ تم سب تلخیاں بھلا دو گی۔“ وہ کہہ رہا تھا وہ اس مندانہ نظروں سے اسے دیکھ بھی رہا تھا وہ جس کی طرف خود فاطمہ نے ہمیشہ آس اور

کی جساتیں بڑھ رہی تھیں۔ اس نے جوڑے میں لپٹے اس کے بال کھول دیے تھے۔
”سکندر تو ٹھیک ہے نا تمہارے ساتھ؟“ ایمان کے لہجے میں محسوس کیا جانے والا لنگر تھا۔

”باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن محترم رعب بہت جاتے ہیں مجھ پر دیکھیں ناشتہ مجھ سے ہواتے ہیں باقاعدہ آرڈر کر کے۔“ وہ مصنوعی آہ بھر کر بولی۔ سکندر نے کانوں کو ہاتھ لگائے پھر فون کے نزدیک منہ کر کے چیخا۔

”ہرگز نہیں یہ خود بنائی ہیں ضد کر کے کہتی ہیں محبت کا حق ادا کرنے دیں۔“ ایمان ہنسنے لگی جبکہ لاریب اس کے یوں منہ پھاڑ کر اندر کی بات اگل دینے پر بے تحاشہ سرخ ہو گئی۔

”اگر وہ تم پر رعب جما بھی لے تو خیر ہے یاد کرو تم نے بھی دبا کر کھا ہے۔“ ایمان کے ٹوکے پر لاریب نے سر داہ بھری۔

”پرانے ہی بدلے چکا رہے ہیں جناب، بس انداز محبت اپنا رکھا ہے تاکہ میں شکایت بھی نہ کر سکوں۔“ اس نے منہ پھلایا ہشاش بشاش خوب صورت کھٹکتا لہجہ اس کی مکمل آسودگی کا گواہ تھا ایمان کو بے پناہ تقویت ملی۔

”اللہ پاک تم دونوں کو ہمیشہ یونہی شاد و آباد رکھے، آمین۔“ ایمان نے ایسی ہی دعاؤں کے ساتھ فون بند کر دیا تھا۔ سکندر سے تاز بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

”کچھ اور شکایتیں لگائیں گی میری۔“
”آپ کو کیا بھئی، میں اپنی بہن سے جیسے مرضی بات کروں۔“ لاریب نے کاندھے اچکائے گویا اسے اور زیادہ تاؤ دلانا چاہا مگر سکندر مسکراہٹ دبائے اسے شوخ بے حد روشن نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ نروس ہوئے بغیر نہیں رہی۔

”ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“
یہ عادتیں یہ جسم یہ سست لگا ہیں
جناب اور صحو کہیں کوئی اور پاگل نہ ہو جائے
سکندر کا لہجہ سرگوشی سے مشابہہ تھا۔ لاریب اتنا

ایک قریبانی ابراہیم نے دی تھی۔ ایک قریبانی اسے بھی تو دینا چاہیے تھی۔ انہوں نے اپنی سب سے قیمتی سب سے عزیز ترین ہستی کو اللہ کی راہ میں قربان کر ڈالا تھا آج وہ بھی سمجھ سکتی تھی اس کا شمار مسلمانوں میں ہوا ہے۔

اب اسے بھی ہارون کے سامنے اپنا آپ ہیچ نہیں لگ سکتا تھا۔ اس نے بلا خر خود کو مسلمان ثابت کر کے دکھا دیا تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل تو زمین اس کے قدموں تلے گویا بدل گئی۔ آسمان جیسے اس کے سر کے اوپر سے اٹھ گیا تھا۔ مگر اسے ہمت ہی تو نہیں ہارنی تھی۔ اسے ثابت قدم ہی تو رہنا تھا۔ جیسی اس نے پلٹ کر عباس حیدر کے قوت ویائی سے سلب ہو جانے والے تاثرات کو نگاہ بھر کے بھی نہیں دیکھا۔ وہ پتھر کی نہیں ہونا چاہتی تھی۔ ابھی وہ اتنی کالم کہاں تھی وہ اپنی ریاضت زائل ہو جانے فیصلہ بدل جانے کے خیال سے ہی تو شدید خائف تھی۔



”آپ کا فون ہے سز.....!“ لاریب کچن میں ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔ جب سکندر جنم پر بنیان پہنے اندر داخل ہوا۔ ہاتھ میں اس کا سیل فون تھا لاریب نے اگلے قہارے کے نیچے آنچ دھکی کر کے ٹوسٹر سے سلاؤس نکال کر روٹرواڑا اور خود تیزی سے ساٹھا اچھیننے لگی۔

”باجو کیسی ہیں؟“
”اللہ اللہ بالکل ٹھیک تمہاری البتہ فکر ہو رہی تھی۔ طبیعت کیسی ہے؟ دو مینٹگ میں کوئی فرق پڑا؟“ ایمان کے لہجے و انداز میں بڑی بہن سے زیادہ ماں کی سی شفقت و محبت تھی۔ لاریب بے ساختہ مسکرائی۔

”جی، جی بالکل آپ زیادہ پریشان نہ ہوا کریں زاروان اور شرجیل، بھائی بابا جان سب ٹھیک ہیں؟“
”کریم ہے اللہ کا زاروان یاد کرتا ہے تمہیں میں نے اسے بتایا اس کا چھوٹا بہن بھائی آنے والا ہے۔“ ایمان کے لہجے میں اس کے حوالے سے شرارت رچی بسی تھی۔

لاریب کی رنگت گلابی ہونے لگی۔ اس نے فریج سے دودھ کا پیکٹ نکالنے کے بہانے سکندر سے فاصلہ بڑھایا جس

تربات ہے۔ انسان خود ہی اللہ کے احکامات سے مدد کر دینی کرتا ہے اور خواری و ذلت نصیب بننے پر شاکی بھی اس کا ہوا پھرتا ہے۔ اپنی کوتاہی اپنی گمراہی اپنی بے حجابی سے آگاہی حاصل کیے بنا اور قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے۔
”بہت کم ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں۔“

اس کا دل ایک ایک بات پر ایمان لاتا کھل کر آنسو بننے لگا اور جب وہ پہلی بار سکندر کے ہمراہ حجاب اوڑھ کر گھر سے نکلی تو سکندر نے خوشگوار ریت میں جھلا ہو کر مسکرا کر اسے دیکھا۔

”میں تو مذاق کر رہا تھا۔“

”لیکن میں نے مذاق نہیں کیا اللہ کے احکامات کو بے پروائی اور مذاق کا نشانہ بننا بھی نہیں چاہیے۔“ جواباً وہ کتنی سنجیدہ تھی اور سکندر کی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی تو تھی ہی تو قیور اور ستائش بھی اتر آئی اور حویلی میں ہونے والے واقعات سے سامنے نے لاریب کو اتنا بے مزہ نہیں کیا تھا۔ جتنا سکندر کا اس سے مصافحہ کر کے خیریت دریافت کرنے نے کر دیا لاریب کے خیال میں اس وقت انتہا ہوئی تھی جب وقاص نے اسے بھی مخاطب کیا۔

”میں اپنے سابقہ تمام رویوں پر شرمندہ ہوں لاریب پلیز مجھے معاف.....!“ اس کا ہر بار یہی سوال ہوتا تھا وہ عاجز ہوتی تھی وہ مشتعل ہوتی تھی جیسی قدم بڑھا دے تھے کہ اپنا ہاتھ سکندر کی گرفت میں محسوس کر کے چونک آگئی۔ سکندر نا صرف متوجہ تھا بلکہ اس کی نرم نگاہوں میں وقاص کو معاف کر دینے کا بھی تقاضا تھا لاریب چند لمحوں کو کچھ بول نہیں سکی۔ اب کیا کرتی وہ؟ سکندر کے کہنے پر معاف کر دیتی اسے یہ ضروری تھا۔

”میں تمہیں اللہ کے لیے معاف کرتی ہوں وقاص حیدر لیکن بہتر ہے آئندہ تم میرا رستہ کبھی نہ روکنا۔“ اس نے پرسان انداز اختیار کیا اور آگے بڑھ گئی۔ وقاص کی جھکی نظریں سکندر کے چہرے پر انھیں جن میں تشکرانہ چمک تھی۔ سکندر کچھ کہے بغیر اس کا کانڈھا تھپکتا لاریب کے پیچھے چلا گیا۔

جھینپی تھی کہ بے اختیار اس کے کانڈھے پر مٹکا دے مارا۔ تب تک لاریب کو گمان بھی نہیں تھا کہ اگلے چند گھنٹوں میں وہ سکندر کی مذاق میں کبھی گئی بات کو اتنی سنجیدگی سے لے لے گی۔ اگر وہ جیتی الفاظ اس کی سماعتوں میں اتر کر اثر نہ چھوڑ جاتے۔

لڑکیاں سکندر کی ریت کی طرح ہوتی ہیں۔ عیاں پڑی ریت مگر سال پر ہوتی قدموں تلے روندی جاتی ہے اور اگر سکندر کی تہہ میں ہوتی کچھ بن جاتی ہے لیکن وہ ڈرا جو خود کو ایک مضبوط سیپ میں ڈھک لے وہ مولیٰ بن جاتا ہے۔ جو ہری اس ایک مولیٰ کے لیے کتنے ہی سیپ چتا ہے اور پھر اس مولیٰ کو ٹھلیں ڈلوں میں بند کر کے محفوظ تجوریوں میں رکھ دیتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی جوہری اپنی دکان کے شوکیس میں اصلی جیولری نہیں رکھتا مگر ریت کے ذرے کے لیے مولیٰ بننا بھی آسان نہیں ہوتا۔ وہ ڈوبے بغیر سیپ کی کبھی نہیں پاسکتا۔ یہی مثال عورت کی ہے۔ اللہ نے عورت کو پردوں میں ڈھکی ہوئی چیز بنایا ہے۔ وہ اپنے آپ کو عیاں کر کے خود کو جہنم کی آگ کا ایندھن بنا لیتی ہے۔ قرآن حکیم کی آیت کا مفہوم ہے۔

”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے اوپر اس طرح پھیلا لیں کہ ان کی زینت ظاہر نہ ہو۔“

خطیب کی آواز اس کو ہر لمحہ قاصدہ پر جاتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاتھ میں موجودی وی کار۔ مورث اس کی کمزور ہوتی گرفت سے پھسل کر گود میں گر گیا اور ساتتیس ساتتیس ساتتیس کرنے لگیں۔ بات ساری دل کی ہوتی ہے اگر دل گداز ہے تو اثر ہے اگر دل میں گداز نہیں تو کسی شے کا اثر لینا ممکن ہی نہیں صد شکر اسے گداز دل عطا ہوا تھا۔

اس نے جانا قدرت کے مرتب کردہ نظام اور اس کے قوانین میں ہی بقا اور سلامتی کے سارے راز محفوظ ہیں اگر وہ انہی مرتب کردہ قوانین کو اپناتی تو کبھی بھی عباس حیدر کے طلسمی سحر سے جل کر خاک نہ ہوئی ہوتی۔ نہ وقاص حیدر اس کی دلکشی کا میر ہو کر اس کی زندگی کو مشکل بناتا کتنی عجیب

شرمندگی سے بولنے لگی تھی وہ یاسیت و لکیری سے مسکرائی۔
 ”مما پاس جانا، مما پاس۔“ بچی فاطمہ کو قریب پاتے ہی
 چل آئی زینب نے مسکراتے ہوئے بچی کو فاطمہ کی جانب
 بڑھایا تو فاطمہ نے جیسے بادل ناخواستہ ہی بچی کو لیا تھا۔

”آپ کیسے ہوا سامہ بیٹے؟“ زینب فاطمہ کو انٹرکام کی
 جانب جاتے دیکھ کر کارپٹ پر کھلونوں میں گن اسامہ کے
 پھولے لگال پیار سے چھو کر مسکائی تھی بچہ مسکرایا اور جھینپ
 کر نظریں بدل گیا۔

”سیما فوراً یہاں آ کر بچوں کو لے کر جاؤ۔“ انٹرکام پر
 سیما سے رابطہ بحال کرنے سے قبل فاطمہ نے دیا کے
 رونے کے متعلق پروا نہ کرتے ہوئے اسے صوفے پر بٹھا
 دیا تھا۔ ملازمہ کو مخاطب کرتے بھی اس کا لہجہ بدشت تھا۔
 زینب کچھ حیرانی کے عالم میں اسے نکلنے لگی۔

”کتی مرتبہ کہا ہے بچوں کی کیئر کرنا سیکھو، مگر تم دن
 بدن ہڈ حرام ہوتی جا رہی ہو۔ لے جاؤ دونوں کو یہاں سے
 اور خانساماں سے چائے کا کہہ دینا۔“ ملازمہ کی جھاڑ کے
 بعد وہ زینب کی سمت متوجہ ہوئی تو اسے حق دق پا کر جانے
 کس احساس کے زیرِ تخت نظریں چرائیں۔

”بی بی جی بیچ آپ کے پاس سے.....!“
 ”یہ بہانہ بہت فضول ہے، سمجھیں جاؤ یہاں سے۔“
 وہ حلق کے بل چیختی تھی۔ ملازمہ کا رنگ اڑ گیا۔ وہ خانف
 ہوتی روتے بسورتے بچوں کو لیے تیزی سے کمرے سے
 نکل گئی۔ زینب تو بھونچکی بیٹھی رہ گئی۔ یہ سب کچھ اس کے
 لیے جتنا حیران کن تھا اس سے کہیں بڑھ کر تکلیف کا
 باعث تھا۔

”تمہارے زخم کیسے ہیں اب فاطمہ؟“ زینب خاصی
 تاخیر سے بولی تو اس کا لہجہ از حد ہم اور بجا ہوا تھا۔
 ”ہوں سچ بیٹر تم نے بہت عرصے بعد چکر لگایا
 زینبی۔“ وہ دانستہ مسکرائی تھی۔ زینب اسے خالی نظروں
 سے نکلے گئی۔

(فاطمہ ایسی کیوں ہو رہی ہے، کیا یہ بھی وہی عام سی
 روایتی سوچ رکھنے والی لڑکی نکلی، جو بچوں کو میٹر می بنا کر اپنے

”کہا تھا میں نے آپ سے، مسٹر بہت رعب
 جساتے ہیں مجھ پر ابھی ابھی کا کارنامہ سن لیں وقاص کو
 زبردستی معافی دلوائی ہے۔“ وہ اندر آیا تو لاریب کو چلبلا کر
 ایمان سے کہتے سنا۔ سکندر نے سر داہ بھری اور دھپ سے
 اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

”اے رعب نہیں، عاجزانہ التجا کہا جاسکتا ہے مادام،
 ویسے بھی اگر ہم مذہب کو اختیار کریں تو اسے مکمل طور پر
 اپناتا چاہیے نہ کہ جزبہ جتنا من بھائے۔“ اس کا انداز نا
 صحابہ تھا۔ ایمان نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تو لاریب
 خفیف سی ہو گئی۔

”معاف کرنا خدائی وصف ہے لاریب اور اللہ معاف
 کرنے والوں کے درجات کی بلندی کا وعدہ کر چکا ہے۔“
 وہ بے حد نرمی سے کہتا گیا اور لاریب کی محنت بڑھنے لگی۔
 ”اللہ پاک مجھے معاف فرمائے اور دین میں داخل
 ہونے کی توفیق بخشے آمین۔“

”تم آمین۔“ سکندر نے صدق دل سے کہتے اضافہ کیا
 تو تینوں ہی مسکرایے۔



”مما بھوک لدی۔“ جس وقت زینب نے ہلکی سی
 دستک دے کر اندر قدم رکھا، بستر پر سوتی ہوئی دیا نے ہی
 سب سے پہلے اس کی توجہ حاصل کی تھی۔

”اوہ میری جان، بھوک لگی ہے آؤ خالہ کے پاس۔“
 اس نے لپک کر مصوم پیاری ننھی سی بچی کو بازوؤں میں بھر
 کر اس کے آنسوؤں سے بھینکتے رخساروں کو چٹا چٹ چوم
 لیا۔ تب ہی نگاہ فاطمہ پر جا پڑی تھی جو اس کی آواز سن کر
 وارڈ روب سے سر نکال کر متوجہ ہوئی تھی اور اسے دو برو پا کر
 گویا فاطمہ کے زرد چہرے پر جھتی آنکھوں میں ہلکا سا
 زعمگی کا احساس پھر سے جاگا تھا۔

”کیسی ہو فاطمہ؟ میں محذرت خواہ ہوں دوبارہ تمہاری
 عیادت کو نہیں آسکی۔ مجھے لگتا ہے طبیعت ابھی بھی ٹھیک
 نہیں ہے بہت کمزور ہو رہی ہو۔“ فاطمہ لپک کر جس بے
 تابی سے فرامی سے اس کے گلے لگی۔ زینب اس قدر

کر کے ہی دم لیا۔ میں نے بھی اس امر کو اللہ کا فیصلہ سمجھتے ہوئے قبول کیا ہے۔“ زینب تفصیلات بتا رہی تھی اور فاطمہ کی کیفیت عجیب تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔

”آپ نے پوچھا نہیں وہ آپ سے کیوں شادی کر رہا ہے۔“ وہ اس انکشاف سے نکلے تو حیرت بھرا سوال کیے بغیر نہیں رہ سکی۔ زینب آہستگی سے سن دی تھی۔

”پوچھا تھا فطری بات ہے مجھے بھی یہی خیال آیا تھا کہ وہ ازالہ کرنا چاہتے ہوں گے۔“ اسے جواب دیتی زینب جیسے انہی لہجوں میں گم ہونے لگی۔ جب اس نے ہارون اور امی بابا کے اصرار کے بعد یہی سوال کچھ رد و بدل سے ہارون احمد سے کیا تھا۔

”اٹھ پائیس جو کچھ ہوا ہارون صاحب اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا میں جانتی ہوں اور اس حادثے کو میں قبول کر چکی ہوں آپ ان میرڈ ہیں بہتر ہوگا کسی کنواری لڑکی سے شادی کر لیں۔“ زینب نے پردے کے پیچھے سے اپنی والدہ کی موجودگی میں بات کی تھی۔

”آپ ایسا ہرگز نہ سوچیں زینب کہ میں کسی ازالے کی نیت سے آپ سے شادی کا خواہاں ہوں میں تو نو مسلم ہوں جبکہ آپ اللہ کے فضل و کرم سے علم کی دولت سے مالا مال ہیں میرے لیے یہ بندھن ہرگز اعزاز یا کسی سعادت سے کم نہیں ہوگا اگر مجھ جیسے عام انسان کو آپ کی سنگت نصیب ہو جائے۔ آپ کے انکار کی صورت ظاہر ہے میں آپ کو فورس نہیں کر سکتا نہ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ ساری عمر شادی نہیں کروں گا ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے آپ کا انکار بہت ہرٹ کرے گا میں سمجھوں گا آپ نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا۔“ جواب ایسا نہ تھا کہ زینب کے روئیں روئیں میں عاجزی و انکساری بکھرتی چلی گئی اس نے جانا یہ اللہ کا فیصلہ ہے اس کے لیے اسے اللہ کے فیصلے سے بھلا کیونکر انحراف ہو سکتا تھا۔ استخارہ میں واضح اشارہ ملنے کے بعد اس نے انکار نہیں کیا تھا۔ عثمان کی رفاقت میں اس نے جتنا حسین وقت گزارا تھا۔ اس کی یاد پھر سے ہارون احمد کی سنگت میں تازہ ہو کر مجسم ہونے لگی۔ ہارون احمد کا رکھ رکھاؤ

مطلوب تک پہنچی اور پھر..... نہیں پیدا ہم ہے میرا۔ فاطمہ ایسی بالکل نہیں، میں اس کی ان باتوں کی بھی گواہ ہوں جب انہی بچوں کی ہلکی سی تکلیف پر یہ ساری رات آنکھوں میں دکھ دیا کرتی تھی۔ اگر پیش نظر تب عباس کی محبت تھی تو اب بھی وہ محبت دم نہیں توڑ سکتی) اس نے اپنی ہر سوچ کو جھٹلا کر خود کو سلی سے نوازا۔

”ہاں دراصل زندگی میں بہت کچھ تیزی سے تہریل ہوا فاطمہ کہ میں چاہنے کے باوجود وقت نہیں نکال سکی۔“ زینب کے چہرے و انداز میں کچھ ایسا انوکھا تاثر تھا کہ فاطمہ چونک کر اسے نکلنے لگی تھی۔

”میں سمجھی نہیں؟“ وہ اطمینان کا شکار لگتی تھی۔ زینب نرمی سے مسکرانے لگی۔

”یک ہفتہ قبل بہت سادگی سے میرا نکاح ہو گیا ہے فاطمہ، میں تمہیں لازمی بلواتی مگر تمہاری طبیعت کے پیش نظر ایسا نہیں کیا۔“ فاطمہ پہلے جتنی حیران تھی پھر اسی اندر خوشگوار تاثر اس کے صبح چہرے پر پھیلتا چلا گیا تھا۔

”امیزنگ بہت مبارک ہو آپ کو، ارے آپ مٹھائی کے بغیر چلی آئیں۔“ وہ چہکی زینب جھینپ گئی۔

”مٹھائی ضرور لاتی مگر محمد ہارون نے منع کر دیا ان کی خواہش ہے فاطمہ کہ آج رات کا کھانا تم اور عباس بھائی ہمارے ساتھ کھاؤ۔“ زینب کی شرمیلی مسکان نے اس کے نرم لود۔ پتے خند خال کے حسن کو اجاگر کر کے کیسا سحر انگیز تاثر دے دیا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

”کون ہارون، ہمارے دلہا بھائی؟“ وہ شرم مسکان کے ساتھ بولی۔ زینب کے گلابی گال دکھ اٹھے تھے۔

”ہاں وہی فاطمہ مجھے ایک اور بات بتانی تھی تمہیں ہارون ماہی کے وہی ”دیو“ ہیں جو تمہاری ماما کے اسٹیپ سن تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ماشاء اللہ سے مذہبی اسٹالر ہیں پاکستان آنے کے بعد انہوں نے بڑی وقتوں سے مجھے ڈھونڈا اور نکاح کا پیغام دیا۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی فاطمہ مگر ہارون کی کوششیں ہاں اور ثابت ہوئیں انہوں نے امی اور بابا کے ساتھ مل کر مجھے قائل

جانتی بھی تو کیسے؟“ وہ سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان رندھی ہوئی آواز میں بولی گئی۔ زینب نے تھیر آ میز ابھمن زدہ نظروں سے اسے دیکھا مگر ٹوکا نہیں۔ وہ اس کی ساری بات سن لینا چاہتی تھی۔

”پھر اسی رب نے مجھے آگاہی بھی بخش دی زینب، جس نے بہت پہلے طے کر رکھا تھا کہ اس نے مجھ سے کب کیا کام لینا ہے۔ میں نے دیو کو ہارون کے روپ میں دیکھا تو میری آنکھوں کا بھی پردہ سرک گیا۔ اندھیرے چھٹے اور روشنیاں جگمگانے لگیں۔ میں نے جانا زینب صرف میں ہی گھانے میں تھی صرف میں..... ورنہ باقی سب تو رحمان کی نیکار پر لبیک کہہ رہے تھے عباس کی محبت..... اس کی سحر انگیز قربت کی چکا چونڈ نے میری آنکھیں ہی چندھیٹا ڈالی تھیں مگر میں خود کو مزید فریب نہیں دینا چاہتی۔ تم نے ہی مجھے بتایا تھا زینب کہ جب تک ہم اپنا سب سے قیمتی اور محبوب چیز اللہ کی راہ میں صدقہ نہیں کریں گے ہمارا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ میرے پاس عباس سے بڑھ کر کچھ بھی قیمتی نہیں تھا خرچ کرنے کو قربان کرنے کو۔“ وہ خاموش ہوئی تو اس کی ہچکیاں بڑھنے لگیں۔ زینب نے گہرا سانس کھینچا پھر اس کے لرزتے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھا اور اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

”بلاشبہ تمہارا جذبہ قابل قدر ہے فاطمہ مگر تم دین کو اب بھی پوری طرح سے نہیں سمجھ سکی ہو۔ اپنی حالت کو دیکھو کیا ضرورت ہے بھلا خود پر اتنا جبر کرنے کی۔“ زینب کے الفاظ ایسے تھے کہ فاطمہ نے تڑپ اٹھنے کے انداز میں اسے دیکھا۔ وحشی دل کچھ مزید ہراساں ہو کر دھڑکا بے چینی بے تابی و اضطرابی کیفیت میں اس نے آنسو چھلکانی سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

”میں کبھی نہیں زینب؟“ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا اور جواب میں زینب نے بے حد محبت سے اس کا کال تپتہ پایا۔

”مطلب یہ ہے فاطمہ کہ اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ عباس اور بچوں کو چھوڑ کر تم راہبانہ زندگی کی

تحمل درسان اور عبداللہ کے لیے محبت کچھ بھی تو عثمان سے مختلف اور الگ نہیں تھا اور بے شک اللہ ہی بہتر سے بہترین سے نوازنے والا ہے۔

”مجھے بہت خوشی ہوئی ہے یہ جان کر میں ضرورتاً اس کی دیو..... میرا مطلب ہے ہارون کو مبارک باد دینے اچھا ہے یہاں سے جانے سے قبل اس سے بھی مل لوں گی۔“ فاطمہ کے کاخری فقرے نے زینب کو ٹھٹھکا کے دکھ دیا۔

”تم کہیں جا رہی ہو فاطمہ مگر کہاں؟“ یہی وہ سوال تھا جو فاطمہ کے سارے ضبط اور حوصلے بہا کر لے جایا کرتا تھا مگر جواب تو دینا تھا زینب کی نظروں کا سوال کتنی بے قراری لیے ہوئے تھا ابھمن سے پھر اہوا۔

”انڈیا می۔ اے پاس۔“ اس کی آنکھیں پھرا گئیں۔

”واپس کب تنگ آؤ گی؟ بچوں کو ساتھ لے کر نہیں جاؤ گی کیا، کہیں اس لیے تو انہیں خود سے دور نہیں رکھ رہی ہو؟ تمہاری می تو ٹھیک ہیں فاطمہ، ہارون احمد نے تو مجھے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔“ وہ اب حیران ہو رہی تھی۔ گویا اس اچانک فیصلے کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہو۔

”میں اب بھی واپس نہیں آؤ گی زینب، تم ٹھیک سمجھی ہو میں بچوں سے فاصلہ بڑھا رہی ہوں۔“ بات کے مکمل ہونے سے بھی پہلے اس کے آنسو بے تابانہ ٹھل کر گالوں پر اتر آئے تھے۔ یہ سچ تھا وہ زینب سے کوئی بات نہیں چھپا سکتی تھی۔ پھر مل پر پوجہ بھی اتنا تھا کہ حد نہیں، وہ اس بوجھ میں ضرور کی چاہتی تھی۔ زینب اس کی بات کے جواب میں ششدر تھی۔ جبکہ فاطمہ زار و قطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اپنی نظروں میں گر چکی تھی۔ میں جانتی تھی میرا رب مجھ سے راضی نہیں ہے۔ اس مجنونانہ سفر میں اندھا دھند بھاگتی اللہ و میں مکمل طور پر فراموش کر گئی تھی۔ حالانکہ اللہ نے آگہی کی خاطر ہی تو مجھے تمہارا ساتھ دیا تھا۔ تم ہر موقع پر اس کے احکامات مجھ تک پہنچاتی تھیں مگر میرے تو دل پر مہر اور آنکھوں پر پردہ تھا۔ میں سمجھتی اور

دیکھ بھال، شوہر کی فرمانبرداری اور اس کی موجودگی وغیر موجودگی میں اس کے مال و عزت کی حفاظت دیا ننداری سے کرتے ہوئے پانچ وقت کی نماز اور جتنا سہولت سے ہو سکے قرآن پاک پڑھ لوگی فاطمہ تو وہ ہی تمہارے لیے بہترین عبادت ہوگی۔ اللہ کا وعدہ ہے وہ اپنے بندوں پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ پھر آخر تم کیوں اضافی بوجھ لا دنا چاہتی ہو خود کو ریلیکس کرو فاطمہ اور دین کو سمجھنے کی کوشش بھی۔ "زینب کا لہجہ ویسا ہی تھا اثر انگیز دل موہتا ہوا اور ٹھہراؤ لیے ہوئے۔ فاطمہ مسرور بیٹھی تھی۔ دل کا بوجھ یکنخت سرک گیا تھا۔ اس نے بھیکتی نم آنکھوں میں غیر یقینی بھر کے زینب کو دیکھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ناں؟ اللہ ایسا کرنے پر مجھ سے خفا تو نہ ہوگا، میں عباس سے محبت کرتی رہوں اللہ اس بات پر خفا تو نہ ہوگا؟" اس کی آواز میں پھر سے خدشات لرزنے لگے زینب بے اختیار مسکرا دی۔

"ہرگز نہیں فاطمہ میں نے کہا تا یہ تو انہیں اللہ کے ہی مرتکب کردہ ہیں اللہ اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کے بعد شوہر کی اطاعت و محبت کو عورت پر لازم کرتا ہے۔ اللہ کے حقوق کے بعد شوہر کے حقوق اہم ترین ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو فاطمہ دنیا کے اندر دین نہیں مگر دین کے اندر دنیا ضرور ہے۔ کوئی شخص اللہ کو سنانے کی غرض سے پہاڑوں میں جا نکلا اور عبادات میں مشغول ہو گیا۔ اپنے پاس ایک خشک ٹہنی گاڑھ لی اس کا خیال تھا جب یہ ہری ہو جائے گی تو سمجھ لوں گا اللہ مجھ سے راضی ہوا۔ بسا برس بیت گئے مگر اللہ کے راضی ہونے کی خوش خبری نہیں ملتی تھی۔ ایک روز عبادت میں مشغول تھا کہ کسی مصیبت زدہ کی پکار پر دل میں خیال آیا اس کی مدد کرنی چاہیے اور چل پڑا مقصد میں کامیابی کے بعد لوٹا تو یہ دیکھ کر حیرت و خوشی کی انتہا نہ رہی کہ خشک ٹہنی ہری ہو چکی تھی۔ سویت ہارٹ اس واقعہ سے بھی سبق ملتا ہے اللہ دنیا میں اپنے بندوں کو بھیج کر ان کی آزمائش کرتا ہے اگر صرف عبادت کی جائے اور دنیا کو ترک کر دیا جائے یعنی حقوق العباد سے چشم

جانب ہی قدم بڑھا رہی ہو۔ بلکہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے پہلو تہی کی مرتکب بھی ہو رہی ہو۔ جو اس رشتے میں بندہ جانے کے بعد اللہ نے تم پر لازم کر دیے۔ یہ قربانی نہیں ہے حقوق العباد سے چشم پوشی ہے۔ میں حیران ہوں تمہیں عباس بھائی نے کچھ نہیں کہا؟ فاطمہ اسلام تو بہت پیارا دین ہے مکمل ضابطہ حیات اس میں جائز اور حلال خواہشوں سے منہ موڑنے کا کہیں بھی حکم نہیں دیا گیا بلکہ ایمان ایک ایسا عالم ہے جہاں نفس انسانی کے خفیہ ترین امور اور پوشیدہ ترین گوشے بھی اطمینان و سکون پاتے ہیں اور اجتماعی زندگی پر سکون و مطمئن ہو جاتی ہے۔ سلامتی کے جس نظام میں تم داخل ہوئی ہو اسلام قبول کر کے فاطمہ اس میں تمہارا اور اللہ کے مابین تعلق کا صحیح تصور ملتا ہے۔ یہ نصاب اللہ اور تمہارے ساتھ اس دنیا کے ساتھ ہر چیز کا حکمت کے ساتھ پورا ہونا ثابت کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کائنات کے نظام کو ایسا بنایا ہے کہ یہ سب اور اس کی ہر چیز انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ قرآن حکیم کی آیت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ "تم سکون حاصل کرتے ہو اپنے جوڑے سے۔" فاطمہ اللہ نے ہر شے کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔ تمہارا جوڑہ عباس تھا یہ حکم خداوندی ہی ہے عباس کے حقوق تم پر فرض ہوئے حدیث کا مفہوم ہے۔

"اگر بیوی شوہر کے بلاوے پر انکار کرے تو ساری رات رحمت کے فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں۔" اندازہ کر لو تمہارا طریقہ کار کتنا غلط تھا اور یہ بچے... فاطمہ یہ بہت محسوس ہیں اور تمہاری توجہ و محبت کے محتاج بھی اللہ نے ان کی تمام ذمہ داریاں تمہیں سونپ دی ہیں ماں بنی ہو تم ان کی ان کے حقوق ادا کرنا تم پر فرض ہے اور اللہ نے عورت کو مرد کی طرح باجماعت مسجد میں نماز کا حکم نہیں دیا اللہ جانتا ہے عورت کی ذمہ داریوں کو، عورت کو گھر سنبھالنا بچے پالنا ہے جیسی اس مالک نے سہولت عطا فرمادی۔ مسجد جانے کی بھاگ دوڑ سے بچا کر گھر میں اطمینان سے نماز کی ادائیگی کا حکم عطا فرمایا۔ ان بچوں کی

چیت کرنے میں مصروف تھا کچھ دیر بعد ہی اس کے پیچھے آیا تھا۔ لاریب نے اسے عاجز نظروں سے دیکھا۔
”کیا کہوں میں آپ سے کل ایسا گھٹیا الزام لگایا آنے والے دنوں میں کوئی اور ذرا۔“

”تمہیں مجھ پر اعتماد ہے نالاریب پھر.....!“ سکندر پر جہاں سے اثر ہوا ہو، لاریب اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”میں کوئی مزید نقصان نہیں سہہ سکوں گی سکندر، ماضی میں جو ہوا وہی کافی ہے۔“ اس کا اشارہ ایمان اور سکندر کے والدین کے ساتھ تاؤ جی اور تائی ماں کا سلوک تھا۔

”لیکن لاریب لازمی تو نہیں جوان کا نصیب تھا وہ ہی ہمارا بھی ہو۔“

”یعنی آپ انہیں وار کرنے کا پھر سے موقع فراہم کر رہے ہیں۔“ اس کا انداز روٹھا ہوا تھا۔ سکندر مسکرا دیا۔

”نہیں میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی پیروی کرنا چاہتا ہوں جس میں انہوں نے ہمیں تعلق اور رشتوں کو جوڑے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔“ بات ایسی تھی کہ اس کے بعد لاریب اپنی بات سامنے رکھنے کی جرأت ہی نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ بے بسی سے اتنا ضرور کہا۔

”چاہے وہ جتنے مرضی دکھ دیں۔“

”یہ ان کی فطرت ہے لاریب ہمیں وہ کرنا ہے جس فطرت پر اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے جس کی ہمیں توفیق بخشی۔“

”اللہ نے ہمیں فہم عطا فرمائی ہے ہم برائی کا بدلہ اچھائی سے دے کر اچھائی سے برائی کا خاتمہ کیوں نہ کریں۔ بدلہ لے کر تو ہم کوئی کارنامہ انجام نہیں دیں گے۔“

سکندر کے پاس ہر بات کا کھلا نہ جواب موجود تھا۔ لاریب کو چپ ہونا پڑا مگر اس کے خدشات غلط نہیں تھے کہ اس رات تائی ماں نے اپنی آمد کا گھناؤنا مقصد ظاہر کر دیا۔

دو دھ میں انہوں نے زہر ملا کر سکندر کو ختم کرنا چاہا تھا۔ یہ ان کی چالاکی اور بہت مہارت سے چال چلنے کی سازش تھی کہ بیٹی کو بھی اس میں شامل کرنا ضروری نہ سمجھا

گلاس تیار کر کے انہوں نے رکھا ہی تھا کہ پیٹ میں اٹھتے مروڑنے انہیں داش روم تک جانے پر مجبور کر دیا اور اس

پوشی تو اس میں بھی رضائے الہی کا اشارہ نہیں ہے کامیاب و کامران وہی ہے جو دونوں میں توازن رکھے ہاں یہ بھی فراموش نہیں کرنا کہ اللہ کی محبت پر کسی اور محبت کو غالب نہیں آنا چاہیے۔ فرض نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے نقلی عبادات سے بہتر حقوق اللہ کی خدمت و مدد ہے۔“ زینب کے ایک ایک لفظ نے فاطمہ کے ذہن کے ہر تار ایک گوشے کو گویا جگمگا لاتا تھا۔

”اور ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اگر تو نے نہ بخشا ہمیں اور نہ ہم پر رحم فرمایا تو ہم کھانا پانے والوں

میں سے ہو جائیں گے..... اے ہمارے رب نہ پھیرنا ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور

ہمیں عطا فرمایا اپنے پاس سے رحمت اور ہم پر رحم فرما بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔“

زینب کتنی عاجزی سے دعا مانگ رہی تھی اور فاطمہ کا دل پوری آمادگی سے آمین کی مہر لگا رہا تھا۔ کیسا قرار اترتا تھا اس کے اندر ہر اچھن ہر پریشانی کا آج مکمل خاتمہ ہو گیا تھا اس کے آنسو پھر سے

پہنے لگے مگر وہ باقی تھی یہ تشکر کے آنسو ہیں۔

دل خدا۔ نے حضور سجدہ ریز تھا۔ بلاشبہ اللہ سے بڑھ کر کوئی مہربان نہیں بے شک اسلام سے بڑھ کر کوئی اور

مذہب مکمل ضابطہ حیات نہیں رکھتا۔ اس کا دل گواہی دیتا جا رہا تھا۔ اللہ کے حضور سجدہ شکر بجالاتا ہوا۔



”صالح یاد کر رہی تھی سب کو میں نے سوچا ملا لاتی ہوں حالانکہ یہاں کوئی سیدھے منہ بات کرنا بھی گوارا

نہیں کرتا مگر میری بیٹی کا دل ہی اللہ نے محبت کی مٹی سے بنایا ہے۔“

تائی ماں کی آمد پھر سے ہو چکی تھی اور گویا لاریب کو بتایا جا رہا تھا۔ لاریب گہرا سانس بھرنی

شاک کی نظروں سے سکندر کو دیکھنے لگی جس نے اس کا ہاتھ دبا کر آنکھوں میں آنکھوں میں گویا یہ برداشت کرنے کی خاموش التجا کی تھی۔

”یاد رکھیے رہا کرو نام۔“ وہ چائے بنوانے کو ابھی تو سکندر جو ب تک تائی ماں سے خوش اخلاقی سے بات

بہت کٹھن اور دشوار ہیں مگر آج وہ پورے یقین سے کہتی تھی ان راہوں سے بڑھ کر دلکشی و طمانیت اور کہیں نہیں تھی اللہ کے راستے ہی سیدھے راستے تھے اور آسودگی سے بھرپور بھی۔ اس نے گہرا سانس بھر کر اس احساس کو دل سے محسوس کرنا چاہا۔

”پاپا تب (کب) آئیں دیں (گے) ماما۔“ اسامہ اس کی بانہوں میں چلا تھا فاطمہ کا دل بہت زور سے دھڑکا اس ستم گر کا تذکرہ بھی اس کے دل اور خون کی رفتار کو کئی گنا بڑھا دیا کرتا تھا۔

”بہت جلد آئیں گے جانو، ان شاء اللہ۔“ اس کا چہرہ حیا سے گلابی پڑنے لگا۔ اس روز جب اس نے عباس کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تھا وہ کتنا حیران و پریشان ہو گیا تھا اور اپنے طور پر اسے سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی کم و بیش وہی باتیں جو بعد میں زینب نے بھی کہی تھیں اس سے لیکن تب وہ اتنی بدگمان تھی عباس سے کہ اسے لگنے لگا تھا وہ اتنا پرست انسان اسے اللہ کے راستے سے روک کر اپنی محبت کے جھوٹے دام میں پھانس کر رکھنا چاہتا ہے۔ جس بھی تو اس نے کوئی بات بھی ڈھنگ سے اس کی نہیں سنی تھی اور عباس اس کے تاثرات سے ہی سمجھ گیا تھا جس بھی مزید اصرار نہیں کیا۔

”ایز یوش فاطمہ میں آپ سے اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق اور آزادی نہیں چھینوں گا نہ میں جبر کرنا چاہوں گا آپ پر مگر یہ بات کبھی نہیں بھولنا کہ اس گھر کے ہی نہیں عباس حیدر کے دل کے دروازے ہمیشہ تمہیں اپنے لیے کھلے ملیں گے۔ میں اور میرے بچے اور یہ گھر تمہارے بغیر اوجھڑے رہیں گے۔“ اس نے اپنی بات کتنی آسانی کتنی سہولت سے کہہ دی تھی مگر فاطمہ کے اندر سرسراہی وحشت کا کہاں کوئی کنارہ تھا۔

(بھول جاؤ عباس حیدر، بھول جاؤ کہ اب تم مجھے ٹریپ کر لو گے میں اس سحر سے نکل آئی ہوں تمہارے اور میرے ساتھ اب جدا ہی رہیں گے) وہ بھاگ کر دوسرے کمرے میں آگئی تھی اور روتی رہی

صورت حال سے بے خبر صالحہ نے کمرے میں آ کر دودھ کا گلاس اٹھا لیا وہ دودھ کی شائق تھی اور ہمیشہ بہت رغبت سے پیتی تھی مگر اس گلاس کو پیتے ہوئے اس کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس کی یہ خواہش آخری بار پوری ہو رہی ہے۔

زہرا تاتا تیز تھا کہ جب تک تائی ماں واپس کمرے میں آئیں صالحہ کو اس دنیا سے رخصت ہوئے بھی کئی منٹ بیت چکے تھے۔ انہوں نے پھرائی ہوئی سکتے زدہ آنکھوں سے اپنی مردہ بیٹی کو دیکھا جس کے منہ سے جھاگ بہ رہی تھی اور جسم ہر لمحہ نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ یہ سکتے ٹوٹا تو ان کی ہڈیانی چیخوں نے اتنے بڑے بچنے کے درود یوار لرزائے شروع کر دیے تھے۔



فاطمہ نے دیا کو تھپکتے ہوئے وال کلاک پر نگاہ ڈالی نو بج کر پینتالیس منٹ ہو چکے تھے اسامہ ابھی تک جاگ رہا تھا فاطمہ کو ابھی عشا کی نماز ادا کرنی تھی۔ آج اسے معمول سے بھی کچھ تاخیر ہوئی تھی تو وجد یا کی طبیعت کی خرابی تھی۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی وہ احسان بابا کے ساتھ دیا کو ڈاکٹر کے پاس سے لے کر آئی تھی۔

ابراہیم احمد بھی ساتھ تھے اور فاطمہ کے اطمینان دلانے پر ہی واپس گئے تھے۔

”بیٹے آپ بھی سو جاؤ اب۔“ اس نے اٹھتے ہوئے دیو پر چادر درست کی جو سو چکی تھی۔ اسامہ گھر بھر کے کشنز کا رہنٹ پر ڈھیر کیے ان پر قلابازیاں لگانے میں مصروف تھا ماں کی پڑھار پر وہ بسوا تھا اور اپنا کھیل جاری رکھا۔ فاطمہ نے جھک کر اسے پیار کیا اور مسکرائی۔

”بہت مزہ آیا۔“ اس نے اسامہ کو یقین دلایا تھا اسامہ چہکا اور خود بھی بے حد پیارے انداز میں چٹا چٹ اس کا گال چوم لیا اور ننھی ننھی دونوں بانہیں پھیلا کر کھلکھلایا تھا۔

”نوت مجا آیا۔“ فاطمہ نہال ہوئی تھی اور اسے بانہوں میں بھر کے والہانہ قسم کا پیار کیے گئی۔ زندگی میں کتنی ترتیب کتنا حسن آگیا تھا اس نے کتنے دکھ سے سوچا تھا یہ ماہیں

تھی۔ اسے یاد تھا کبھی وہ وقت تھا جب وہ ان اشعار کی عملی تفسیر تھی۔

(میں تیری تلاش میں نکلوں یا اپنی تلاش میں جاؤں میری عقل بدل اور نظر سب کے سب تیرے کوچے میں کھو گئے ہیں)

اور اس نے تب یہ بھی جانا تھا کہ تم ہوتی چیزیں ڈھونڈنا ہرگز آسان کام نہیں۔ صحیح معنوں میں وہ خوار ہوئی تھی۔

زندگی کے ماہ و سال میں صرف وہی لمحے اس کے دل و نظر میں ٹھہر گئے تھے جب اس سے سامنا ہوا تھا جب اسے دیکھا تھا باقی زندگی تو اکارت تھی بے کار تھی۔ اسے کھویا تو یہ کالی رات جیسا وقت ٹھہر گیا۔ وہ حیران پریشان ہر شے کو خالی نظروں سے نکلتی خود بھی خالی ہوتی رہتی۔

کیسی ہو گئی تھی اس کی زندگی۔ کوئی دن اہم تھا نہ کوئی موسم خاص۔ اس کی تمنا میں ہی مر گئی تھیں جیسے کوئی احساس ہی دکھ کے سوا باقی نہ رہ گیا ہو۔ کسی سکھ کا دور تک سایہ نظر نہ آتا تھا کھونے کے عمل کا دکھ ہی اتنا شدید تھا جو اسے پا کر بھی تمام نہ ہو سکا۔

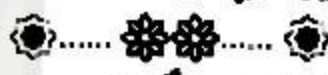
”اللہ گواہ ہے میں نے اللہ کے لیے عباس کو چھوڑا ہے۔“ اپنے ساتھ ساتھ وہ درود یوار کو بھی یہ یقین سوچنا چاہتی تھی آنسو پھر بھی جانے کیوں دیوانہ وار بہے چلے جاتے تھے وہ بار بار ہچکیاں بھرتی تھی۔

میں نے جان لیا یہ سفر شروع ہی اس لیے ہوا تھا کہ اللہ نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔ عباس تو ایک ذریعہ تھا ایسا عارضی ٹھکانہ جہاں کچھ عرصہ سستانے کے بعد مجھے بلا ختم گئے بڑھ جانا تھا ہاں اگر دنیا میں جنت مل جائے تو پھر مزید سفر سے کیا غرض۔ کچھ رویے کچھ فاصلے اس لیے بھی ہوتے ہیں کہ ہمیں نیند سے جگایا جائے اب تو جا کر مجھے محبت کا فسفہ سمجھ میں آیا ہے وہ بار بار خود کو برحق اور صحیح باور کرائے جاتی تھی لیکن پھر اللہ نے ہی زینب کے ذریعے سے پھر اسے درست دین سے آگاہی بخشی تو جیسے بے کلی کو سکون میسر آتا تھا۔ ہر وحشت ہی قرار پا گئی۔

فاطمہ کا دل ایمان لے آیا تھا حرف با حرف سچائی تھی حکمت تھی فطرت بھی اس نے جان لیا اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اب اسے عباس حیدر کا انتظار تھا جو اس روز سے کسی بے لینی جماعت میں گیا ہوا تھا اور جسے خبر نہیں تھی فاطمہ کے کسی بھی نئے فیصلے کی۔

”انہیں پتا لگے گا تو کیسا لگے گا؟“ وہ سوچتی اور لجا جاتی۔ عباس کی قربتوں کے متعلق سوچ کر ہی اس کے وجود میں سنسنی دوز نے نکلتی تھی۔

کیسا آسودگی سے لبریز اور کیف آگہی احساس تھا مکمل طور پر اس شخص کو پالینے کا اس کے اطراف میں دور دور تک خوشبو میں بکھر جائیں ستارے جگمگانے لگتے۔



سکندر لاج میں ہر سو سو گواہی اور یاسیت کے بادل منڈلاتے تھے صرف تائی ماں کی ہی نہیں تاؤ جی کی بھی حالت تشویشناک تھی وہ بات جو کسی پر بھی عیاں نہیں تھی غم و اشتعال اور صدمے کی شدت میں مبتلا تائی ماں جین ڈالتی ہوئی خود اپنی زبانی بیان کرتی رہی تھیں۔

جس وقت جنازہ اٹھ رہا تھا ان کے حواس پر ایک بیجان طاری ہوتا چلا گیا تھا۔ جیسی انہوں نے غم سے غم حال تاؤ جی کا گریبان پکڑ کر طوفانی جھٹکے دیے تھے۔

”تم نے کہا تھا مجھے تم نے..... سکندر کو زہر دے کر کام مکاناتا وہ نہیں مرے میری بیٹی مر گئی ہو..... دیکھو وہ جارہی ہے مجھے چھوڑ کر تم نے مادہ الا سے“ وہ خود اپنے بال نوچ رہی تھیں گال چینی تھیں اور وہ سب کچھ کہہ رہی تھیں جو بھائی ہوش و حواس کبھی منہ سے نہ نکالتیں۔

”اگر کارنامہ انجام دے ہی لیا تھا تو کم از کم بیٹی کو بھی راز میں شریک کر لیتی دووہ اس نے خود کیسے پی لیا سالوں پہلے اس کے ماں باپ کو راستے سے ہٹایا آج تک بھانپ نہیں نکلی مگر تو.....!“ تاؤ جی کے ہڈیانی انداز و لہجے نے بھی ثابت کر دیا تھا کہ یہ کیفیت رنج و غم صرف تائی ماں کے ہی حواس سب نہیں کر گئے لازمی اکلونی بیٹی انہیں بھی ذہنی طور پر وقتی سبھی مفلوج ضرور کر گئی تھی۔ ان کی آنکھوں سے لہو

جسٹائے انداز میں سکندر کو دیکھا گویا کہہ رہا ہوں کہہتا تھا تا تو بہت خوش نصیب ہے ہر لحاظ سے۔

”آپ کا شکر یہ زوجہ مگر میں تم پر یہ بار نہیں ڈالنا چاہتا۔ مجھے پورا یقین ہے تم یا اریہ بھائی کبھی ان لوگوں سے اکٹھا ہٹ یا بے زاری محسوس نہیں کرو گی۔ میں نے اپنے سگے والدین کو نہیں دیکھا میرے لیے تاؤ جی اور تائی ماں کی حیثیت اپنے والدین کی ہے۔“ اس کے الفاظ نے اماں اور بابا کے چہرے پر روشنی پھیلا دی تھی۔ یہ اللہ کا فضل اور ان کی بہترین تربیت کا اثر تھا کہ آج سکندر پر ہر کوئی فخر کر سکتا تھا۔

”آپ فکرنہ کریں سکندر بھائی ان شاء اللہ آپ کو ہم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ اریہ کی تسلی پر سکندر نے نرمی سے اس کا سر تھپکا اور رساں سے مسکرا دیا۔

”مجھے معاف کر دو بیٹی تم پر ظلم کرنے والوں میں شامل رہی ہوں اللہ مجھے معاف فرمائے اور سکندر بیٹے آپ بھی مجھے معاف کر دو ماضی میں جو کچھ ہوا اس میں زیادہ نہ سمجھا تھوڑا میرا بھی حصہ رہا ہے۔“ ماما تائی ماں کے انجام سے اتنی خائف تھیں کہ بچروں میں گر کر معافی طلب کرتی تھیں۔ ان کا کمزور وجود خزاں زدہ پتے کی مانند کانپتا تھا۔ سکندر اور ایمان نے گڑ بڑا کر انہیں سنبھالا تھا۔

”ایسی بات کر کے ہمیں گناہ گار نہ کریں ماما آپ اللہ سے معافی طلب کریں ہمارے دل میں ہرگز آپ کے لیے کوئی کمزورت نہیں ہے۔“ ایمان نے انہیں گلے لگا کر ان کے آنسو پونچھے تھے مگر صورت حال یہ تھی کہ جتنا وہ انہیں تسلی دیتی آنسو صاف کرتی وہ اس قدر کھرتیں اس شدت سے آنسو بہتے تھے۔ انہیں قراما تا تھا نہ سکون۔

”مجھے اپنے ساتھ لے چلو بیٹا، میں یہاں رہی تو لازمی بھائی بیگم کی طرح پاگل ہو جاؤں گی۔“ وہ ایمان کے ہاتھ پکڑ کر سسکی تھیں شرجیل نے بڑھ کر انہیں ساتھ لگا لیا۔

”میرے لیے اس سے بڑھ کر کوئی اعزاز کی بات نہیں ہے ماما کساپ ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں آپ چلیے ہمارے ساتھ چا آپ بھی چلیں گے ہاں۔“ شرجیل نے

نپکتا تھا اور شناسائیت کا کوئی رنگ ڈھونڈنے پر نہیں ملتا تھا۔ چہرے پر ایسی وحشت تھی کہ ایک نگاہ ان پر ڈالنا بھی امتحان تھا جیسے۔

اور ان انکشافات کی زد پر آئی لاریب چہرے پر اضطراب و وحشت اور گھبراہٹ سجائے ہر اسماں تھی۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی سکندر کے بچ جانے پر شکر ادا کرے یا صالحہ و تائی ماں وغیرہ کے انجام پر آنسو بہائے۔ تاؤ جی اور تائی ماں اپنے اعمال کی سزا بھگت رہے تھے کہ وہ اوپر والا بہر حال بہترین منصف ہے بہت بڑا مختصب ہے یہ مقام عبرت تھا مگر اس کے باوجود اس پل سکندر شرجیل اور فراز سمیت سب یاسیت کا شکار تھے۔

تائی ماں کی ذہنی حالت کے پیش نظر انہیں مستحق سکون اور ادویات کے زیر اثر سلایا جا رہا تھا مگر جب بھی جاگتیں، ہسٹریائی انداز میں چیختیں اور صالحہ کو آوازیں دیتی تھیں۔ تاؤ جی ایسے چپ تھے جیسے سکتے میں آگئے ہوں۔ سوئم کے بعد زندگی دھیرے دھیرے معمول پٹانے لگی تھی مگر تائی ماں اور تاؤ جی کی حالت و کیفیت کا عالم ہنوز تھا۔

”انہیں میں لے جاتی ہوں اپنے ساتھ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔“ تاؤ جی اور تائی ماں جن کی حیثیت بے کار فالتو پڑوں کی سی ہو گئی تھی ایمان نے ایسے میں خوش اسلوبی سے ان کی ذمہ داری قبول کرنی چاہی تو سکندر نے ٹوک دیا تھا۔

”نہیں ایمان یہ لوگ یہیں رہیں گے۔ میں نہیں چاہتا اپنا گھر چھوڑ کر کہیں اور انہیں عزت نفس مجروح ہونے کا خوف ستائے۔ مجھے امید ہے لاریب تمہیں اعتراض نہیں ہوگا میرے فیصلے سے میں مستقل طور پر ان کی خدمت پر ملازم ماسور کروں گا۔“ سکندر کے لہجے میں رساں بھی تھا ٹھہراؤ بھی اور فیصلہ کن انداز بھی۔ لاریب نرمی سے مسکرا دی تھی۔

”آپ فکرنہ کریں انہیں مجھ سے ہرگز کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں ہوگی، ان شاء اللہ۔“ لاریب کے جواب نے فراز کے چہرے پر تقاضا نہ مسکان بکھیر دی۔ اس نے

شہزادی کومل

آنجل اسٹاف اور قارئین السلام علیکم! جناب کیا حال چال ہے پچھلے چار سال سے آنجل کی خاموشی قاری ہوں اب سوچا اتھری دوں تو جناب کو شہزادی کومل کہتے ہیں۔ تاریخ پیدائش 4 اپریل ہے اشار پر یقین نہیں کرتی۔ دوست بنانا اچھا لگتا ہے آنجل میں دو فرینڈ ہیں ایک سلٹی گوری خان اور مائی کیوٹ سویٹ سسٹر جاناں! یہ میری دوست کم بہن زیادہ ہے۔ بارش پسند نہیں آنجل کی شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اگر ہم سب ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں تو دنیا و دین و آخرت میں بھی سرخرو کی صلہ کر سکتے ہیں۔ نی وی بہت کم دیکھتی ہوں سبزیوں میں کدو کرینے بھنڈی پسند ہے اور چاول بھی بہت پسند ہیں۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں میں تیسرے نمبر پر ہوں میں اپنے بھائیوں سے بہت پیار کرتی ہوں۔ نازی آپی عشنا کوثر سمیرا شریف طور پسند ہیں۔ اچھائیاں اور برائیاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اور عذاب قبر سے بہت ڈر لگتا ہے اپنی ماما سے بہت ڈرتی ہوں۔ عمرہ کرنے کا بہت شوق ہے اللہ ہر مسلمان کو عمرہ کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔ اریہ شاہ کرن وقفا نیٹاں شاہ کو بہت بہت سلام او کے جی اللہ حافظ۔

شدید تھکان غالب ہوئی اور اگلے چند لمحوں میں وہ غنودگی میں چلا گیا۔ فاطمہ نے نماز مکمل کی۔ دعا مانگی اور اٹھتے ہوئے جیسے ہی رخ پھیرا عباس کو موجود پا کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

ایک بے اختیار قسم کی شرمیلی مسکان نے اس کے شکرگنی لبوں کا احاطہ کر لیا تھا۔ جائے نماز تہہ کر کے رکھتے اس نے مدہم آواز میں سلام کیا تھا۔ مگر جواب نہادو۔ وہ حیران رہ گئی اور دھیان سے اسے دیکھا غضب کی مردانگی سمیٹے لسا چوڑا شاندار وجیہہ تند و مند سراپا۔ نیم وا آنکھیں ذرا سے کھلے ہونٹ اور ہلکے خراٹے وہ اسے سوئے ہوئے

خاموش کھڑے باپ و مخاطب کیا جن کے چہرے پر زہر خند پھیل گیا تھا۔

”میں ابھی اتنا چار اور فقیر نہیں ہوا اولاد کے در پر جا بڑوں دو وقت کی روٹی کی راہ نکلنے کو..... اونہ۔“ انہوں نے شخرف سے کہا اور پھر بولنے وہاں سے چلے گئے۔ شرجیل نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا تھا اور جھک کر ماں کے ہاتھوں پر بوسہ لیا۔

”آپ فکر نہ کریں ماما ہم پیار سے ملنے آتے رہیں گے۔“ ایمان نے ماما کی ڈھارس بندھائی تھی وہ پھیکے انداز میں مسکرائیں، یہ بیج ہے ہدایت جیسی انمول نعمت بھی ہر کسی کا نصیب نہیں بنا کرنی پتا نہیں پاپا کا شمار بھی ان پنے ہوئے لوگوں میں ہونا تھا یا.....!“

عباس حیدر کی فون کے ذریعے صالحہ کے انتقال کی خبر مل چکی تھی۔ جیسی واہسی پر وہ گھر آنے کے بجائے پہلے سکندر کے ہاں گیا تھا۔ تعزیت اور عشا کی نماز کی ادائیگی کے بعد گھر لوٹا تو وجود میں فاطمہ کے فیصلے کے تمام تر سمجھوتے کے باوجود یاسیت کا احساس گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ فون پر بچوں سے بات ہوئی یا ملازموں سے اسے فاطمہ کے چلے جانے کی اطلاع کسی نے نہیں دی تھی۔ شاید وہ اس کی واہسی کے بعد یہ قدم اٹھانا چاہتی تھی۔

احسان، باا اور دیگر ملازمین کے سلام کا جواب دیتا وہ اپنے بیڈروم میں آ گیا تھا ارادہ فریش ہونے کے بعد بچوں سے ملنے کا تھا مگر اندر داخل ہوتے ہی اسے خوشگوار بیت کے احساس نے چھولیا۔ دونوں بچے صاف سترے تھے اور بیڈ پر سو رہے تھے۔ فاطمہ البتہ اسے نظر نہیں آئی اس نے گہرا سانس بھر اور کوٹ اتار کر ایک طرف رکھا۔ پھر بچوں کو جھٹک کر پیار کیا تھا بھی اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر جائے نماز پر جمے میں سر رکھے فاطمہ پر پڑی تو دل آسویگی و طمانیت کے انوکھے و دلفریب احساس سے ہمکنار ہونا چلا گیا۔

فاطمہ کا خشوع و خضوع اور بے خبری قابل رشک تھی۔ عباس کی نگاہیں گاہے بگاہے اس پر اٹھتی تھیں پھر

چہرہ اٹھا کر کتنی محسوسیت سے اس کی تصدیق چاہی تھی۔
عباس نے مسکراہٹ دبا کر فی الفور سر کوٹھی میں ہلایا۔
”مجھے بھی یقین تھا کہ اگر یہ لڑکی مجھے نظر انداز کر رہی

ہے تو اس کے پیچھے کوئی اہم ہستی ہو سکتی ہے ورنہ میری
فاطمہ مجھے کبھی ہرٹ نہیں کر سکتی۔“ عباس نے نرمی و محبت
سے کہتے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پمالے میں لیا اور
مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ فاطمہ جھینپ سی گئی اس کی توجہ
اس کی قربت، اس کا لمس ابھی پوری طرح جیسے سر چڑھ کر
بولا تھا۔ وہ دہک کر مشک بوئی نہیں ہوئی تھی گویا سرتاپا رنگوں
میں نہانے لگی۔

”بہت تھک گئے ہیں آپ؟ میں کھانا گرم کرتی
ہوں۔“ آواز اس کے حلق سے پھس کر نکلی تھی جو اس کے
حجاب اس کی گھبراہٹ کی گواہ تھی عباس پہلی بار یوں
اپنائیت تمام تر توجہ اور استحقاق آ میز انداز میں اتنا قریب
تھا۔ یہ گھبراہٹ اور راہ فرار کی کوشش عین فطری سی تھی جسے
عباس نے سمجھا تھا اور انجوائے کیا تھا۔

”میں بالکل بھی نہیں تھکا ہوا بلکہ تمہیں اتنے پیارے
یوپ میں دیکھ کر بہت فریش ہو چکا ہوں۔“ فاطمہ کی لانی
پلٹیں حیا بار انداز میں لرزا نہیں اور تن بدن میں اس کی توجہ
کے ارتکاز کے باعث سنسنی دوڑتی چلی گئی تھی۔

”میں بہت بری ہوں عباس خود کو اس مرتبے کے
قابل نہیں پاتی۔ میں نے بہت تنگ کیا آپ کو۔“ وہ ایک
بار پھر جانے کیا کچھ یاد کر کے روئی۔

”پلیز فاطمہ مجھے بہت خاص سمجھنا چھوڑ دو یہ درجہ یہ
مقام تمہیں اللہ نے دیا ہے۔ اللہ بہتر ہے درجات طے
کرنے والا ایک بات اور مجھے اپنی بیوی بار بار روٹی ہوئی
بالکل اچھی نہیں لگتی۔ یار کچھ دن میری اماں کے ساتھ
گزار کر ان سے شوہر کی اتنے دنوں بعد واپس پر استقبال کا
کوئی اچھا سا طریقہ ہی سیکھ لیتیں۔ اگر تم مان گئی ہو تو آج
ہماری گولڈن ناٹ ہوگی۔“ اس کی سرعت سے بہتی
آنکھوں کو ایک جذب سے ہونٹوں سے چھوتا وہ ہلکے پھلکے
انداز میں کہہ کر شری انداز میں ہنسا تھا۔ فاطمہ کو جیسے ہی اس

شیر کے ہی مشابہہ لگا تھا۔ فاطمہ اسے جھکتی رہی اور یونہی
تکتے آنکھوں میں اترتی نمی کے باعث اس کا وجہ خود بخود
چہرہ اس کی نظر میں دھندلانے لگا تھا۔

کچھ کہے بغیر وہ جھکی اور بے حد محبت اور نرمی سے اس
کے چہرہ جوتوں اور موزوں سے آزاد کرنے لگی۔ ہلکی سی
لیپے سنگ مرمر جیسے سفید مضبوط پیروں پر فاطمہ کے موئی
ہاتھوں کی گرفت سخت پڑنے لگی۔ آنکھ سے ہتے شفاف
موتیوں نے ایک بار پھر اس دل کے شہنشاہ پر نذرانہ
عقیدت لگانا شروع کیا تھا۔ اگلے لمحے اسے جانے سنا
ہوا، بری طرح سے سسکتی ہوئی اس کے پیروں پر اپنا چہرہ
رکھ چکی تھی۔

عباس کی غفلت مٹانے کا باعث اس کے لرز تے تم
ہونٹوں کا لمس ہی تھا جسے اپنے پیروں پر محسوس کر کے وہ
چونکا تھا اور خمار آلود گلابی ڈوروں والی آنکھیں کھول کر کسی
قدرا جیسے سے گردن اٹھائی اور جیسے فاطمہ کو اس حیران کن
پوزیشن میں پا کر بھونچکا ہو کر رہ گیا۔

”فاطمہ.....!“ وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور اسے
شانوں سے تمام کراٹھانا چاہا مگر وہ روٹی ہی رہی تھی اور گویا
اس کے پیروں سے سر نہ اٹھانے کا تہیہ کر چکی تھی۔ عباس کا
اضطراب بڑھا تو اس نے زبردستی اسے اٹھا کر اپنے مقابل
صوفے پر بٹھالیا۔

”کیوں رو رہی ہیں فاطمہ، کچھ بتائیں تو مجھے۔“ وہ کتنا
پریشان تھا وہ کتنا حیران نظر آتا تھا جبکہ فاطمہ کی ہچکیاں اور
سسکیاں نہ ٹھم رہی تھیں۔

”مجھے معاف کر دیں..... میں نے بہت بد تمیزی کی
آپ سے۔“ اس کے رونے میں شدت آئی، عباس ایک
گہرا سانس بھر کر رہ گیا۔

”مم..... میں غلطی کا شکار تھی عباس، مجھے لگتا تھا میں
اللہ کو ناراض کر دوں گی۔“ آنسوؤں اور آنسوؤں کے درمیان
وہ ایک ایک بات بتا گئی۔

”اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کبھی آپ کی شان میں گستاخی
کرتی بھلا؟“ اس نے آنسوؤں سے جل تھل آنکھیں اور

مشاہدات

یادیں: انسان کی بہترین دوست ہیں جنہیں دنیا کی وہی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔
زندگی: مانگا ہوا تحفہ ہے جسے واپس کرنا اذیت ناک خیال ہے۔

چاند: رات کا وہ خاموش مسافر ہے جو خود تو اندھیریوں میں سفر کرتا ہے مگر دوسروں کے لیے قدم قدم پر نور بکھیرتا ہے۔

انتظار: بے قراری کا دوسرا نام ہے اور انتظار کی لذت سے وہی لوگ آشنا ہوتے ہیں جو شبِ ام سے لے کر طلوعِ سحر تک اس میں جلتے ہیں۔

امید: ایک ایسی شخصیت اور سکون بخش وادی ہے جو اپنے پرسکون دامن میں انسان کو پناہ دے کر اسے مایوسی کے آقاہِ سندر میں ڈوبنے سے بچاتی ہے۔

فائقہ سکندر حیات..... انگڑیاں

نے اس کے چہرے کو اپنے نازک موی ہاتھوں کے پالے میں لے کر یقیناً دہائی سوئی تھی۔ عباس اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا کتنی آسودگی اور سرشاری اتر آئی تھی اس کے اندر۔

”بھینٹکس فاروس آئر، دادووں خود کو اپنی ذہانت پر کہ تم سے اتنی آسانی سے اظہار کرا لیا۔ ایسے تو جتنا تم شرمیلی ہو قیامت تک بھی شاید ممکن نہ ہوتا۔“ وہ ہنستا ہوا گویا اپنے کارنامے کو بیان کر رہا تھا۔ فاطمہ پہلے جھینپی پھر حققت سے سرخ پزنی تیزی سے اس سے الگ ہو گئی۔ حجاب آمیز کوفت اور تاراضی کا عکس اس کے خدوخال کو انوکھی دلکشی بخشتا گویا جگمگ کے دکھ گیا تھا۔

”میں کھانا لاتی ہوں۔“

”ایسے نہیں فاطمہ، پہلے مسکراؤ۔“ عباس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا فاطمہ کے چہرے پر خود بخود حجاب آلود مسکان کا سنہرا عکس بھرتا چلا گیا۔ وہ گریزاں تھی شرما رہی تھی۔ جسمی اپنا ہاتھ اس کی گرم جوش پر پیش گرفت سے نکالنا چاہا عباس کھل کر مسکرایا اور کسی قدر شوخ انداز

کی بات سمجھائی وہ حیا سے دوہری ہوتی چلی گئی، اگلے پل اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔ عباس نے مسکراہٹ دبا کر اس جھینپی اور بے حد حسین فطری حجاب کے حصار میں گھری لڑکی کو دیکھا تھا اور ہنستے ہوئے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹانے چاہے۔

”زہمی سچ کہتی تھی تمہاری یہ شرم و حیا اتنی خوب صورت ہے کہ میں چاہوں بھی تو ان قاطعہ اداؤں کے حصار سے باہر نہیں جاسکتا۔“ فاطمہ محبت و مان بھری گرفت میں اس رشتے کے احساس کے تحت بوکھلائی تو تھی ہی اس بات پر حیرانی کا غلبہ ایسا پھایا جس نے اسے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”آ..... آ..... آپ.....!“ کتنی حیرانی و غیر یقینی تھی اس کے چہرے پر عباس بھر پور انداز میں مسکرایا۔

”میں اتنا بھی غافل نہیں تھا تم سے جتنا تم جھنتی رہی ہو، بلکہ سچ تو یہ ہے فاطمہ کہ میں شروع دن سے ہی تم سے غافل نہ ہو سکا۔ وہ توجہ اگر محبت کی نہیں بھی تھی تب بھی کچھ تو ایسا تھا کہ میں عام لوگوں کی طرح تمہیں فراموش نہ کر سکا۔“

فاطمہ کچھ نہیں بولی، وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اس کی بھر پور زندگی میں اسی اظہار کی کمی تھی جیسے وہ بھی آج اللہ نے پوری کر دی تھی۔ وہ کس کس نعمت کا شکر ادا کرتی۔ عطا فرمانے والے نے تو اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ تھیں اس پر وہ مسکورتھی وہ سراپا عاجز تھی۔

”آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لاتی ہوں۔“ اس نے خود کو اس نئی قسمی قربت سے نکالنا چاہا مگر عباس آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔

”کھانے کے بہانے جان چھڑانا چاہتی ہو مجھ سے؟“ اس کا انداز چھینڑتا ہوا تھا۔ اس کے باوجود فاطمہ کی آنکھوں میں اس کے چہرے پر ایک بچان سادہ آیا تھا۔

”ایسا کیوں سوچا آپ نے؟ آپ جانتے ہی نہیں ہیں عباس آپ کا ساتھ کتنا قیمتی اور انمول ہے میرے لیے۔“ عجب مدھ بھر اور بے خود انداز تھا اظہار کا۔ فاطمہ

”اس بار تو پکی بات ہے میں ہی تم سے جیتوں گا۔“ اس کا بوجھل سرگوشیا نہ لہجہ لاریب کو اس کے فقرے کی معنی خیزیت سے آگاہ کرتا محنت و حجاب سے لبریز کر کے رکھ گیا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم، گو“ سکندر نے کہا اور دونوں ہی ایک ساتھ ہنستے ہوئے بھاگے تھے۔ اسی پارک کے دوسرے کونے پر عباس حیدر فاطمہ کے ہمراہ تھا۔

”مجھے واقعی بہت شرمندگی ہوئی تھی فاطمہ جب میں بلال بھائی کے اس سوال کا مثبت جواب نہیں دے سکا تھا۔ میرا خیال ہے میری بیوی کو اتنا تو میرا خیال ہوگا کہ اگلی بار شرمندگی سے دوچار نہیں ہونے دے گی اور اس پیاری سنت کی ادائیگی میں میرا ساتھ بھائے گی۔“ وہ مسکرا کر کہتا اس کی تائید چاہ رہا تھا۔ فاطمہ کی ریشمی لائینی جھکی لڑتی پلکوں پر سب حسین رنگ حجاب کے رنگ تھے۔ عباس کی محبتوں کی بارشوں میں بھیکنے کے بعد وہ اب کہاں نگاہ بھر کے دیکھنے کی تاب رکھتی تھی۔ اس شخص نے تو ایک رات میں ہی سابقہ تمام کوتاہیوں کے ازلے کر دیے تھے۔ اس کی وارنگلیاں یاد کر کے وہ حجاب اور حیات سے سسکتی تھی۔ پلکوں پر جیسے منوں بوجھ دھرا تھا اور دل اس مالک کائنات کے حضور سر بسجود تھا۔

”پہلے میری ایک بات سن لیں بلکہ پلیز مجھے اجازت دیں تا کہ میری یہ خواہش پوری ہو سکے۔“

”کون سی خواہش؟“ عباس نے نرمی سے استفسار کرتے اس کا نرم روئی کے گالے جیسا ہاتھ پکڑ لیا۔

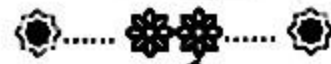
”جب میں قرآن پاک کو مکمل پڑھ لوں گی تو آپ اس کا علم پھیلانے کی مجھے اجازت دیں گے۔ حدیث کا مفہوم ہے نا بہترین لوگ اللہ کے نزدیک وہ ہیں وہ خود قرآن سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔ میں بھی یہی مرتبہ یہی سعادت پانے کی خواہش رکھتی ہوں۔“ اس کے لہجے میں لجاجت تھی عباس کھل کر مسکرا دیا۔

”میں روکنے کی جرأت کروں ایسا وقت خدا نہ لائے اللہ سے دعا ہے اللہ تمہیں یہ سعادت نصیب

میں گویا ہوا تھا۔
چراؤ نظریں، چہرہ او دامن
بدل کے دستہ بڑھاؤ اجماع
شمسہیں دعاؤں سے پھر بھی میں نے
جو پالیا تو کیا کرو گے؟

فاطمہ کانوں کی لوؤں تک بے تحاشا سرخ پڑتی چلی گئی۔ عباس کی مسکراہٹ اور شرارت نے بھی اس کی اس کیفیت کے باعث طول پکڑا تھا۔

”میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا خوش بختی کی علامت ہو سکتی ہے میرے مولا کہ تو نے فاطمہ کی ہدایت کا ذریعہ مجھے بنایا ہے۔ مجھے اب ہرگز بھی تیری رضا سے اختلاف نہیں۔ اگر دکھ تو نے دیا تھا تو صبر و استقامت اور پھر بھر پور زندگی بھی تیری ہی عطا ہے۔“ لباس تہدین کرنے کے بعد وہ وضو کرنے و اش روم میں چلا گیا۔ فاطمہ کے ساتھ نئی زندگی کے آغاز سے قبل وہ اپنے مالک کا شکر بجالانا خود پر لازم سمجھتا تھا۔



”لاریب دوڑ لگاؤ گی میرے ساتھ؟“ حسب معمول وہ علی اصح چہل قدمی کو باہر نکلے ہوئے تھے جب کلمہ طیبہ کا ورد کرتی لاریب نے سکندر کی بات پر حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

سکندر نے کچھ توقف کیا اور ہمہ تن گوش لاریب کو دیکھ کر نرمی سے مسکرایا تھا۔

”یوں تو ایک مرتبہ بلال بھائی نے عباس حیدر سے پوچھا تھا تم نے اپنی بیوی سے دوڑ لگائی۔ ان کے جھینپنے اور جمل ہونے کے نماز سے ہی میں جان گیا تھا ایسا نہیں ہوا میں نہیں چاہتا مجھ سے سوال کیا جائے تو ایسی ہی شرمندگی سے میں بھی دوچار ہوں اس لیے دوڑ تو تمہیں میرے ساتھ لگانا پڑے گی۔“ اس کے انداز میں حکم تھا نہ جبر اس کے برعکس مان تھا، استحقاق تھا، محبت تھی۔ لاریب جھینپ کر رہ گئی۔ سکندر نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا پھر اس کے سراپے پر بھر پور معنی خیز نگاہ ڈالی تھی۔

فرمائے تا میں۔“

”تم آمین۔“ فاطمہ نے جذب سے کہا اور بھرپور طمانیت سے مسکرانے لگی۔

”اب دوڑیں؟“ عباس کے مسکرا کر پوچھنے پر فاطمہ سر کواٹھات میں ہلانے لگی۔ اگلے لمحے دونوں بھاگ رہے تھے مسکراتے ہوئے آسودہ مطمئن مطلوب جگہ پر پہنچنے سے قبل مخالفت سمت سے آتے لاریب اور سکندر کے سامنے دونوں کور کئے پر مجبور کر دیا۔ چاروں کے درمیان سلام دعا کا تبادلہ ہوا تھا۔ عباس اور سکندر نے باہم قدموں کو بڑھایا تو وہ کچھ پیچھے رہ جانے والی لاریب کے مقابل آگئی تھی۔ جس نے عباس کی موجودگی کے باعث چہرے کو چاد کے نقاب میں چھپا لیا تھا اس کی تقلید میں فاطمہ نے بھی یہی عمل دہرایا اسے اس پل زینب کے الفاظ یاد آئے تھے۔ ”عورت چاند کی طرح نہیں ہونی چاہیے جسے ہر کوئی بے نقاب دیکھے بلکہ مسلمان عورت سورج جیسی ہونی چاہیے جسے دیکھنے سے پہلے ہی آنکھیں جھک جائیں۔“

”آپ ٹھیک ہیں لاریب؟“ فاطمہ نے خود اس کی جانب پیش رفت کی تو لاریب مسکرانے لگی۔

”الحمد للہ، اللہ پاک کا ہر لحاظ سے احسان ہے، آپ کیسی ہیں؟“

”مجھے ہر بار ملاقات پر ایسا لگا جیسے آپ خفا ہیں مجھ سے اور.....“ لاریب کے نرم اور صلاح جو انداز نے ہی آج فاطمہ کو یہ سوال کرنے کا حوصلہ دیا تھا جو لاریب رواداری سے مسکرانے لگی تھی۔

”مجھے افسوس ہے کہ شعوری یا لاشعوری طور پر میرے عمل سے آپ کو تکلیف پہنچی جیسی معذرت چاہتی ہوں، اللہ نے چاہا تو آپ کا آئندہ ایسی شکایت کبھی نہیں ہوگی۔“ وہ مسکرائی اور فاطمہ جھینپ گئی تھی۔

”آپ آئیے نا لاریب کسی دن ہمارے گھر۔“ فاطمہ کی پر خلوص پیشکش پر لاریب نے سر کواٹھات میں ہلایا۔

شیور وائے ناٹ، بلکہ آپ کی کافی ڈیو ہے، جو آپ کے شوہر نامہ دار نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے ہمیں

غزل

ہاتھ سہلاتے ہوئے بہن بولی
چاند کبھی ہے تو ساری رات ادوی
آنکھیں منکارتے ہوئے میں نے کہا
خود کو ہی دیکھتی ہوں اس پار ادوی
دیکھنے کو تو دور لگتا ہے
جونہی چلتی ہوں تو چلتا ہے ساتھ ادوی
گھڑی، دو پل جو لوگ سوتے ہیں
کھلتے ہیں ان پر عجب اسرار ادوی
جیسے دن رات کو بدلتا ہے
راز ہوتے ہیں یونہی فاش ادوی
وجود اس کا تو اک ظلم ہے
اور جادو وہ کیا جو آئے ہاتھ ادوی
کہاں قیام کا متحمل ہے وہ
یہی نسبت ہے اس سے خاص ادوی
میری منزل نہیں ٹھکانہ اس کا
وہ جان لے گا کبھی یہ بات ادوی

انتخاب: شائستہ خان..... بصیر پور

پلانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔“ لاریب کے انداز کی بے تکلفی و دوستانہ اپنائیت نے نا صرف فاطمہ کو مطمئن کیا بلکہ اس سے چند قدم آگے چلتے عباس کے ذہن و دل سے بھی آج جیسے پہلی بار بھاری بوجھ سر کا دیا تھا کہ اس کی وجہ یہی تھی جو طمانیت جتا سو گئی آج عباس نے لاریب کے انداز میں محسوس کی تھی وہ اس سے قبل ناپید تھی۔

(اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ یہ بات جاننے میں مجھے بہت وقت ضرور لگا مگر صد شکر جان گئی ہوں مجھے آج ہرگز کوئی شکوہ نہیں ہے تمہیں کھونے کا عباس سکندر جو اللہ کا منتخب کردہ تھا۔ میرے لیے مجھے دل و جان سے قول ہے)

خود سے کچھ فاصلے پر چلتے عباس کو جھکی نظروں سے ایک نظر دیکھ کر لاریب نے سوچا تھا اور سکندر کے ہمراہ

پورے ماحول پر چھائی جا رہی تھی۔

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغِ فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

عباس نے سنا اور خود بھی اپنی آواز کو اس آواز کے ساتھ
شامل کر لیا اس پر ایک جذب کی کیفیت طاری ہونے لگی
تھی۔

یہ مال و دنیا یہ رشتہ پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل و گل کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ

اب قاطمہ بھی عباس کے ساتھ مل کر دہرا رہی تھی
دلوں کے انداز میں عقیدت بھری ہوئی تھی۔

ٹھوکر کھا کر سہی مگر وہ اپنی پیدائش کے مقصد کو پہچان کر
اشرف المخلوقات کے درجے کو پا گئے تھے۔ وہ درجہ جو اللہ
نے اپنے بندے کو خاص طور پر عطا فرمایا ہے مگر اسے نبھاتا
کوئی کوئی ہے کہ بلاشبہ اللہ کو مان لینا اصل بات نہیں کیونکہ
اللہ اپنی شان اور قدرت سے خود کو منوا ہی لیتا ہے۔ اصل
بات تو اللہ کو منا لینے میں ہے انہوں نے اللہ کو منانے کی
کوشش کی تھی اب ان کی یہی خواہش دوسرے مسلمانوں
کے لیے تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اللہ کے احکامات
کو دنیا میں پھیلا دیتے تاکہ مقصد انسانیت پورا ہو سکے۔

(ختم شد)



اپنے الگ راستے پر ہوئی۔ عباس نے قدموں کو روک کر
فاطمہ کو اپنے ہمراہ کیا اور مسکرا کر اسے روشن آنکھوں سے
دیکھا۔ فاطمہ کی جھگی پلکیں اس توجہ پر پھر لرزنے لگیں۔
”وہ بہ رہی تھیں وہ ضرور آئیں گی میرے ہاتھ کی کافی
پینے۔“ عباس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”تم نے کہا تھا فاطمہ تمہیں رونمائی کے گفٹ کی
ضرورت نہیں مگر میں تمہیں یہ گفٹ دینا چاہتا ہوں جانتی ہو
وہ کیا گفٹ ہے؟“ فاطمہ نے چلتے ہوئے گھم کر اسے
دیکھا۔ پھر سر کو اثبات میں ہلاتے اس کی چمکتی ہوئی
آنکھوں میں جگنوؤں کے قافلے اترنے لگے تھے۔

”عمرا کے نکلت، ہم دونوں اماں جان اور بابا جان کے
ہمراہ بیت اللہ شریف کی حاضری کو اگلے ہفتے جارہے ہیں
ان شاء اللہ کیسا لگا یہ گفٹ جان عباس۔“ اس کے تبسم سبچ
میں دکشی کا رنگ اتر رہا تھا فاطمہ نے عقیدت مندانہ نہ
نظروں سے اسے دیکھا اور عاجزانہ انداز میں اگساری سے
مسکرائی تھی۔

”اپنی خوش بختی کا مجھے یقین تو آ رہا تھا حیدر مگر اب
جیسے اس پر تعذیب کی پختہ مہر ثبت ہو گئی ہے جزاک اللہ۔“
وہ سراپا مشہور تھی عباس نے اس کا سر تھپکا اور قدم گھر کی
جانب بڑھا دیے۔

”فاطمہ تمہیں اس بات پر کوئی اعتراض تو نہیں کہ میں
تبلیغی مصروفیات کی بنا پر تمہیں پر اپنا نم نہیں دے پاؤں گا
اور بچوں کی ذمہ داریاں بھی تمہیں ہی نبھانی پڑیں گی۔“
فاطمہ نے بغیر کسی رد و کد کے پورے اعتماد کے ساتھ سر کوٹنی
میں ہلا دیا تھا۔

”نہیں حیدر، انشاء اللہ کبھی بھی نہیں یہ زندگی عارضی پناہ
گاہ ہے اور سب سے اہم ہے وہ کام جس کی توفیق اللہ رب
العزت نے آپ کو بخش ہے۔ یہ حکم اللہ ہے اس سے
روگردانی میں نجات ممکن نہیں۔“ اور عباس نے ایسے ایمان
افروز جواب پر مطمئن ہو کر سرشار ہوتے اس کا ہاتھ تھام کر
بوسہ ثبت کیا تھا۔ وہ دونوں بونگی ایک دوسرے کی ہمراہی
میں آگے بڑھ رہے تھے۔ جبکہ فضا میں گونجی آواز ہر لمحہ



معملاً
طرح

جنوری کی سردیوں میں ایک آتش دان کے پاس
گھنٹوں تنہا بیٹھنا، بجھتے شرارے دیکھنا
جب کبھی فرصت ملے تو گوشہ تنہائی میں
یادِ ماضی کے پرانے گوشوارے دیکھنا

کروٹ پر کروٹ بدلتے اس رات کا اختتام بھی کئی
ایسی ہی راتوں کی طرح ہو گیا جو اس کی بیوی کے ادا کیے
گئے جملوں کی بدولت اپنی سیاہی پر ماتم منائی اس کی برابر
کی شریک ہوئی جو اس سے ہلکی سی سرگوشیوں میں اکثر یہ
کہتی ”میری تاریکی انسانیت کے مننے پر لوح کناں ہوئی
ہے بدنام تو میں ہوں سیاہی کے لیے تو پھر انسان کیوں
اپنے آپ کو پستیوں کے اندھیرے میں غرق کرنے پر
تے ہیں۔“ وہ ان گھپ اندھیروں میں آنکھیں یکدم میچ
جاتا مگر حقیقت تو وہی رہتی جو رات کے دامن میں پنہاں
تاریکی کے سائے اس سے کہتے تھے۔

صبح کا آغاز فجر کی نماز ادا کرنے والے عمر احمد کی
زندگی میں ایسی کوئی صبح نہیں آئی تھی جب اس کی شریک
سفر اس کی طرح اٹھ کر فجر کی نماز پڑھتی تلاوت کلام پاک
سے روح کو معطر و منور کرتی یہ حسرت اول روز سے لے کر
شادی کو چودہ سال بیت جانے پر بھی جوں کی توں تھی صد
شکر کہ بچے عمر احمد کے نقش قدم پر چل رہے تھے ورنہ

”ماہِ رخ....“ پہلا نوالہ منہ میں جاتے ہی اسے پکارا
گیا اور وہ تو پہلے سے ہی اس بلاوے کی منتظر تھی۔ چند
لحوں میں حاضر ہو گئی۔

”جی کہیے۔“ دو ٹوک انداز واضح برہمی لیے
ہوئے تھا۔

”بھئی دل میں بگھار لگاتیں پھیکا پن دور ہو جاتا۔“
اپنی نصف بہتر کے کڑے تیور دیکھتے ہوئے اس نے
انتہائی ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔

”گھر میں دال ہی تھی جو میں نے آج پکالی اگر کھانا
چاہیں تو کھالیں ورنہ..... ایمان داری کے چھوٹے
چھوٹے نوالے بنائیں ضمیر اور انا کے لذیز سالن میں
ڈبوئیں اور اپنی بھوک کو مٹالیں۔“ وہ جس تیزی سے
کمرے میں داخل ہوئی تھی اتنی ہی تیزی کے ساتھ واپس
چلی گئی۔ اندر کی بھوک کب ان طنزیہ الفاظ سے اڑی پتائی
نہ چلا اور وہ روٹی دال کو ڈھانپ کر ایک سائڈ پر رکھتے
ہوئے چار پائی پر دراز ہو گیا۔

گھانا ہی ہوتا ہے اور زندگی کے اتار چڑھاؤ میں اگر میں چاہتی ہی نہیں کہ کسی سایہ دار درخت کے نیچے ستالوں تو آپ کیوں مجھے چھاؤں میں گھسیٹ رہے ہیں۔ جلنے دیں مجھے دھوپ مجھے جلانی ہے اور اثر نہیں ہوتا ہے جو مجھے خود اس دھوپ میں کھڑا کرنے کی وجہ سے۔ "ماہ رخ کی باتیں عمر احمد کو زخمی کر گئیں وہ برتن سمیٹ کر کچن میں جا چکی تھی لیکن عمر احمد کو ماضی کے اوراق پلٹنے پر مجبور کر گئی تھی۔

☆☆☆.....

عمر احمد اپنی ماں کا لاڈلا خوب صورت وجیہہ نوجوان اپنی ایماندار اور صاف گو طبیعت کے باعث ہر کسی کو متوجہ کر لیتا تھا اس کی یہ ہی ایماندار ماہ رخ کے بھائیوں کو متاثر کر گئی اور اپنی اکلوتی بہن کے لیے انہوں نے اس کا انتخاب کر لیا۔ عمر احمد کی شادی سے چند دن قبل اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ بکھرے بکھرے سے عمر احمد کو ماہ رخ نے شادی کے بعد مکمل توجہ اور محبت سے سمیٹ لیا۔

چند ماہ ہی خوشی گزرے عمر احمد سرکاری محکمے میں ایک کلرک تھا ماہ رخ سے پہلا اختلاف اس کی ایماندار مانی وجہ سے ہوا اور یہ اختلاف رفتہ رفتہ زندگی کی ہر خوب صورتی کو لگھتا گیا خوشیوں کے دن کب تلخ ہو گئے پتا ہی نہ چلا۔ ماہ رخ نے اس سب صورت حال کا ذمہ دار اپنے بھائیوں کو گردانا اور یوں بھائیوں کی لاڈلی ان کو خون کے آنسو لانے پر مجبور کر گئی۔

ماہ رخ چاہتی تھی کہ عمر احمد رشوت لے کر گھر کی ضروریات کو پورا کرے اور ایسا وہ اس لیے چاہتی تھی کیونکہ وہ رشوت کو امیر بننے کی سیزمی سمجھتی تھی جس پر چڑھ کر ہر سرکاری ملازم (اس کی نظر میں) امیر بنتا ہے یہ سوچ اس کی کالج فرینڈ عندلیب نے اس کے ذہن میں ڈالی تھی۔ عندلیب کا بڑا بھائی اپنی نوکری سے غیر مطمئن ہونے کے سبب رشوت لے کر اخراجات پورا کرتا تھا اور گھر کا نقشہ تو بہت خوب سنورا ہوا تھا۔

ماہ رخ کی نظر میں اگر عندلیب کا بھائی رشوت لے کر

زندگی کتنی مشکل ہوتی اس بات کا اندازہ کرتے ہوئے عمر احمد جھرنی لے کر رہ جاتا۔

"ماہ رخ! آج بڑے بھیمانے فون کیا تھا کہہ رہے تھے کہ تمہیں چند روز کے لیے گھر چھوڑ جاؤں۔" آنو پالک کے سالن سے مکمل انصاف کرنے کے بعد عمر احمد نے آج ہی بعد ماہ رخ کو مخاطب کر کے بات کی تھی۔

"میں احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی میرے ماں نفقہ کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے ماں کہیں ایسا تو نہیں کہا آپ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔" قدرے جتلی نظر میں عمر احمد کو پچھتاوا دلا گئیں کہ اس نے اسے مخاطب ہی کیوں کیا تھا۔

"وہ میکہ ہے تمہارا۔" عمر احمد اس کے بھائیوں کے دکھ کو اچھی طرح سمجھتا تھا اپنی لاڈلی کو بیاہ دینے کے بعد وہ اس کے لیے لستے پرانے ہوئے تھے کہ چند بار ہی ان کے گھر وہ گئی تھی وگرنہ تو وہی اس کی محبت میں کھنچے چلے آتے۔ مہینے کے چار ہفتوں میں چاروں بھائی ایک ایک چکر لگا لیتے۔ ماہ رخ ان کی عزت کرنے اور ان کی بیویوں بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کے دوران کبھی ان سے گلہ نہ کرتی بس موٹی موٹی حسین آنکھیں اداسی میں گھری ساری داستان کہہ جاتیں اور پتا بھی نہ چلتا کہ اس کے بھائیوں کے سینے میں بہن کا درد دکھ پہلے سے بڑھ جاتا۔

"میکہ..... لوگوں کا کہنا ہے کہ ماں مر جائے تو میکہ نام کا رہ جاتا ہے اور میری ماں بچپن میں ہی چلی گئی۔ نام کے میکے نے، بیاہ کر فرض ادا کر دیا اب کون سا میکہ کون سی کشش مجھے اس دلہیز پر محسوس کرنی چاہیے۔" اپنے لفظوں میں پچھلے درد پتاپ ہی تڑپ گئی۔

"ماہ رخ! تمہیں اتنا مت تڑپاؤ بس کرو دلہیز۔" اس کے سفید ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں عمر احمد نے کہا تو لبالب پانیوں سے بھری آنکھیں چھلک پڑیں۔

"آپ کی خدمت گزاری میں کبھی کمی آئے تو شکایت کر دیجیے گا جو ناممکن ہوا سے ممکن بنانے میں اکثر

زگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ حیرت

AANCHALPK.COM

تازہ شماره شائع ہو گیا ہے



قلندرات

دنیا کو سیر کرنے اور انسانیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے ذات کے قلندروں کا احوال اور جدوجہد کی قلندرات تحریر

دیدبان

عامی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے لیے بطور خاص ارشد علی ارشد کا ایک دلچسپ ناول

جگت سنگھ

تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی ایسی دلگداز داستان جو کلارنگ داستانوں میں شمار ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

تاریخ کی دلچسپی کیلئے خوبصورت سلسلے

خوشبو سخن: منتخب غزلیں، نظمیں۔ ذوق آگہی اقتباسات، اقوال زریں احادیث وغیرہ معروف و نئی اسکالر حافظ شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جانے

پیشہ کی صورت میں رجون کور (021-35620771/2)

عیش و آرام کی زندگی اپنے گھر والوں کو دے سکتا ہے تو اس کا شوہر کیوں نہیں اور عمر احمد نے اس کی سوچ کو ہر موڑ پر رد کر دیا جس کی وجہ سے ماہ رخ اس سے ہر وقت چڑی رہتی۔ اسے زچہ کیے رکھتی اسے کسی نہ کسی طریقے سے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہتی لیکن عمر احمد کا ایمان کسی بھی لمحے نہ گمراہ کیا تھا۔

بھائیوں کی نظر میں عمر احمد ایک سچا گھر اور ایماندار بندہ تھا ان کی بہن سچ ہاتھوں میں جائے گی اس لیے اس سے ماہ رخ کی شادی کر دی بعد میں انہیں احساس ہوا کہ ان کی سوچ اپنی بہن سے کتنی مختلف ہے وہ زندگی کو پیسے کے لیے جینا چاہتی تھی۔ اس کے نزدیک ایمان اور ایمانداری دھول میں اتنی کتابوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ عملی زندگی میں جس نے بھی ایمانداری کو اپنایا، خواری اور ناکامی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ اپنی بیوی کی اس سوچ پر عمر احمد جتنا افسوس کرتا یقیناً کم ہوتا زندگی ان ابھی ڈوروں میں الجھتی اپنے دامن میں کئی خاردار یادیں سمیٹے زور دیتی تھی۔

”ابو آپ نے زندگی میں کسی ایسی شخصیت کو دیکھا جو دنیا اور دنیا داری سے دور ایک الگ جہاں بسانے کا خواہاں ہو۔“

ماضی کی حسین یادوں میں بھٹکتے عمر احمد کو اس کی بڑی بیٹی عائشہ احمد نے پکارا تو وہ حال میں لوٹ آیا۔ ”ابو بتائیے ناں!“ عائشہ کے ساتھ ساتھ عام احمد اور طاہر احمد نے بھی جاننے پر اصرار کیا تو ہلا خراساں سے اپنے ماضی کی چند باتیں شیئر کرنی پڑیں۔

”میری یونیورسٹی فیلو ناز صدیقی! وہ سب سے الگ تھی۔ بچوں نے جہاں دلچسپی دکھائی وہیں سبزی کا نئے ماہ رخ کے ہاتھ چند لکھوں کے لیے قسم سے گئے۔ بے اختیار کھوجتی نظر اٹھی اور کسی بھی نتیجے پر نہ پہنچنے پر ناکام لوٹ آئی، کندھے اچکا کر ماہ رخ پھر سے کام میں بظاہر مشغول ہو گئی مگر کان اپنے شوہر کی آگواہات کے منتظر تھے۔“

اس کی مگر سو فیصد گھانا میرا مقدر بن گیا۔“ عمر احمد اب اس کی طرح دو بدو جواب دینے لگا تھا شاید خاموش رہنے اور کڑھنے جلنے سے بہتر اسے یہی لگا تھا کہ جو جیسا دے اسے اسی کے انداز میں لوٹاؤ اندر کا جس جب بڑھ جاتا ہے تو اکثر نتائج بھی ایک روپ میں سامنے آتے ہیں بظاہر یہ چھوٹی سی چھیڑ چھاڑ محض کے وقت گزاری لگ رہی تھی۔ کون جانتا تھا اس گھر کے حالات اب کون سا رخ بدلیں گے۔

”ماہ رخ میری بیٹی کا شتم ہمیں معاف کر دیتیں۔“ بڑے بھیا گھر آئے تو ان کی بوڑھی آنکھیں ایسی برسیں کہ ماہ رخ بھی اپنی جگہ تڑپ کر رہ گئی۔

”ایسا مت کہیں بھیا! میں آپ سے ناراض ہوتی تو آپ سے کلام کیوں کرتی۔“ ان کے قدموں میں پٹختی وہ سر جھکا کر آنسو بہانے لگی۔

”تیرے نہ آنے سے جو درد ہوتا ہے اس کا حساب نہیں تیرا ہر بھائی دوسرے بھائی سے زیادہ دکھی اور ادا اس ہے۔ ایک بہن ہے اور وہ بھی اتنی ناراض ہے کہ اگر کسی کے سر پر موت آگئی تو آخری لمحوں میں ان کی شہزادی بہن ان کی پاس نہیں ہوگی بس کر جھلی! معاف کر دے اپنے بھائیوں کو۔ اپنی دانست میں کیے گئے فیصلے کے غلط ہونے کا ادراک جب ہوا تب بہت دیر ہو چکی تھی۔“ بڑے بھیا کے بندھے ہاتھ ماہ رخ کو لمحوں میں پکھلا گئے۔

”بھیا! مجھے گناہ گار مت کریں میں تمہ دل سے آپ کو اور اپنے باقی بھائیوں کو معاف کرتی ہوں گھر آنے کا فیصلہ اتنی جلدی نہیں ہو پائے گا۔ اپنی بہن کو اتنا چھوٹا مت کریں کہ اپنی ہی نظروں میں گر جائے۔“ ان کے بندھے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں پر رکھ کر وہ سسکی تو بڑے بھیا تڑپ کر رہ گئے۔ ان کی بیوی بچوں کے لیے جہاں یہ سین نیا تھا وہیں عمر احمد اور اس کے بچے بھی مطمئن سے ہو گئے۔

”بس کر جھلی! اتنا روٹا ٹھیک نہیں چل منہ ہاتھ دو کرتا“

”مطلب کیا ہوا اس بات کا؟“ عام احمد کا پرسوج بچہ عمر احمد کے لمحوں پر مسکان لے آیا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کے ابو سے بہت اچھے ہیں مگر آپ کے ابو کی ایمانداری پر تو گویا مرثی تھی اگر میری شادی تمہاری امی سے نہ ہوتی تو یقیناً میرا انتخاب وہی ہوتی۔“ ماضی میں کھوئے عمر احمد کے الفاظ ماہ رخ کو سر تا پا جلا گئے۔

”ہاں تو کر لیتے ناں شادی اس سے بے چاری شادی کے بعد اپنے نام کے برعکس دکھائی دیتی ناز سے بے نیاز.....“ ماہ رخ سے رہا نہ گیا فوراً جواب دے ڈالا حالانکہ آج تک آپس کی چپقلش کو دونوں میاں بیوی نے خود تک محدود رکھا تھا۔

”نہیں ماہ رخ! وہ ایسی نہیں تھی میری شادی کی خبر سن کر آج تک میرے سامنے نہیں آئی۔ اب تو ذہن پر بھی ہلکے ہلکے نقوش باقی ہیں۔“ ماہ رخ کی بدگمانی کسی حد تک عمر احمد کے الفاظ سے دور ہو گئی کیونکہ وہ جانتی تھی اس کا شوہر جھوٹ نہیں بولتا۔

”امی آپ کو بھی کبھی کوئی ایسا شخص ملا جو آپ کی کسی خوبی کو سراہتا ہو۔“ طاہر احمد نے ماہ رخ کی جانب بحث کا رخ کیا۔

”اس کی خوبیاں بھی کسی کھاتے میں نہیں لگتیں۔“ عمر احمد نے نکل کر سوچا۔

”ہے ناں۔“ ماہ رخ نے جوش و مسرت سے کہا تو بچے حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

”کون.....“ عمر احمد نے پہلو بدلتے ہوئے استفسار کیا۔

”وہ میرے پڑوس میں رہتا تھا آفتاب شاہ نام تھا اس نے مجھے پر پوز بھی کیا تھا۔ میں نے اپنی قسمت کا فیصلہ بھائیوں کو سونپ دیا اور ان کی پسند تم لوگوں کے سامنے ہے۔“ انگلی کا اشارہ عمر احمد کی جانب کرتے وہ پھسکی ہنسی ہنس دی۔

”اچھا ہاں جو اس کی شادی تم سے نہیں ہوئی بچت ہو گئی“

ہے اور ماہ رخ کے دیئے گئے زخموں سے خون رسنے لگا تھا جو عمر احمد کی روح کو زخمی کر گیا تھا۔

”ہاں اب تو آپ یہی نہیں گئے تھک جو گئے ہیں مجھے برداشت کر کر کے.....“ ماہ رخ نے بھی اونچی آواز میں عمر احمد کو جواب دیا تھا۔

”برداشت..... یہ لفظ بہت چھوٹا ہے پتا ہے تم کیسی ہو لالچی، طمع پرست، پیسے کی پجارت، زندگی کے مفہوم سے نااہل، جاہل عورت ہو اور تم جیسی عورت کو برداشت کرنے پر مجھے خراجِ تحسین پیش کیا جانا چاہیے۔“ ہر چیز ہر عمل کی ایک حد ہوتی ہے اور عمر احمد کے حوصلے کی حد ختم ہو گئی تھی جی غصے اور طیش کے باعث ماہ رخ کو لکھوں میں آسمان سے زمین پر لا پٹھا۔ حقیقت کا آئینہ اتنا ہی صاف اور شفاف ہوتا ہے جتنے عمر احمد کے الفاظ تھے۔ ماہ رخ نے غم و غصے اور حیرانی کے طے طے تاثرات کے ساتھ اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا جس نے ہل میں اسے دو کوزی کا کر دیا تھا۔ بیٹھے رخساروں کو بے دردی سے رگڑتے ہوئے اس نے ایک اہم فیصلہ کر ڈالا۔

”کل صبح میں اپنے بھائیوں کے پاس چلی جاؤں گی لینے مت آئیے گا۔“ نجانے کیوں دل کو لگا کہ عمر احمد اس کے اس فیصلے پر اسے روکنے کی کوشش کرے گا منانے کا راستہ ڈھونڈے گا مگر وہ لمحے اب کبھی نہیں آسکتے تھے کیونکہ اس کی بات سن کر عمر احمد نے جاندار سا قہقہہ لگا کر اسے دیکھا تھا۔

”بہت اچھے یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ میں تمہیں لینے آؤں گا مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ سر سے ٹلی بلا کو پھر سے سر پر بٹھا لوں۔ کبھی نہیں..... کبھی چاہو گی تب بھی نہیں آؤں گا۔“ اس سے بڑھ کر ماہ رخ کی توہین اور کیا ہو سکتی تھی کہ ماہ رخ کا شوہر اس کو دھتکار چکا تھا، سرخ چہرے پر اعلیٰ آنسو لکیر بناتے زمین بوس ہو گئے۔

صبح کو عمر احمد نے ماہ رخ کو مخاطب کیا اور نہ ہی ماہ رخ نے ایسی کوئی کوشش کی چپ چاپ سامان لے لے کرے

تیری بھائی تیری پسند کے چاول چھولے پکا کر لائی ہے بھئی اس کی محنت کبہرا ہنا تیرا اولین فرض ہے۔“ کافی دیر تک اپنے بھیا کی گود میں سر رکھ کر وہ روٹی رتی اور ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑے رکھا جیسے اب اگر وہ ہاتھ ہموٹ جاتے تو پھر کبھی نہ مل پاتے۔ بڑے بھیا نے پیار سے سر پر چیت رسید کی تو وہ بھی اپنی بھائی کی محنت کا خیال کر کے اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

بڑے بھیا کے علاوہ بھی کبھی بھائی جب بھی آتے گھر سے کھانا پکوا کر لاتے اور یوں ہفتے کے ہفتے اس کو کھانا پکانے کی ٹینشن ختم ہو جاتی اور وہ اپنے بھائیوں کے گھر کے پکے لذیذ کھانوں سے مکمل انصاف کرتی تھی۔



”عائشہ کی داخلہ فیس بھرنی ہے کچھ انتظام ہوا یا نہیں؟“ عمر احمد جن سوالوں سے بچنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا سب بے کار گئیں۔ ماہ رخ نے بچوں کو ان کے کمرے میں سلا کر آنے کے بعد سب سے پہلے یہی سوال کیا تھا۔

”ابھی تو کچھ نہیں ہوا جب انتظام ہو جائے گا میں تمہیں آگاہ کر دوں گا۔“ عمر احمد کے لہجے میں اکتاہٹ محسوس کر کے ماہ رخ کو غصلا گیا۔

”آپ سمجھتے کیوں نہیں کتنی بار کہا ہے زیادہ نہیں تو اتنا تو ہاتھ مار لیا کریں جس سے گھر کے اخراجات باآسانی پورے ہو سکیں مگر نہیں نام نہاد ایمانداری اور خودداری پر ضرب لگے گی۔“ ماہ رخ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”چاہتی کیا ہو تم؟ میں یہ سب کر کے آخرت کے لیے آگ خرید لوں تم جیسی عورتیں عذاب سے کم نہیں ہوتیں۔ مجھے تو ان لوگوں پر رشک آتا ہے جو بیوی کو اللہ کا انعام کہتے ہیں۔ میرے لیے تو یہ انعام وبال جان بن گیا ہے۔“ ضمیر کی عدالت اسے آج تک کبھی غلط کرنے پر مجبور نہ کر سکی تھی مگر ماہ رخ نے اٹھتے بیٹھے لفظوں کے جو نشتر چھوئے شروع کیے تھے عمر احمد ان تیروں سے اب لہولہا ہونے لگا تھا۔ خون جب دسنے لگے تو تڑپ ہونی

حکام کو دی گئی جس کو منظور کر لیا گیا۔ عمر احمد کے ویر زمین پر تک نہیں رہے تھے ماہ رخ کا خیال آتے ہی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

”ماہ رخ ایمان کا تقاضا یہ تو نہیں کہ بے ایمانی کریں ایمان ہمیں کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ چور دروازے بزدل اپناتے ہیں‘ کامل یقین اس خدا پر ہو تو وہ کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔“ ماہ رخ کی برحمانہ سے مخاطب ہوتے عمر احمد کے آنسو اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں محو تھے۔

عائشہ کا داخلہ ہو گیا دن بے شک وہی تھے حالات بدل چکے تھے بچے اب کبھی ہوٹل سے کھانا منگوا لیتے۔ عمر احمد کی زندگی میں ماہ رخ کے چلے جانے سے جو خلا ہوا تھا وہ رفتہ رفتہ بھرنے لگا۔ ایک دن عمر احمد کو ناز صدیقی مل گئی وہی سادگی وہی معصومیت ناز صدیقی کے چہرے پر تھی جو برسوں پہلے اس کی شخصیت میں وقار کا سبب بنتی تھی عمر احمد نے لحوں میں اسے پہچان لیا۔

”یہ تینوں میرے بچے ہیں۔“ اپنے بچوں کی طرف دھیان جاتے ہی عمر احمد نے ناز صدیقی سے ہونق بنے بچوں کا تعارف کرایا۔ برسوں بعد اس کا یوں اچانک مل جانا عمر احمد کے لیے بہر حال باعث مسرت تھا۔ عائشہ کی نظروں میں جہاں ستائش تھی وہیں عاصم اور طاہر نے بھی گریس فل سی ناز صدیقی کی تعریف میں کنبوس نہ برتی اور یوں ایک ہی ملاقات میں وہ بچوں سے اچھی خاصی مانوس ہو گئی۔

”آئی آپ کے کتنے بچے ہیں؟“ طاہر نے ناز صدیقی کے بچوں سے ملنے کی خاطر سوال پوچھا تو عائشہ کی کسی بات پر مسکراتی ناز صدیقی کی آنکھوں میں یک لخت پانی جمع ہو گیا۔

”مم..... میری شادی نہیں ہوئی.....“ آئس کریم پارکر کی میز کے گرد بیٹھے سبھی نفوس ناز صدیقی کی اس بات پر حیرتوں کی زد میں آ گئے۔ عمر احمد نے میز کی سطح کو گھورتی اس کی آنکھوں میں پانی کے قطرے جمع ہوتے دیکھ لیے

سے باہر نکل تو دل بے اختیار تڑپ اٹھا۔ بچوں کے کمرے میں جا کر باری باری تینوں کو پیار کیا اور چادر سنبھالتی کمرے سے باہر چلی آئی۔

عمر احمد نے اسے چپ چاپ چھوڑا اور گھر کے دروازے سے ہی واپس پلٹ گیا ماہ رخ نے لمبی سانس لے کر دروازے کے اندر قدم بڑھا دیے۔ بچوں کو اس نے ہر بات صحیح بتا دی عائشہ کے آنسو ٹھم نہیں رہے تھے جوانی کی دلہیز کو چھوٹی بیٹی کو یوں بے یار و مددگار چھوڑ کر عمر کے اس حصے میں میسے کی چوکھٹ پر جا کر بیٹھنا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں تھا۔ یہ حماقت بھرا فیصلہ جہاں ماہ رخ کے غلط قدم کی طرف اشارہ کرتا تھا وہیں بچوں کے سامنے سر جھکائے عمر احمد کی غلطی کو بھی ظاہر کرتا تھا اگر وہ تلخ نہ ہوتا تو حالات شاید نہ بگڑتے۔

لفظ ”شاید“ اکثر پچھتاؤں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لفظ میں جتنی حسرت معلوم ہوتی ہے اس سے بھی کئی گنا زیادہ اس لفظ کو ادا کرنے والا اپنے اندر یاسیت محسوس کرتا ہے۔ لفظ بھی وہی ہوتا ہے انسان بھی وہی ہوتا ہے بس درمیان میں پچھتاوا آ جاتا ہے اور ایسا ہی پچھتاوا عمر احمد کو بھی محسوس ہو رہا تھا۔

”اب آپ کیوں گلٹی لٹل کر رہے ہیں اتنے سال آپ کو بدلنے میں ضائع کرنے کی بجائے امی اپنے آپ کو بدلتیں تو فائدے میں رہیں آپ نے اچھا کیا یا غلط یہ وقت پر چھوڑ دیں۔“ عاصم احمد نے اپنے ابو کو سر جھکائے دیکھا تو ان کی ہمت بڑھائی نم پلکیں اٹھا کر اس نے اپنے تینوں بچوں کو دیکھا تھا جن کے چہروں پر دکھ یا ملال ہرگز نہ تھا عمر احمد کے دل سے بھاری بوجھ اتر گیا۔

عائشہ نے گھر سنبھال لیا اسکول سے واپس آنے کے بعد تینوں بہن بھائی گھر کے کام کاج کرتے زندگی چند دنوں میں عمر احمد کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری لے آئی۔ عمر احمد کے سابقہ ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے اس کی تنخواہ دگنی کر دی گئی آفس کا عملہ اس کے کام سے خوش تھا۔ اس کی پریشانیوں کے پیش نظر ایک درخواست اعلیٰ

وہاں سے اٹھ گئی۔ اپنی برداشت آزمانے کے چکر میں اپنے اندر کوزھی کر کے وہ اور بھی بے سکون ہو گئی تھی۔



ماہِ ریح کے شب و روز بھائیوں سے خدمت گزار کرانے گزر رہے تھے بھائیوں نے بہت چاہا کہ وہ لوٹ جائے۔ عمر احمد نے ان کو کبھی بھی یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ ان کی بہن کے اس فیصلے سے ان سے ناراض ہے جب فرصت ملتی وہ خود ان کے مشترکہ آفس چلا آتا جو کبھی بھائیوں کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا کبھی بھائی شرمندہ شرمندہ سے ملتے اور یہ شرمندگی چند منٹوں میں ختم بھی ہو جاتی جب عمر احمد ان سے گفتگو کرتا۔

”ہم اپنے بھانجوں بھانجی سے ملتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہم سب انہیں ممتا سے دور کرنے کی وجہ ہیں۔“
”ارے نہیں آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں؟“ عمر احمد نے دھیمی سی مسکان کے ساتھ انہیں احساس شرمندگی سے آزاد کیا تو وہ بھی نتیجتاً دھیمے سے مسکرائے تھے۔

”عمر بیٹا.....“ بڑے بھیا نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے اندر کے اضطراب کو دبا یا۔

”جی بڑے بھیا.....“ عمر احمد ہمدن گوش ہوا۔
”تم جانتے ہو ماہِ ریح جب ضد پڑتی ہے تو کئی سال اس ضد کے پیچھے برباد کر دیتی ہے۔“ ماہِ ریح کو گھر چھوڑے سال سے اوپر ہو چکا تھا۔ اس نے بڑے بھیا کی تمہید پر ناگہمی سے انہیں دیکھا۔

”جانتا ہوں۔“ عمر احمد نے سعادت مندی سے جواب دیا تو بڑے بھیا کی بوزھی آنکھوں کے کنارے سے بھینکنے لگے اپنی بہن کی طرف سے اس ہیرے کی ناقدری پر۔

”میں جانتا ہوں کہ تمہارے لیے یہ تکلیف دہ امر ہوگا شاید تم غلط بھی سمجھو لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم دوسری شادی کر لو۔“ جتنا محل کا مظاہرہ بڑے بھیا کر رہے تھے

تھے اس لیے جلدی سے بات پلٹ دی۔
”ہاں بھئی تم تعلیم کو فوقیت دینے والی لڑکی ہو شادی کو تم نے کسی کھاتے میں ڈالا ہی کب تھا۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں تعلیم مکمل کر کے میں اپنے آبائی شہر چلی گئی پیوہ جمع کرنے میں چند سال لگے اور چند سال اس پیسے کو بڑھانے میں صرف ہو گئے شادی کا خیال فرصت ملنے پر آتا اور میں نے خود کو کبھی اتنی فرصت نہیں دی کہ شادی کے بارے میں سوچوں۔ اب تمہاری طرح تو نہیں ہوں کہ بس جی جو کچھ مل رہا ہے اسے لوں اور باقی کسی اور کے لیے چھوڑ دوں۔“ ناز صدیقی کا اشارہ اس کی نامکمل تعلیم اور ایک چھوٹی سی نوکری کی طرف تھا۔ عمر احمد کے والدین وفات کے بعد بیمار ماں کی کفالت کی ذمہ داری جیسے ہی عمر احمد کے کندھوں پر آئی تعلیم ادھوری چھوڑ کر نوکری کے لیے بھاگ دوز شروع کر دی اور چند مہینوں میں ہی فلرک منتخب ہو گیا۔ ناز صدیقی نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ تعلیم مکمل کرنے پر ایسٹ پڑھ لے مگر اس نے اس کی ایک نہ سنی ناز صدیقی نے ایگزام کے دنوں میں اس کی شادی کی خبر سنی تھی اور اس کے بعد ہر اس ماہ سے کو خود پر بند کر دیا جو عمر احمد پر اختتام پذیر ہوتا تھا۔ آج اگر وہ اس شہر میں کام کے سلسلے میں نہ آتی تو یقیناً کبھی بھی عمر احمد سے نہ ملتی شاید نقدیر کو یہی منظور تھا کہ اتنے سالوں بعد وہ اس کو دیکھ کر لہو بھر کو پچھتاتی تھی۔

شادی نہ کرنے کی وجہ صرف مصروفیات ہی نہ تھیں عمر احمد کے لیے دل میں چھپی وہ محبت تھی جس کا اظہار اس نے کبھی خود سے بھی نہیں کیا تھا مگر اس کی خوش گواری زندگی کو دیکھ کر نجانے کیوں اسے اپنے اندر کچھ ٹوٹا ہوا محسوس ہوا تھا جس کا احساس ہر گزرتے لمحے میں زیادتی کا باعث بن رہا تھا۔ وہ وہاں ان سب کے درمیان بیٹھ کر خود کو آ زمانے جا رہی تھی کہ وہ کتنا ٹوٹ سکتی ہے کتنا برداشت کر سکتی ہے۔

شام گہری ہو رہی تھی بچوں سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے وہ اپنے کمرچی کمرچی ہوتے وجود کو بمشکل کھینچتی

عجیب بے بسی میں جکڑا کرے میں چلا گیا۔ عائشہ نے دروازے پر دستک دے کر پوچھا تو جیسے وہ ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا۔

”نہیں بیٹی! مجھے بھوک نہیں ہے اندر آ جاؤ۔“ عائشہ اندر آ گئی۔ عمر احمد چارپائی پر بیٹھا عائشہ کو پر شفقت نظروں سے دیکھنے لگا محبت و شفقت سے نکلتی لگا ہیں اللہ کے حضور شکر ادا کرنے لگیں۔

”ابوآپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ فکر مندی سے اس کا حال پوچھتی عائشہ نہیں جانتی تھی کہ آج اس کے باپ نے کس خزانے کی چابی کا راز پالیا ہے آگہی کے کن مراحل سے گزر چکا ہے۔

”عائشہ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ماں کو متالاؤں تم تھک چکی ہو ناں گھر سنبھال کر؟“ عمر احمد کا انداز ہلکا پھلکا تھا عائشہ سمجھ نہ سکی۔

”کام ہی کتنا ہوتا ہے.....“ عائشہ گھر کے سبھی کام ایک ایک کر کے گنوانے لگی عمر احمد اس کے بھولپن پر مسکرا کر رہ گیا۔

”واقعی بیٹیاں جنت میں لے جانے کا سبب بنتی ہیں اور میں اس سبب کو کبھی بھی نہیں کھوسکتا۔“ عمر احمد نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرتے ہوئے عائشہ کو گلے لگا لیا جو اپنے ابو کی اس عجیب و غریب کیفیت کو ناگہمی سے دیکھ رہی تھی۔



”آخری بار کہہ رہا ہوں گھر چلو..... ورنہ میں.....“

”کیا ورنہ میں ہاں..... دوسری شادی کر لیں گے؟“

کر لیں میں بھی دیکھتی ہوں کون عمل کی اندھی تم سے شادی کرتی ہے۔“ عمر احمد کے جملے کو سچ سے اچھتی ماہ رخ بد تیزی سے گویا ہوئی۔ آپ سے تم تک کا سفر لمحوں میں طے کر لیا۔

”ہاں میں کر لوں گا شادی.....“ کڑے تیوروں سے دیکھتے ہوئے انتہائی سخت لہجے میں عمر احمد نے فیصلہ سنایا۔

”میری شرط آج بھی وہی ہے رشوت لے کر گھر کے

انہیں پتا تھا بیٹی سے بڑھ کر پیاری بہن کے شوہر کو دوسری شادی کے لیے کہنا واقعی مشکل ترین عمل تھا باقی بھائیوں کی حالت بھی ان سے مختلف نہ تھی۔

”آپ..... ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں میں اپنے بچوں کو سوتلی ماں کے لفظ سے بھی دور دیکھتا ہوں اور آپ.....“

نہیں میں ایسا قبران پر ہرگز نہیں ڈھانا چاہتا۔ میری ایمانداری ماہ رخ کی نظروں میں ایک ڈھکوسلہ بن کر رہ جائے گی! میں ایسا نہیں کر سکتا۔“ عمر احمد جانتا تھا کہ اگر اس نے انہیں بتا دیا کہ ماہ رخ اٹھتے بیٹھتے اسے ایمانداری پر کچھ نہ کچھ سناتی رہتی تھی تو انہیں دکھ پہنچتا اور اگر عمر احمد ان کی بات کو نہ لیتا تو اس کی ایمانداری ماہ رخ کی نظروں میں ایک دکھاوا بن کر رہ جاتی۔

”دیکھو بیٹا! عائشہ جوان بیٹی ہے کسی پر شفقت وجود میں جوان بیٹی کو پناہ نہ ملے تو وہ بھٹک سکتی ہے۔ دنیا کی رنگینیاں کہیں ہماری بیٹی کی سوچ میں حسرتوں کے خلائ نہ بھر دیں جنہیں پر کرنے کے لیے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو جائے۔“ لفظوں کے چیرا بہن میں عمر احمد تک جو پیغام پہنچایا گیا اس نے اسے اندر تک دہلا دیا۔

”بیٹا اگر کچھ نہ بھی ہو تب بھی دنیا تہمت لگانے میں دیر نہیں کرتی بیٹی جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہوتی ہے کامیابی پانے کے لیے جس طرح ہم اپنی اہم اسناد کو مکمل سیٹھی دیتے ہیں تاکہ وہ اسناد آنے والے وقت میں ہمیں بلند یوں تک پہنچا دے اس طرح بیٹی بھی ایک ایسا سرٹیفکیٹ ہوتی ہے۔ اگر یہ سرٹیفکیٹ غلط ہاتھوں میں چلا جائے تو دنیا اور آخرت مٹی ہو جاتی ہے۔“ عمر احمد عاقب دماغی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

جوان بیٹیوں کے باپ کندھے کیوں جھکا کر جلتے ہیں اس بات کا مفہوم اچھی طرح عمر احمد کو سمجھا گیا تھا تھی ان کے کتافس سے نکلتے ہوئے وہ ایک بوجھ محسوس کر رہا تھا اپنی ذات پر ادراک بھلے دیر سے ہوا تھا مگر وقت اب بھی اس کی منہمی میں تھا۔

”ابوآپ کے لیے کھانا لاؤں؟“ گھر میں پہنچ کر وہ

ہوں شادی کرو گی مجھ سے؟“ ناز صدیقی کی دھڑکن جیسے عمر احمد کی سماعتوں تک پہنچ گئی وہ دل جو چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اقرار سونپ دو۔ عمر احمد نے کتنے آسان الفاظ میں اس کے دل کی خواہش کو پورا کر دیا تھا بے یقینی شکر گزاری اور حیرتوں کے طے جملے تاثرات کے ساتھ آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے ناز صدیقی نے اسے دیکھا تھا۔

”سچ کہہ رہا ہوں.....“ اس کی کیفیت سے حنا اٹھاتا وہ قدرے جھک کر گویا ہوا اس کی آنکھوں میں رقص کرتی شرارت سے ناز صدیقی جھینپ سی گئی۔

”ایسا نہیں ہو سکتا تم شادی شدہ ہو اور ایسی باتیں تین بچوں کے ابا کو سوٹ نہیں کرتیں۔“ خوش فہمی کے سمندر میں پلچل سی مچی اور حقیقت اپنی تمام تر سچائیوں سمیت ناز صدیقی کو مایوسیوں میں دھکیل گئی۔

عمر احمد نے ساری حقیقت ناز صدیقی کے سامنے رکھ دی ناز صدیقی والدین کی اکلوتی بیٹی تھی چھوٹے سے کاروبار نے اس کی محنت سے آج جو روپ دھارا تھا بے شک وہ سب اس کے والدین کی دعاؤں کا ثمر تھا۔ ناز صدیقی نے والدین سے مشورہ کرنے کے بعد کسی بھی قسمی فیصلے پر پہنچنا تھا سو کچھ وقت مانگ لیا اس کے ساتھ پر تکلف سانچے کرنے کے بعد عمر احمد گھر واپس آ گیا۔

جلد ہی رشتے کی بات خاندان میں پھیل گئی ماہِ رخ کو تو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا کہ اس کے کم حیثیت شوہر کو اتنی بڑی بزنس وومن شادی کے لیے ہاں کر سکتی ہے۔ اس رشتے کے چرچے زبان زد عام ہونے لگے ماہِ رخ کے لیے کچھ نظروں میں ترحم ہوتا تو کچھ میں رشک۔ وہ ان سب باتوں سے بے نیاز اپنی دنیا میں مست تھی اور مست ہی رہتی اگر ایک دن عندلیب بازار میں اسے نہ ملتی۔

آسانی فکر کی چادر میں اپنے وجود کو مکمل طور پر ڈھانپنے یہ وہ عندلیب ہرگز نہیں لگ رہی تھی جو فیشن کرنے میں اتنی ماہر تھی کہ ہر دوسری لڑکی فیشن سے متعلق معلومات اسی سے لیتی نظر آتی۔ اس کی ادا میں اس کی بے نیازیاں وقت کی بے رحم دھول میں نہیں دورا کر

اخراجات پورے کرو، گرنہیں ہوتا تو ٹھیک ہے۔“
”ہماری بیٹی جون ہے گھر میں اکیلی ہے۔ اسے تمہاری ضرورت ہے۔“ عمر احمد نے آخری حربہ آزمایا مگر وہ بھی بے کار گیا۔ دل میں ڈھیروں دکھ سمونے اس نے ماہِ رخ کے بھائیوں کو دوسری شادی کرنے کا فیصلہ سنا دیا وہ سب اس متوقع صورت حال کے لیے پہلے ہی تیار تھے سو انہوں نے اسے خوشی اجازت دے دی اس اجازت دینے کے بعد ماہِ رخ کے بھائی کتنے تڑپے تھے وہی جانتے تھے۔



”تم نے شادی کیوں نہیں کی؟“ اگلے دن چھٹی کر کے وہ ناز صدیقی کے شہر چلا آیا رات بھر نیند کو رخصت کیے وہ ناز صدیقی کو اپنے بچوں کی ماں کی حیثیت سے سوچتا رہا اور بلا آخر صبح کو وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ ناز صدیقی ہر لحاظ سے اس کی بیٹی کی پرورش بہتر خطوط پر کر سکتی ہے یہی سوچ اسے ناز انڈسٹریز کی مالکن کے سامنے رکھنی تھی۔

”تمہارے جیسا ایماندار بندہ ملنا آسان کہاں ہے اور تمہیں پتا ہے کہ مجھے ایک ایماندار شخص سے شادی کرنی ہے۔“ پڑ وقارتی ناز صدیقی نے ایسا انداز اپنایا کہ دل کی حسرتیں دل میں ہی دم توڑ گئیں۔

”ایماندار سے یا..... عمر احمد سے؟“ عمر احمد کا انداز شوخی لیے ہوئے تھا ناز صدیقی کا انداز نارمل رہا مگر الفاظ ڈھیروں شرم دلا گئے۔

”بتاؤ ناں.....“ عمر احمد بدستور مسکرائے چارہا تھا جبکہ ناز صدیقی اچھی خاصی پزل ہو گئی۔

”ایماندار سے.....“ دل کی تمام تاویلوں کو روند کر اس نے آہستگی سے جواب دیا تھا اس کے ہر انداز سے گھبراہٹ جھلک رہی تھی۔ عمر احمد کی نظروں کا حصار الگ پریشان کیے جا رہا تھا۔

”مگر میرا دل اس ناز انڈسٹریز کی مالکن نے ابھی ابھی لے لیا ہے سمجھ لو اتنی دولت دیکھ کر بے ایمان ہو گیا

ماز صدیقی

ماہ رخ چکرا سی گئی "ماز صدیقی" ذہن پر یہ نام بار بار دستک دینے لگا اور عمر احمد سے کی گئی وہ گفتگو ماہ رخ کو پوری جزئیات کے ساتھ یاد آئی گئی جب اس نے کہا تھا کہ اگر اس کی شادی اس سے نہ ہوتی تو ماز صدیقی سے ہوتی۔ ذہن و دل میں آندھیاں سی چلنے لگیں اپنا سر تھام کر وہ وہیں بیٹھ پڑتی چلی گئی۔

ماہ رخ پر جیسے ہی سوچ کے درواہ ہوتے ہر شے واضح اور صاف نظر آنے لگی۔ سب کچھ جیسے ختم ہونے لگا۔



آخر کار سال کا آخری دن بھی آن پہنچا جب سے ماہ رخ کو اپنی غلطیوں کا ادراک ہوا تھا نجانے کیوں اسے لگنے لگا تھا کہ اس کے بھائی اس کی بھابھیاں عمر احمد کو یہ قدم اٹھانے سے باز رکھیں۔ آخر کو یہ ان کی اکلوتی بہن اور بھابیوں کی تنہا زندگی کا سوال تھا۔ دل میں سوہوم سی امید تھی مگر ساری کی ساری امیدیں ریت کی دیوار ثابت ہوئیں۔ گھر میں آج ایسی دلچسپی تھی جیسے وہیں اس گھر میں آنے والی تھی ماہ رخ کا دل اس منظر سے غائب ہو جانے کو شدت سے چاہنے لگا۔

چادر اوڑھ کر جیسے ہی وہ گھر سے باہر جانے لیے نکلی دل میں خیال آیا کہ سبھی اسے روکنے کی کوشش کریں گے۔ عمر احمد کے اس فیصلے کے خلاف کچھ نہ کچھ بولیں گے پر وہاں تو کسی کو اس کی پروا تک نہ تھی کسی نے کوئی نوٹس ہی نہ لیا۔ مجھے دل اور اداسی سے وہ عندیہ کے گھر چلی آئی تھی اور جلنے کڑھنے سے بہتر تھا کہ کوئی ہم خیال مل جاتا اور اس وقت عندیہ سے بہتر اور کون ہو سکتا تھا جو اس کے دکھوں کا دوا کرتا۔

"ماہ رخ تم بیٹھو میں ذرا کپڑے دھو لوں۔ بھابی میسے گئی ہیں آتے ہی پوچھیں گی کپڑے دھلے یا نہیں تم ذرا انتظار کر لو۔" اور جب تک عندیہ واپس آئی ماہ رخ گھر کی ہر شے سے ٹپکتی اداسی سے اور بھی اداس ہو گئی۔

"یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے اپنا اور یہ تمہارا

چلی گئی تھیں۔ عندیہ نے بتایا تھا کہ وہ اب بھی اسی گھر میں رہ رہتی ہے اور ماہ رخ نے جلد اس کے گھر آنے کا وعدہ کر لیا۔

دل میں عندیہ کی طرف سے سینکڑوں خدشات لیے جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو ایک نئی خبر اس کی منتظر تھی۔ عمر احمد نے نئے سال کی صبح کو نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ان سب کو مدعو بھی کر لیا تھا۔ ماہ رخ کے چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی رد عمل نہیں تھا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں آئی تو ایک لفافہ اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دھرا تھا۔

"بھابی یہ کیا ہے.....؟" بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں اور دوسروں کے بیچ اس نے کمرے کے باہر سے گزرتی چھوٹی بھابی کو دیکھ کر استفسار کیا۔

"ہا نہیں ذاکہ دے کر گیا ہے فاطمہ نے لیا تھا۔" چھوٹی بھابی نے اپنی دیورانی کا نام لیا اور کمرے میں چلی گئی۔

"کہیں طلاق....." ماہ رخ کے پورے بدن میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ کافی دیر تک خود کو سنبھالنے کے بعد وہ لفافہ کھولنے لگی جو بھی تھا وہ عمر احمد کی زندگی سے نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور اگر ایسا ہو جاتا تو وہ آنے والے سال میں خالی دامن اور خالی ہاتھ رہ جاتی۔

"پیاری ماہ رخ جی السلام علیکم! میں ماز صدیقی آپ سے ادنیٰ ہی درخواست کرتی ہوں کہ پلیز لوٹ آئیے۔ میں اپنا سب کچھ آپ کے شوہر کے نام کر رہی ہوں اور اس طرح آپ کی پریشانیاں بھی دور ہو جائیں گی وہ گھر آپ کا ہے اور آپ کا رہے گا بس اس گھر کے در و دیوار سے مجھے مانوس ہونے دیں۔ آپ کے بچے آپ کی راہ تک رہے ہیں نئے سال پر نئے وعدے لے کر بھلے میں آپ کی شوہر کی زندگی میں داخل ہوگی ہوں مگر یہ طے ہے کہ جو جگہ آپ کی ہے وہ آپ کے لیے ہمیشہ رہے گی۔ اس گھر میں اور گھر کے کینوں میں لوٹ آئیے۔"

آپ کی چھوٹی بہن

حلیہ نبی

سب سے پہلے آچل کے تمام اسٹاف، رائٹرز اور پڑھنے والوں کو میرا پیار بھرا سلام۔ مبادرت کو حلیمہ بی بی کہتے ہیں، میں 9 فروری 1991ء کو ضلع چکوال کے گاؤں منڈے میں پیدا ہوئی، ہم پانچ بہنیں ہیں، میرا نمبر تیسرا ہے۔ مجھے اپنی بہنوں اور والدین سے بہت پیار ہے۔ سب آتے ہیں اپنی پسند نہ پسند کی طرف، ہمیں تعلیم کا بہت شوق ہے مگر اسوں کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ابو کی وفات کے بعد ہم میٹرک سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ اسٹار ہمارا دلو ہے، ناموں میں مسکان اور صنم نام بہت پسند ہیں، رنگوں میں بیو بلیک اور ریڈ کلر بہت فوریٹ ہے میرا۔ مشغلہ لکھنا پڑھنا اور ڈائریاں اکٹھی کرنا۔ کپڑوں میں ساڑھی اور فریک پسند ہے، پھلوں اور سبز یوں میں سب ہی پسند ہیں، شہر کراچی اور مری پسند ہے۔ پسندیدہ ڈائجسٹ آچل، فوریٹ پھول گلاب، موسموں میں برسات اور بہار کا موسم پسند ہے۔ دن اتوار کا وقت رات کا اور منظر بارش اور ڈوبتے سورج کا پسند ہے۔ پسندیدہ کہانیوں میں راحت و قافا کا ”محبت دل پہ دستک“ فرحت اشتیاق کا ”ہمسفر“ اور ”ان کئی“ کہانی پسند ہے اور شاعر احمد فراز میرے فوریٹ ہیں۔ ریڈیو شوق سے سنتی ہوں اور قرآن پاک کی سورۃ رحمن بہت پڑھتی ہوں۔ مجھے اپنے پیاروں سے چھڑنے سے ڈر لگتا ہے اور جہاں تک بات ہے خوبیوں اور خامیوں کی تو خوبی یہ ہے کہ سب کو جلدی معاف کر دیتی ہوں اور ہر بات کی اچھی امید رکھتی ہوں اور بُری عادت یہ ہے کہ دوسروں سے بہت سی امیدیں وابستہ کر لیتی ہوں جو اکثر ٹوٹ جاتی ہیں۔ اب اجازت چاہتی ہوں اللہ آپ سب کو خوش رکھے آمین اللہ حافظ۔

آرام و آسائش دینے کے متعلق سوچتا ہے نہیں جانتا کہ آگے وہ اکیلا اس فعل کا انجام بھگتے گا۔ میری دادی کہا کرتی تھیں ”کھائے کھا جائے دم کلا“ (کھائے فیملی اور قبر میں جائے صرف اکیلا) آج کچھ آتا ہے کہ وہ ایسا

گھر.....؟“ عندیپ کے آتے ہی ماہ رخ نے اس اجڑی اجڑی سی عندیپ کو دیکھا اور گھر کے متعلق بھی استفسار کیا تھا یہی تو وہ گھر تھا جسے ایک بار دیکھنے کے بعد وہ احساس کستری میں مبتلا عمر احمد سے بھی ایسے گھر آسائش کی توقع کر بیٹھی تھی جس کا نتیجہ بہر حال عمر احمد کو کھونے کی صورت میں مل رہا تھا۔

”جہاں حرام کا پیسہ آئے وہاں سے برکت منہ موڑ لیتی ہے۔ سمجھ لو اس گھر سے برکت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روٹھ گئی۔“ عندیپ کی بات ماہ رخ کی سمجھدانی میں ناہنجیسی تو وہ ناہنجیسی سے۔۔۔ دیکھنے لگی۔

”ماہ رخ رشوت خوری نے میرے بھائی کو نگل لیا وہ کسی گینگ کے ہتھے چڑھ گیا اور راتوں رات غائب ہو گیا۔ تھوڑی سی غلطی پر جب نہ سدھرا جائے تو بڑی غلطیاں جنم لیتی ہیں اور ان غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔ رشوت خوری غلط ہے، بھیا نہ سمجھے اور یوں پیسے کی لالچی طبیعت دلدل میں دھکیلتی چلی گئی۔“ عندیپ کے الفاظ و انداز میں کھلی پچھتاوے کی حسرتیں ماہ رخ کو شرمندہ کر گئیں۔

”کیا تمہارے بھیا کے بعد اس گھر کی یہ حالت ہوئی؟“

”ہاں..... تمہیں پتا ہے ماہ رخ قیامت کے روز رشوت خوروں کا انجام کیا ہوگا؟“ عندیپ نے ماہ رخ سے پوچھا تو ندامت سے اس کا سر جھک گیا۔ ”حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جو شخص کسی قوم کا والی اور قاضی مقرر ہو وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں پیش ہوگا کہ اس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہوگا پھر اگر وہ راشی نہ تھا اور اس کے تمام فیصلے حق پر مبنی تھے تو وہ آزاد کر دیا جائے گا لیکن اگر وہ راشی تھا اور لوگوں سے مال لے کر فیصلے حق کے خلاف کرتا تھا تو اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور پانچ سو برس کی راہ کے مثل گہرائی میں جا پڑے گا (طبرانی)۔“ ماہ رخ! رشوت لینے والے کسی بھی نتیجے کی پروا کیے بنا اپنی فیملی کو

کیوں کہتی تھیں۔“ بیگم پلکیں ماہِ رخ کی ندامت میں کٹی گنا اضافہ کر گئیں۔

تاثرات نمودار ہوئے۔
”میں اس نکاح کی آپ کو اجازت دیتی ہوں، ماہِ رخ صدیقی جب جب میرے سامنے آئے گی مجھے یہ حساس تب تب ہوگا کہ میں نے غلطی کی تھی اور غلطی کا خمیازہ بھگت کر خود کو کسی بھی بڑی غلطی سے باز رکھوں گی۔“ ماہِ رخ کی شرمندگی نے عمر احمد کے دل سے ساری کٹافٹوں کو دھو دیا۔

”ماہِ رخ بیگم تم چاہو تو میں یہ فیصلہ بدل دوں۔“ وہ آخر کو اس کے بچوں کی ماں تھی وہ کیسے اسے دھی دیکھ سکتا تھا۔

”نہیں..... آپ سے میری طرف سے نئے سال دیا گیا تحفہ سمجھ لیں۔ عہد کرتی ہوں آپ کو کبھی غلط کام کرنے پر نہیں اکساؤں گی۔“

”کاش یہ عہد ہر بیوی کر لے نجانے کتنے شوہر بیویوں کے کہنے پر اس طرح کی غلطیاں کرتے ہیں جو اُن کی دنیا اور آخرت برباد کر دیتی ہیں۔“ عمر احمد نے تہہ دل سے دعا کی تو ماہِ رخ نے بے اختیار مین کہا تھا۔

نئے سال کی صبح نئے عہد لے کر طلوع ہونے لگی یہ صبح برائیوں سے پاک تھی۔ ایسی برائیاں جو ہمارے معاشرے کی اچھائیوں پر حاوی ہوتی جا رہی ہیں یہ عہد صرف ماہِ رخ کے نصیب میں نہیں آیا ہم چاہیں تو ہم بھی عہد کر سکتے ہیں خود سے اپنے آپ سے اپنے ضمیر سے۔
آؤ ہم نئے سال میں عہد کریں۔

مٹا کر سب برائیاں
نئی داستانیں تحریر کریں
ظلم و جبر، غم کی فریادیں
سب ماضی میں کہیں کھوجائیں
ملک کی فضا کو اے ہم وطنو!
ہم نے سنوارنا ہے ہم نے پاک کرنا ہے
آؤ نئے سال میں ہم یہ عہد کریں



”ماہِ رخ! کیا نئے سال میں ہم میں سے کوئی ایک بھی شخص ایسا ہوگا جو اس فعل کو چھوڑنے یا پھر کبھی بھی نہ کرنے کا عہد کرے گا؟“ عندلیب کی سوالیہ نظریں ماہِ رخ کو بڑبڑائیں۔

”کسی اور کا پتا نہیں..... میں ضرور نئے سال کی نئی صبح کو خود سے عہد کروں گی۔“ دل میں معموم ارادہ کرتی وہ اس کی صورت کو گھٹی رہ گئی۔ نور اور نورالوں کی پہچان کسی کسی کو ہوتی ہے اور آج ماہِ رخ نے نور اور نوروالی دونوں حالتوں کو پہچان لیا تھا۔ گھر واپسی کے دوران وہ دل ہی دل میں نئے سال کو خوش آمدید کرنے کی تیاری کرنے لگی۔

نئے سال کی نئی صبح جیسے ہی طلوع ہوئی نماز فجر ادا کر کے تلاوت قرآن سے فراغت کے بعد ماہِ رخ صبح صبح اپنے گھر چلی آئی راستے بھر اس کے پیچھے نے اس کے کان گھمائے۔

”بوا! ہاں شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں..... بوا آپ کو دکھ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔“ مگر ماہِ رخ نے گھر جا کر ہی دم لیا۔

گھر میں بھی افراتفری کو یکدم بربیک لگ گئے ہر کوئی ساکت سا ہو گیا۔

”نامی آپ آگئیں.....؟“ طاہر احمد نے بھاگتے ہوئے جوتوں سے کہا اور اس سے لپٹ گیا۔ بھائیوں اور بھائیوں کے چہروں پر بھی بہار لوٹ آئی۔

”اگر تمہارا مطالبہ وہی ہے تو.....“
”نہیں میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔“ عمر احمد کی بات کاٹ کر وہ رخ نے جلدی سے کہا۔

”چلو اچھا ہوا..... اب یہ شادی کا جمعیت سمیٹو اور ہماری بہن کا ہاتھ تھام لو۔“ تیسرے نمبر والے بھائی نے خوش ہوتے ہوئے کہا تھا۔

”نہیں بھیا! میں نے غلطی کی ہے سزا ملتا تو حق بنتا ہے۔“ ماہِ رخ کی بات پہ کبھی کے چہروں پر حیرت کے



دل روتا ہے آنکھوں کے سمندر نہیں روتے
ہم موسمِ باراں میں بھی کھل کر نہیں روتے
کہساروں کے دل پگھلے تو دریا ہوئے جاری
اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ دریا نہیں روتے

”آپی..... آپی کہاں ہیں آپ؟“ حنانے کالج سے آتے ہی بیک لائونج میں رکھی ٹیبل پر دھرا اور کمروں میں جھانکنے لگی۔

”اچھا آپی! آپ نے خود ہی تو روکا تھا وہ اصل میں ہمارے کالج میں کوکنگ چینل والے آئے تھے پھر انہوں نے مختلف گروپس بنا کر چھوٹا سا کونز پروگرام کیا تو اس میں جو بھی وز لڑکیاں تھیں انہیں اپنے فیملی فینشنیول کے فری پاسز دیئے ہیں۔ آپ کی ٹیلنٹڈ بہن بھی مقابلہ جیتی تو مجھے بھی پاس ملا ہے۔ اب امی تو گھنٹوں کے درد کی وجہ سے برگرز نہ جائیں گی۔ پاپا کو تو اسنے آنس کے کاموں سے فرصت نہیں اور عامر بھائی کے بھی ایگزامز ہونے ہیں ورنہ تو وہ خود بڑے شوق لے جاتے اب میں اکیلی تو جانے سے رہی تو آپ چلیں گی تا میرے ساتھ؟“ اس نے عادتاً تفصیل بیان کر کے سوالیہ نظروں سے عائشہ کو دیکھا تو اس نے نگاہیں پھیر لیں لیکن کارخ کیا اور ہنڈیا کا ڈھکن کھول کر سالن کی طرف متوجہ ہوئی۔

”تمہیں پتا ہے کہ مجھے ایسی چیزوں میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تم بلا وجہ مجھے مت گھسیٹا کرو تمہیں جانا ہے تو

”افوہ..... کیا آفت آگئی ہے لڑکی! میں ادھر ہوں کچن میں۔“ عائشہ جو کچن میں سالن بھوننے میں مصروف تھی چھوٹی بہن کی آواز پر آٹھ دھبھی کر کے برآمدے میں آ کھڑی ہوئی تو اوپر کے پورشن کی جانب بیٹریاں چڑھتی حنا پلٹ کر بیٹریاں پھلاتی ہوئی نیچے آئی اور عائشہ کے سامنے کھڑی ہوئی۔

”صبر کرو پہلے سکون سے سانس لے لو۔“ عائشہ نے ایک بار پھر بہن کوٹوکا جس کا سانس بڑی طرح پھولا ہوا تھا۔

”سوری آپی! بات ہی ایسی تھی کہ رہا نہیں جا رہا تھا اور ویسے بھی آپ کو پتا ہے کہ جب تک میں آپ کو ساری باتیں نہ بتا دوں مجھے سکون نہیں ملتا۔“ حنا کو یوں ہی تمہید باندھنے کی عادت سے تھی۔

”تم نہیں سدھرنے کی اب بول بھی دو کیا بات ہے میرا سالن جل کر خاک ہو جائے گا تو امی مجھے سولی پر چڑھا

اپنی کسی دوست کے ساتھ چلی جاؤ۔“

”پلیز کوئی بھی دوست آپ کا نم البدل نہیں ہو سکتی جو مزہ آپ کے ساتھ آئے گا وہ کسی کے ساتھ بھی نہیں پلیز میری خاطر۔“ حنا کا قاعدہ ہاتھ جوڑ کر التجا کرنے لگی۔

”تنا! مجھے فورس مت کرو میرا ان سب چیزوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ بھینٹ بھاڑ سے بچھن ہوتی ہے مجھے۔ تم سب کچھ جانتی ہو پھر بھی.....“ عائشہ نے بے بسی سے ہونٹ کانٹے اپنی چھوٹی بہن کا دل توڑنا ہے بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی جو ہر شے سے اچھا اور بے زار ہو چکا تھا۔

”جانتی ہوں آپلی اور سمجھتی بھی ہوں آپ کی کیفیات اسی لیے تو کوشش کرتی ہوں مگر آپ میری کسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیتیں۔ کیوں کر رہی ہیں آپ اپنے اور ہم سب کے ساتھ یہ ظلم۔“ حنا نے محبت سے عائشہ کے ہاتھ تھامے تو اس کی آنکھوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی نمی اتر آئی جسے چھپانے کے لیے اس نے اپنے ہاتھ چھڑاتے ہوئے سنک کو بلا وجہ ہونا شروع کر دیا۔

”یوں بڑوں جیسی باتیں نہ کیا کرو۔ سالن دم پر ہے تم فریٹا ہو جاؤ تا کہ میں کھانا نکالوں۔“ عائشہ نے بے شک رخ پھیر لیا تھا مگر اس کی بھرائی ہوئی آواز حنا سے پوشیدہ نہ تھی مگر اس نے بہن کا بھرم قائم رکھا اور کچن سے باہر چلی گئی۔



عائشہ اور حنا کو کہ دونوں بہنیں تھیں اور آپس میں خوب محبت بھی رکھتی تھیں تاہم دونوں کی سوچ اور مزاج قطعاً مختلف تھا۔ عائشہ حنا سے پانچ سال بڑی تھی عمر کے باعث مزاج میں دماغ نے والی بردباری کے ساتھ وقت کے بدلتے تیوروں نے اسے شک اور کچھ تک مزاج بھی بد دیا تھا۔ بہت حساس طبیعت کی مالک تھی مگر اسے اپنا پندار بہت عزیز تھا سوائے جذبات و احساسات کو چھپانے کے لیے خود پر آ دم بے زاریت کا خول چڑھا لیا تھا۔ عائشہ کی منگنی چار سال قبل حماد سے طے ہوئی تھی اور وہ اس کی امی

کے دور پرے کے رشتہ کی خالہ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ حماد باپ کی وفات کے بعد گھر کا واحد سرپرست تھا اس کے کانٹھوں پر ماں کی کفالت کے ساتھ دو بہنوں کی شادی بیاہ کی ذمہ داری بھی عائد تھی۔

وطن میں روزگار کے حصول کا مناسب ذریعہ نہ ملنے پر وہ باہر چلا گیا تا کہ ماں بہنوں کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کے لیے بھی کچھ کر سکے اس کی خواہش اور کوشش کے سبب بڑی بہن کی شادی تو ڈھوم دھام سے ہو گئی۔ چھوٹی بہن کو کوئی شکایت نہ ہو یہ سوچ کر حماد نے اور محنت شروع کر دی اور فی الحال ملک واپس آنے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ ایک تو آنے جانے کے اخراجات دوسرا اپنوں کو چھوڑ کر جانے کی تکلیف وہ دوبارہ نہیں سہتا چاہتا تھا۔ عائشہ کے گھر والے داماد کی مرضی کے آگے خاموش ہو گئے کیونکہ اور کوئی دوسرا چارہ تھا بھی نہیں۔ بڑے بھیا عام مطمئن تھے کیا چھا ہی سے وہ فرانس سے نمٹ جائے تو پر سکون ہو کر نئی زندگی کا آغاز کر سکے مگر عائشہ کے لیے انتظار کی طویل سے طویل تر ہوتی گھنٹیاں کسی عذاب سے کم نہ تھیں۔ حنا اپنی ماں جانی کی دلی کیفیت سمجھتی تھی وہ چھوٹی ہونے کے باوجود عائشہ کو زندگی کا مثبت رخ دیکھنے کی ترغیب دیتی۔ اسے چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے لطف کشید کرنے کے لیے اکساتی مگر عائشہ زندگی میں آئے اس خم کا سیدھا نہ کر پالی مگر حنا اپنی کوششیں جاری رکھتی کیونکہ اپنوں کو اپنے پیاروں کو اکیلا تو نہیں چھوڑا جاتا۔



”اسلام علیکم! اسماء حاجی کیسی ہیں آپ بڑے دن بعد آئیں؟“ حنا ٹرے میں چائے اور دیگر لوازمات لیے کمرے میں داخل ہوئی۔

”وعلیکم اسلام! ٹھیک ہوں بس مصروف ہوں آج کل تم سناؤ کیسی جارہی ہے پڑھائی؟“ اسماء نے حنا سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ وہ عائشہ کی کالج فرینڈ تھی مگر قریب تھا تو کالج کے بعد بھی دوستی ابھی تک قائم تھی۔

”پڑھائی تو زبردست جارہی ہے آپ کو پتا ہے

بتائیں آصف بھائی عالیہ بھابی اور آپ کا کیوت بھتیجا کیسا ہے؟ اب تو اسکول جانے لگا ہوگا کہاں داخل کروایا؟ اور واقعی ٹاپک بدل گیا اسماء اب اپنے بھتیجے اور اسکول کی تعریف میں زمین آسمان ایک کرنے میں مگن ہو گئی اور عائشہ تک اپنی پیاری بہن کو دیکھے گی جو اسماء کا دھیان بنا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر چکی تھی۔



آج سردی روز سے زیادہ تھی سب ہی لوگ کھانا کھانے کے فوراً بعد اپنے کمروں میں گھس کر رضائیوں میں دبکے ہوئے تھے۔ حنا سوگ پھلیوں کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے ٹی وی پر فلم دیکھنے میں مصروف تھی جبکہ عائشہ روز کی طرح کسی ناول کے مطالعے میں غرق تھی۔

تو بے آپا پی! کیسے پڑھ لیتی ہو تم یہ موٹے موٹے ناول۔ حنا نے آدھے گھنٹے سے کتاب میں سر دیئے ہوئے عائشہ کو مخاطب کیا۔

”بالکل ایسے جیسے تم یہ اوٹ پٹا ٹک فلمیں دیکھتی ہو! خاموشی سے فلم دیکھو مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔ ٹیپو ٹوٹا ہے تو مزد خراب ہونے لگتا ہے۔“ عائشہ نے قطعیت سے کہتے ہوئے نظرس دوبارہ ناول پر مرکوز کر دیں اور حنا نے کندھے اچکاتے ہوئے ٹی وی پر نظرس گاڑ دیں۔

تم بن جیا جائے کیسے

کیسے جیا جائے تم بن

صدیوں سے لمبی ہیں راتیں

صدیوں سے لمبے ہوئے دن

آ جاؤ لوٹ کر تم

بیول کہہ رہا ہے آ جاؤ لوٹ کر تم

فلم کا ٹائٹل سوگ کمرے میں گونج رہا تھا حنا اداکاروں کی پرفارمنس دیکھنے میں مگن تھی کہ عائشہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”بند کرو اسے پلیز مجھے نیندا رہی ہے۔“ عائشہ نے حنا کو کہتے ہوئے خود بھی کتاب بند کر کے سائیڈ پر رکھی اور

کنٹیکس میرا فیورٹ مضمون ہے اوپر سے میں اٹھتی جنٹ بھی تو اتنی ہوں۔“ حنا نے فرضی کار لہجہ سے تو اسماء مسکرا دی۔

”آپ سنائیں کہیں غائب ہیں؟ مگنی کر کے آپ تو غائب ہی ہو گئیں۔ دلہا بھائی نے پردہ کرنے کا آرڈر تو نہیں دے دیا۔“ حنا پھر شوخ ہوئی تو اسماء حینپ گئی۔

”ارے نہیں یہ بات نہیں اصل میں آرڈر دیا تو ہے مگر پردے کا نہیں جلد شادی کا۔ میں بس تیاریوں میں ہی مصروف ہوں دو ماہ رہ گئے ہیں میرے تو ہاتھ پیر پھولے جا رہے ہیں اور مصروف کہتے ہیں کہ بس اب رہا نہیں جاتا دوری ناقابل برداشت ہے۔“ اسماء کو یوں ہی خود کی اور خود سے متعلقہ چیزوں کی پڑائیاں بیان کرنے کی عادت تھی۔

وہ ان لوگوں میں سے تھی جو میں میں کر کے خود کو نمایاں رکھتے ہیں اور اپنے ”میں پن“ کی وجہ سے انہیں دوسروں کے احساسات و جذبات کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں ہوتی۔ اسماء خوب جانتی تھی کہ عائشہ کی شادی تاخیر ہو رہی تھی پھر بھی اس نے اپنی مگنی بگھارنا ضروری سمجھا کیونکہ دراصل وہ آئی ہی اسی لیے تھی مگنی پر کلاس میں ہونے کے باعث اس کے خڑے کچھ بڑھ گئے تھے۔ حنا کا دل تو چاہا کہ اسماء کو خوب کمری کھری سنا دے کہ آپ کیسی دوست ہیں جسے اپنی سبیلی کے جذبات کی پروا نہیں مگر اس طرح کہہ کر وہ خود کو اور عائشہ کی کو بے وقعت نہیں کرنا چاہتی تھی اور ویسے بھی گھر آئے مہمان کو عزت و احترام دینا اس کی تربیت کا حصہ تھا۔

”تمہاری مگنی کو ابھی تین ماہ ہی تو ہوئے ہیں نا۔“ عائشہ نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھی۔

”ہاں اور کیا مگر موصوف کہتے ہیں کہ تین ماہ تین برس لگنے لگے ہیں۔“ اسماء نے پھر اپنی اہمیت جتائی۔ جانے وہ بے خبر تھی یا نہیں مگر حنا کو خوب خبر تھی کہ عائشہ کے دل کی دھڑکنیں کیسے تھمنے کو ہیں تو اس نے جلدی سے موضوع بدلا۔

”اسماء باقی یہ چائے لیں نا ٹھنڈی ہو رہی ہے اور

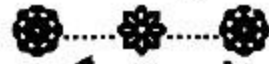
لوگوں کی جیتی ہوئی تمسخرانہ نگاہیں۔ "عائشہ روہاٹی ہونے لگی تو امی نے اپنی لخت جگر کو سینے سے لگا لیا۔ ماں کی نرم گرم آغوش پا کر گویا عائشہ کو دل کا غبار نکالنے کا موقع مل گیا۔ نمکین پانی آنکھوں کے راستے من کا بوجھ بھی اپنے ساتھ بہا کر لے گیا دل و دماغ سے بوجھ سرک جائے تو ہوش حواس زیادہ مثبت اور فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ عائشہ کے ساتھ بھی یوں ہی ہوا امی نے ہزار بار سمجھائی ہوئی بات ایک دفعہ پھر سمجھائی۔

"عائشہ..... میری گڑیا! لوگوں کا تو کام ہی باتیں بنانا ہے، ہم دنیا میں رہتے ہیں تو اس دنیا کے لوگوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور یہی مضبوط سچے اور باہمت انسان کی آزمائش ہے کہ وہ دل بردہ ہو کر اپنے جذبات چھپا کر مسکراتے چہرے اور کھلی آنکھوں سے دنیا اور اس کی حقیقت کو فیس کرے پھر بیٹی خدا نخواستہ نہ تمہارا رشتہ ٹوٹا ہے نہ حماد کوئی بے وفا اور ہر جائی مردے کہ تم پوں سوگ کی چادر اوڑھ کر ماتم منانے لگو۔ یہ تو وقت کی کرنی ہے اللہ کی مرضی ہے بیٹی! اب تم ہی سوچو اگر عامر حماد کی جگہ ہوتا اور وہ اپنے ماں باپ اور گھر والوں کے فرائض سے نگاہ چرا کر اپنا گھر سنانے کا سوچتا تو تب ہم ہی اسے جو رو کا غلام کہتے۔ اپنا دل وسیع رکھو عاشری! وہ اگر آج ایک ذمہ دار بیٹا اور بھائی بنا ہوا ہے تو یقینی طور پر کل ایک ذمہ دار شوہر بھی ثابت ہوگا۔ چلو اب دیر ہو رہی ہے جلدی سے تیار ہو جاؤ میں بھی ذرا کپڑے نکالوں۔" امی اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور کمرے سے چلی گئیں۔ حنا اس کے پاس چلی آئی اور انگلیوں کے پوروں سے اس کے رخساروں کی نمی کو صاف کرنے لگی۔

"آپنی یہ قیمتی آنسو اپنی رخصتی کے لیے بچا رکھو اور کیا تمہیں یقین نہیں کہ نکاح پیدائش اور موت کا وقت اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے۔ بھلا کن فیکون کے امر کے آگے انسان کی مرضی کا کیا عمل دخل۔" حنا کے آخری جملے پر عائشہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر یک دم مسکرانے لگی اور اس کا گل چوم لیا۔

سر تا پا خود کو رضائی میں چھپا لیا۔ حنا نے ریموٹ اٹھا کرنی وی بند کر دیا اور گہرا سانس بھرتے ہوئے رضائی کو دیکھا جس میں چھپا ہوا جو اس سے پوشیدہ تھا مگر وہی دلی سسکیوں کی آواز اس تک صاف پہنچ رہی تھی۔ اس نے بمشکل خود پر ضبط کیا اور دل سے اپنے رب سے فریاد کرنے لگی۔

"تو تو اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے مولا! ہم پر بھی اپنے کرم کی بارش کر دے مولا! اور لائٹ آف کر کے خود بھی آنکھیں موند لیں۔"



"امی پلیز میں نہیں جاؤں گی میرے سر میں درد ہے۔" عائشہ نے اسی اکتاہٹ سے کہا جو اب اس کے مزاج کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔

"تم روائی لے لو لیکن چلنا تو تمہیں ہر حال میں ہے۔ یہ ایرے ٹیروں کی نہیں ہمارے اپنے سگے رشتہ داروں کی شادی ہے۔ تمہیں اپنی تائی کے مزاج کا نہیں پتا کیا کیسے ذرا ذرا سی بات پر آنکھیں چڑھاتی ہیں اور پھر وردہ تمہاری فرسٹ کزن ہے اسے کس قدر افسوس ہوگا۔ دس جاننے والے ہوں گے کس کس کو جواب دوں گی کہ صاحبزادی کا موڈ نہیں بنا آنے کا۔" امی سخت برہم تھیں وہ جانتی تھیں کہ وہ ہر بار کی طرح بہانہ بنا رہی ہے۔ لوگوں کے سوالات سے بچنے کے لیے اس نے خود کو گھر میں قید کر لیا ہے کیونکہ ملنے والا ہر دوسرا تیسرا شخص اس سے اس کی خیریت دریافت کرنے سے پہلے یہ ضرور پوچھتا۔

"سیا ہوا عائشہ تمہاری شادی نہیں ہونی ابھی تک؟" اور پھر خود ہی جواب بھی دے دیتا۔ "ارے بھئی کہیں دوسری شادی نہ کرنی ہو باہر جانے والوں کی ایسی ہی کہانیاں سننے میں آتی ہیں۔" اور وہ بے چارگی و یاسیت کی تصویر بنی دل ہی دل میں بین کرتی رہتی۔ اب تو اسے لوگوں کی نگاہوں کی معنی خیزیوں سے بھی خوف آنے لگا تھا۔ وہ کسی طور ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"امی پلیز! آپ کی طرح میرے پاس بھی لوگوں کے سوالوں کے جواب نہیں۔ مجھ سے نہیں برداشت ہوتی

”اللہ تم جیسی محبت کرنے والی بہن سب کو دے
مجھ سے چھوٹی ہو کر بھی تم کس قدر سمجھ دار ہو سدا خوش
رہو آمین۔“

”آئی لو یو آپی آپ بس ہمیشہ یونہی ہنستی رہا کریں
اور ہمیں اب جلدی سے تیار ہو جاتے ہیں ایسا نہ ہو کہ امی
ڈنڈا ہی لے کر آ جائیں۔“ حنا نے شرارت سے کہا تو عائشہ
ایک بار پھر ہنس پڑی اور حنا اپنی آپی کے لیے چپکے چپکے
اپنے رب سے خوشیوں کی بھیک مانگنے لگی۔



”حنا کی بچی جلدی کرو شام ڈھلنے لگی ہے سردی بڑھ
رہی ہے۔“ عائشہ نے جیولری شاپ میں گھسی حنا کے
کانوں میں سرگوشی کی تو اس نے میردن بڑے سے نموں
والی ای کی ٹیشن رنگ اس کے آگے کر دی۔
”دیکھیں ذرا کیسی لگ رہی ہے؟“

”ہاں اچھی۔ جناب جلدی کرو۔ تم اپنی شادی کی تیاری
کر رہی ہو یا کالج فنکشن کی۔ غضب خدا کا پہلے دو گھنٹے
بوتیکس میں سوٹ ڈھونڈنے میں لگا دیئے اور اب پچھلے دو
گھنٹے سے میچنگ جیولری ڈھونڈنے کے چکر میں اپنے
ساتھ ساتھ میرے ہیر بھی تڑوا دیئے۔“ عائشہ کا موڈ بے حد
خراب ہو رہا تھا۔ حنا اسے ضد کر کے اپنے ساتھ شاپنگ
مال لے آئی تھی کہ اس کے کالج کے سالانہ فنکشن میں
پہننے کے لیے نیا سوٹ لینا ہے۔ امی تو گھنٹوں کے درد کے
سبب بازار وغیرہ جانے سے کتراتے تھیں اس لیے مجبوراً
عائشہ کو ساتھ آ پڑا۔

سردی کے سبب دونوں دوپہر کا کھانا کھاتے ہی نکل
پڑی تھیں مگر دن چھوٹا ہونے کے سبب اور کچھ حنا کے
مطمئن نہ ہونے کے سبب ہر شاپ پر جھانکنے کے باعث
ساڑھے پانچ بج گئے۔ عائشہ کو فکر تھی کہ اندھیرا ہونے سے
پہلے ہی گھر پہنچ جائیں عائشہ کی سختی کے باعث حنا نے
جلدی جلدی دکاندار کو پیسے دیئے اور شاپرز اٹھا کر شاپ
سے باہر آ گئی۔ عائشہ نے اسے گھورا تو اس نے سوری کہہ
کر کندھے اچکا دیئے۔ عائشہ سر جھٹک کر خارجی دروازے

کی طرف بڑھنے ہی لگی تھی کہ حنا نے اسے روکا۔
”آپی بہت زبردست بھوک لگ رہی ہے قسم سے لگتا
ہے بے ہوش ہو جاؤں گی اوپر ذرا دس منٹ کے لیے فوڈ
کورٹ چلیں کھائیں گے نہیں بس پارسل کروالیں گے
پلیز..... پلیز۔“ حنا نے کچھ اس انداز سے کہا کہ عائشہ مان
گئی۔ بھوک تو اسے بھی لگ رہی تھی اور گھر پہنچنے پر فوراً تو
کچھ ملنا تھا نہیں۔ رات کا کھانا تقریباً آٹھ بجے تک تیار
ہوتا تھا یہی سوچ کر اس نے مجبوراً اثبات میں سر ہلا دیا
دونوں نے اپنے قدم فوڈ کورٹ کی طرف بڑھا دیئے اچھا
خاصا رشتہ تھا۔

”آپی! آپ یہاں بیٹھیں یہ شاپرز میں یہاں رکھ رہی
ہوں میں ذرا کافی لے آؤں سٹکن ہو رہی ہے نا۔“ وہ
عائشہ کو ایک خالی ٹیبل پر بٹھا کر خود کا ڈنڈا کی جانب بڑھ گئی۔
عائشہ نے شاپرز سائیڈ میں رکھے اور کرسی کی پشت
گاہ سے سر نکا دیا چند منٹوں کے سکون کی غرض سے
آنکھیں بند کر لیں۔

”السلام علیکم!“ جانی پچیانی مگر مدتوں بعد سنی آواز
اسے ندری طرح چونکا گئی اور اس نے مڑ کر دیکھا تو لگا
کہ وہ گرنے کو ہے۔
”سنجھل کر..... یہ لو پانی پیو۔“ حماد سامنے کھڑا اسے
پانی پیش کر رہا تھا۔

”آ..... آپ..... یا خدا یا یہ خواب ہے کہ حقیقت۔“
اس کا سر چکرانے لگا۔

”بالکل حقیقت..... یقین کر لو کہ تمہاری دعائیں قبول
ہو گئی ہیں۔“ حماد نے اس کے پنج بستہ ہاتھوں کو تھاما۔ عائشہ
کی آنکھیں تیزی سے نم ہونے لگیں۔

”عاشی پلیز! لوگ دیکھ رہے ہیں یارا آنسو پونچھو۔“
عائشہ نے فوراً شہا تھم میں لے لیا۔

”مم..... مگر آپ یہاں کیسے..... آپ تو ابھی سال بھر
اور.....“ عائشہ کی حیرت ہنوز قائم تھی۔

”یہ سب حنا کا کارنامہ ہے بہت چاہتی ہے وہ تمہیں
اس نے مجھے میل کی تھی اور تمہاری اداسی و یاسیت کا بھی بتایا

”بھئی۔“ حنا نے موبائل اس کے ہاتھ سے لیا۔
 ”اسلام علیکم امی! جی جی بس ہم آدھے گھنٹے میں پہنچ
 رہے ہیں ذرا ٹریفک جام ہے یہاں اچھا اسماء آپی آئی
 ہیں۔ کیا کارڈ اتنی جلدی چھپ گئے؟ اچھا..... اوہ یہ تو
 بہت بُرا ہوا، اوکے اللہ حافظ۔“ حنا کے چہرے کے اتار
 چڑھاؤ نے عائشہ کو مزید گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا۔

”کیا ہوا خیریت؟“ حناد کے لہجے میں بھی
 تشویش تھی۔

”کچھ نہیں، وہ آپی کی دوست اسماء باجی کی دو ماہ بعد
 شادی تھی ان کے منگیترا کا زبردست ایکسیڈنٹ ہوا تو وہ
 آئی ہوئی ہیں۔ شادی کینسل ہو گئی تو کافی رو بھی رہی
 ہیں انتظار کر رہی ہیں۔ آپی کی قریبی دوست ہیں میں
 آئی ہوں پھر چلتے ہیں آپی!“ حناد کہہ کر تفصیل بتا کر
 رکی نہیں فوری طور پر مڑ گئی۔

”عائشہ عجیب نفاذ کیفیت میں گھر گئی ایک طرف خوشی
 کی خبر تھی تو دوسری جانب ایک افسوسناک اطلاع۔ اس کی
 سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے دی ایکٹ کرنے تب ہی حناد
 نے شاپرز میں سے میروں والی رنگ نکالی اور عائشہ کا ہاتھ
 ایک بار پھر تھام لیا۔

”عائشہ زندگی تو نام ہی غم اور خوشی کے امتزاج کا ہے
 ہمیں دونوں کو ہی فیس کرنا پڑتا ہے۔ خوشی ہمیشہ رہتی ہے نہ
 غم اب دیکھو نا دبیر ہماری زندگیوں سے چلا ہی گیا نا.....
 جنوری کی ابتدا ہو چکی ہے خزاں کے خاتمے کے بعد بہار
 ہی آتی ہے نا.....“ حناد نے عائشہ کی آنکھوں میں
 جھانکتے ہوئے دھیرے سے انگوٹھی اسے پہنائی تو وہ سر
 سار ہو گئی اور کانوں میں گونجتی بازگشت نے اسے مسکرانے
 پر مجبور کر دیا۔

”نکاح پیدائش اور وفات..... خالصتاً اللہ تعالیٰ کا
 مقرر کردہ ہے بھلا کن فیکون کے امر کے آگے انسان کی
 مرضی کا کیا عمل دخل۔“



تھا اور اسی نے مشورہ بھی دیا کہ بے شک میں اپنی ذمہ
 داریاں نبھاؤں مگر تم سے نکاح کر لوں اور ساتھ رکھوں۔ تیج
 پوچھو تو میں بھی اب ٹھکنے لگا تھا اکیلے سب کچھ کرتے
 کرتے۔ یہ احساس بھی امی نے دلایا کہ ایک سے بھسے دو
 بس اس لیے میں آ گیا۔ بہت اچھے دل کی مالک ہے
 حنا۔“ حناد نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”جی..... اور شکر یہ یہ بات آپ نے انہیں بتادی
 نہیں تو یہ مجھے ہمیشہ ڈانٹتی ہی رہتی۔“ حناد بھی ٹرے لے کر
 آدھمکی۔

”تم ہا نہیں آؤ گی۔“ عائشہ جھینپ گئی۔
 ”دیکھ لیں حناد بھائی! نیکی کر اور دریا میں ڈال اب آپ
 یہ امانت پکڑیں اپنی اور ساتھ میں یہ کافی انجوائے کریں۔
 میں ذرا اپنے برگر پارسل کروالوں۔“ حناد نے عائشہ کی کرسی
 کے پاس رکھے شاپرز حناد کو پکڑوائے تو عائشہ حیرت سے
 دونوں کو دیکھنے لگی۔

”شکر یہ سالی جی! اگر آپ نہ ہوتیں تو یہ سارے
 سر پرانز ایک ساتھ دینا میرے لیے تو قطعی ناممکن تھا۔“
 حناد نے مسکراتے ہوئے شاپرز تھامے۔
 ”میں سمجھی نہیں یہ سب کیا ہے؟ حناد تم نے جھوٹ
 بولا۔“ عائشہ نے حناد کو گھورا۔

”آپی جی محبت اور جنگ میں سب جائز ہے کیوں
 حناد بھائی!“ حناد نے شرارت سے کہا تو حناد جس دیا۔
 ”پالنگل درست فرمایا آپ نے“ بھئی تمہاری بہن واقعی
 سمجھ دار ہے۔ اگر ایک بار بڑوں کو میری آمد کا علم ہو جاتا تو
 ہمارا اس طرح ملنا تو ناممکن ہی تھا پھر میرا تمہیں دیکھنے اور
 ملاقات کرنے کا خواب خواب ہی رہ جاتا سویش آف ٹویو
 سالی جی!“

”مینشن ناٹ دلہا بھائی! آخر انسان ہی انسان کے
 کام آتا ہے۔“ حناد نے فرضی کالر جھاڑے اتنے میں عائشہ
 کا موبائل بچھا۔

”امی کا فون ہے۔“ عائشہ اسکرین پر کالنگ نمبر دیکھ کر
 گھبرا گئی۔



سناٹا
سناٹا

رات کے خواب سنا میں کس کو، رات کے خواب سہانے تھے
دھندلے دھندلے چہرے تھے پر سب جانے پہچانے تھے
ہم کو ساری رات جگایا جلتے بجھتے تاروں نے
ہم کیوں ان کے در پر اترے کتنے اور ٹھکانے تھے

”نفس مصیبت کلامی ابھی بچا تھا۔ اس نے گاڑی کی
اپنی آہستہ کرنے کے بجائے مزید بڑھاتے ہوئے سیل فون
اٹھایا تھا سامنے دھندکی وجہ سے اسے ششے کے اس پار کا منظر
بھی صاف طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ
کال ریسیو کرتا اس کی گاڑی سامنے سے آئی گاڑی سے بری
طرح ٹکرائی تھی اور پھر اس کے ارد گرد اندھیرا چھا گیا تھا۔
جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے پاؤں کو پیچوں
میں جکڑا ہوا اور خود کو اسپتال کے کمرے میں موجود پایا چند
سیکنڈ لگے تھے اس کو ایک سیڈنٹ سے پہلے کا منظر یاد کرنے
میں اس نے غصے سے اپنی مٹیوں کو بھینچا تھا۔
”اس سٹریوجسٹ نے تو ایسا کچھ نہیں بتایا تھا کہ میرے
ستارے آج کل خراب چل رہے ہیں یا پھر میرا کوئی
ایکسیڈنٹ ہوگا پھر کیسے یہ سب ہو گیا اور میرا بزنس اف
خدا.....!“ وہ اب بھی ان ہی نام نہان سٹریوجسٹ کے بارے
میں سوچ رہا تھا کچھ سوچ کر اس نے ٹھنکی کوشش کی تھی۔
”یہ کیا کر رہے ہیں آپ پلیز آرام سے لیٹے رہیں۔
ڈاکٹر نے آپ کا آرام کرنے کا کہا ہے۔“ اس کی عزیز از جان

ٹھنک ہوا سے سرد جھونکوں نے اسے سخت اذیت میں
جکڑا کر رکھا تھا۔ سب کے چھینج رہے تھے چار سو چھائی دھندکی
وجہ سے اسے گاڑی چلانے میں سخت دشواری پیش آ رہی
تھی۔ وہ جلد سے جلد مشہور و نامی گرائی آسٹریوجسٹ کے
پاس پہنچنا چاہتا تھا وہ اس وقت سخت جھنجھلایا ہوا تھا وہ ایسا ہی
تھا بہت جلد باز ثلث میں فیصلے کرنے والا بلکہ اسے تو فیصلہ
کرنے کا اختیار ہی نہ تھا نہ ہی اس کے پاس اتنا حوصلہ تھا کہ
وہ خود سے کوئی فیصلہ کر پاتا اور اگر کبھی بھولے بیٹکے سے وہ
کوئی فیصلہ کر بھی لیتا تھا تو اپنے عزیز ی آسٹریوجسٹ سے
رانے لیا ضروری سمجھتا تھا نجانے کیوں اسے ان ستاروں کی
دنیا سے دلچسپی رکھنے والوں پر بھروسہ تھا۔ بجائے اپنے رب کی
رضا کے۔ وہ اس وقت شدید پریشان تھا اس کا بزنس سخت
خسارے میں جا رہا تھا ایسا کیونکر ہو رہا تھا یہی سوچ کر وہ
مزید پریشان ہو گیا تھا جبکہ اس کے خیال میں اس نے اپنے
بزنس و زندگی سے متعلقہ ہر فیصلہ نجوی و آسٹریوجسٹ کی
رانے سے مل کر طے کیا تھا وہ انہی سوچوں میں گم گاڑی چلا
رہا تھا کہ ڈیٹس بورڈ پر رکھا سیل فون بجنے لگا۔

پیتے اور خوش حال گھرانے سے تھا آزر کا کپڑے کا چھوٹا سا کاروبار تھا جو انہوں نے اپنا ایک گھر اور بیوی کے زیورات بیچ کر شروع کیا تھا والد اور والدہ کی کئی سال پہلے ہی ڈھ ہو چکی تھی ایک بہن تھی جو شیر سے باہر مقیم ہونے کی وجہ سے سالوں میں ہی چکر لگاتی تھی وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا نمبر نہ صرف پڑھائی میں اعلیٰ مقام پیدا کرتا جا رہا تھا بلکہ اسانڈ کے حوالے سے اس کی شدت پسندی بھی جنون کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ یہ بات آزر اور رائے دونوں کے لیے کافی پریشانی کا باعث تھی اور تو اور اب تو وہ کام بھی اپنے کئی ڈے کے حساب سے کرنے لگا تھا۔ رائے نے اسے کئی بار سمجھایا تھا۔

”بیٹا تم اتنا نام ضائع کرتے ہو ان سب میں یہ سراسر گناہ ہے نماز پڑھو قرآن پڑھو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دن بدن نماز سے غفلت برت رہے ہو یہ ٹھیک بات نہیں ہے بیٹا۔“ رائے کی ڈانٹ و نصیحت بھی اس نے ہر بار کی طرح چنگیوں میں اڑائی تھی پھر وقت کے ساتھ ساتھ نمبر کے پاس میں باپ کے لیے وقت کی کمی ہوتی گئی۔ رائے نے تو اپنا تعلق اللہ سے مزید بڑھایا تھا۔ اب ان کا زیادہ تر وقت نمبر کی ہدایت و سلامتی کی دعاؤں میں گزرنے لگا تھا۔ نمبر کے ایم بی اے کرتے ہی آزر صاحب ہارٹ اٹیک سے اس دنیا کو داغ مفارقت دے گئے تھے ان کی وفات نے رائے کو مزید تھکا ڈالا تھا اب کاروبار نمبر نے سنبھال لیا تھا۔ رائے کو اب نمبر کی شادی کی جلدی تھی ایسے میں ان کی نگاہ انتخاب آزر کی بہن کی بیٹی مریم پر ہی ٹھہری تھی۔ انہوں نے فوراً نمبر سے رائے کی بھی اور نمبر کا جواب سن کر وہ حیرت سے اس کا منہ کھتی رہ گئی تھیں۔

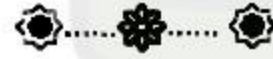
”اچھی بات ہے ماما اسکور پین ہوں اور وہ سرطان ہم دونوں کا اشارہ ہیج کرتا ہے تو اور سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔“ ان کا لائق قانع بیٹا شریک حیات کے معاملے میں بھی اشارہ کو اہمیت دے رہا تھا۔

انہوں نے گہرے دکھ اور ملال سے اسے دیکھا تھا پھر

بیوی مریم جو کب سے پریشانی میں مبتلا اپنے محبوب کی اس حالت پر اشک بار تھی اسے اٹھتے دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

”مریم میں اٹھ کیوں نہیں پارہا ہوں کیا ہوا ہے میرے پاؤں میں بتاؤ مجھے میرا جانا بہت ضروری ہے تم جانتی ہونا۔“ مریم نے گہری سانس خارج کی پھر نہایت محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”کچھ نہیں آپ پریشان مت ہوں، چھوٹا سا آپریشن ہوگا پھر سب صحیح ہو جائے گا۔ میں نے بات کی ہے ڈاکٹر سے آپ ریپلیکس رہیں۔“ مریم کی بات مکمل ہوتے ہی نمبر کے چہرے پر سیاہی پھیل گئی تھی ایک کے بعد ایک مصیبت نے اسے تھکا ڈالا تھا۔ اس نے کرب سے آنکھیں موندنی تھیں۔ حقیقت سے نظریں ملانا اسے سخت مشکل لگ رہا تھا۔



”تمہارا اشارہ کیا ہے؟“ جب وہ ڈویس جماعت میں تھا تو اس کے نمبر نے اس سے یہ سوال کیا تھا۔

”سر آئی ایم اسکور پین۔“ گول گول آنکھیں گھماتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

”واؤ، زبردست جب ہی تو میں کہوں تم اتنے ذہین کیوں ہو مقرب اشارہ کے لوگ بہت ہی ذہین اور جذبہ ملی ہوتے ہیں اور کئی بھی تم دیکھنا تم بہت ترقی کرو گے۔“ یکدم ہی سر کے لہجے و آنکھوں میں اس کے لیے ستائش ہی ستائش تھی اور یہی وہ لمحہ تھا جب اس کے کئے ذہن میں ستاروں کے حوالے سے دلچسپی کی ایک لہر جاگی تھی اسے سب اللہ نے نوازا تھا مگر اس وقت اسے یہ سب صرف اپنے اشارہ کا کمال لگ رہا تھا۔ وہ بہت لگی ہے یہ بات اس کے دس میں گانتھ کی طرح بندھ گئی تھی اسی دن سے اس نے اپنے اشارہ کے بارے میں معلومات جمع کرنا شروع کر دی تھیں۔ وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا تھا اس کی شدت پسندی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا وہ اپنے ماں باپ آزر اور رائے آزر کی اکلوتی اولاد تھی۔ بہت زیادہ امیر نہ سہی لیکن ان کا تعلق ایک کھاتے

دشست ہوتی تھی اس لیے وہ ہمیشہ ہی روشنی میں سونے کا عادی تھا۔ اس وقت اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے بھی روشنی لا کر یہاں اجالا کر دے جیسے جیسے آگے جا رہا تھا اسے بہت ڈر لگنے لگا تھا موبائل فون کی نارنج لائٹ بھی اب جواب دینے لگی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید آگے بڑھتا اسے اپنے حیر پر کچھ رہنمائی ہو محسوس ہوا تھا۔ اس نے جیسے ہی نارنج اپنے رائٹ حیر پر ماری اس کے سینے چھوٹنے لگے تھے بہت بڑا ایک سانپ اس کے پاؤں سے چمٹا اسے ڈسنے کو تیار تھا۔ بارے خوف کے اس کی ایک دل خراش چیخ ویرانے میں گونجی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ صرف ایک خواب تھا آج ہی اسے اسپتال سے ڈسچارج ملا تھا اس کے آپریشن کی ڈیٹ تین دن بعد کی تھی سو اس نے اسپتال میں رہنا پسند نہیں کیا مگر جب سے وہ گھر آیا تھا اس کا دل گھبرا جا رہا تھا اور اب یہ خواب وہ سچ سچ اب تک سا گیا تھا خوف سے آنکھیں بند کر کے اس نے بمشکل سونے کی کوشش کی تھی۔



”جب قیامت واقع ہوگی جس کا واقع ہونا جھوٹ نہیں ہے (وہ بہت سے لوگوں کو پست کر دے گی) (اور بہتوں کو) اونچا کر دے گا جب زمین پر خوب زلزلے آئے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار کی طرح ہو جائیں گے۔“ (سورۃ الواقعة آیت نمبر 4-1)

”کیا تمہیں اپنے رب کے وعدے پر بھی یقین نہیں ہے میرا کیا تم اس قدر اپنے رب سے دور ہو گئے ہو کہ تمہیں اس کے عذاب سے بھی ڈر نہیں لگتا جو کچھ تم نے مجھے اپنے بارے میں بتایا ہے میں بہت پریشان اور غم زدہ ہو گیا ہوں کہ تم کس قدر گمراہ ہو گئے ہو۔“ ایک مہینے کے آرام کے بعد اس نے گھر سے باہر کی دنیا دیکھی تھی۔ ضروری برنس امور میں رائے لینے اور اپنی پریشانیوں کا ڈھنڈوا پیٹنے اور مشہور آسٹریلوجسٹ کی پیش گوئیوں کے غلط ثابت ہونے پر اس سے استفسار کرنے کی غرض سے

اٹھ کر چلی گئی تھیں انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ میر مریم سے شادی کے لیے مان گیا ہے۔ دوسری طرف یہ امید بھی کہ مریم جیسی نیک اور سلیجھی ہوئی لڑکی ہی اسے بدل سکتی ہے یوں ان دونوں کی شادی بھی ہوگئی تھی اور جیسے جیسے وقت نزر رہا تھا مریم بھی میر کی جڑتوں سے پریشان ہونے لگی تھی میر کا بزنس کافی ترقی کرنے لگا تھا اور وہ ان ترقیوں کا سہرا صرف اپنے اسٹار کو دینا تھا مریم نے بہت کوشش کی اسے بلاوے ماست پر لانے کی مگر وہ اس کی بات چٹکیوں میں اڑا دیتا تھا اب جیسے جیسے میر کے پاس پیسے رہا تھا اس کا تعلق بڑے بڑے سٹریٹو جسٹ و نجیوں سے بڑھتا جا رہا تھا راتہ رات اور مریم دونوں ہی اس کے جنون سے ڈرنے لگی تھیں۔ ڈرا اس بات کا تھا کہ وہ اللہ سے دور چلا گیا تھا۔ مریم امید سے تھی میر باپ بننے جا رہا تھا اس خبر نے راتہ کو خوشی سے سرشار کر ڈالا تھا مگر میر کی بات نے مریم کو گہرے غم و دکھ سے دوچار کیا تھا۔

”انہو، یہ بچہ ابھی اس دنیا میں آیا نہیں کہ مجھے برنس میں اتنا بڑا نقصان ہو گیا جب آجائے گا تو ہتا نہیں کتنا نقصان کرائے گا۔ ظالم سفاک لہجے نے اسے توڑ ڈالا تھا پھر اس نے میر سے کوئی بات نہیں کی تھی پھر کچھ دن بعد اب یہ میر کا ایکسیڈنٹد نما اور مریم کو بزدل کر گیا تھا۔“



حد نگاہ تک پھیلی ویرانی و سناٹے اور گہری تاریکی نے اس کے اعصاب میں بجلی سی دوزادی تھی۔ دور دور تک روشنی کا نام نشان تک نہ تھا۔

”اف یہ کہاں پھنس گیا میں گاڑی کو بھی ابھی خراب ہونا تھا۔“ میر نے دل ہی دل میں گاڑی کو کوسا تھا پھر گاڑی سے باہر نکل کر گاڑی کا جائزہ لیا تھا۔

”ڈیسٹ، یہاں تو دور دور تک کوئی مکینک بھی نہیں ملے گا۔“ ہاتھ کا مکا بنا کر اس نے گاڑی پر مارا تھا اس نے اب پیدل چلنا شروع کر دیا تھا کہ شاید کوئی مکینک مل جائے مات کافی گہری ہو چکی تھی دور دور تک کوئی روشنی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے اسے شروع سے ہی اندھیرے سے

نے اعتراف جرم کیا تھا۔

”تو پھر خود سوچو کیوں نہ نقصان ہوگا برنس میں ابھی بھی وقت ہے نمبر راضی کر لو رب کو نماز پڑھو اپنی ماں کی خدمت کرو یہی کو خوش رکھو وہ بھی پریشان ہوں گی تمہاری حرکتوں سے گمراہی کی وجہ سے ہی تم بے چین رہتے ہو اور ابھی ایک سیڈنٹ ہوا ہے موت کو تو قریب سے دیکھ بھی چکے ہو زندگی کا بھروسہ نہیں ہے۔“ اسے گلے لگا کر انہوں نے اسے سمجھایا تھا نجانے کیا تھا ان کی نصیحت میں کہ وہ اپنے آنسوؤں پر قابو ہی نہ رکھ سکا اور اپنی گمراہیوں پر رونا چلا گیا۔

”تم جانتے ہوکل بارہ ربیع الاول ہے ہر سو چراغاں ہو رہا ہے ہم لوگ کتنے بد نصیب ہیں کہ صرف چراغاں کر کے بیٹھ جاتے ہیں اپنے نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو ان کے پیغام کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اسی لیے تباہ و برباد ہو گئے ہیں، اسی لیے میں نے بیدر سار اور روحانی سینئر کھولا ہوا ہے تاکہ لوگوں کو صحیح راہ ہی دکھا سکوں۔“ اب وہ اسے اپنے کام سے آگاہ کر رہے تھے پینتالیس سال اس شخص کی آنکھوں میں جوش و جذبہ تھا محبت بھی اپنے رب سے اپنے رسول ﷺ سے۔

”کیا میں بھی یہاں روز آ سکتا ہوں سر مگر ابھی اجازت چاہوں گا۔“ گھڑی پر نظر دوڑا کر اس نے اجازت چاہی تھی۔

”بالکل ضرور مجھے خوشی ہوگی تمہیں یہاں دیکھ کر۔“ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اسے دعاؤں سے نوازا تھا۔

برسوں پہلے جوان سے غلطی ہوئی تھی آج اس کا ازالہ کر دیا تھا انہوں نے وہاں سے باہر نکلتے ہوئے نمبر نے پیچھے مڑ کر اس جگہ کو دیکھا تھا اسے اب جلد از جلد گھر جانا تھا تاکہ اپنے رب کے دروہ ہو کر معافی مانگ سکا بھی تو اسے ماں اور مریم سے بھی معافی مانگنا تھی ہاپ بننے کی نعمت کا شکر ادا کرنا تھا اس نے مسکراتے ہوئے آسمان کی جانب دیکھا تھا جہاں ڈوبتا سورج اپنے ساتھ ساتھ اس کی گمراہیاں بھی لے ڈوب رہا تھا اسے یقین تھا کہ کل کا سورج اس کے لیے نور رحمت اور توبہ لے کر نکلے گا اس کا دل اپنے رب کی رحمت پر مطمئن ہو چلا تھا۔

اس کی جانب آیا تھا کہ وہاں وہ ازلے پر اسے اس کے وہی فورٹ نیچر مل گئے تھے جنہوں نے اس کے اشار کی اس کی ذہانت کی تعریف کی تھی لمبی داڑھی اور عبادت شخصیت اب بھی وہی ہی تھی ہاں داڑھی کا اضافہ ہو گیا تھا اس نے فوراً انہیں پہچان کے دعا سلام کی تھی جو اب وہ قریبی واقع اپنے روحانی سینئر میں اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے انہیں از حد حیرت ہوئی تھی کہ ان کا بہت ہی ذہین و فطین اسٹوڈنٹ یوں نجومیوں و اسٹراٹوجسٹ کے پیچھے اپنا وقت اور پیسہ برباد کر رہا ہے ان کے بارہا پوچھنے پر نمبر نے اپنے تمام حالات ان کے سامنے رکھ دیے تھے۔

”مگر سر آپ ہی تو ہمیشہ کہتے تھے کہ تم اسکو رہین ہو تم بہت ذہین ہو بس جب سے ہی مجھے یہ لگنے لگا کہ میں اشار کی وجہ سے ہوں، جو ہوں۔“ سر جھکائے اس نے وضاحت کی تھی۔

”میری اس غلطی نے تمہیں گمراہ کر دیا خدا مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا بیٹا مگر میں نے تمہیں کبھی ایسا نہیں کہا کہ تم ان کو اپنے اوپر حاوی کر لو ایک وقت تھا جب مجھے ان اشارز پر یقین تھا۔ مگر میں نے کبھی غلط راستہ اختیار نہیں کیا کیا تمہیں نہیں پتا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ”تم غیب کی خبریں بتانے والوں کے پاس نہ چلنا کرو۔“ یہاں تک کہ اللہ خود اپنے قرآن کریم کی سورۃ الحج کی آیت نمبر ۲۵ تا ۲۷ میں ارشاد فرماتا ہے کہ۔

”وہی غیب جانتا ہے تو وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا مگر اپنے برگزیدہ پیغمبر کو غیب کی باتیں بتا دیتا ہے اور اس کے آگے پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔“ کیا تم قرآن کو بھی جھٹلاؤ گے بولو اللہ نے تمہیں ہر نعمت سے نوازا مگر تم نے اس کا شکر دانہ کیا فرض عبادات سے منہ موڑ لیا تو پھر وہ تمہیں کیوں عذاب سے دور رکھے گا اور یہ جو تم رزق کی تنگی کا رونا رو رہے ہو صحیح بتاؤ کبھی صدقہ دیا ہے زکوٰۃ دی ہے اپنے رزق سے۔“ سر آج اس کو راہ راست پر لانا ہی چاہتے تھے ان کی آنکھوں میں نم تھا۔

”نہیں کبھی نہیں۔“ تہایت دہمی آواز میں سر جھکا کر اس





نہ سہ عتوں میں تپش گھلے نہ نظر کو وقفِ عذاب کر
جو سنائی دے اسے چپ سکھا، جو دکھائی دے اسے خواب کر
میرے صبر پہ کوئی اجر کیوں، میری دوپہر پہ کوئی ابر کیا
مجھے اوڑھنے دے اذیتیں، میری عادتیں نہ خراب کر

سے اس کی شادی ہوگئی۔ جنید ان کی فیملی فرینڈز میں
سے تھا بمشکل انٹر پاس جنید کسی پرائمری اسکول میں
نائب قاصد تھا۔ میں نے انم کی شادی پر ہی اس فیملی
کو دیکھا تھا خاصے ڈینٹ لوگ تھے۔ انم یقیناً
خوش قسمت تھی آج کل کے دور میں جب ایم اے
پاس لڑکیاں گھر بیٹھی رشتوں کے انتظار میں بوڑھی
ہور ہی ہیں وہیں انم وقت پر اور نسبتاً اچھی فیملی میں
گھربار کی ہوگئی تھی۔

انم کی شادی کو دو سال ہو چلے تھے ہمارا اتنا آنا جانا
چونکہ نہیں تھا سوا دھرا دھر سے اس کے اپنے گھر خوش
ہونے کی خبریں ملتیں اور پھر جنید سے چھوٹے برہان
کا میرے لیے رشتہ آ گیا میں ایم کام کے پیرز سے
فراغت کے بعد کچھ اور کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ
نہ صرف برہان کا رشتہ آیا بلکہ ان لوگوں نے بہت
جلدی بھی چائی ہوئی تھی۔ انم نے تو خاص طور پر پاپا
کو کال کر کے آنکھیں بند کر کے اس رشتے کے لیے

خواہش تھی تو عجیب ہی لیکن تھی اتنی شدید کہ روز
بروز میرے اندر جڑ پکڑتی جا رہی تھی خاص طور پر
جب میں انم بھابی کی خواہش پوری ہوتے
دیکھتی میری اندر کی خواہش بھی حسرت کا روپ
دھارنے لگتی۔ ہاں تو خواہش یہ تھی کہ کاش میں جاہل
ہوتی، ان پڑھ ہوتی۔ لفظوں، حرفوں، حکمتوں سے
نا آشنا ہوتی بالکل انم بھابی کی طرح..... یہ خواہش
میرے اندر انم کی شادی..... نہیں بلکہ میری اپنی
شادی کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ انم میرے چاچو کی بیٹی
اور الفب سے نا آشنا تھی۔ ہمارا اپنے چاچو سے ملنا
ملانا کم تھا ویسے بھی پاپا اپنی جاب اور ہم سب بہن
بھائی اپنی اپنی پڑھائی میں اس قدر مگن ہوتے کہ
کہیں آنے جانے کا وقت بہت کم نکال پاتے یوں
رشتہ داروں سے ہماری ملاقاتیں کئی سالوں بعد چند
لحوں کے لیے ہوتیں۔ شادی سے پہلے انم سے
میری دو چار واجبی سی ملاقاتیں ہوئیں میں پھر جنید

سلسلہ نماز و اذکار سے فارغ ہو چکی ہوتی انہیں چائے پاپوں کے ساتھ دیتی۔ دیور جی کو ہر روز پراٹھا چاہیے ہوتا، سر جی کو پراٹھا رات کے بچے سالن کے ساتھ اور ساتھ میں کچھ بیٹھا بھی چاہیے ہوتا تھا اور پھر سے چائے ابھی یہ سب بننا ہی رہی ہوتی کہ برہان کی آوازیں آنا شروع ہو جاتی تھیں۔ کبھی میچنگ مائی نہیں تو کبھی جرابیں اور ناشتا بھی ہر روز مختلف کبھی پراٹھا اجازت ہی کبھی پھڑی شور بے کے ساتھ تو کبھی دلیہ یا بریڈ ہاف فرائی اوپر سے ان کے نخرے الگ پراٹھا موٹا ہے انڈے میں نمک زیادہ ہے۔ شرٹ ٹھیک پریس نہیں اگر کبھی یہ سب ٹھیک ہو بھی تو میرے حلیے میں کوئی نہ کوئی نقص نظر آ جاتا۔ ہاتھ ٹھیک سے نہیں دھوئے پیاز کی بد بو آ رہی ہے آنا لگا ہے بال الجھے ہیں غرض نوبتے جب وہ آفس کے لیے نکلتے تو میں تھک کے پور ہو چکی ہوتی اور انم خراماں خراماں کمرے سے نکلتی اپنے لیے اور جنید بھائی کا ناشتا بنانی، جنید بھائی حسب معمول روز لیٹ ہوتے اور ناشتا کرتے ہی انم غراب سے بستر میں اور میں ماسی کے سر پر..... سب کام اپنی نگرانی میں کرواتی اور لیج کا ٹائم ہو جاتا، سبزی، چکن، سالن، چاول، سلاڈ، کباب سب میری ذمہ داری ہوتے۔ انم عین ٹائم پر نکلتی آنا گوندھتی روٹیاں پکاتی، نہادھو کر فریش کھری سٹری ڈائننگ ٹیبل پر آتی جبکہ مجھے اکثر نہانے کا وقت نہ ملتا۔ کھانے میں کچھ نقص ہوتا تو بھی کلی الزام مجھ پر۔ انم ذمہ داریوں سمیت ہر چیز سے بری الذمہ تھی پڑھی لکھی جو نہ تھی۔ کبھی کسی بات پر میں نا بھی کا اظہار کرتی تو حیرت سے ٹوکا جاتا "ارے تم تو پڑھی لکھی ہو تب بھی نہیں پتا" اکلوتی تند کے نخرے اٹھانا بھی میری ذمہ داری تھی اور اکلوتی تند کی اکلوتی بیٹی کے نخرے تو الامان ایک بار مجھے مہندی

حالی بھرنے کا کہا۔ برہان نجی کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر تھے، تعلیم بھی اچھی خاصی تھی۔ پاپا نے رکی طور پر سوچنے کا کہا اور چاچو سے مشورہ کر کے رشتے کے لیے حان بھری۔ برہان کو اگرچہ انم کی شادی پر میں نے دیکھ رکھا تھا مگر مجھے خاص شکل یاد نہ تھی نہ ہی شکل پھر سے دیکھنے کی آرزو مجھے پاپا ماما پر مکمل بھروسہ تھا۔ محض تین ماہ کے لیلی عرصے میں میں بیاہ کر برہان کے سنگ چلی آئی۔ پہلے دو تین ماہ تو دعوتوں، ملاقاتوں اور ہنی مہین میں گزر گئے اور راوی گھر بیٹھے چین لکھتا رہا پھر سسرال اور خاص طور پر انم بھابی کی اصلیت سامنے آنے لگی۔ انم بھابی کو بات منوانا آتی تھی اور اپنی منوانا بھی..... وہ رو پیٹ کر شور ڈال کر بھڑاس نکال کر جو چاہے منوائتی اور میری دفعہ میں ایک ہی بات کہی جاتی تم تو پڑھی لکھی ہونا..... اور برہان نے تو پہلے دن ہی مجھے باور کروا دیا تھا کہ آنسو لاکھ عورت کا ہتھیار سہمی لیکن اسے سخت چڑھی سورونا دھونا ان سے ہلکل برداشت نہیں ہوتا تھا۔

انم بھابی کبھی اپنی کسی ضد کی خاطر رو رہی ہوتی تو برہان اندر مجھے سنا رہے ہوتے سو اپنا یہ ہتھیار میں نے اندر کہیں دفن کر دیا تھا ناقابل استعمال کا ٹیگ لگا کر گھر کی بیشتر ذمہ داریاں بھی مجھ ہی پر ڈال دی تھیں میں پڑھی لکھی جو تھی۔

صفائی ستھرائی کے لیے تو ملازمہ آ جاتی تھی مگر کھانے کی کلی ذمہ داری میری تھی کہنے کو تو یہ ایک ہی کام تھا مگر میں دن بھر بلکان ہوئی رہتی۔ صبح سب کو الگ الگ ان کی پسند کا ناشتا بنا کر دینا، حقیقتاً مجھے تھکا دیتا۔ بھاگ بھاگ کے بلکان ہو جاتی، صبح اٹھتے ہی سسر کو چائے دینا، ساس کو وضو کروا کے چائے نماز بچھا کر دینا پھر میں خود نماز پڑھتی، برہان کے کپڑے نکال کر دھتی۔ دیور کے کپڑے پریس کرتی تب تک

لگانے کا کہا۔
 ”بیٹا! مجھے تو مہندی لگانی نہیں آتی۔“ میں نے
 شائستگی سے اسے گود میں بھر کے کہا۔
 ”ہائیں..... تمہیں مہندی لگانی نہیں آتی، اتنی
 پڑھی لکھی ہو۔“ ساس نے ناک پر انگلی رکھ کر اس
 درجے تعجب سے کہا کہ میں ناک تک شرمندہ ہو گئی۔
 غلطی نہ ہونے کے باوجود بھی..... اب بندہ پوچھے
 اسکول کالجز میں مہندی لگانا کب سے سکھلانے لگے
 نہیں نے کوئی بیوشین کورس کر رکھا تھا۔
 انم بھابی ہر ویلک اینڈ پرچند بھائی کے ساتھ
 ہونٹ لگ کرنے جاتی یا کہیں گھومنے پھرنے میں باوجود
 خواہش کے ایسا نہ کر پاتی ایک تو برہان کو پسند نہ تھا اور
 ویسے بھی میں تو.....



انم کی شادی میری شادی سے دو سال پہلے ہوئی
 تھی مگر اللہ ہم پر بیک وقت مہربان ہوا تھا خوش خبری
 سن کر انم کے پاؤں تو زمین پر نہ نکلتے تھے گھر بھر میں
 وہ اڑتی پھرتی میں البتہ ایسی کسی بے پایاں خوشی کا
 اظہار بے ساختہ نہ کر سکتی تھی ظاہر ہے پڑھی لکھی جو
 تھی۔ انم ہر چند رات دن بعد چیک اپ کرواتی ڈرپس
 مقوی صحت ادویات پھل دودھ سب انم بھابی کے
 لیے وافر تھا جبکہ مجھے چیک اپ کروائے ڈیزہ ماہ ہو
 چلا تھا ساس بر ملا ہوتی تھیں۔

”بھئی تم تو پڑھی لکھی ہونا اپنا خیال خود رکھ سکتی
 ہو تمہیں ڈاکٹرز اور ادویات کی کیا ضرورت؟“ ایسے
 میں سوچتی پڑھا لکھا ہونا انسان کو انسانیت سے
 نکال دیتا ہے کیا؟ علم کے فائدے تو بہت سن رکھے
 تھے علم کا کوئی نقصان بھی ہوتا ہے مجھے اب کہیں جا کر
 اندازہ ہو رہا تھا۔

پاپا کہتے تھے علم پل ہوتا ہے جیسے ایک پل کے

نیچے چھلنی لگتی ہوتی ہے کہ صاف پانی گزر جائے گند
 وہیں رک جاتا ہے ایسے ہی علم انسان کے اندر پل کا
 کام کرتا ہے صاف ایک طرف گند ایک طرف.....
 لیکن مجھے لگ رہا تھا علم واقعی پل ہے رکاوٹ ہے جو
 کبھی پانی تک کو بھی گزرنے نہیں دیتا۔ میرا شدید
 جی چاہتا کسی بات پر ضد کرنے کو کسی خواہش کی
 تکمیل تک چھلنے رہنے کو روکے بھڑاس نکالنے کو اپنی
 من مانا کو لیکن میں یہ سب نہ کر سکتی تھی کیونکہ میں
 ”علم والی“ تھی نیاں ایسے میں ایک ہی حسرت
 میرے اندر سر اٹھاتی کاش میں بھی جاہل ہوتی.....
 پڑھی لکھی نہ ہوتی..... چلو ماں باپ نے اسکول ڈال
 ہی دیا تھا تو کند ذہن نکلتی پڑھ کے نہ دیتی لیکن میں تو
 ایسی ذہین تھی کہ ابتدائی جماعتیں سال میں دو پاس
 کر جاتی تھی۔ ذہانت ہر جگہ فائدہ دیتی ہے پر
 سسرال میں نہیں۔ سسرال میں بھلا ذہانت کا کیا
 کام؟ سسرال میں تو علم بھی بے فائدہ ہوتا ہے
 سسرال کے لیے تو ایک ہی چیز کافی ہوتی ہے
 سمجھوتہ..... بے زبان ہونا۔

مجھے لگتا اگر میں جاہل ہوتی تو اب سے کہیں خوش
 حال ہوتی وقت کی ایک ہی اچھی روش ہے جو ازل
 سے قائم ہے اور تا ابد رہے گی کہ ”گزر جاتا ہے“ اب
 بھی بڑا یا بھلا گزر گیا تھا خدا نے مجھے رحمت اور نعمت
 دونوں سے نوازا تھا۔ انم بھابی کے ہاں بیٹا ہوا تھا
 میری ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا پہلی ہی
 بار میں جڑواں بچوں کو سنبھالنا بے حد تنہا تھا اوپر
 سے میری اکلوتی نند بیوہ ہو کر رہیں آگئی تھی۔ میں
 نے اپنی زندگی تیاگ دی تھی اب فقط میری ایک ہی
 حسرت تھی کہ میرا علم کبھی تو مجھے فائدہ دے کبھی تو کسی
 بات کا ایڈوٹج ملے کہ ہاں یہ پڑھی لکھی تھی۔ انم مجھ
 سے کہیں بہتر زندگی گزار رہی تھی علم اگر اپنا خراج

کے شوقین بھی اب شرارتیں بھی کم ہو چلی تھیں۔ رات میں اکثر انعم بھابی چلی آتیں ان کی بے فکری دکھ کر مجھے رشک آتا۔ اکثر تو اکیلی چلی آتیں کہ دل گھبرا رہا تھا، چار سالہ جاٹم کی بابت استفسار پر بتاتی کہ کھیل رہا تھا۔

بھی فرحان کی شادی کا غلغلہ مچا، عظمیٰ دور پار کی رشتے دار بھی آخر چھوٹے بیٹے کی شادی بھی سو گھر میں خوب رونق لگی تھی، مہندی کی رات بھی میں الناسیدھا تیار ہوئی، مہمانوں کو بھگتا رہی تھی۔ عمیر سبز اور گلابی غرارہ پہنے دادی کے ساتھ بیٹھی تھی جبکہ احمد اپنے چاچو کے ساتھ ساتھ تھا۔ انعم حسب معمول خوب بھڑکیے لباس و میک اپ میں محفل کے درمیان بیٹھی تھیں، مہندی میں مصروف تھی۔ جاٹم خوب تنگ کرتا پھر رہا تھا، مہندی کی پلینوں سے بھر بھر مہندی لاتا اور خواتین پر اچھال دیتا۔ کنیر خالہ نے بغیر کسی کا لحاظ کیے انعم کو خوب سنائی مگر وہ ان سنی کرتی بیٹھی رہی۔ میں اپنی ساس اور کنیر خالہ کو چائے دینے آئی تو دونوں باتوں میں مصروف تھیں، کپ پکڑے مجھے بھی پاس بٹھالیا۔ بھی کنیر خالہ بولی۔

”کشور! تمہاری یہ بہو تو ہیرا ہے اتنی تیزروالی، ذمہ دار فرض شناس اور بچے ماشاء اللہ تربیت تو صاف نظر آ رہی ہے۔“

”خاہر ہے پڑھی لکھی جو ہے۔“ میری ساس میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکراتے کہہ رہی تھیں۔

وہ اور بھی تعریفیں کر رہی تھیں مگر مجھے تو صرف ایک لفظ کی تکرار سمجھ آ رہی تھی، پڑھی لکھی..... پڑھی لکھی..... اور مجھے لگ رہا تھا آج میں نے علم کا خراج مکمل چکا دیا تھا۔

❀

مانگتا ہے تو یقین ملے میں دے رہی تھی علم کا تاوان بھگت رہی تھی۔ سارا دن جڑواں بچوں کے پیچھے بھاگتا مجھے بے حال کر دیتا تھا بھی سیر نے جائیداد سب میں بانٹ دی، میری دلی خواہش تھی کہ شہر کے وسط والا پلاٹ ہمیں ملتا میں اپنی مرضی سے تعمیر کرواتی، اسے سجائی سنواری اپنے بچوں اور میاں کے ساتھ اکیلی رہتی اور سب سے بڑھ کر اپنے بچوں کی تربیت اپنی مرضی سے کر پاتی مگر انعم بھابی نے اپنی مشہور زمانہ رونے اور ضد والی عادت سے پلاٹ اپنے حصے میں کروالیا، ایک جو چھوٹی سی سسرال سے جان چھوٹنے کی امید بندھی تھی وہ بھی معدوم ہوئی۔ انعم نے پلاٹ تعمیر کروایا اور وہیں شفٹ ہو گئی، برہان نے اوپری پورشن تعمیر کروا دیا۔ ہم لوگ اوپر شفٹ ہو گئے مگر کاموں کے سلسلے میں بیشتر وقت میرا بیٹے گزرتا، عمیر اور احمد اپنی پھوپھی کی بیٹی سے دن بھر کھیلتے، وہ گاؤں کی پٹی بڑھی میرے سکھلائے سب میٹرز میرے بچوں سے چھین چھان مٹی میں دبا دیتی، دن بھر لان کی کھدائی میں بچوں کو ساتھ لگائے رہتی۔ عمیر اور احمد دن بھر مٹی میں لت پت نظر آتے اور آٹھ بچاتے باہر نکل جاتے اور گلی کے بد کنیز بچوں کے ساتھ کھیلتے، میں کچن سے جھٹ پٹ سب چھوڑ کے آتی ان کو نہلا کے کپڑے بدلوانی۔ دن میں کوئی چور بار میں ان کے کپڑے بدلوانی اور ایسے میں ساس کی باتیں کہ بھی چھوڑ دینے ہیں وہ واقعی بچے تھے مگر ان کی ماں تو پڑھی لکھی تان.....

❀.....❀.....❀

عمیر اور احمد اسکول جانا شروع ہو گئے تھے میری ذمہ داریاں جوں کی توں تھیں۔ دن بھر کام نپٹانی بچوں کی فرمائشیں پوری کرتی اور شام کو اپنی نگرانی میں ہوم ورک کروانی۔ دونوں ذہین تھے اور پڑھانی



عبدالواسع
عبدالواسع

خدا کرے میری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

مقصد حیات صرف شہادت تھا اور وہ جانتے تھے کہ شہید
کبھی مرتا نہیں اور ان کو یقین تھا کہ ان کا خون رائیگاں
نہیں جائے گا اور وہ دن ضرور آئے گا جب وہ آزاد
فضاؤں میں سانس لیں گے ان شاء اللہ۔
عبدالواسع دھیرے سے آنسہ کے پاس آ کے
بیٹھ گیا۔

”آنسہ..... یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا ہے کہ سمجھ میں
نہیں آ رہا کہ کیا کہوں لیکن میں آپ سے پوچھنا چاہتا
ہوں کہ کیا آپ اس رشتے سے خوش ہیں۔ آپ جانتی
ہیں کہ میں ایک مجاہد ہوں اور مجاہد کی زندگی کا مقصد صرف
اور صرف شہادت ہوتا ہے اور شاید میں آپ کو بھرپور وقت
بھی نہ دے پاؤں لیکن ہاں ایک بات کا یقین دلا سکتا
ہوں کہ میری زندگی دل و جان میں آپ کے علاوہ اور کسی
کا گزر نہیں اور نہ ہوگا لیکن میرا مقصد حیات ان سب
باتوں سے عظیم اور مجھے زیادہ عزیز ہے۔“

”عبدالواسع میں یہ سب جانتی ہوں اور آپ کو یقین
دلانا ہوں کہ آج کے بعد آپ اپنے مقصد میں اکیلے

”آنسہ محمود ولد محمود احمد کیا آپ کو اپنا نکاح عبدالواسع
ولد عبداللہ سے..... سہ ماہی کا وقت قبول ہے۔“

”قبول ہے..... قبول ہے.....“ کچھ ہی دیر میں مختصر
سامعین مبارک سلامت کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ جلد
ہی آنسہ اپنے جلد عروسی میں بیٹھی آنے والے کا انتظار
کر رہی تھی ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور سب اس سے واقف
تھے کب کیا ہو جائے کچھ خبر نہیں تھی اور اسی لیے
عبدالواسع کو بغیر کسی رکاوٹ کے اندر جانے کی اجازت
مل گئی۔ کمرے کے وسط میں بیٹھے پنگ پر اس کی نئی نویلی
دلہن اس کے انتظار میں بیٹھی تھی اس کے لیوں پر ایک
دلغریب سی مسکراہٹ آ کے ٹھہر گئی تھی۔ بھلا وہ کب جانتی
تھی کہ بھارتی فوجیوں پر قہر بن کر ٹوٹنے والا اس کا مجاہد
یوں زندگی سے بھرپور بھی ہو سکتا ہے۔ عبدالواسع آنسہ کا
چچا زاد تھا لیکن جیسے ہی اس نے ہوش سنبھالا عبدالواسع کو
ایک مجاہد کے روپ میں دیکھا تھا۔ وہ نادان یہ نہیں جانتی
تھی کہ بھارتی فوجیوں پر قہر بن کر ٹوٹنے والے یہ نولاوی
مجاہد مشن کی تکمیل کے بعد شہنشاہ بن جاتے تھے۔ ان کا

دیکھو ایسے مت رو میں اللہ کی راہ میں مجاہد ہوں تمہیں تو آگے بڑھ کر میرا حوصلہ بڑھانا چاہیے۔
 ”جائے اللہ کی حفاظت میں دیا۔“ وہ بدقت بولی اور عبدالواسع تیزی سے باہر نکل گیا مبادا وہ اس کی آنکھوں میں نمکین پانی نہ دیکھ لے۔



ہیڈ کوارٹر میں آئے اسے پانچواں روز تھا اور اس وقت وہ اپنے پلان پر غور کر رہے تھے۔ نیل شا کر اور اس کے علاوہ دس مجاہد تھے اور سبھی اپنے کام میں ماہر اور شہید ہونے کے لیے بے چین بلا خر عبدالواسع نقشہ پھیلاتے ہوئے بولا۔

”دوستو یہ اس عمارت کا نقشہ ہے جہاں ہمیں کارروائی کرنی ہے ہماری مطلوبہ چیزیں ہمیں چند روز تک مل جائیں گی لیکن یاد رکھیں کہ ہمارے پاس اسلحہ کم ہے اس کو جتنا ہو سکے بچت کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ایسا ممکن نہیں ہے پھر بھی چاہتا ہوں کہ ہماری بندوقوں سے نکلنے والی ہر گولی بھارتی فوجی کو جہنم واصل کرے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہوگا اس لیے ہمیں جلد از جلد عمارت میں پہنچ کر زیادہ سے زیادہ نقصان کرنا ہوگا۔“

”لیکن عبدالواسع! یہ ان کا مرکزی اسلحہ ڈپو ہے اور یقیناً اس کی بے حد کڑی نگرانی کی جاتی ہوگی۔“ نیل پر سوچ انداز میں بولا۔

”بے شک ایسا ہی ہے میں پچھلے چھ ماہ سے اس پراجیکٹ پر کام کر رہا ہوں اور میں نے اس جگہ اور بھارتی فوجیوں کا اچھی طرح مشاہدہ کیا ہے اور یہ جو جگہ ہے۔“ اس نے نقشہ پر ایک جگہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہاں پہرہ سبتا کم ہے اور چونکہ دیوار کافی اونچی ہے اس لیے ان کا خیال ہے کہ یہاں اوپر چڑھنے کی حماقت کوئی نہیں کرے گا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم یہ حماقت کیوں کریں گے؟ اس دیوار پر چڑھنے کے لیے ہمیں رسی کی ضرورت

نہیں ہوں گے بلکہ ہر لمحہ مجھے اپنے پاس پائیں گے۔“
 ”شکریہ میری جان!“ عبدالواسع نے دھیرے سے آنسو کا صندوق لیا اس کے ان الفاظ نے وہ اس میں ایک نئی روح پھونک دی تھی اور وہ بالکل ہلکا پھلکا ہو گیا۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ جب دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا گیا۔ بے خبر سوئی آنسو یک دم لرز کر اٹھ گئی۔ عبدالواسع کی آنکھ بھی کھل چکی تھی اس نے فوراً نیچے کے پینچے رکھار پوالور لوڈ کیا اور بیڈ سے اٹھنے لگا لیکن آنسو نے ہاتھ کے دباؤ سے اسے روک دیا۔

”آنسو باہر کوئی گزیر بھی ہو سکتی ہے مجھے دیکھنے دو۔“ تبھی ان کا دروازہ آہستہ سے بجای دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ عبدالواسع آہستہ سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھا۔

”بھاپ..... خیر تو ہے کون ہے باہر؟“
 ”نیل! نیل اور شا کر آئے ہیں ساتھ والے کمرے میں ہیں کہہ دے ہیں کہ تم کو کمانڈر یاد کر رہے ہیں۔“
 ”اچھا.....“ وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ آنسو جانتی تھی عبدالواسع کو جانا ہوگا لیکن یوں اتنی جلدی وہ بے حد مضطرب ہو گئی ابھی تو ان کو محرم ہوئے چوبیس گھنٹے بھی نہ ہوئے تھے۔ کتنی آرزوئیں نقشہ گام نہیں لیتا کچھ کہنا سنتا تھا۔

”ابھی سے.....“ بے اختیار اس کے آنسو پھلکنے لگے تبھی عبدالواسع نے اسے آواز دی وہ جانے کے لیے مکمل طور پر تیار تھا۔

”آنسو میری جان! اپنا خیال رکھنا اور دعا کرتا اس مشن کے لیے ہم نے بہت انتظار کیا ہے اللہ کرے کہ ہم اس میں کامیاب رہیں یوں سمجھو کہ ہم ان کی ریزہ کی ہڈی توڑنے جا رہے ہیں اللہ کے حضور ہماری کامیابی کے لیے سجدہ ریز رہنا۔“

”آپ کب تک واپس آئیں گے؟“ وہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔

”کچھ اندازہ نہیں اگر زندہ رہا تو کم از کم ایک ماہ آنسو

نہیں پارہا تھا۔ ہر لمحہ وہ اس کی خوشبو کے حصار میں رہتا۔
”میں جلد آؤں گا میری جان! اپنے مجاہد کے لیے
دعا کرنا۔“ وہ زیر لب بڑبڑاتا ہوا باقی مجاہدین کے
ساتھ جا بیٹھا۔

”ہاں تو دوستو آپ سب تیار ہو۔“

”لیک.....“ سب نے ٹل کر جواب دیا۔

”دیکھو آج ہماری زندگی کا اہم دن ہے ہمیں ساری
کارروائی احتیاط سے کرنی ہوگی۔ کوئی بھی ساھی اشد
مجبوری کے علاوہ گولی نہیں چلائے گا۔ آپ سب چلنے
کے لیے تیار ہیں۔“ سب کے چہرے ان کے اندرونی
عزم کی وجہ سے جھکنا رہے تھے عبد الواسع کی باتوں نے
ان کے جوان خون کو اور بھی گرمادیا تھا۔ ان کی استقامت
دیکھ کر عبد الواسع نے دل ہی دل میں الحمد للہ کہا اور پھر بے
تاب ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا جس میں ان سب کی آواز بھی
شامل ہو گئی۔

راستہ بے حد دشوار گزرا تھا اور ان کو رات تک ہر
صورت اپنے مقام تک پہنچانا تھا انہوں نے جس راستے کا
انتخاب کیا وہ ویران تھا اور عام حالات میں کوئی اسے
استعمال کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ شام ڈھلنے لگی تھی
اور دور سے عمارت کا نقشہ واضح ہو رہا تھا۔ عبد الواسع نے
ہاتھ کے اشارے سے سب کو رکنے کو کہا اور سب کو ان کی
مقررہ پوزیشن لینے کو کہا۔ دس منٹ میں وہ ہر طرح سے
تیار ہو کر عمارت کی عقبی جانب بڑھ رہے تھے ایک جگہ
رک کر انہوں نے مغرب کی نماز ادا کی اور اندھیرا پھیلنے کا
انتظار کرنے لگے۔ اندھیرا اچھی طرح پھیل چکا تھا کہ
یکا یک نضا قارئین سے گونج اٹھی سب نے گھبرا کر
عبد الواسع کی طرف دیکھا جو بے حد خوش نظر آ رہا تھا گویا
اس کا پلان کامیاب ہو رہا ہے اس نے اپنے ساتھیوں کو
تسلی دی اور بتایا کہ بھارتی فوجی جشن منانے میں یقیناً
اتنے من ہوں گے کہ پہرہ میں بے پروائی ہوگی اور اس کا
اندازہ کافی حد تک صحیح ثابت ہوا تھا۔ سب آہستہ آہستہ
آگے بڑھنے لگے۔

ہوگی اور اس طرح پکڑے جانے کا خطرہ بھی زیادہ ہوگا
اور دوسرا اس طرح ہم زیادہ اسلحہ ساتھ نہیں لے جا
پائیں گے اور ایسے میں ہم میں سے زندہ بچ جانے
والوں کی تعداد.....“ شاکر نے اپنی بات ختم کرتے
ہوئے کندھے اچکائے۔

”یہی تو ہماری زندگی کا مقصد ہے اللہ کی راہ میں
شہید ہونے سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے۔“



اس نے نماز کے بعد جیسے ہی دعا کے لیے ہاتھ
اٹھائے آنکھوں سے اشک موتیوں کی صورت بننے
لگے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا مانگ رہی ہے بس دل
سے میرے اللہ کی ہی صدا اٹھ رہی تھی۔ وہ ایک شہید کی
بٹی تھی ایک شہید کی بہن تھی لیکن جانے کیوں ایک مجاہد کی
منکوحہ بن کر اس کا ظرف کم کیوں بڑھنے لگا تھا۔ وہ
عبد الواسع کی کامیابیوں کے لیے دعا کرتی تھی اس کی
زندگی اور جلد واپسی کے لیے دعا کرتی تھی اور نجانے
کیوں اشکوں کی برسات لگ جاتی تھی۔

صبح کا اجالا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا عبد الواسع کو گئے
دو ہفتے بیت گئے تھے اور ابھی تک اس کی کوئی خبر نہیں
تھی۔ آنسو کی نظریں دور افق پر نمودار ہوتے سورج پر ٹھس
جھا ہستہ آہستہ اس کی خوابیدہ جنت کو اپنے حصار میں لے
رہا تھا۔ جانے کتنے پل بیت گئے تھے کہ اچانک اس کو
اپنے اندر ایک عجیب سا احساس جنم لیتے محسوس ہوا۔
طبیعت تو کئی دنوں سے متعطل سی تھی اور بے جی تو اس کی
شکل دیکھ کر اسے مبارک باد دے چکی تھیں عبد الواسع یہ
خبر سن کر کتنے خوش ہوں گے اس کے لبوں پر اپنے آپ
ہی شرمیلیں مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔



عبد الواسع پہاڑ کی چٹان پر بیٹھا مشرق سے نکلنے
سورج کو دیکھ رہا تھا آج ان کو اپنے مشن پر جانا تھا اور اس
کو آنسو کی طرح یاد آ رہی تھی جانے اس چوہیں گھنٹے کی
رفاقت نے کیا جادو کیا تھا کہ وہ اس کے عمر سے نکل ہی

کچھ معلوم بھی ہے آپ کو روزانہ انتظار کرتی تھی کہ اب آئیں گے اب آئیں گے کم از کم اپنی خیریت کی ہی خبر دے دینی تھی۔ اتنے دن ہو گئے ہیں نہ دن کو چین نہ رات کو سکون بھوک بھی نہیں لگتی تھی نہ ہی کچھ کھانے کو دل کرتا تھا کہ جانے آپ نے کھانا کھایا بھی ہوگا یا نہیں۔“ آنسہ کے اس بے اختیار اظہار محبت سے عبدالواسع کے اندر جیسے زندگی جگمگانے لگی وہ بے خودی میں اس کو تکتے لگا۔

”وہیسا پس کی بات ہے لگتا تو نہیں کہ تمہیں بھوک نہیں لگتی تھی تمہاری صحت تو پہلی کی نسبت بہت اچھی لگ رہی ہے۔“ وہ اس کے دلکش سراپے کو اپنی نظروں میں قید کرتے ہوئے بولا۔

”ہاں وہ تو بے جی ہی زبردستی کچھ نہ کچھ کھلاتی رہتی ہیں سارا دن کہتی ہیں کہ ایسی حالت میں اچھی خوراک لینی چاہیے ورنہ دونوں کمزور ہو جائیں گے۔“

”کیا مطلب ایسی حالت میں..... کون ہم دونوں کمزور ہو جائیں گے کمال ہے۔“

”وہ اصل میں.....“ اس نے بے جی کو آتے دیکھا تو بولی۔ ”آپ بے جی سے ہی پوچھ لینا۔“ اور فوراً بھاگ گئی۔

”ہیں یہ اس کو کیا ہو گیا۔“

”وہ بے جی کیا بات ہے آنسہ ٹھیک تو ہے پھر کہنے لگی کہ آپ سے پوچھ لوں۔ آخر اس کو ہوا کیا ہے؟“

عبدالواسع سخت بوکھلایا ہوا تھا۔

”کمال ہو گیا میاں اتنی عمر ہو گئی ہے لیکن اب تک ایسی حالت کا مطلب سمجھ میں نہ آیا۔ مبارک ہو تم باپ بننے والے ہو اور میں دادی۔“ بے جی نے شفقت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

”بے جی آپ سچ کہہ رہی ہیں کیا واقعی میں..... میں باپ بننے والا ہوں۔ بے جی شکر یہ..... بے جی میں ذرا آنسہ کو دیکھوں کہاں ہے؟“ عبدالواسع کا چہرہ اندرونی خوشی کا غماز تھا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اللہ کتنا مہربان ہے کہ اس کو بن مانگے ہی اپنی

رفتہ رفتہ ذمہ اور فائرنگ کی آواز میں اضافہ ہی ہو رہا تھا جس نے ان کے مشن کو مزید آسان بنا دیا تھا ان کے راستے میں آنے والا ہر فوجی ان کی گولی کا نشانہ بن رہا تھا۔ عبدالواسع اور نیل گمرانی کر رہے تھے جبکہ باقی جگہ جگہ ٹائم بم نصب کر رہے تھے مختصر سے وقت میں ان کا کام ہو چکا تھا اور اب صرف باہر نکلنے کا مرحلہ تھا اور شاید آج ان کی خیر نصیبی تھی کہ تمام کام نہایت مہارت سے مکمل ہو گیا۔ عبدالواسع دس بھارتی فوجیوں کو جہنم واصل کر کے اپنے تمام ساتھیوں کو زندہ واپس لانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ ابھی اپنی پہلی دفعتی پوزیشن پر ہی پہنچے تھے کہ اسلحہ کا ڈپو خوفناک دھماکوں سے لرز اٹھا اور اب واپسی کا راستہ بے صدا ساں تھا۔



عبدالواسع کو گئے پورے پینتالیس دن ہو چکے تھے اور بے جی کے اندیشے کی تصدیق ہو چکی تھی آنسہ یہ خبر عبدالواسع کو سنانے کے لیے بے چین تھی ہرگز رتا دن پہلے سے بڑھ کر اس کی وحشت میں اضافہ کرتا اس کے سجدے بے حد طویل ہو چکے تھے ابھی بھی مغرب کی نماز ادا کر کے بے جی کے پاس پکن میں آئی تھی کہ دروازے پر ٹھک کر رک گئی گویا ہر چیز ساکت ہو گئی ہو۔ بے جی نے نظر اس کے حیران چہرے پر پڑی تو بے ساختہ ہنس پڑیں۔

”لو دیکھو اتنے دنوں سے انتظار کر کر کے باؤلی ہوئی پڑی تھی اور اب کیسے ہونق بن کے کھڑی ہے۔ آ جاؤ آ جاؤ عبدالواسع ہی ہے میں ذرا تمہارے چچا کو دیکھ لوں کہیں کچھ چاہیے نہ ہواں کو۔“ بے جی کے جاتے ہی عبدالواسع بے تابی سے آنسہ کے پاس آیا۔

”دیکھو میری جان! میں آ گیا ہوں۔“ اس نے آنسہ کو اپنی بانہوں میں بھر لیا آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر آنسہ کا چہرہ بھگونے لگے روتے روتے اس کی ہنسی بند گئی۔

”میں آپ سے نہیں بولتی کتنا انتظار کروایا ہے مجھے“

اس بہتے جھرنے کو دیکھو کیا یہ جنت نہیں ہے۔ یہ ہمارا گھر ہے میری جان! اور اپنے گھر کو لٹنے کے لیے کبھی خان نہیں چھوڑا جاتا۔“

”لیکن عبدالواسع اگر صرف آپ پیچھے ہٹ جائیں تو کیا ہوا اور مجاہدین بھی تو ہیں۔“

”آنسہ.....“ عبدالواسع کے لہجے میں دکھ و تاسف تھا۔

”میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا، کیا ہم کہیں اور چلیں جائیں گے تو موت نہیں آئے گی۔ کتنا ساتھ رہیں گے دس سال، پندرہ سال تم اس زندگی اس ساتھ کو کیوں نہیں سوچتی جو ہمیشہ رہنے والا ہے جہاں نہ غم ہوگا نہ تکلیف، جہاں ہم اللہ کی رضا سے ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔“

”مجھے معاف کرنا عبدالواسع لیکن آپ جب بھی جانے کی بات کرتے ہیں میرا دم گھٹنے لگتا ہے اور میرے اندر کی کمزور عورت بے بس ہو جاتی ہے۔“ وہ شرمندگی سے بولی۔

”مضبوط بنو بے وقوف عورت! ایسے تو تم میرے شیر جوان بننے کو بھی کمزور بنا دو گی۔“

”اور اگر بیٹی ہوئی تو.....“ وہ شرارت سے بولی۔

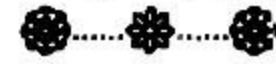
”اللہ کی رحمت سے کون انکار کرتا ہے پگلی..... لیکن اگلے سال دو بیٹے ہوں گے۔“ وہ لمبی مست لہجے میں بولا۔

”اچھا جی! ابھی چل کے بے جی کو شکایت لگاتی ہوں کسا آپ بیسی باتیں کرتے ہیں۔“ وہ کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی تو عبدالواسع کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔

”عبدالواسع کی ماں کیا بات ہے گم سم سی بیٹھی ہو۔“ چچانے بے جی کو پریشان سا پایا تو پاس بیٹھ کر پوچھنے لگے۔

”ہاں نہیں دل بہت ہولتا ہے عجیب عجیب سے وہم دل میں آتے ہیں۔ آنسہ کے دن بھی قریب آ رہے ہیں

نعت سے نوازنے جا رہا تھا۔ وہ فوراً ہی آنسہ سے تصدیق کرنے کمرے کی طرف بھاگا آیا۔



سردی کا موسم چھٹ رہا تھا اور آہستہ آہستہ بہار وادی کو اپنے دامن میں سمیٹ رہی تھی اور ایسے ہی آنسہ کی زندگی میں بھی بہار چھائی ہوئی تھی کیونکہ اس کا عبدالواسع اس کے قریب تھا اتنا کہ وہ اسے چھو کے دیکھ سکتی تھی اس کی مہک کو اپنی سانسوں میں اتار سکتی تھی اور.....

”آنسہ.....“

”جی.....“ وہ ایک دم چونکی۔ ”کہیں کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں.....“

”ایسے کیہ دیکھ رہی ہو؟“ وہ دونوں اس وقت پہاڑ کے دامن میں بنے والے چشمے میں ٹائلیں لٹکائے بیٹھے تھے۔

”میں نہیں تو.....“ وہ گڑبڑائی۔

”اچھا جی۔ نظرس تو کافی دیر سے ادھر ہی طواف کر رہی ہیں۔“ وہ شہر ہوا۔

”ارے نہیں میں تو آپ کو اپنے پاس دیکھ کر خوش ہو رہی تھی کسا آپ میرا کتنا خیال رکھتے ہیں اور ان چند لمحوں میں آپ نے مجھے اتنا پیار دیا ہے کہ آپ ذرا نظروں سے اوجھل ہوں تو دم رکھنے لگتا ہے۔ دل کرتا ہے کسا آپ ہمیشہ ایسے ہی میرے پاس رہیں۔“ آنسہ نے اس کے کندھے سے سر نکال دیا۔

”آنسہ! مجھے یوں نہ چاہو کہ میرا مقصد حیات مجھ سے اوجھل ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سے دور جانا ممکن نہ ہے۔“ وہ بوجھل آواز میں بولا۔

”تو نہ ہائیے نہ بلکہ ہم کہیں اور چلتے ہیں جہاں یہ درد نہ ہو، جہاں موت کا خوف نہ ہو۔ میں آپ اور ہمارا بچہ بس خوشیاں ہی خوشیاں ہوں اسی زمین پر جنت مل جائے۔“ وہ خوابیدہ لہجے میں بولی تو عبدالواسع چونک گیا پھر آنسہ کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے بولا۔

”آنسہ میری جان! ذرا نظر اٹھا کر اس وادی کو دیکھو

اس کو لیے باورچی خانے میں آگے اور آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔

”بیٹھو بیٹا! مجھے کچھ ضروری بات کرنی تھی اور ایک پیغام بھی دینا تھا سوچا یہ وقت مناسب ہوگا جب وہ دونوں سو رہی ہوں۔“ ان کا اشارہ بے جی اور آنسو کی طرف تھا، عبدالواسع ایک دم ہی الرٹ ہو گیا۔

”جی ابو حکم کریں۔“

”بیٹا! دراصل بات یہ ہے کہ.....“ وہ ذرا جھجکے۔

”آپ کہیں ابو کیا بات ہے؟“

”بیٹا پرسوں یہاں پولیس نے ریڈ کی تھی ہمارے علاقے میں اور وہ یقیناً تمہاری تلاش میں تھے جب سے وہ ڈپو کا حادثہ ہوا ہے وہ اس کے ماسٹر مائنڈ کو کتے کی طرح ڈھونڈتے پھر رہے ہیں وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ تم دونوں یہاں نہیں تھے ورنہ ان درندوں سے کیا بعید اور دوسری اہم بات کے کل شا کرا آیا تھا۔“ ان کی آواز پھر سے بھینکنے لگی تو عبدالواسع بے اختیار ان کے سینے سے آن لگا۔ وہ ان کی آواز میں اس ان گہی کو سمجھ چکا تھا، کچھ سنسجیل کے بولا۔

”کیسے ابو! میں ہر طرح سے تیار ہوں۔“ لیکن اب اس کی آواز بھاری تھی۔

”وہ کچھ کاغذات دے کر گیا ہے کہہ رہا تھا کہ ان کو دھیان سے دیکھ لو اور کہہ رہا تھا کہ جمعہ کی رات طے شدہ مقام پر پہنچ جانا۔“ انہوں نے باورچی خانے میں پڑی لکڑیوں کے نیچے سے ایک فائل اسے تھماتے ہوئے بات مکمل کی۔

عبدالواسع فائل میں موجود نقشے کو غور سے دیکھنے لگا نیچے مخصوص کورڈورڈ میں ہدایات درج تھیں۔

”اور کچھ نہیں کہا اس نے۔“

”نہیں بس محتاط رہنے کا کہہ رہا تھا کہ سڑی مگرانی ہو رہی ہے اس لیے خیال کرے اور مطالعے کے بعد فائل جلا دے اور یہ بھی کہ بے شک اللہ کے پاس شہید ہونے والوں کے لیے بے شمار انعامات ہیں۔“

اور شہر کے حالات کتنے خراب ہو رہے ہیں۔“

”اللہ مالک ہے یہ سب تو برسوں سے ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔“ انہوں نے جیسے سلی دی۔

”وہ تو ہے لیکن پہلے تو یہاں وادی کے حالات اتنے خراب نہیں تھے نسبتاً سکون ہی تھا۔ ابھی برسوں جب ان درندوں نے چھاپا مارا تھا تو میں تو شکر کر رہی تھی کہ آنسو اور عبدالواسع دوسرے شہر گئے ہوئے تھے ورنہ جانے وہ کیسا سلوک کرتے بلکہ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ عبدالواسع کی ہی تلاش میں آئے تھے۔“ بے جی دلگرفتہ آواز میں بولی۔

”اللہ پر بھروسہ رکھو اللہ کی بندی عبدالواسع اللہ کی امانت ہی تو ہے ہمارے پاس اور ویسے بھی یہاں وادی کے لوگ اس کے بارے میں کبھی کبھی کچھ نہیں بتائیں گے۔“

”ہوں..... سچ کہتے ہیں آپ یہ دونوں نجانے کدھر رہ گئے کہاں بھی تھا کہ جلدی آ جانا۔“ بے جی پھر بے چین ہوئیں، دروازے کا کھٹکا سن کر چچا بولے۔

”دیکھو ملتا ہے آگے ہیں اب تم انہیں کچھ مت کہنا۔ اللہ ج نے عبدالواسع کتنے دن ہے یہاں اچھا ہے جتنا وقت دونوں ایک ساتھ گزر لیں۔ اپنا وقت بھول گئیں کیا؟“

”چلے چھوڑیئے آپ بھی کیا بات لے بیٹھے۔“ بے جی شرمیں مسکراہٹ کے ساتھ بولیں تو چچا جان ہنستے ہوئے اپنے بہنوں کے استقبال کے لیے اٹھ گئے۔

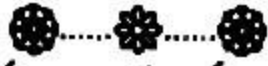
رات کے بارہ بجے ہوں گے جب چچا جان نے سوئی ہوئی بے جی کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے عبدالواسع کے کمرے کا دروازہ بجایا۔

”عبدالواسع بیٹا! دروازہ کھولو۔“

”جی ابو..... خیریت؟“ عبدالواسع تیسری دستک پر اٹھ گیا تھا اس نے بے خبر سوئی ہوئی آنسو کو دیکھ کے کتا بستگی سے کہا۔

”ہاں بیٹا! خیر ہی ہے ذرا میرے ساتھ آؤ۔“ وہ

نے انتہائی جذب سے آمین کہہ کر بات کی تصدیق کی۔
 فجر کی اذان سن کر دونوں یک دم چوٹے۔
 ”چلو بیٹا چل کے لیٹو اس سے پہلے کہ تمہاری بے جی
 اوما نساٹھ جائیں۔“
 ”جی بہتر ابو.....“ وہ جلدی سے قائل اٹھا کر اپنے
 کمرے کی جانب بڑ گیا۔



عبدالواسع انتہائی انہماک سے قائل دیکھنے میں
 مصروف تھا جب آنسہ نے چپکے سے آ کے اس کی
 آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔
 ”آنسہ میں مصروف ہوں۔“ عبدالواسع جی جان
 سے بد مزہ ہوا۔

”اچھا نا..... عبدالواسع یہ دیکھئے۔“ آنسہ اس
 کے سامنے بیٹھ کر اسے چھوٹے چھوٹے کپڑے
 دکھانے لگی جو اس نے اور بے جی نے دن رات محنت
 کر کے تیار کیے تھے۔

”ہوں بہت پیارے ہیں۔“
 ”دھیان سے دیکھئے نا۔“ آنسہ نے اس کی بے
 دھیانی محسوس کرتے ہوئے اصرار کیا۔

”آنسہ اس وقت میں بے حد اہم کام میں
 مصروف ہوں۔“

”ایسا بھی کیا کام۔“ عبدالواسع نے محتاط
 نظروں سے آنسہ کا جائزہ لیا شاید اس کو اعتماد میں
 لینے کا یہی مناسب وقت تھا۔ اس نے دھیرے سے
 آنسہ کا ہاتھ تھام لیا۔

”میری جان! آج کل کے حالات کی سبب تمہارے
 سامنے ہے سارے کشمیر میں عملاً کرفیو لگا ہوا ہے ہر روز
 بے بس عوام مارے جا رہے ہیں اور اب حالات اس گج
 پر پہنچ چکے ہیں کہ لوگ گولی کا جواب پتھر سے دینے پر مجبور
 ہیں۔ اسلحہ نہ ہونے کے برابر ہے جس طرح کشمیر کے
 عوام اپنے حق خود داریت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے
 ہیں میرا دل کہتا ہے کہ اب منزل دور نہیں۔ وہ دن جب

”بے شک ابو اللہ کا وعدہ سچا وعدہ ہے۔“
 ”لیکن بیٹا! اپنے ہی مسلم ممالک کی بے حسی دیکھ کر
 دل بے حد جلتا ہے بوسنیا، چیچنیا، کشمیر، فلسطین اور اب
 عراق و افغانستان لیکن آدھی دنیا پر حکمرانی کرنے والے
 مسلم حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رہتی۔
 قیامت کے دن اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔“

”چھوڑیں اب ہمارے یہ حکمران تو بس امریکہ اور
 اسرائیل کے ہاتھ ہیں۔ کیا فائدہ آئی سی کا کہ جب غزہ
 میں لاکھوں فلسطینی مارے جا رہے ہیں ہم کشمیری تو ان
 سے بہتر ہیں کہ ہمارے پاس تھوڑا سی اسلحہ تو ہے لیکن وہ
 تو اسرائیلی ٹینکوں کا مقابلہ پتھروں سے کر رہے ہیں بس
 ان کا کردار محض کھڑے ہو کر مذمت کی قرار داد پڑھنے
 تک ہے۔ اب ڈنمارک اور جرمنی کی جسارت ہی دیکھ
 لیں وہ دوبار تو ہیں آمیز خاکے شائع کر چکے ہیں مجال ہے
 کہ کوئی مربوط احتجاج سامنے آیا ہو۔ یہ سب بے حس
 ہیں جانے کس منہ سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں
 کہ جب ان کے نزدیک حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
 کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اور ایک ہم ہیں کہ الحاق
 پاکستان کو مرے جا رہے ہیں۔ وہی پاکستان کہ جس کے
 حکمران آئے روز کشمیر پر اپنی پالیسی بدل دیتے ہیں یہ
 جانے بغیر کہ اس طرح وہ ہماری جدوجہد کو کس قدر
 نقصان پہنچاتے ہیں۔“ عبدالواسع کی آواز غم و غصہ سے
 لرز رہی تھی۔

”بیٹا! یہ بھی ہماری آزمائش ہی سمجھ لو ورنہ پاکستان کی
 غیور عوام تو ہمارے ساتھ ہے ان کے دل تو ہمارے لیے
 دھڑکتے ہیں اس ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔“ وہ اس
 کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے بولے۔

”جی ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ یہی تو ہماری طاقت کا
 ذریعہ ہے جو ہماری ہمت ٹوٹنے نہیں دیتی۔“

”بس بیٹا اللہ ہمیں اور ہمارے ایمان کو مزید جلا بخشنے
 کہ کم از کم ہم دنیا میں سر اٹھا کر کہہ سکیں کہ ہاں ہم مسلمان
 ہیں اور ہمارا مستقبل الحاق پاکستان ہے۔“ عبدالواسع

ہماری عفت مآب بہنیں اور بیٹیاں محفوظ ہوں گی جب بوڑھے والدین کو اپنی جوان اولاد کے جنازے نہیں اٹھانے پڑیں گے۔

”عبدالواسع آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ آنسہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

عبدالواسع کو تہجد سے سے کچھ پہلے روانہ ہونا تھا وہ رات ان چاروں نے آنکھوں میں کافی تھی تین بجے کے بعد کا کچھ وقت تھا جب دروازے پر مخصوص دستک ہوئی آنسہ جانتی تھی کہ آنے والا یقیناً شاہراہ ہے لیکن اس کے اندر کی عورت چلائی تھی۔

”بس میری جان! یہاں خری مشن ہے اگر ہم کامیاب ہو گئے تو کبھی لو کہ بھارتی فوج کی کمر توڑ دیں گے۔ حالات بہت تیزی سے فوج کے قابو سے باہر ہو رہے ہیں اسے یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر لٹکانا ہوگا۔“

”ان شاء اللہ!“ آنسہ نے دھیمی سی آواز میں اپنے محبوب مجاہد کا حوصلہ بڑھایا۔

”اپنا اور میرے بیٹے کا بہت زیادہ خیال رکھنا اگر میں واپس نہ آیا تو یقین رکھنا کہ اس دنیا میں نہ سہی آخرت میں ہمارا ابدی وطن ہوگا اور تم دیکھنا کہ ان شاء اللہ ہماری آنے والی نئی نسل ظلم و استبداد سے آزاد ہوگی اور اس کے لیے ہمیں جان بھی قربان کرنی پڑی تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔“ آنسہ کا دل انہونی کا احساس دلا رہا تھا لیکن وہ ایک مجاہد کی بیوی تھی اسے کمزور نہیں پڑنا تھا اسے اپنے مجاہد کے شانے سے شانہ ملا کر چلنا تھا وہ بمشکل اپنے آنسو روکتے ہوئے بولی۔

”میرے بے گناہ دل روتا ہے تڑپتا ہے کہ آپ کو جانے نہ دوں۔ آپ سچ کہتے ہیں اپنے گھر کے لیے اگر ہم نہیں لڑیں گے تو کون لڑے گا؟ میں نہیں جانتی کہ آپ کا سر کبھی جھکے اس زندگی میں بھی اور اس زندگی میں بھی۔ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں آپ جائیے اور اپنا فرض نبھائیے اور دشمن پر قہر بن کر نازل ہوں۔ آپ لوٹ آئے تو غازی اور اگر شہید ہو گئے تو اس سے بڑا تو رتبہ کوئی ہے ہی نہیں۔ جائیے میں نے اپنے ذمہ پر اپنا سہاگ قربان کیا۔ آنسو لگا تا آنسہ کی آنکھوں سے بہ رہے تھے لیکن آواز میں ایسا استحکام تھا کہ پہاڑ بھی لرز اٹھے اور عبدالواسع بہتی آنکھوں سے اپنی کوئل سی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔

”نہیں نہیں اللہ کرے کوئی نہ ہو۔“ لیکن بھلا سب دعائیں کہاں قبول ہوتی ہیں آنے والا شاہراہ ہی تھا اور وہ اس کی زندگی اس کی سائیس لے جانے آیا تھا لیکن وہ مجبور تھی وہ عبدالواسع سے وعدہ کر چکی تھی کہ وہ بہادر رہے گی نہ وہ خود ڈمگائے گی اور نہ ہی عبدالواسع کا راستہ روکے گی۔ بے جی کی آنکھیں جل جھل تھیں۔ جذبہ جہاد سے سرشار ان جوانوں کے دلوں پر کیا بیٹی ہوگی اپنی بوڑھی ماؤں جوان بہنوں اور امتگوں اور رعنائیوں سے بھری بیویوں کو چھوڑ کر جاتے ہوئے جب کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آیا کہ وہ کبھی ان کو دوبارہ دیکھے گی یا نہیں گے یا نہیں؟ آفرین ہے ان پر کہ وہ اپنے مقصد کی تکمیل میں سرشار یہ پہاڑ بخوبی سر کر جاتے ہیں۔

وقت کم تھا لہذا شاہراہ نے اٹھتے ہوئے چاچا جی سے اجازت چاہی انہوں نے اپنا لرزنا ہاتھ شاہراہ کے سر پر رکھ کر اجازت دی اور بے جی کو اشارہ کر کے باہر آ گئے اب عبدالواسع اور آنسہ کمرے میں اکیلے تھے آنسہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کے لب تھرا کے رہ گئے عبدالواسع نے اس کی روشن پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

ان کو ہیڈ کوارٹرز آئے دوسرا دن تھا ان کا منصوبہ تقریباً پہلے جیسا ہی تھا لیکن اب جو اسلحہ پوچنا گیا تھا وہ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے نہایت اہم تھا اسی لحاظ سے مرکزی عمارت میں داخل ہونا اسی قدر مشکل تھا چونکہ اس ڈپو سے اسلحہ باقی علاقوں تک ترسیل کیا جاتا تھا اسی لیے اس کی حفاظت کے لیے جدید نظام استعمال کیا جاتا تھا۔ عمارت

سانپ سوگھ گیا تھا لیکن وہ سب راہِ حق کے متلاشی تھے اور ان کی منزل شہادت۔

جلد ہی وہ ٹرک ڈرائیور کی لاش سمیت اپنے مطلوبہ مقام پر تھا عبدالواسع نے جلدی سے ڈرائیور کی مخصوص وردی اتار کر پہنی اور پھر اس کے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت جڑ سے کاٹ لی۔ منصوبے کے مطابق اسلحے کے کریٹ میں ٹائم بم نصب کر دیا گیا تھا اس کا ریسیوٹ شاکر کے ہاتھ میں تھا اور عبدالواسع کے عمارت کے اندر داخلے کے پندرہ منٹ بعد بم کو پھٹ جانا چاہیے تھا۔ آخری چیک پوائنٹ سے کچھ فاصلے پر عبدالواسع نے ٹرک روک دیا اور مخصوص سیٹی کی آواز نکالی جلد ہی اس کی ٹیم اس کے گرد تھی۔ سب سے الوداعی سلام کر کے عبدالواسع وہاں سے چلا گیا جبکہ باقی افراد بھی مطلوبہ مقام تک وقت پر پہنچنے کے لیے فوراً روانہ ہو گئے۔

انسان اپنی زندگی میں کئی بار ایسے مقامات سے گزرتا ہے کہ اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ موت کے منہ سے واپس آیا ہے لیکن عبدالواسع تو خود کو جانتے بوجھتے موت کے منہ میں دھکیل رہا تھا وہ بظاہر سکون تھا لیکن دل میں طوفان موجزن تھا۔ ماں باپ بیوی اور وہ تھا سامہان جو جلد ہی دنیا میں آنے والا تھا۔ کیسے کیسے پیارے رشتے ہیں یہ کہ جو انسان کو مرنے بھی نہیں دیتے۔ خیالات کی یلغار سے بچنے کے لیے اس نے زیر لب درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ منزل اب آ رہی چاہتی تھی عمارت کا مرکزی گیٹ سامنے نظر آ رہا تھا اور پہلا امتحان یہی گیٹ تھا اس نے سانس روک کر گیٹ کے سامنے ٹرک روکا اور سپاہی کی مردہ انگلی منکر پوائنٹ پر پھیری۔

”ایک..... دو..... تین.....“ آہنی گیٹ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا شاکر نے ٹرک اندر جاتا دیکھ کر یسٹ سے ٹائمر آن کر دیا زندگی اور موت کا معرکہ شروع ہو چکا تھا۔



درو کی ایک تیز لہر نے آنسو کے پورے وجود کو بھگو دیا

کے اندر داخل ہونے کے لیے مخصوص کوڈ تھا اور اس کے ساتھ اپنی انگلی کا شناختی نشان استعمال کر کے عمارت کا دروازہ کھلتا تھا اندر داخل ہونے والی ہر گاڑی کا بھی مخصوص کوڈ تھا اور بلا اجازت کوئی اندر نہیں جاسکتا تھا۔ اول تو داخلے کا راستہ نہیں اور راستہ مل بھی جائے تو واپسی کا امکان نہیں تھا۔

عبدالواسع اس وقت نقشہ پھیلائے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر منصوبے کو حتمی شکل دے رہا تھا۔ اس کے تمام ساتھی تجربہ کار تھے اور پچھلے منصوبے کی تکمیل کے لیے بھی اس کے ساتھ تھے لہذا زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں تھی آخر شاکر نے ہی حجب توڑی۔

”لیکن ہم اندر کیسے داخل ہوں گے؟“
 ”یہ ایک راز ہے میرے بھائیو اور یہ کارنامہ میں سر انجام دوں گا۔“ عبدالواسع دلفریب مسکراہٹ سے بولا۔
 ”کیا مطلب تو ہم سب کیا کریں گے؟“ نیل بے چینی سے بولا۔

”تم سب باہر انتظار کرو گے جیسے ہی دھماکے شروع ہوں گے بھارتی فوجی یقیناً یہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں گے اور تم لوگوں کا کام ان کو جہنم واصل کر کے سرخرو ہونا ہے۔“

”لیکن عبدالواسع تم.....“ شاکر کی زبان لڑکھرائی۔
 ”خوش قسمتیاں سے داخلے کا راستہ تو ہے لیکن واپسی کا نہیں پھر بھی مایوسی گناہ ہے میں کوشش کروں گا کہ بھکڈر کے دوران کسی طرح واپس باہر نکل سکوں لیکن تم میں سے کوئی بھی اندر آنے کی کوشش نہیں کرے گا اور نہ ہی میرا انتظار کرے گا۔ اللہ نے چاہا تو ہم دوبارہ ملیں گے ورنہ ان شاء اللہ جنت کے دروازے پر ملاقات ہوگی۔“
 عبدالواسع کی آواز مستحکم تھی باقی سب کی آنکھیں ڈبڈبھا گئیں۔ وہ ان کا عزیز ساتھی تھا اللہ نے اسے کمال کا ذہن دیا تھا اور منصوبہ سازی میں کوئی اس کا ثانی نہیں تھا۔ وہ ہر مشن میں اپنے ساتھیوں سے مشفق رہتا اور ان میں کھل مل جاتا تھا۔ اب اس کی بات سن کر ایک ہارتوان کو

داس کو فوراً ڈائریس پر پیغام بھیج دیا گیا تھا اور اگلے دو منٹ میں کمانڈروں کو موجود تھا۔

”ہاں بتاؤ ایسی کیا خبر ہے جو تم نے اتنی افراتفری مچا رکھی ہے۔“ وہ رعنت سے بولا۔

عبدالواسع نے اپنی گھڑی کو دیکھا اس کے پاس محض چالیس سیکنڈ باقی تھے۔ آہ محض چالیس سیکنڈ اس کی آنکھوں کے آگے غبار سا چھا گیا۔ بے جی کی شفقت، ابا کی الفت اور آنسہ کی رفاقت سب ارد گرد گھومنے لگیں۔ دل گداز ہوا جاتا تھا پھر اس نے نیلے کبیل میں لپٹے دو ننھے ننھے وجود دیکھے سرشاری نے اس کے رگ و جان کو معطر کر دیا جب وہ بولا تو اس کی آواز میں عجب سی گرج تھی۔

”رام داس میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگلے چالیس سیکنڈ کے بعد تمہارا یہ ڈپو بم دھماکے سے اڑ جائے گا اور دیکھنا ہم تمہارے لاکھ انتظامات کے باوجود تمہاری کمر توڑ کے رکھ دیں گے۔ وہ دن دور نہیں جب آزادی کا سورج اس وادی کو منور کرے گا یہ وادی ہماری ہے اس کے وسائل ہمارے ہیں اور دیکھنا ایک دن ہم تمہیں اس جنت سے ذلیل و خوار کر کے نکالیں گے۔“ ابھی عبدالواسع کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ کمانڈر نے اسے گولیوں سے چھنی کر دیا۔ ابدی نیند میں جانے سے پہلے واسع نے جفا خری منظر دیکھا وہ یہ تھا کہ اسلحہ ڈپو دھماکے سے اڑ گیا اور پے در پے ہونے والے دھماکوں نے وہاں قیامت پر پا کر دی تھی اور پھر اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔

آگ کے شعلے دور دور تک دیکھے جاسکتے تھے اور ڈپو میں قیامت برپا تھی کسی کو بھی جان بچانے کی مہلت نہیں ملی۔ شا کر اور اس کے ساتھی بھیلے آنکھوں کے ساتھ لمحہ بہ لمحہ وہاں سے دور ہوتے جا رہے تھے کہ منزل ابھی کچھ دور تھی.....!



اس نے بمشکل ساتھ سوئی ہوئی بے جی کو اٹھایا۔ ساری رات درد اور اذیت سے تڑپنے کے بعد فجر کی اذان سے کچھ پہلے اس نے جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تھا جو ہو ہو عبدالواسع کی کاہنی تھے ایسے اہم موقع پر اسے عبدالواسع کی بے حد کی محسوس ہو رہی تھی۔ بے جی اور چاچا جی بھی بہت خوش تھے لیکن وہ جانتی تھی کہ عبدالواسع کے بغیر ان سب کی خوشی ادھوری ہے۔

عبدالواسع کے پاس اپنا کام مکمل کر کے باہر نکلنے تک مخصوص چند منٹ کا وقت تھا اور کوشش کے باوجود اس کے اعصاب نہایت کشیدہ تھے ایسے میں انسان اکثر غلطی کر جاتا ہے اور یہی عبدالواسع کے ساتھ ہوا۔ گیٹ سے داخلے کے بعد کچھ فاصلے پر چوکی تھی اگر عبدالواسع آرام سے وہاں سے گزر جاتا تو شاید معاملے کی نوعیت نہ بدلتی لیکن عبدالواسع نے وہاں بھی ٹرک کی رفتار کم نہیں کی اور یہی چیز ان فوجیوں کو چونکا گئی جب تک عبدالواسع کا ٹرک اسلحہ ڈپو کے سامنے پہنچا فوراً سر حرکت میں آ چکی تھیں اور اس کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا تھا۔ عبدالواسع نے گھڑی دیکھی اس کے پاس محض پانچ منٹ باقی تھے اور اسے اس وقت تک ان فوجیوں کو الجھائے رکھنا تھا۔ اس لیے جیسے ہی اسے اترنے کا اشارہ کیا گیا وہ فوراً نیچے اتر آیا اس کا دماغ نہایت تیزی سے کہانی بن رہا تھا وہ جان چکا تھا کہ اس کے پاس اب زندگی کی مہلت نہیں ہے لیکن وہ کسی صورت اپنے مقصد کو ناکام ہونے نہیں دیکھ سکتا تھا اس سے پہلے کہ تفتیش کار کچھ کہتے عبدالواسع نے کہنا شروع کر دیا۔

”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور میں کمانڈر کے لیے نہایت اہم خبر لے کر آیا ہوں اور مجھے خبر سناتے ہی فوراً واپس جانا ہے لہذا کمانڈر کو یہیں بلالو۔“ پہلے تو فوجی حیران ہوئے لیکن ان کے پاس یقین کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وادی کے کشیدہ حالات اور پچھلے اسلحہ ڈپو میں دھماکوں کے بعد فوج نے کئی مسلمانوں کو ہاسوسی کے لیے بھرتی کیا تھا لہذا کمانڈر رام

امید نو

نظیر فاضلہ

انسان کی آنکھ خشک تھی انسان کے ظلم پر
اب جو پہاڑ روئے تو سیلاب آ گیا
پھر آج دشمنوں کی تمنا ہوئی عدیم
پھر سے خیال حلقہ احباب آ گیا

پوچھتی۔

۳۱ دسمبر کا سورج دھند میں منہ چھپائے
دھیرے دھیرے مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کچھ
وقت بعد کہ ہر طرف اندھیرے کا راج ہو جاتا تھا۔
مگر اسے اب اس اندھیرے کا کوئی خوف نہ تھا
کیونکہ پچھلے پندرہ دنوں سے اس کی زندگی گھٹا
ٹوپ اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے دن کا
ہوش تھا نہ رات کی خبر۔ بس اس کی چلتی ہوئی
سانسیں اس کے زندہ ہونے کا ثبوت تھیں۔ وہ
چلتی پھرتی لاش بن گئی تھی اور کیوں نہ بنتی اس کے
لخت جگر اس کے بیٹے ۱۶ دسمبر کو ہنستے مسکراتے
مستقبل کے سہانے خواب آنکھوں میں سجائے
اسکول گئے تھے کہ ظالموں نے ان سے زندگی کی
روشنی چھین کر انھیں ہمیشہ کے لیے موت کے
اندھیروں میں دھکیل دیا۔ اس نے انھیں نو ماہ پیٹ
میں رکھ کر دن رات محسوس کیا تھا۔ زندگی و موت کی
کشاکش میں جتلا ہو کر انھیں جنم دیا تھا۔ پھر دن
رات ایک کر کے تکلیفیں برداشت کر کے محنت
سے اپنے جگر گوشوں کو پالا۔ انسان نما بھیڑیوں
نے اس کی سالوں کی محنت کو مٹی میں ملا دیا۔ اسے
وہ ننگہ انسانیت ملتے تو وہ ان کے گریبان پکڑ کر

میرے آنکھن کو اجاڑنے والو!
تمہیں خبر ہے بیٹے کیسے پالے جاتے ہیں؟
ہائے اس کے سولہ سال کے جڑواں شیر جوان
بیٹے احمد اور علی دہشت گردی کی زرد میں آگئے تھے
اس کی گودا جڑ گئی تھی۔

اسے اپنا گھر، شوہر اور بچے جان سے بڑھ کر
عزیز تھے مگر اب جیسے سب ختم ہو گیا تھا۔ اسے کچھ
خبر نہیں تھی کون آ رہا ہے، کون جا رہا ہے؟ اس کے
شوہر کا کیا حال ہے؟ اس کے بچے..... اس سوچ
کے آتے ہی اس کا ذہن خالی ہو جاتا تھا۔ جوان
بیٹوں کے لاشے دیکھ کر وہ یوں گری کہ آٹھ دن بعد
آنکھ کھولی۔ ہوش میں آنے سے اب تک وہ اس
کمرے میں مقید تھی۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا۔
کوئی آتا چند نوالے اس کے منہ میں ڈال دیتا وہ
انھیں نگل لیتی، کوئی پانی کا گلاس لیوں سے لگا دیتا
وہ چند گھونٹ پانی حلق سے اتار لیتی۔ اسے بس یہ
یاد تھا کہ ۱۶ دسمبر کا سورج اس کی کوکھ اُجاڑ گیا تھا۔

.....☆☆☆.....

ابھی بھی وہ سردی کے احساس سے بے گانہ

اتنے دنوں سے عبداللہ اپنی پھوپھی کے پاس تھا۔ اب حالات تھوڑے قابو میں آئے تو اس کا باپ اسے واپس لے آیا تھا۔

اپنے بیٹے کی بات سن کر اس نے اسے خود میں بھیج لیا اور بلک اٹھی۔ جی بھر کر رونے کے بعد اس نے اپنے آنسو صاف کیے۔ اسے یاد آیا کہ اندھیرے کا حد سے بڑھ جانا اصل میں روشنی کے بہت قریب ہونے کی نوید ہوتی ہے۔ سو اس گھٹا ٹوپ زندگی چھین لینے والے اندھیرے میں اس کا بیٹا عبداللہ روشنی کی کرن بن کر چکا تھا۔ اس نے لرزتے ہونٹوں سے اپنے بیٹے کی پیشانی پر اپنے کپکپاتے لب رکھ دیے۔

اسے خبر تھی کہ اس کی آنکھیں خون روتی رہیں گی، اس کے چھلنی کلیجے سے تاحیات لہور ستار ہے گا مگر اسے اپنے زخمی کلیجے کو تھام کر اپنی توانائیاں ایک دفعہ پھر جمع کرنی تھیں اور اپنے زندہ بچ جانے والے بیٹے کی تربیت کر کے دہشت گردوں کو تانا تھا کہ اس کا یہ بیٹا اور اس جیسی دکھیاری ماؤں کے بچ جانے والے بیٹے مل کر پاکستان سے ان کا نام و نشان مٹا دیں گے۔ پھر انھیں کہیں جائے پناہ نہیں ملے گی۔ وہ امیدوں کے ساتھ اپنے بیٹے کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔



ٹھنڈے فرش پر بیٹھی تھی۔ ۳۱ دسمبر کا سورج ڈوب چکا تھا۔ اس کا کمرہ بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے کمرے میں روشنی کرنے کا خیال ہی نہ آیا اور کیوں آتا خیال؟ اس کے لخت جگر بھی تو قبر کے اندھیروں میں چلے گئے تھے۔ یہ تو پھر سورج ڈوبنے کے بعد کا اندھیرا تھا۔

اچانک کمرہ روشنی میں نہا گیا لیکن اس کی حالت میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔ وہ اس کا شوہر تھا جس کے مانندھے دو جوان بیٹوں کی موت نے جھکا دیے تھے۔ اس نے ایک دس سال کے بچے کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ وہ بچے کو اس کے قریب لے آیا۔ بچے آگے بڑھا۔

”لتاں..... لتاں!“ اس نے پیار سے ماں کے گالوں پر ہاتھ پھیرے۔ اس لمس نے جیسے اس کے بے جان جسم میں جان ڈال دی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کا تیسرا بیٹا عبداللہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس نے جھپٹ کر اسے سینے سے لگا لیا گویا ذرا سی دیر بھی ہوئی تو کسی خواب کی طرح سب کچھ بکھر جائے گا۔

اس نے بچے کو سینے سے لگا رکھا تھا اور اس کے بین کرتے آنسو خاموشی سے بہ رہے تھے۔

”لتاں! مت رو میں۔ میں بڑا ہو کر پاک آرمی میں جاؤں گا۔ پھر میں اپنے بھائیوں اور دوستوں پر فائرنگ کرنے والے سب گندے لوگوں کو مار دوں گا۔“ دس سال کا مصحوم بچہ اپنی اُچڑی ماں کو تسلی دے رہا تھا۔ عبداللہ کی خوش قسمتی تھی کہ شدید بخار کی وجہ سے اُس روز وہ اسکول نہیں جاسکا تھا۔ وہ حواس میں کب تھی جو اسے یہ بات یاد ہوئی۔ باقی کون کیا کہہ رہا تھا اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ تو اپنے تئیں اپنا دامن جھاڑ چکی تھی۔

حوائی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

مرتبہ اول تا آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔
جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔ صدقہ بھی
دیں۔

منزہ میواں..... نو شہرہ کینٹ

جواب: یہاں لطف یا وجود 313 مرتبہ بعد نماز
عشاء اول تا آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ (تافے کے
ذول میں نہیں پڑھنا)

بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74،70 مرتبہ اول
تا آخر 11،11 مرتبہ درود شریف جلد اور اچھے رشتے کے لیے
دعا کریں۔ صدقہ بھی دیں۔

جب گھر میں چینی آئے اس پر 3 مرتبہ سورۃ مزمل
(اول تا آخر 3،3 مرتبہ درود شریف) پڑھ کر دم کریں۔ چینی
گھر کے تمام افراد کے استعمال میں آئے۔ پڑھتے وقت
نیت بھی ہو۔

کوثر پروین..... بونے والا

جواب: بعد نماز عشاء یا لطف یا وجود 313
مرتبہ اول تا آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ (پڑھتے وقت
تصور میں رکھیں اپنے شوہر کا مسئلہ بھی ذہن میں ہو)

حیدر علی..... اسلام آباد

جواب: آیت کریمہ کا مستقل ورد پڑھیں۔

رابعہ سلطان..... جھنگ

جواب: بی بی مسئلہ ان شاء اللہ حل ہو جائے گا جوابی
غائز نہیں تھا آپ کا ورد تفصیل سے جواب دے دیتا۔
آنچل کے ذریعے نیٹیفونک رابطہ کیجیے۔

وہاب علی..... قلعہ گنگ

دوسرا مسئلہ میرے سر میں ہر وقت درد رہتا ہے۔ ہم
تین بہنوں کا یہی مسئلہ ہے ڈاکٹری علاج سے کوئی فرق
نہیں پڑا۔

جواب: دیو رکھ دیں اس میں بہتری ہے۔

غالباً آدھے سر میں درد ہوتا ہوگا۔ 11 بار بسم اللہ
شریف پڑھ کر ہاتھ پر دم کر کے سر پر پھیریں، 3 تا 5
این سی..... فاضل پور

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 277

شمع..... ننگانہ صاحب

جواب: بعد نماز فجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74،
70 مرتبہ اول تا آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور
اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

شاہد اکرام..... سرگودھا

جواب: رشتوں کے لیے
بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74،70 مرتبہ
(اول تا آخر 11،11 مرتبہ درود شریف) جلد اور اچھے رشتے
کے لیے دعا کریں۔

سورۃ بقرہ۔

روزانہ یا ہفتہ میں 1 مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کر لیں۔ گھر
کے تمام افراد پانی استعمال کریں۔ (نیت جو چاہو ہے وہ ختم
ہو جائے) صدقہ بھی دیں۔

غیر ملک کامیابی کے امکانات زیادہ ہیں۔ (استحارہ
کر لیں)
معاشی حالات کے لیے۔

بعد نماز عشاء سورۃ قویش 111 مرتبہ اول تا آخر
11،11 مرتبہ درود شریف روزانہ۔
(گھر کا کوئی فرد یا تمام افراد پڑھ سکتے ہیں)

زینب بی بی..... سرگودھا

جواب: جو وظائف بتائے ہیں جاری رکھیں ان شاء
اللہ کامیابی ہے گی۔

بعد نماز عشاء سورۃ اخلاص 111 مرتبہ اول تا آخر
11،11 مرتبہ درود شریف۔ (نیت رشتوں میں بندش/
رکاوٹ بھی ختم ہو جائے)

وظیفہ والدہ کریں صدقہ بھی دیں۔

سعدیہ..... چکوال

جواب: بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74،70

ثمنہ..... کلو سیدات
جواب:- مسئلہ ۲ نماز کی پابندی کریں اور دعا کریں
ایک تسبیح استغفار روزانہ

ایم۔ آئی..... گجرات
جواب:- سات بستر پر لیٹ کر سورۃ فاتحہ پڑھا
کریں 41 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔
ذہنی سکون کے لیے دم بھی کیا کریں۔

نصرت جیسی..... ضلع خوشاب
جواب:- علاج کروا میں چکی۔ بعد نماز عشاء سورۃ
المومنون آیت نمبر 14-12-111 مرتبہ اول و آخر
11,11 مرتبہ درود شریف پڑھ کر دم بھی کریں اور ایک گلاس
پانی پر دم کر کے پینیں روزانہ۔



<http://facebook.com/elajbilquran>
www.elajbilquran.com

نوٹ
جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی
لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام
انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت
میں بارہ کی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔
موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند
کر دیا گیا ہے۔
اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے
ماہ شائع ہوں گے۔
ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

جواب:- علاج کا دورانیہ 3 ماہ ہوگا۔ آپ خود کریں یا
والدہ۔ روزانہ 111 بار آیتہ الکرسی۔ اول و آخر 11,11
مرتبہ درود شریف۔

نیت: بندش رشتہ عمل سفلی بندش رشتہ بحکم ربی ختم ہو۔
پانی پر پھونکا۔ کریمیں بھی اور اپنے چہرے دل و دماغ پر
پھینکیں ماریں۔ بعد عشاء یا بعد فجر۔

عائشہ شہانہ..... فیصل آباد
جواب:- دونوں بچوں کی نظرات تاریں مدد بھی دیں۔
یا علیم 11 مرتبہ 3 بار دامنوں پر دم کر کے صبح دم کر کے نہار
منہ کھلائیں۔

سورۃ قمریش پڑھا کریں ہر نماز کے بعد 11 بار،
اپنے امتحان کے لیے اور کامیابی کے لیے اول و آخر 3,3
بار درود شریف۔

ش ف..... سمندری
جواب:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74،70
مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے
رشتے کے لیے دعا کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلیں آسان کرے آمین۔
صائمہ وحید..... ضلع جھنگ
جواب:- بعد نماز عشاء یا لطف یا وحود 1100
مرتبہ روزانہ۔ پڑھتے وقت مقصد ذہن میں ہو۔ اول و آخر
11,11 مرتبہ درود شریف۔

تنزیلہ کوثر..... گجرات
جواب:- بعد نماز عشاء سورۃ قمریش 111 مرتبہ
اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف دعا بھی کریں۔

روحانی مسائل کا حل کوپن براے ۲۰۱۵ء

نام والدہ کا نام گھر کا مکمل پتا

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پذیر ہیں.....

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 278

میر تقی

میمونہ رومان

سدرہ شاہین..... خانمواں
تمہاری یاد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے
اٹھی زرگر ہنسیاں زرگر..... جوڑہ
کہا نہ تھا اسے مت ضبط کرنا
وہ آنسو اب سمندر ہو گیا نا
زاہدہ پروین..... سرگودھا
اگر تیری اجازت ہو تو تجھ سے اک بات پوچھوں میں
جو ہم سے عشق سیکھا تھا وہ اب تم کس سے کرتے ہو؟
عائشہ پروین..... کراچی
اے گزرے برس بتا تجھے بھولوں کسے؟
تیرے لحوں نے میرے برسوں کی رفاقت چھینی
حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین
سہولت ہو، اذیت ہو تمہارے ساتھ رہنا ہے
کہ اب کوئی بھی صدمت ہو تمہارے ساتھ رہنا ہے
اور اب گھر بار جب چھوڑ کر آئی تھے ہیں تو
تمہیں جتنی بھی نفرت ہو تمہارے ساتھ رہنا ہے
مدیحہ کنول..... چشتیاں
کہنا تو اور کچھ نہیں فقط اتنی گزارش ہے
نئے سال کی کتاب عشق میں مجھے بھی شریک نصاب رکھنا
مدیحہ نورین مہک..... برتالی
گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے
دعا باگی..... فیصل آباد
یہ دکھ نہیں کہ اندھیروں سے کی صلح میں نے
ملاں یہ ہے کہ اب صبح کی طلب بھی نہیں
فائقہ سکندر حیات..... لنگڑیاں
پھر کہاں حساب رہتا ہے
پیار جب بے حساب ہو جائے
رشک حنا..... سرگودھا
خواہش سے نہیں گرتے پھل جموں میں
وقت کی شاخ کو میرے دوست ہلانا ہوگا
کچھ نہیں ہوگا اندھیروں کو برا کہنے سے
اپنے حصے کا دیا خود ہی جلانا ہوگا
مشاعلی مسکان..... میانوالی
اس کی نظر میں میری تباہی کے واسطے
اتنا خلوص تھا کہ شکایت نہ ہوگی

ایس بتول شاہ..... ایم مہجرات
کتی محبوب خدا نے تجھے صورت بخشی
جو ہے قرآن ہی قرآن وہ سیرت بخشی
انچیا حشر میں ڈھونڈیں گے سہارا تیرا
میرے آنگنوں میں تجھے اللہ نے وہ عزت بخشی
سہاس گل..... رحیم یار خان
ایک دل تھا جسے اب تک سنبھال رکھا تھا
اسے بھی توڑ گیا سانحہ پشاور کا
طیبہ سہیدہ..... کھنیاں
بہت نوازا ہے اس پاک ذات نے مجھ کو بے شک
اگر میری عبادت کے برابر ملتا تو کچھ نہیں ہوتا
پروین افضل شاہین..... بہاولنگر
کہتے ہیں لوگ مجھ کو بھی دعا کے لیے
کس قدر رب نے میرے عیب چھپا رکھے ہیں
ارم کمال..... فیصل آباد
برسوں کے لبوں پر سخاوت جاگ جاتی ہے
صبح درختوں پر عبادت جاگ جاتی ہے
مقرر وقت نہیں ہے کوئی اس کی نوازش کا
اسے جب بھی بکھو اس کی رحمت جاگ جاتی ہے
سزنگھت غفار..... کراچی
لو اس راستوں میں تیز کافی کی مٹیوں میں
وہ کچھ زیادہ ہی یاد آتا ہے سردیوں میں
مجھے اجازت نہیں ہے اس کو بکارنے کی
جو گونجتا ہے لبوں میں سینے کی دھڑکنوں میں
باریہ کنول ماہی..... چک درکان
لمیں گی ہم کو بھی ہمارے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کہ کب یہ کمال ہوتا ہے
ہر ایک شخص طے گا ہماری راہوں پر ماہی
محببتوں میں ہمیں وہ مثال ہوتا ہے
رانی اسلام..... گوجرانوالہ
قسمت کی لکیروں پر اعتبار کرتا چھوڑ دینا
جب اندر نبل سکتے ہیں تو یہ لکیروں کیوں نہیں

یاد رکھا ہے مجھے تو نے عداوت کی طرح
چاند نکلے تو مرا جسم مہک اٹھتا ہے
روح میں اتری ہوئی تازہ محبت کی طرح
محمد آصف شہزاد..... قصور

اپنا خیال رکھنا جیون کی دوڑ میں
چھوڑیں ہیں ساتھ لوگ مشکل کے موڑ میں
قدموں کو پھونک پھونک کر رکھنا تم ہر جگہ
دنیا مکن طے کی بڑے جوڑ توڑ میں
نورین لطیف..... نوبہ فیک سنگھ

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تو انہیں کرتے
سمیرا تجیر..... سرگودھا

اس دلس میں لگتا ہے عدالت نہیں ہوتی
جس دلس میں انسان کی حفاظت نہیں ہوتی
دل سے کی جائے تو قبولیت شرط ہے ورنہ
صرف جہدے میں پڑے رہتا ہی عبادت نہیں ہوتی
سونیا اداؤں..... ادکاڑہ

اب فیصلہ ہے اپنا، آواز نہیں دینی
ہم بھی تو ذرا دیکھیں، طلبگار ہے وہ کتنا؟
شگفتہ خان..... سہلوال

قابل اعتبار ہی اکثر
قابل اعتبار ہوتے ہیں
فرحت اشرف کھمن..... سید والا

خوشبو سے ہواؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
مل جائیں تو جیون کو سجاتے ہیں لیکن
پھنڑیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
فیاض اسحاق..... سہلوال

پانچوں میں پھر سروسوں کی رت آچکی
آج پھر تم سے ملے اک سال ہوا
سیدہ جیاباس..... مرالی تلہ گنگ

غم موجود ہے آنسو بھی ہیں کھا تو رہا ہوں، پی تو رہا ہوں
بینا لور کے کہتے ہیں اچھا خاصا جی تو رہا ہوں

۴۱۸

شازیہ گل..... ماہرہ
تو نام کا دریا ہے روانی نہیں رکھتا
بادل ہے وہ بے فیض کہ پانی نہیں رکھتا
یہ آخری عطا آخری تصویر بھی لے جا
میں بھولنے والوں کی نشانی نہیں رکھتا
دلکش مریم، معظم شاہ..... چیوٹ

بیت نہ جائیں مجھ سے یہ بارہ موسم
وہ نہ جاؤں اس سال بھی تنہا اتنا کہنا
لمحے بھی لگتے ہیں سال اب تو تم بن مجھے
رات اور دن تو صدیاں لگیں اتنا کہنا
صدف بختار..... پوسال مسود

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے
ہم نے، پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا
راشدہ جمیل راشی..... صادق آباد

آپ سی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی
سائرہ حبیب اوڈ..... عبدالکیم

تیری رحمتوں پر ہے منحصر میرے ہر عمل کی قبولیت
نہ مجھے سلیقہ اتنا نہ مجھے شعور نماز ہے
بینا اعظم..... سہلوال، مظفر گڑھ

اس نے ملنے کی بہت مشکل شرط رکھی ہے دوست
شک چہلوں پر چل کر آنا آہٹ کیے بغیر
سحرش خان بھٹو..... کراچی

میری موت میری بھسٹر، میری زندگی بھی عجیب ہے
میرے چاروں طرف چارہ کر، تیری بے رخی بھی عجیب ہے
میں پہر کی تھی ہواؤں سے کڑی دھوپ میں کھڑا بے خبر
سہ راہ گزر تیرا منتظر میری بے بسی بھی عجیب ہے
جمجم انجم اعوان..... کورنگی، کراچی

دل اداس ہو تو ہات کر لینا
دل چاہے تو ملاقات کر لینا
ہم رہتے ہیں آپ کے ہی دل کے کسی کونے میں
وقت ملے تو تلاش کر لینا

سیدہ رمضان سعدی..... 186 پی

ریاز کہہ دیتے ہیں نازک سے اشارے اکثر
گفتنی خاموشی محبت کی زباں ہوتی ہے
ناہید شیرانا..... رحمان گڑھ

میں ترے لب پر ہوں دیرینہ شکایت کی طرح

ڈش موقت ابلہ

طلعت آغاز

گرین پیس سوپ

اجزاء:-

مشر تازہ
بھنی کے لیے ہڈی

گاجر

شلغم

پیاز

ادرک

لبھن کے جوئے

آلو

سبز دھنیا

میدہ

کھجور

پانی

دودھ

سیاہ مرچ، نمک

سفید زیرہ

دارچینی

ترکیب:-

مشر کے دانے اباں کر پیس لیں۔ میدہ اور دودھ کو الگ رکھ دیں۔ گوشت کی ہڈی کے ساتھ پیاز، ادرک، لبھن، دارچینی، نمک، مرچ، آلو، شلغم اور سبزی دھنیا کاٹ کر ڈال دیں اور دو لیٹر پانی ملا کر پکا لیں دو گھنٹے بعد بھنی کو چھان لیں۔ ایک عدد پیاز کو گھی میں سرخ کریں اور اس میں دودھ اور میدے والا آمیزہ ڈال دیں۔ آخر میں پے ہوئے مشر ڈال کر مزید پندرہ منٹ تک پکا لیں۔

طلعت نظامی..... راجی

ٹماٹر سلا سوپ

اجزاء:-

گوشت

بھنی

ٹماٹر

سلا

نمک، زیرہ، سیاہ مرچ

سرکہ

ریڈ چلی ساس

ترکیب:-

گوشت کو ایک ساس چین میں ڈال کر اتنا ابا لیں کہ گوشت پوری طرح سے گل جائے۔ اگلے ہوئے گوشت میں سے ایک کپ بھنی نکال کر الگ کر لیں پکتے ہوئے گوشت میں ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں اور مزید جوش آنے دیں۔ بھنی میں سرکہ، نمک اور سیاہ مرچ کس کریں اور ساس چین میں ڈال دیں۔ ساتھ ہی سلا دھجی شامل کر دیں لیچے سوپ تیار ہے سوپ نوش کرتے وقت ریڈ چلی ساس ملا لیں۔ بے حد لذیذ سوپ تیار ہوگا۔

سمن رحمان..... میر پورنا زاد کشمیر

چکن کارن سوپ

اجزاء:-

چکن

پیاز

لبھن

ادرک

سرکہ

اٹھے

کئی کے دانے

کارن فلور

سیاہ مرچ (پاؤڈر)

چینی

کوئنگ آئل

نمک

ترکیب:-

آدھا کلو (گوشت)

ایک عدد

پانچ جوئے (پسا ہوا)

آدھا کھانے کا چمچ

ایک کھانے کا چمچ

دو عدد

ایک پیالی (پسے ہوئے)

دو کھانے کے چمچ

آدھا چائے کا چمچ

ڈھائی چائے کا چمچ

دو کھانے کے چمچ

حسب ذائقہ

حسب ذائقہ

حسب ذائقہ

حسب ذائقہ

حسب ذائقہ

حسب ذائقہ

منزہ اقبال..... کورٹی، کراچی

سنگاپوری راس

آدھا کلو (بون لیس)
تین سے چار کپ
ایک کھانے کا چمچ
ایک کپ (نمک ڈال کر باہل لیس)
دو عدد (کیوبز میں کات لیس)
دو عدد (لسبائی میں کات لیس)

دو عدد

چھ عدد

آدھا کپ
ایک کھانے کا چمچ

آدھا چائے کا چمچ
حسب ذائقہ

سوس کے لیے

آدھا کپ
ایک چائے کا چمچ

دو عدد

ایک چائے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ

آدھا کپ

اجزاء:-

مرغی کا گوشت

انناس

تیل

چاول

شملہ مرچیں

ہری مرچیں

گاجر

لہسن کے جوے

ہرنی پیاز

سویا سوس، دو مشر

شائر سوس، مشرڈ

سوس

سیاہ مرچ پاؤڈر

نمک

نماڑ سوپ

سرخ مرچ پاؤڈر

لہسن کے جوے

چینی

تیل

پانی

ترکیب:-

گوشت میں دو مشر شائر سوس، مشرڈ سوس، سویا سوس، سیاہ مرچ پاؤڈر اور نمک لگا کر تین گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔

سوس بنانے کے لیے

سوس چین میں تیل گرم کر کے اس میں لہسن ڈال کر بھون لیں نماڑ سوس، سرخ مرچ پاؤڈر، پانی اور چینی ڈال کر کچھ دیر پکائیں اور سوس تیار کر کے علیحدہ رکھ دیں۔

ساس چین میں دس کپ پانی ڈالیں اس میں چین کی بوٹیاں، پیاز، لہسن، اورک اور نمک ڈال کر چکن کو باہل میں یہاں تک کہ پانی چار کپ رہ جائے گوشت اور چینی کو الگ الگ کر لیں اور گوشت کے ریشے بنالیں ساس چین میں کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اور مکئی کے بے ہوئے دانے ڈال کر بھونیں پھر پانی ڈال کر کچھ دیر ان کو گلائیں مکئی کے دانے نرم پڑ جائیں تو چینی، چینی، کالی مرچ اور گوشت کے ریشے ڈال کر دھیمی آگ پر آدھا گھنٹہ تک پکائیں۔ کارن فلور کو ہلکا سا بھون کر شامل کر دیں۔ سوپ گاڑھا ہونے لگے تو انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر ملا دیں۔ بہترین مزے دار سوپ تیار ہوگا۔

نائنمیش..... کراچی

گرین ویجیٹبل سوپ

اجزاء:-

بالک

بند گواہی

سلاد

سبز دھنیا

سبز پیاز

آئل

مارجرین

چینی

سویا سوس

کوکنگ آئل

ترکیب:-

تمام سبز یوں کو اچھی طرح سے دھو کر ایک ساس چین میں پانی ڈالیں اور اس میں کچی ہوئی سبز پیاز ڈال کر چندہ منٹ تک اگلنے دیں جب سبز پیاز گل جائیں تو پلینڈر میں ڈال کر پلینڈر کر لیں ساتھ مارجرین شامل کریں اس آمیزے کو نکال کر ساس چین میں ڈالیں اب اس میں چینی، سویا سوس اور تیل ڈال کر سوپ کے پیالے میں انڈیل دیں۔

نزہت جبین ضیاء..... پیر کراچی
بریڈ بارز

ایک عدد (دو اور چار اونچ کے کیوبز
کاٹ لیں)
(اگلے پیش کیے ہوئے) دو کپ
آدھا کپ (اگلے ہوئے)
ایک کپ (کش کیا ہوا)
تین عدد (کاٹ لیں)
آدھا چائے کا چمچ (پسا ہوا)
۴۰۰ گرام

ایک چائے کا چمچ
تیل کے لیے
حسب ذائقہ

اجزاء:-

بریڈ

آلو

مٹر

خیبر

ہری مرچ

گرم مسالا

بیس

تھام (جنگلی پودینہ)

تیل

نمک

ترکیب:-

آلو، مٹر، خیبر، ہری مرچ، نمک اور گرم مسالا کو اچھی
طرح سے کس کر لیں۔ بریڈ کیوبز لیں اور انہیں چمچے سے
کھوکھلا کر میں پھر مندرجہ بالا کچھ کو بریڈ کیوبز میں بھر
دیں۔ بیسن میں پانی تھام اور نمک ملا کر آمیزہ تیار کریں۔
بھرے ہوئے بریڈ کیوبز کو بیسن کے آمیزے میں ڈبو کر
فرانی کریں حتیٰ کہ وہ ہر طرف سے گولڈن ہو جائیں۔
ہری چٹنی یا کچھپ کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

انہم فریڈ..... ملتان

پران و دگار لک ماہونیز

اجزاء:-

جھینگے

بیس عدد

(بڑے سائز کے جھینگے صاف کر کے دھو لیں)

ایک عدد

تازہ دال مرچ

آدھا چائے کا چمچ

پھیر ناکا پاؤڈر

آدھا چائے کا چمچ

دھنی پاؤڈر

ایک عدد

بیسن کا جوا (کوٹ لیں)

ایک سو سین میں ایک کھانے کا چمچ تیل گرم کر کے
اس میں چھ جوئے لہسن ڈال کر بھون لیں۔ میریٹ
گوشت ڈال کر فرانی کریں۔ یہاں تک کہ گوشت گل
جائے اب اس میں شملہ مرچیں، ہری مرچیں، گاجر، ہری
پیاز ڈال کر فرانی کر لیں آخر میں اناس کے کیوبز ڈال کر
کس کر لیں۔ بڑی دہنی میں چاول گوشت اور ساس کی
تہہ لگا کر دس منٹ کے لیے دم پر لگا دیں۔ مزے دار سٹگا
پوری راس تیار ہیں۔

دہانہ..... اکبر روڈ، کراچی

جھٹ پت فرائیڈ راس

اجزاء:-

چاول (اگلے

ہوئے)

پیاز

ٹماٹر

ہری مرچیں

سیاہ مرچ پاؤڈر

نمک

سویا سوس

چائینیز نمک

ٹماٹو کچھپ

تیل

ترکیب:-

کڑا ہنی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز، ٹماٹر اور
ہری مرچیں ایک ساتھ ڈال دیں جب پیاز اور ٹماٹر
تھوڑے نرم ہو جائیں تو اس میں چاول ڈال کر اس میں
سیاہ مرچ پاؤڈر، چائینیز نمک، نمک اور سویا ساس ڈال کر
اچھی طرح کس کریں اور پانچ منٹ دم پر رکھیں ٹماٹو کچھپ
ڈالیں اور کس کر کے مزید پانچ منٹ دم پر رکھیں اس کے
بعد سرونگ ڈش میں نکالیں۔ چاہیں تو کسی سبزی یا گوشت
کی ڈش کے ساتھ استعمال کریں یا سادے ہی کھائیں
بہت مزے دار لگیں گے۔

آدھا چائے گچ	دھنیا پسا ہوا	ایک عدد (آدھے کا)	لیموں
آدھا چائے کا گچ	مسٹرڈ پیسٹ	رس نکال لیں)	زیتون کا تیل
ایک کھانے کا گچ	پودینہ (کٹا ہوا)	دو کھانے کے گچ	سیاہ مرچ پاؤڈر
چھ عدد	کری پتے	حسب ضرورت	نمک
ایک کھانے کا گچ	ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	حسب ضرورت	گارلک مایونیز بنانے کے لیے
دو کھانے کے گچ	سویا سوس	ایک کپ	مایونیز
دو کھانے کے گچ	لیموں کارس	دو عدد	لہسن کے جوئے (کوٹ لیں)
ایک چھوٹی ٹکیہ	کھن	ایک چائے کا گچ	مسٹرڈ پیسٹ
ایک عدد	پیاز (آٹھ ٹکڑے کر لیں)		ترہ بند۔
دو عدد	ٹماٹر (آٹھ ٹکڑے کر لیں)		
ایک عدد	شملہ مرچ (آٹھ ٹکڑے کر لیں)		
ایک عدد	بڑی مرچ (ثابت رکھیں)		
آدھا کپ	تیل		

گارلک مایونیز بنانے کے لیے ایک کپ میں مایونیز، لہسن اور مسٹرڈ پیسٹ ڈال کر مکس کر کے ایک طرف رکھ دیں۔ ایک الگ پیالے میں لال مرچ، پیپر پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، لہسن، لیموں کارس، نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور زیتون کا تیل ڈال کر مکس کریں۔ اس کچھرو کو جھینٹوں پر لگائیں اور اسے ڈھک کر تیس منٹ کے لیے میرینٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ آٹھ منٹوں میں کونے دھکا لیں۔ میرینٹ کیے ہوئے جھینٹوں کو سینوں میں پرومیں اور آٹھ منٹوں پر رکھ کر گولڈن براؤن ہو جانے تک سینک لیں۔ جھینٹوں کے پک جانے کے بعد انہیں سرونگ پیسٹ میں نکال لیں اور تیار کیے ہوئے گارلک مایونیز کے ساتھ سرو کریں۔

ترکیب:-
نمک گلی چھلی کو فرائی کر لیں۔ اب اس میں پیسٹ والا مسالا لگائیں اور ہیلنگ ٹرے میں رکھیں۔ اب سویا سوس لیموں کارس اور اچینو موتو والا کچھ پیاز شملہ مرچ اور ٹماٹر کو لگا دیں اور چھلی کے برابر میں گارنش کی طرح رکھیں۔ اب چھلی پر کری پتے اور کھن کی ٹکیہ لگا کر اوون میں بیک کریں تقریباً آدھا گھنٹہ تک۔ اس چھلی کو کھانے / سرو کرنے سے پہلے بیک کریں پہلے سے بیک کرنے پر اس کا مزہ خراب ہو سکتا ہے۔

منزہ سومرو..... جمہور سندھ

قرۃ العین حیدر..... ڈسکہ، گجرات
عربی چھلی
پلٹ: کوئی بھی ثابت چھلی ایک کلو (کٹ لگا کر
نمک لگا دیں)
ایک انچ کا ٹکڑا
چار جوئے
ایک عدد
اورک
لہسن
ہری مرچ
(اورک، لہسن اور ہری مرچ کو پیس لیں اور اس میں دھنیا،
زیرہ، مسٹرڈ پاؤڈر چھلی بھر نمک ملا کر پیسٹ بنا لیں)
سفید زیرہ
آدھا چائے کا گچ

کی شدت کم کر سکتے ہیں۔ یہ نسخے انہی اجزاء پر مشتمل ہیں جنہیں اشتہاری کمپنیاں اپنی مصنوعات میں شامل کرنے کے دعوے دار ہوتی ہیں۔

☆ گندھک کا سفوف، ریٹھے اور سیکا کائی کا پاؤڈر ملا کر سر کی جلد میں لگائیں، سیکا کائی طے پانی سے سردھولیں، بالوں کی جڑوں سے سکری کا کاٹھ ہو جائے گا۔

☆ کیلے کے ٹودے میں ناریل کا تیل ملا کر آمیزہ بنا لیں، ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ بھیجنا سک کے طور پر جڑوں میں لگائیں، بال نہ صرف خشکی سکری سے محفوظ رہیں گے بلکہ ملائم چمکدار ہو جائیں گے۔

☆ انڈوں کو پھینٹ کر ان میں نیم گرم پانی شامل کریں، اسے بالوں کی جڑوں سے سروں تک لگائیں، دس منٹ بعد دھولیں، بہتر نتائج کے لیے پانی کے برعکس دودھ بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

سکری اور غذا

غذا اور بالوں کے باہمی تعلق کو نظر انداز کر دینا دانشمندی نہیں جدید تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ غذا صحت مند بالوں پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے۔ متوازن غذا سکری کے شکار بالوں کے علاج میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے یہاں یہ امر بھی لازمی ہے کہ ایسے خواتین و حضرات جن کے بالوں پر سکری بڑھتی جا رہی ہے، وہ نشاستے دار پروٹین، مرغن اور نمکین غذاؤں سے پرہیز کریں۔ گوشت، کھین، ڈبے میں بند غذا میں بالوں کی صحت کو نقصان پہنچاتی ہیں ان کی زیادتی سے بالوں میں سکری پیدا ہوتی ہے۔ سکری کے لیے بطور علاج سب سے بہتر غذا دودھ اور اس سے تیار ذیری پروڈکٹ ہیں۔ دودھ، پنیر، دہی، مہنیاں، کھیل اور سی فوڈ سکری کی بیماری کے خلاف بہترین غذائی ہتھیار ہیں۔ انہیں روزمرہ غذا میں شامل رکھیں تو سر کی جلد کو مطلوبہ غذائیت ملنے لگتی ہے۔

بالوں کا ہرش سکری کا سبب

بے رونق بالوں میں چمک لائیں
بالوں میں چمک پیدا کرنے کے لیے ایک ایسا جادوئی نسخہ موجود ہے جو بالوں کو دیر پارگت عطا کرتا ہے۔

ایک کھانے کا چمچ مہندی، ایک لیٹوں کا رس، ایک عدد انڈا، تھوڑی سی کائی شامل کر کے پھینٹ لیں ایک گھنٹے تک یہ آمیزہ بالوں میں لگا رہنے دیں۔ پانی میں ایک چمچ گلیسرین ملا کر ابال لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اس سے بالوں کی جڑوں پر مساج کیجیے آخر میں ہلکا گرم تولیہ بالوں میں لپیٹ کر آدھے گھنٹے بعد گھولیں، یہ نسخہ خشک بالوں کے لیے غیر معمولی حد تک مفید ہے۔ بالوں کی ملائمت، چمک اور خوب صورتی لوٹ آئے گی، بالوں کی سکری سے بھی نجات حاصل ہوگی۔

چند روز کے چوں میں بھی فولاد کثرت سے پایا جاتا ہے چند رکھا نہیں اور اس کے چوں کو ابال کر ٹھنڈا ہونے پر اس پانی سے سردھولیں، سر کی جلد پر جمی خشکی سر کی ختم ہو جائے گی۔

سکری کا خاتمہ

شیمپو کا انتخاب

سکری کے خاتمے کے لیے کون سا شیمپو بہتر ہے؟ اس حوالے سے کچھ کہنا یوں مشکل ہے کہ اشتہارات کی صنعت اتنی فروغ پا چکی ہے کہ شیمپو کی ظاہری پیکنگ ہی صارفین کو متاثر کرنے کے لیے کافی ہے، یہ حقیقت ہے کہ بعض شیمپو سکری سے نجات کے لیے موثر بھی ہیں لیکن بیشتر شیمپو میں زائد کیمیکلز کی بہتات بالوں کی حالت میں اتھری پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اگر آپ کے بال بھی سکری کا شکار ہیں اور اس تکلیف سے مستقل نجات بھی چاہتے ہیں تو کچھ گھریلو نسخے مرض

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہ وہ آپ کے بالوں کے سلسلے میں مناسب مشورہ دے۔ اس کے لیے کلر بار سسٹم کو متعارف کروایا گیا ہے جو آپ کے بالوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اس سسٹم میں ایسی خصوصی مصنوعات شامل ہیں جو آپ کے بالوں پر کیمیائی عمل کے ذریعے انہیں بہتر حالت میں لاسکتی ہیں۔

حفاظتی شیمپو

حفاظتی شیمپو آپ کے بالوں کو بہتر طور پر صاف کرتا ہے یا آپ کے بالوں کے اپنی آکسیڈینٹ اجزا کو ختم کر کے آکسیجن کے نظام کو بہتر بناتا ہے اس کے علاوہ بالوں میں ایسی خصوصیات پیدا کر دیتا ہے کہ بنفشی شعاعیں آپ کے رنگے ہوئے بالوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بالوں کو پروٹین اور سلکیون مہیا کرتا ہے جو آپ کے بالوں کو قوت کے ساتھ ساتھ ہموار اور چمکدار رکھتا ہے۔ بالوں کی مضبوطی کے لیے وٹامن اور قدرتی اجزا کی ضرورت ہوتی ہے اس کے علاوہ بالوں میں کلورین اور دیگر اجزا کی صفائی کے لیے کسی بہتر ذریعے کا ہونا ضروری ہے اس کے لیے شیمپو بہتر ہے خاص طور پر ایسے شیمپو جو زرد رنگ پر مشتمل ہوں وہ نا صرف بالوں کو صاف اور چمکدار بناتے ہیں بلکہ آپ کے بالوں کے رنگوں کو بھی متاثر نہیں کرتے اور انہیں ضرورت کے تحت غذائی اجزا بھی فراہم کرتے ہیں۔

اناہیہ رحمان..... واہ کینٹ



سکری کے علاج کے لیے پہلا قدم بالوں کا برش ہے بالوں کا یہ برش صحت مند بالوں میں بھی سکری پیدا کر سکتا ہے یہ احتیاط ضروری ہے اپنے بالوں کے لیے الگ برش رکھیں۔ سر کی جلد میں خون کی گردش جاری رکھنے کے لیے بالوں میں روزانہ تین بار برش کریں اس عمل سے جلد پر سکری کے ذرات جمع نہیں ہو پائیں گے۔ سر میں دوران خون بڑھنے سے سکری ختم ہونے لگتی ہے بالوں کے برش کو قدرے نرم ہونا چاہیے تاکہ جلد میں خراشیں پیدا نہ ہوں کیونکہ سکری سے متاثرہ جلد زیادہ حساسیت ظاہر کرتی ہے۔ سکری ایک بیماری ہے جو بالوں کے برش کے ذریعے منتقل ہو سکتی ہے۔ سکری سے متاثرہ بال بے رونق ہو جاتے ہیں سکری سے نجات کے لیے عموماً تیل لگا یا جاتا ہے لیکن محض تیل کے استعمال سے بالوں کی جڑیں مضبوط نہیں ہو سکتیں اس کے لیے مکمل ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہوتی ہے جو گھر پر بھی کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلے بالوں میں معیاری میٹر ماسک لگائیں گرم پانی میں بیجا تولیہ نچوڑ کر بالوں کے اطراف لپیٹ لیں تولیہ خشک ہونے کے بعد بادوں میں خوب کھٹکا کریں یہاں تک کہ جڑوں سے سکری نکلنے لگے۔

سکری سے نجات کے لیے زیتون کے تیل میں لیووں کا رس ملا کر کھوپڑی پر لگائیں یہ عمل کیا جائے تو سکری کی بیماری چند مہینوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ بالوں کی صفائی کے لیے نیم گرم پانی استعمال کریں ٹھنڈے پانی سے سکری بڑھ جاتی ہے۔ تیل لگاتے ہوئے یہ ضرور ذہن میں رکھیں کہ تیل کا مقصد بالوں کو چمکا رکھنا نہیں بلکہ بالوں کی جڑوں میں کی گئی مالش بالوں کو ضروری غذائیت فراہم کرتی ہے سکری کی جہی تہہ اترنے لگتی ہے۔

کلر بار سسٹم

آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی میٹر ڈریسر سے کہیں

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 286

نیرنگ خیال

ایسن وقار

مصطفیٰ مصطفیٰ

سید دو جہاں محمد مصطفیٰ
 امام کبریا شاہِ بطلما
 کروں کیسے میں تیری مدحت سرائی
 ناقابلِ بیاں ہے تیری خوشنمائی
 تیری ذاتِ اقدس کے سبھی رنگوں میں
 جھلکے جھلکتی
 محبت و تعظیم کی
 تیری نظرِ کرم نے مجھ کو دان کیا
 میرے لوح و لہم کو بخشا وہ نور
 جس سے قلب و نظر کو ملا سرور
 سید دو جہاں محمد مصطفیٰ
 امام کبریا شاہِ بطلما
 وجہِ تخلیق کائنات ہے تو
 ہر خطا سے پاک ذات ہے تو
 تیرے خیال و فکر کے جوتانے بنے
 مجھے رب کائنات کے حوالے ملے
 سید دو جہاں محمد مصطفیٰ
 امام کبریا شاہِ بطلما

سامعہ ملک پرویز..... بھیرہ خانپور

جنوری آئی ہے
 اسے کہنا کتابوں میں رکھے ہوئے
 کچھ پھول.....
 اس کے لوٹ آنے کا یقین
 اب تک دلاتے ہیں
 اسے کہنا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں
 کسی منظر پر چھا جائیں
 تو سب منظر یومی بھیک جاتے ہیں
 اسے کہنا کہ ٹھنڈی برف پر

کوئی کسی کے ساتھ چلتا ہے
 تو قدموں کے نشاں پھر سے اسی کے
 لوٹ آنے کے نشاں دل پر بناتے ہیں
 اسے کہنا کہ خوشبو چاندنی تارے صبا
 رہتے گھٹا.....

محبت چاندنی، شبنم، ہوارات دن
 پایاں ہارس.....
 کبھی ناراض ہیں تم سے
 اسے کہنا جدائی کے درختوں پر جو سوکھی ٹہنیاں ہیں
 وہ ساری برف کی چادر میں کب کی ڈھک چکی ہیں
 ان شاخوں پر یادوں کے جو پتے تھے
 سنہری ہو گئے ہیں
 اسے کہنا دمبر سو گیا ہے
 اور نخبستہ وہ بھگی جنوری پھر سے لوٹ آئی ہے
 اسے کہنا کہ لوٹ آئے

فرزانہ شوکت..... کراچی

غزل

تمہارا یوں ساتھ رہنا اچھا لگتا ہے
 کہ اب بجا سنورنا اچھا لگتا ہے
 تیرے خیالوں میں گم سم رہنا
 خود سے یوں بیگانہ رہنا اچھا لگتا ہے
 تیرا دلشیں لہجہ وہ پیار بھری باتیں
 انہیں ہر دم سوچتے رہنا اچھا لگتا ہے
 وفا کریں گے بھامیں گے نہ بدلیں گے
 یہ عہدِ الفت دہراتا اچھا لگتا ہے
 خوشیاں مسرتیں تیرے لیے ہواے ہم ما
 نوید کو اب محو دعا رہنا اچھا لگتا ہے

بشری نویدہ ہاجوہ..... اوکاڑہ

غزل

سرد موسم کی کٹک لے ڈوبی
 اس کے ہاتھوں کی مہک لے ڈوبی
 سرخی لب سے کھلا اک اک رنگ
 ابر برسا کہ دھنک لے ڈوبی

اپنے ہاتھوں میں
تمہارے نام کی
تمہارے ساتھ کی
لکیر کو تلاشا تھا
آنکھیں دھندلائی ہوئی تھیں
یا شاید.....

دل ہی سہا ہوا تھا
تین لکیریں واضح تھیں
دل..... تمہاری محبت سے لبریز تھا
دماغ..... گواہی دے رہا تھا
زندگی..... کبھی اہل ہوئی ہے بھلا؟
مٹھیاں بھینچ کر

میں نے سوچا تھا
لکیریں جھوٹ بولتی ہیں
ہمارے قدم ہر رستے پر
ساتھ ساتھ اٹھیں گے
یہ محبت.....

ہماری محبت
زندگی کو اہل بنا دے گی
تم نے پلٹ کر دیکھا تھا
میں نے اپنی سوچوں پر
سر کو جھٹکا تھا

ایک شام
یوں ہی چلتے چلتے
آج.....

میں سوچ رہی ہوں
یہ سفر
کٹ ہی جاتا ہے
کوئی اوجھڑا نہیں رہتا
زندگی.....

آہ..... زندگی کبھی اہل ہوئی ہے بھلا؟

صائمہ قریشی..... آکسفورڈ
نظم

صبح ٹھہری کہ ڈبویا عالم
ان نگاہوں کی چمک لے ڈوبی
منزل دل کے پرے تھا صحرا
سایہ کرتی یہ سڑک لے ڈوبی
سرمئی شب کی گھٹا میں بارش
ایسے ڈوبی کہ لٹک لے ڈوبی
اک اوجھڑا سا مکمل ماضی
خواب جیسی یہ جھلک لے ڈوبی
دشت کی یاد میں احمد مجھ کو
ذرو چوں کی کک لے ڈوبی
فیاض احمد.....

ایک شام

یوں ہی چلتے چلتے
ابھینیں بانٹتے
پنتے بناتے
بے دھیانی میں
بے راختہ.....

تم دو قدم
جب آگے بڑھے تھی
دل ایک لمحہ کو ہم سا گیا تھا
ایک کک نے
رکی دھڑکنوں کو جکڑا تھا
کئی دسوں سے جاگے تھے
یہ تو صرف

یہاں سے وہاں تک
کاسفر ہے

تمہارا تو دو قدم آگے بڑھ جانا
روح کو کھینچ گیا تھا
کیا میرا زندگی بھر کا سفر
تمہارے بنا اوجھڑا نہ ہوگا؟
میں نے ڈبڈبائی نظروں سے
تمہارے بے دھیانی میں
اٹھتے قدم دیکھ کر

محبت آگ کی مانند
جو دل کو راکھ کرتی ہے
دل کی آ باد دنیا کر
ویران کرتی ہے
محبت پھول کی مانند
کہ.....

جس کو پانے کی خواہش میں
ہجر کی راہ کے کاٹنے
پاؤں لہلہان کرتے ہیں
بہت برہا کرتے ہیں
ہجر کی راہ کے کاٹنے

پارس..... چکوال

غزل

شان و شوکت کا وہ مانا محل عالی شان ہے
شرم و غیرت کا گھر اس میں بھی کچھ فقدان ہے
ہر قدم پر بکھری جاتی ہے یہاں انسانیت
جس طرح فٹ پاتھ پر مرتا ہوا حیوان ہے
جھوٹ اور نصیبت کی دنیا میں جو رہتا ہو گم
اس زمانے میں وہ سب سے معتبر انسان ہے
خاندانی اور نجابت کی کہانی اب پرانی ہو گئی
عیش کی دولت ہی اب انسان کی پہچان ہے
جس کو دیکھو گا رہا ہے گن شرافت کے یہاں
بہنا رہا ہے اک فرشتہ اصل میں شیطان ہے
غزل اپنی عاقبت سے کس قدر ہو بے خبر
زندگی ہے چار دن کی پھر بھی تو انجان سے

سلسلی غزل..... کراچی

وہ جو بچپن میں مرے ساتھ پڑھا کرتی تھی
وہ جو بچپن میں مرے ساتھ پڑھا کرتی تھی
وہ جسے دیکھ کے دن شوق کا ہوتا تھا طلوع
دیکھ کر جس کو شب رنج گزر جاتی تھی
وہ مری شب کی عبادت مرے دن کا روزہ
وہ مرے دل کا سکون آنکھ کی ٹھنڈک لڑکی
بچپن میں بھی جوں حسن کی مالک لڑکی

بھولی بھالی سی وہ مصوم سی نازک لڑکی
کیا لکھے نازکی اس کی یہ قلم آف اللہ!
جس کے ماتھے پر سینہ بھی یوں آئے جیسے
شبنمی بوند پر سطح گلاب آ جائے
وہ جو لب کھولے جھپکتے ہوئے رنگین آنکھیں
سنگ زاووں کے علاقوں میں عذاب آ جائے
حشر برپا ہو وہاں یوم حساب آ جائے
وہ تو موسم کے بھی اطوار بدل دیتی تھی
خازن زاروں میں وہ پھول کھلا دیتی تھی
اک دیا جیسے جلاتا ہے ہزار ایک دیے
وہ کئی پھول کھلاتی تھی جدھر جاتی تھی

وہ پرستار سے مرے خواب میں آنے والی
میرے بچپن کو جوانی سے ملانے والی
اب جوانی میں بھی بچپن کی طرح دکھتی ہے
وتن زلفوں وہی چہرہ وہی آنکھیں وہی کمال
وتن زلفوں سے سا بھرتی ہوئی پھولوں کی مہک
وتن چہرے پر شرافت کی برستی برکھا
وتن آنکھوں میں محبت کی طلب گار نگاہ
وتن گالوں پر چمکتے ہوئے مہتاب کے نقش
وہ ذرا بھی تو نکس پدلی ہے دس سالوں میں
کچھ جو بدلے تو اتنا کہ مرے ساتھ نہیں
یہی تہدیلی ہوئی مجھ سے تعلق نندا
اک یہی دکھ ہے یہی رنج مجھے روندتا ہے
اب میں قسمت سے بھی ہر وقت یہی پوچھتا ہوں
کہ جو بچپن میں مرے پاس رہا کرتی تھی
اب مجھے پاس بٹھانے سے گریزاں کیوں ہے؟
وہ جو بچپن میں مرے ساتھ پڑھا کرتی تھی
اب مرا ساتھ بٹھانے سے گریزاں کیوں ہے؟

حارث بلال..... جامعہ سرگودھا

ذہلی شام

ذہلی شام میں جب
کوئی عکس تمہاری آنکھوں میں
کوئی نام تمہارے ہونٹوں پر

دریچہ بدل پر
 کسی کی یاد جب دستک دے
 اس یاد سے دامن چھڑا لینا
 وصل کو جب بے تاب ہو دل
 اور سامنے وفا جائے
 ہر خواہش کو دپالینا
 جذبے عیاں نہ کرنا
 شدت میں چھپا لینا
 سنو دوست!
 ابھی لوٹ جانا چھاپے
 اس پل سے جو
 رسوا مردے
 گرہینہ کر سکتی
 تو بس اتنا سوچ لینا
 محبت رسوا کرتی ہے

زخیر یہ بشر تمنا.....

نوزہال بچے

مجھے یقین ہے
 میرے وطن کی تمام ماؤں کے دل دکھی ہیں
 مگر وہ پھر بھی
 یہ چاہتی ہیں
 کہ
 ان کی ملت کے سارے بچے اسکول جائیں
 پڑھیں، لکھیں اور
 وطن میں اونچا مقام پائیں
 میرے وطن کی تمام ماؤں
 بہت محبت سے سوچتی ہیں
 کہ

سب ہی بچے ہیں ان کے بچے
 وہ بھی جو ملکِ ہمدرد ہمارے
 وہ بھی جو ہیں اپنی ماؤں کے پیارے
 وہ سارے بچے انہی کے ہیں اور
 وہ ان کے ہم سے رہیں گی زندہ

حوصلے سے یہ دکھ کبھی کی
 وہ دعائیں کرتی ہی رہیں گی
 سدا سلامت رہیں وہ بچے
 جو اپنے ماں باپ کی خوشی ہیں
 جو اپنے ماں باپ کی زندگی ہیں
 سہاس گل..... رحیم یار خان
 بے بسی

قلم ہاتھ میں تھامے
 میں خود سے کہتی ہوں
 کہ میں خود کو لکھنا چاہتی ہوں
 لفظوں میں عیاں کرنا چاہتی ہوں
 اپنی پرت در پرت ابھی ذات کو
 عیاں کرنے کے لیے
 جب کاغذ قلم تھامتھی ہوں
 خود میں بکھری الجھنیں بڑھ جاتی ہیں
 درذاتیت بڑھ جاتی ہے
 دکھ حد سے سوا ہونے لگتا ہے
 پھر کہتی ہوں میں کچھ لکھنا چاہتی تھی
 ابھی ذور کا سراؤ حوٹنا چاہتی تھی
 مگر.....

یہ الجھنیں کیا ذہن میں یہ دکھ یہ درد
 رقم ہو ہی نہیں پاتے
 میں کچھ کہہ نہیں پاتی
 کچھ لکھ نہیں سکتی
 اذیت ظہم نہیں سکتی
 مقدر بدل نہیں سکتا
 آہ..... میں کچھ لکھ نہیں سکتی

طیبر سحر یہ عطار یہ..... سیا لکوت

ماں جب ٹو مسکراتی ہے

ماں.....
 جب ٹو مسکراتی ہے
 مجھے ایسا لگتا ہے
 کہ جیسے.....

سنے راتوں کے سب ٹوٹ گئے
 میری ویران آنکھیں
 میری ذات گلست.....
 عمر بھر کے صحر میں سب لوٹ پڑیں
 بہت پوچھا قصور اپنا
 بہت تلاشا جرم اپنا
 پھر دایا.....
 ہم نے ایک معصومی تمنا کی تھی
 ہم نے فقط محبت کی تھی.....!

عائشہ صدیقہ..... چکوال

غزل

وقت بھی کتنے انداز بدلے ہے
 کبھی شجر کے سائے جیسا ملتا ہے
 کبھی دھوپ کے روپ بدلتا ہے
 کبھی پرندوں کی چوہاٹ کی آواز لگتا ہے
 کبھی بہت ویران بہت اداس لگتا ہے
 کبھی خستہ حال مکانوں جیسا
 کبھی بے بنیاد ساطوں جیسا
 کبھی گزرے لحوں کو سامنے لے آتا ہے
 کبھی ہر لمحے کو فراموش کر جاتا ہے
 کبھی ہمیں حکم اداں لگتا ہے
 کبھی ہمیں امید دونوں جہاں لگتا ہے
 کبھی صبح کی آمد کا پیغام لیے آتا ہے
 کبھی شام سے بھی پہلے رات کا سماں لیے آتا ہے
 کبھی اداسیوں سے بھرا سماں لگتا ہے
 کبھی خوشیوں میں ڈوبا اک نیا جہاں لگتا ہے
 کبھی جھوم شہر میں بھی تھا لگتا ہے
 کبھی تنہائی میں بھی ایک کارواں لگتا ہے

رانی کوثر رانی..... ہری پور ہزارہ

غزل

اکیلا پن ستائے تو مجھے آواز دے دینا
 کوئی نہ پاس آئے تو مجھے آواز دے دینا
 لب جو چھپاتے ہنس، منظر شام کا اچھا

دھنک کے ساتوں
 رنگ زمین پر اترا آئے ہوں
 تمہیں مجور قص ہوئی ہیں
 ماں.....
 جب تو مسکراتی ہے
 چاند میرے آنکھن میں اتر آتا ہے
 پھول پھولیاں برساتے ہیں
 ہر شے تم ہی جاتی ہے

ماں.....
 جب تو مسکراتی ہے
 ہر منظر کھل ہو جاتا ہے
 ماں.....
 جب تو مسکراتی ہے

خدیجہ الکبریٰ..... کھڑیاں قصور
 تمنا

ایک معصومی تمنا کی تھی
 کہ زندگی کے سفر میں
 وہی ہو ہم سفر میرا
 جس سے محبت کی تھی
 ایک چھوٹا سا آنکھن ہو
 ہر سو گل محبتوں کے گل اٹھے
 پیار کی برستی برکھا سے
 تجھ کو روپ مہک اٹھے
 عشق کا چھٹی لہنے پر پھیلائے
 گیت چاہتوں کے تنگنا اٹھے
 نغزوں کی نوب بھاکر
 دہپ محبت کے جل اٹھے
 دیول کی سلگتی آرنج
 حسن زبان سے گل اٹھے
 مگر.....
 خواہش کی ہر کشتی کو کنارہ نہیں ملتا
 پھر یوں ہوا کہ
 خواب آنکھوں سے روٹھ گئے

از میرا کھیل جائے تو مجھے آواز دے دینا
 تری چاہت کے متوالے نے تیرے ناز اٹھائے
 ہر اک آنکھیں چمائے تو مجھے آواز دے دینا
 غزلی آنکھ بھرائے تمہیں نہ سسکیاں جس دم
 کون نہ غم بٹائے تو مجھے آواز دے دینا
 تمہارے روپ کے بھنورے چلائیں طفر کے نشتر
 زمانہ دل دکھائے تو مجھے آواز دے دینا
 ترے آنکھن کے گلشن کو بہاریں الوداع کہہ دیں
 خزاں در کھٹکھٹائے تو مجھے آواز دے دینا
 کہے راہی تجھے ڈسنے لگے جب گونج شہنائی
 خوشی جب راس نہ آئے تو مجھے آواز دے دینا
 برکت راہی..... ڈگری

سکون

تتاو پھر کے سائے سے
 کیا احتجاج پاتے ہیں
 پرندے اور انسان
 دونوں ہی سکون پاتے ہیں
 یہی شجر کاٹ کر انسان اپنے لیے
 گھر بناتے ہیں
 پرندے اپنا مسکن
 تو قنادیکھتے ہی رہ جاتے ہیں
 پھر.....
 انسان کے گھر پر پرندوں کو سکون کیسا
 سکون.....
 تو انسان بھی ڈھونڈتے رہ جاتے ہیں
 شمیمہ فیاض..... کراچی
 بے بسی

نا انصافی کے سارے جرم سنا میں
 جی چاہتا ہے
 یہ طرف کی بچی آنکھوں سے اتاریں
 تمہیں سبے اعتنائی ہے پروائی
 تغافل کے سارے موموں سے گزاریں
 تمہیں مرد مہری کے ذنوں میں تپتا چھوڑیں
 تمہیں بنا سحر کی شب میں سسکتا چھوڑیں
 جی چاہتا ہے.....
 تمہیں آہوں آنسوؤں کے ڈالنے سے گاہ کر دیں
 تمہیں دھتکاریں پٹھنیں زریزہ ریزہ کر دیں
 تمہیں بے اعتباری نظر اندازی
 لا چاری کی صورت دکھا دیں
 تمہیں ستانے بھولانے ٹھکرانے کی
 اذیت سمجھا دیں
 جی چاہتا ہے.....
 تمہیں صبر حوصلوں کی کیفیت بتائیں
 تمہیں محبت سے نفرت کے مقام پر لائیں
 راس قدر غصے کے باوجود بھی ہم
 تمہیں آج تک
 سوچتے سوچتے آرہے ہیں
 انتقام کے سب منصوبے روند کر
 اپنے دل کی بے بسی سے
 ہارتے آرہے ہیں
 وہی دل جسے ٹم نے
 تھا کیا ہے رسوا کیا ہے
 اس میں تمہارے دکھ سننے کی
 سکت تو ہے لیکن
 تمہیں مزادینے کی ہمت نہیں ہے

حمیرا فضا..... رحیم یار خان



دوست کا پیغام

بہا احمد

یارِ دنیا پیاری دوستوں کے نام

ہیلو کیسی ہیں میری ساری کیوٹ فرینڈز! ہا احمد آپ سے دوستی کی درخواست کی ہے، سمجھا کریں ناں ویسے آپ کہاں آسانی سے اپنی خوب صورت سی بزم میں جگہ دیتی ہیں۔ رشک، اتنی اپنائیت سے تم نے اپنے پیغام میں مجھے مخاطب کیا، سچی یارا بہت اچھا لگا اور کزنہ مریم نہ صرف میری بہت کلوز فرینڈ ہے بلکہ میری فرسٹ کزن بھی ہے۔ میری لائف میں آج کل پڑھائی اور اپنوں کی محبتیں چل رہی ہیں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ماہ رخ، نورین شاہد، عائشہ خان، کزیو! تم لوگ کہاں گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئی ہو جلدی سے آج کل میں انٹری دو، اچھے اچھے پیغامات کے ساتھ۔ وقاص بھائی! میں نے اس بار تمہیں برتھ ڈے بالکل وش نہیں کرنا، سمجھا انتظار بالکل نہ کرنا۔ ہاں البتہ تمہیں گفٹ ضرور دوں گی، آ کر لیتا پڑے گا، ایک ٹھونسا تو تم بالکل ہی بھول گئے ہو، فرصت کا تو ایک لمحہ بھی تمہارے پاس نہیں ہوتا اور تم..... تمہارے پاس کہاں ناٹم ہوتا ہے، پرائم فیسٹر آف پاکستان نہ ہوتو..... ہاں فرح، آصف، اقصیٰ، سمعیہ کیسی ہو تم لوگ؟ اقصیٰ ویسے تم نے چاند بھائی کس کو کہہ دیا، زہمی خواخوا خوش ہوتا پھر رہا ہے۔ اس کی شادی بھی تو سر پر ہے ناں، مجھے خوشی کے ساتھ ساتھ کوفت بھی ہو رہی ہے سردی کی وجہ سے بندہ وا بھریت ہی ہوتا رہتا ہے۔ اچھا یار شادی پر بہت مزہ کریں گے، تم لوگوں کا انتظار ہے گا اور کہنا یہ ہے کہ.....

غم ہانٹنے کی چیز نہیں پھر بھی دوستو ایک دوسرے کے حال سے واقف رہا کرو ٹائیٹل..... لیلیائی سرگودھا بہت ہی پیارے پرنس وسیم اکرم وصی کے نام

اسلام علیکم! مائی سویٹ پرنس کیسے ہیں؟ امید ہے کہ بفضلِ خدا میری دعاؤں سے خیریت سے ہوں گے، جب تک یہ پیغام آپ کو سر پرانز طے گا تب تک آپ کا باؤں (جس پر میری وجہ سے چوٹ لگی، آٹم سواری مائی لو) ٹھیک ہو چکا ہوگا اور آپ سعودیہ جانے کی تیاری بھی کر چکے ہوں گے وہ بھی میرے بغیر۔ میں بہت بہت یاد کروں گی آپ کے بنا ہر رات دن ادھورا آپ کی یاد میں گزرے گا۔ یہ چار پانچ مہینے بہت روکھے ہوں گے، میرا دل رو رہا ہے، وصی یہ لکھتے ہوئے بھی مگر جانا ضروری ہے آپ کی سلامتی کی دعا میں ہر وقت مانگتی رہتی ہوں مگر آپ کی خود سے بے پربائی مائی گاڈ..... وصی میں جانتی ہوں کہ بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے مگر ہر خواہش ہر سوچ پوری تو نہیں ہو جاتی ناں۔ میں نہیں جاسکتی تھی آپ کے ساتھ یہ سب بنا ٹیمپل کے اکیلے بیچ کرنا آگے جا کے بہت مشکلیں پیدا کرتا، خیر میں نہیں ہوں تو کیا میری یادیں تو آپ کے ساتھ ہوں گی ناں مائی پرنس! آپ اپنا بہت سا خیال رکھیے گا میرے لیے پلیز اور واپس آئیں اور اپنی ایم ایس سی وائف کے ساتھ مزے کی لائف گزاریں، اچھی سی فیملی بنا لیں۔ میں ہر پل دعا گو ہوں آپ کے لیے، اللہ آپ کو نئے سال کے ساتھ بہت سی خوشیاں کامیابیاں نوازے، آمین۔ پھر کبھی اسی طرح مخاطب ہوں گی فی امان اللہ، آپ کی پرنسز۔

سعدیہ وصی.....

چند امثال، کلفتہ خان، انعم خان اور آنجل کی تمام بہنوں

کے نام

اسلام علیکم! میری پیاری پیاری کشمی، شیخی، تمین جیسی، کچھ کرلیے جیسی اور اس کچھ مرچی جیسی، ہمیں امید ہے کہ خیریت سے ہوں گی۔ تین سالوں کے بعد پھر دوبارہ آپ کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں، کیا کہتا آپ دوستوں کے۔ میں نے زندگی اور موت کی کشمکش میں دو سال گزار دیئے اور آپ دوستوں نے ہمیں یاد بھی نہیں کیا، خیر مگر ہم بھی ڈھیٹ ہیں دوبارہ آ گئے۔ اب کیا ارادے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

آئے گا نا.....

عظمنی بیٹ..... سمندری

سویت دل گروپ کے نام
اسلام علیکم! آنچل کی پریوں اور تمام آنچل اسٹاف کو
محبت بھرا سلام کیسی ہو سب؟ سب سے پہلے اپنے بھائی
بلاول کو بیٹی کی پیدائش پر بہت بہت مبارکباد اس کے
بعد تمام فرینڈز شاہ زندگی ماہ رخ سیال امبر گل قرۃ العین
ایس انمول مسکان (قصور) شمع مسکان نورین شاہد
شادقار جیا عباس انس انجم اور جن کے نام رو گئے ہیں
سب کو سلام اور بہت بہت سوری کیونکہ مصروفیات کی وجہ
سے کافی ماہ سے ہم آنچل میں غیر حاضر رہے۔ آپ سب
کو تو جیسے ہم بھول ہی گئے تھے لیکن شمع مسکان ہمیں یاد
رکھنے کا شکر یہ اوما آخر پر ہماری سویت کیوت اور لولی سی
تجیحی کسا ایش کو بہت بہت پیارا و اما پی کوئل رہا با آپ
پریشان نہ ہوں ہماری دعا میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں
گی او کے جی اللہ حافظ ٹیک کیئر۔

فاخرہ ایمان..... ملاحور

ثمن مصطفائی اور دل میں رہنے والوں کے نام
میں سال سے ان خوشیوں کو ہم سب ترس رہے تھے
لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے خوشیوں کے دروازے
کھول دیئے 18 نومبر کو ہمارے چاچو کے ہاں (ثمن
مصطفائی) پیدا ہوئی ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چھوٹی
سی جان کو سلامت باقیامت رکھے بیٹا زک پر یاں تورت
الذرت کا فضل ہوتی ہیں انعام میں برکت ہیں ترقی کے
راستے کھولنے والی ہیں۔ چاچو جی ہم سب مایوس ہو چکے
تھے لیکن بیس سال سے آپ کے منہ سے بس یہی سنتے
آئے ہیں کہ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ چاچو جی
آپ کو صبر کا پھل مل گیا ہے ثمن آپ کی بیٹی نہیں بیٹا
ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو آپ کی وائف اور
ثمن کو عمر خضر عطا کرے ثمن کی ممان کو صحت کاملہ عطا
کرے آمین۔ پیرا شریف طور (میری جان) 26 دسمبر کو
آپ کی سالگرہ تھی اور سعدیہ (بیٹ فرینڈ) ہماری

ہیں دوبارہ سے دوستی کرنی ہیں؟ چندا مثال: حلقہ خان
آپ کے نمبر مس ہو گئے مہربانی کر کے رابطہ کریں اور
آنچل کی دوستیں جس میں سمیرا مشتاق پروین افضل
عطروہ سندرز رابعہ اکرام اریبہ شاہ کرن وقتا طاہرہ ملک
کرن شاہ مقصد رباب سائرہ مشتاق شامکہ اکرام امین
وقت شمع مسکان نورین شفیق تزجس رانی رضوانہ ملک نبیلہ
خان شامل ہیں اگر ہماری دوستی منظور ہے تو ضرور رابطہ
کریں میں تمہا ہوں۔ انم خان آپ نے 2011ء نومبر
میں لکھا تھا کہ آپ مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہیں آپ کی
دوستی دل و جان سے منظور ہے رابطہ کیجیے مگر سوچ کر پہلے
0301 مرتبہ معلوم کروا کر دل کہے تو ہاں 976 مرتبہ اوکے
کرو تو آپ سب دوستیں میرے روبرو ہوں گی مجھے
دوستوں کی تندیہ ضرورت ہے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد
کریئے گا لار اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تمام بہنوں سے
درخواست ہے کہ مجھے دل سے معاف فرمائیے گا۔

انجم انجم اعوان..... کورنگی کراچی

لولی نیچر اینڈ سویت فرینڈ کے نام

مائی لولی نیچر عمیرہ نیا سال بہت بہت مبارک ہو
نئے سال کے ساتھ ساتھ شادی مبارک بھی ہو اللہ آپ
کو اتنی خوشیوں دے کہ آپ سے سنبھالی نہ جائیں نیچر
و پیسے تو آپ بہت اچھی ہیں ہر کسی کے دل میں گھر کر
جانی ہیں۔ سسرال میں بھی آپ کو بہت پیار ملے خوشی
ملے آپ کو کسی کی نظر نہ لگے۔ اللہ چاند سا بیٹا دے سدا
سہاگن رہیں آمین۔ سویت فرینڈ حرا کیسی ہو؟ شادی
بہت بہت مبارک ہو اور نیا سال بھی تمہارے لیے بہت
مبارک ثابت ہو اللہ تمہیں ہر وہ خوشی دے جو تم چاہتی ہو
رنگی حرا! میں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں۔ تم میری بہت
سویت فرینڈ ہو اب کیا کروں سب کہتے ہیں عظمنی تم حرا
سے ایکسٹرا سویت ہو اس میں اب میرا تو کوئی قصور نہیں
ہے ناں۔ خوش رہو آ باد رہو اور اپنے سسرال کو بھی خوش
رکھنا غصہ کر کے چمڑوں والا کام نہ کرنا میں نے تمہیں
سمجھایا تھا خیر حرا پلیز مانتہ ضرور کرنا نہیں تو مجھے مزا نہیں

تمہاری بہن سے تمہارا پوچھتی ہوں تمہاری امی کا ہمیں بہت دکھ ہوا تھا اللہ انہیں جنت میں جگہ دے آمین دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

روٹی علی..... سیدوالہ

میرے پیار شوہر ذیشان احمد کے نام
میرے پیارے سے شوہر ذیشان احمد کو سالگرہ بہت بہت مبارک آپ حیران ہوں گے کہ یہ کون ہے؟ تو جناب میں ہوں آپ کی پیاری اور پیلوسی وائف ایمان ذیشان احمد میں نے سوچا اس دفعہ تھوڑے مختلف انداز میں برتھ ڈے وش کر دی جائے۔ پریشان نہ ہوں آپ کے پیسوں سے آپ کو مہنگا سا گفٹ ضرور دوں گی تو جناب 8 جنوری کو آپ کی سالگرہ تھی آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر خوشی اور نیک زندگی عطا کرنے نئی جاب اور شاپ کی بھی بہت مبارک باد (جی جی مجھے بھی بہت مبارک باد) جب آپ یہ پڑھیں تو حیران ہوں گے پر دیکھ لیں میں بھی آپ کی ہی وائف ہوں۔ چلیں جی اب آپ کا بہت سارا کام میرا منتظر ہے فی امان اللہ۔

ایمان ذیشان احمد..... جلال پور مہجرات

ماہا اور آچل فرینڈز کے نام

اسلام علیکم! امید ہے مزان بخیر ہوں گے فرسٹ آل آچل اسٹاف آپ کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو اپنے آچل دن گنی رات چوٹی ترقی کرنے آمین۔ دعا ہانگی کسی ہو؟ آپ کی خالہ نانا ابو اور ماما کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ میری دوست ماہا نے ہمیشہ کی طرح 12 دسمبر کو بارہ بجے برتھ ڈے وش کی تھی پچھلے چار سالوں سے وہ ملاکہ کو وش کرنا اور اپنا خیال رکھنا۔ کہنا نہیں بھولتی مگر افسوس وہ اپنا خیال نہ دکھ سکی اس کی بارہ منٹ کی کال مجھے گلے تین دن تک سرشاری میں جتلا کیے رکھی تھی سترہ دسمبر کو میں نے خود کال کی تو آنٹی نے روتے ہوئے مجھے ماہا کے ایکسیڈنٹ کا بتایا مجھے ایسا لگا کسی نے میری جان نکال لی ہو۔ میری بے بسی کی انتہا یہاں تک تھی کہ میں ماہا سے مل

طرف سے مینی مٹی پٹی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ دشنز یو آل دا بیسٹ۔ سیرا تعبیر جی ہم الحمد للہ ٹھیک ہیں آپ کا نام آچل میں دیکھ کر آنکھیں چمک اٹھیں اور دل پٹی پٹی ہو جاتا ہے۔ سیرا تعبیر آپ کو اور آچل فرینڈز سب کو ہماری طرف سے وش جو اے پٹی نیو ایئر اپنا بہت زیادہ خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

مسکان جاویدا ایمان نور..... کوٹ سماہ

تمام آچل فرینڈز کے نام

اسلام علیکم! تمام آچل پڑھنے والے ساتھیوں کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ یہ سال ہمارے ملک و قوم کے لیے امن کا پیغام لائے آمین۔ ویلو اقصیٰ خوش ہو جاؤ کیونکہ میں تمہیں آچل کے ذریعے وش کر رہی ہوں پٹی برتھ ڈے یو اللہ تمہیں پڑھنے کی توفیق دے ہا ہا ہا۔ منہ ادا 11 جنوری کو آپ کی برتھ ڈے تھی بہت بہت مبارک ہو۔ تم نے تو بتا دیا تھا کہ تمہاری جنوری میں برتھ ڈے ہے۔ یار 7 جنوری کو میری بھی تھی پر میں بتا نہیں سکی اس لیے میری اپنی طرف سے مجھے پٹی برتھ ڈے۔ گینڈ ڈیر کیسی ہیں آپ؟ اور آپ کے کیوٹ سے بے بیباک آپ کو خوش رکھے۔ یار کا جل شاہ میں تو بھی تھی کتا آپ ایک بانگی جلی بکری سری میرا مطلب لڑکی ہو پتا آپ تو اماں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی بیٹی کو بہت سی خوشیاں دے آمین۔ دن اینڈ اوٹلی شاہ زندگی کدھر عائب ہیں؟ جیسا جی اللہ آپ کو جلدی سے اہل بنا دے آمین۔ نورین شاہ کیسی ہیں آپ؟ نادیہ بیسین کدھر گم ہو جاتی ہیں آپ؟ سیدہ عطیہ زاہرہ آپ کی نظم بہت پسند آئی تھی مجھے بالکل اپنے جیسی انویسٹ (ہا ہا)۔ بشری باجوہ آپ تو شادی کے بعد گواچی گاں ہی ہوگی ہیں۔ شمع مسکان طیبہ نذیر پروین افضل دلکش مریم عائشہ پرویز ایس انمول ایس بتول شاہ اور ارم کمال آپ سب کو میری طرف سے نیا سال بہت مبارک ہو ڈھیروں دعا میں اور پیار آپ سب کے لیے فرحت اشرف یر مجھے بھی یاد کر لیا کرو میں روز

لیلیٰ..... فہمن نور پور

فاطمہ حبیب اینڈ آنچل پریوں کے نام
 السلام علیکم! سب سے پہلے میری پیاری دوست
 فاطمہ حبیب کو شادی کی ڈھیر ساری مبارک ہو۔ فاطمہ اللہ
 تمہیں اور آفتاب بھائی کو اتنی خوشیاں عطا فرمائے کہ
 دامن کم پڑ جائے، اللہ تم دونوں کو ہمیشہ نظر بد سے بچائے
 اور حج کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔ میری پریوں
 امید ہے سب ٹھیک ٹھاک ہوں گی آپ لوگ مجھے نہیں
 جانتی میں پہلی بار انٹری دے رہی ہوں۔ میں تمنا بلوچ اور
 میری سب سے بڑی خواہش رائٹر بننا ہے اور ڈھیر ساری
 فرینڈز بنانا اب سب جلدی سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ
 کہ میں جلدی سے رائٹر بن جاؤں آمین۔ یار میرے
 ذہن میں جو نام نقش ہو گئے ہیں وہ ہے حافظہ سمیر اور شاہ
 زندگی اور نام یاد نہیں ہیں لیکن میں سب کے خط اور
 دوستوں کے پیغام آئے اور آئینہ سب کچھ پڑھتی ہوں
 مجھے نام یاد نہیں رہتے ویسے یار ناموں میں کیا رکھا ہے دل
 میں جگہ ہونی چاہیے۔ اب سب جلدی سے میری فرینڈ
 فاطمہ حبیب کو شادی کی مبارک باد اور دعائیں شکر یہ۔
 اچھا اب اجازت زندگی رہی اور اللہ نے چاہا تو پھر ملاقات
 ہوگی اللہ حافظ۔

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان

دوستوں کے نام

سلام علیکم! کیا حال چال ہیں اب تو کالج سے
 فارغ ہو گئے ہیں، پیپرز میں ملیں گے۔ میں تم سب کو
 بہت یاد کرتی ہوں، ربیعہ فرزانہ، مہک، صفوانہ، سحر، رانا فوزیہ
 حنا، شامہ، ہنی اور تنگی، مہر و اقرا، مریم۔ تم سب کو میں بہت
 بہت زیادہ یاد کرتی ہوں، ہمارا اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانا
 لڑکیوں کو تنگ کرنا بہت یاد آتا ہے۔ ماہا بہنا تمہیں نکاح
 کی بہت زیادہ مبارک ہو، اللہ کرے کہ تمہیں ہر خوشی بن
 مانگے عطا ہو۔ سب اچھی اچھی تیاری کرنا پیپرز کی درنہ تم
 لو۔ ادھر ادھر تاک جھانک کرو گی پیپر والے دن۔

بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ میری پی کا بے بی ہوا تھا، فنکشن
 اینڈ کرنا نہ صرف میرے لیے ضروری تھا بلکہ مجبوری بھی
 تھی۔ فنکشن میں ملالہ کیسے بچھی رہی وہ صرف وہی جانتی
 ہے۔ میں پہلی بار خالہ بی تھی مجھے خوش ہونا چاہیے تھا مگر
 میں ڈنر ب تھی۔ دیکھو دعا! میں نہیں جانتی تھی اگلے سب
 ماہ کے ساتھ کیا ہونا ہے ورنہ ملالہ تھی بھی اسے اسلام آباد
 نہ جانے دیتی۔ مانی کہتی ہے نا امیدی مایوسی کفر ہے ہمیں
 ہر حال میں مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ آپ
 بھی اپنے پیاروں کے لیے دعا کرو جو چلے گئے ہم ان
 کے لیے تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ آپ کی ماما کو
 جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ عائشہ پرویز سامعہ
 ملک، پارس شاہد، یحییٰ شہیر، جاناں، فریحہ شہیر، شاہ زندگی، دلکش
 مریم، انا ادب، آنسہ شہیر، لیلیٰ شاہ کیسی ہو؟ انٹری دیتی رہ
 کرو۔ حمیرا عروش، فائقہ سکندر، زازی، آئی، سمیرا، آئی، ام مریم
 آپ سب دنیا سال بہت مبارک اینڈ سلام۔

ملالہ اسلم..... خانوال

پیاری پیاری دوستوں کے نام

کیسی ہو دوستو! ڈیر شاز یہ میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ
 خوش رہو، تمہیں ہزاروں خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں اور
 ان لوگوں کا ساتھ نصیب ہو جن کی تمہیں تمنا ہے۔ میری
 دعا ہے کہ اللہ تمہاری امی کو صحت عطا کرے آمین اور تم
 چلبلی جی کیسی ہو مجھے پہچانا کہ نہیں سوچا آنچل کے ذریعے
 تمہارا حال چال پوچھتی ہوں تو تمہیں خوشی ہوئی کہ
 نہیں۔ میری دعا ہے کہ تم کو بہت ساری خوشیاں ملیں
 پریشان نہ ہو یا تم کو پریشانی چھتی نہیں ہے۔ میری ایک
 سویٹ سی دوست تو رہ گئی ہے جسے میں پیار سے مجنوں
 کہتی ہوں، حیران رہ گئی نہ کہ میں یہاں کیسے آ گئی، بھئی
 میں تمہاری لیلیٰ ہوں کیا اب بھی نہیں پہچانا؟ کیسی ہو یا راپنا
 خیال رکھا کرو، اس مت رہا کرو کیونکہ مجھے اپنی دوست
 ہنسی مسکراتی ہوئی چاہیے۔ سویٹ سی دوستو آپ سب اپنا
 بہت خیال رکھنا میں تم سب کو بہت چاہتی اور بہت زیادہ
 یاد کرتی ہوں۔ دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھنا آپ کی

اجازت چاہوں گی سب اپنا بہت بہت خیال رکھنا
و استلام آپ کی اپنی دست۔

حرار مضمون..... اختر آباد

اپنے پیاروں کے نام

استلام علیکم! تمام ہاٹل پر ہنسنے والوں اور تمام رائٹرز
کو ہماری طرف سے سلام آج کل کے چاہنے والوں کیا
حال ہے؟ امید ہے سب خیریت سے ہوں گی ہم اپنی
تمام کزنوں کو ممتاز شانزہ صاحبہ رابعہ رخسانہ کو بہت یاد
کرتی ہیں۔ آپ سب بھی پھر مل کر آئیں ہم اکٹھے
رہیں اور انجوائے کریں۔ ہم اپنی فرینڈز سمدہ نورین
حمیرا رقیہ سطنی ثریا کو بہت یاد کرتی ہیں کبھی ملنے ہی
آ جاؤ و استلام۔

ارم مقبول شائلہ مقبول.....

چمکتے تاروں کے نام

استلام علیکم! امید ہے سب بخیر و عافیت ہوں گے
سب سے پہلے مجھے خود چکی برتھ ڈے ہا ہا۔ کلیل تمہیں
بہت بہت سالگرہ مبارک عروہ رانی تمہیں بھی اور چاچو
ندیم مس افزا سر شہناز صاحبہ آپ کو بھی چکی برتھ ڈے
خوش رہیں ہمیشہ۔ صوبہ اینڈ صفرا باجی آپ کو بھی چکی
برتھ ڈے یاد ہے ابو جان آپ کو اور امی جان کو شادی کی
ہائیسوس سالگرہ مبارک ہو اور ابوجی چکی برتھ ڈے ٹویو۔
عقل کلیل عروہ زارا مجیرا ردا خالہ جان آپ کو پاکستان
میں ویکلم کہتے ہیں مجھے جس جس نے کیم جنوری کووش
نہیں کیا ان سب سے میری کٹی ہے سب کو چکی نوائیر۔
نیا سال ہمارے لیے بہت ہی کامیابیاں اور خوشیاں
لائے آئیں۔ نوشین اقبال طیبہ نذیر ام شامہ شاہ زندگی
صوبہ کوثر ملتان ساریہ چوہدری سہاس گل انا احب اور
جن کے نام رہ گئے ہیں ان کو چکی نوائیر اور ڈھیروں
و عائیں مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا رب رکھا۔

مدیحہ نورین مہک..... برتالی

یاد کی عانتہ حنا آلی اللہی اینڈ آنجل فرینڈز کے نام
استلام علیکم! عرض لیا ہے چلو چھوڑو پھر کسی دن کریں

مئے سب سے پہلے میری پیاری اینڈ جان من کزن اینڈ
فرینڈ عائشہ عرف عا شکی کو بہت بہت مبارک اوائے پوچھو
گی نہیں کس بات کی مبارک ہار دے رہی ہو۔ ارے
میری بھولی فرینڈ زلث کی دے رہی ہوں مجھے بہت
خوش ہوئی کہ تم نے ۸ گریڈ سے ہیکھ کا امتحان پاس کیا
ہے کوشش کرنا میٹرک میں زیادہ مار کس لینے کی اللہ تمہیں
کامیابی دے آئیں اور ہاں نذا کرن کو میرا پیار بھرا
سلام۔ یہی ہوندا کرن مبارک ہو آپ لوگوں کو بھی یاد آیا
نازش فریحہ اور باقی جن کے مجھے نام نہیں پتا ان سے
مخدرت کے ساتھ سلام کرتی ہوں۔ ہاں عائشہ میرے
سعد جانو کا خیال رکھا کرو کیسے ہوشو نے موندے بلے سعد
جانو! بدوتے تو نہیں۔ او ہاں میں بھولی ہی گئی میری آنٹی
جی سلام عرض کرتی ہیں پنجاب آئیں گی تو ہمارے پاس
ضرور چکر لگانا انکار مت کرنا آنجل کی ذریعے دعوت دے
رہی ہوں۔ ارے سعد یہ پھوپھو! آپ کیو ناراض ہو رہی
ہیں آپ بھی ہمیں یاد ہیں کیسی ہو جی اور ہمدی موسوی
ہے؟ اوائے حنا آلی آپ کا منہ کیوں پھول گیا کیسی ہیں
آپ! میں آپ سے بہت ناراض ہوں آپ میرے تاج
کار چھائی بھی نہیں کرتیں کال تو کیا کرتی ہے۔ چلو کوئی
بات نہیں عا شکی عروسہ کوشکی کی مبارک ہار دینا اور حرا لوگوں
کو سلام اور آخر میں ہاں جی میری پیاری دوست لیتی جی
کیسی ہو؟ ہمیں بھولی ہی گئی ہو کوئی اتا پتا نہیں پلیز جہاں
بھی ہو مجھ سے رابطہ کرو۔ شہنشاہ سعد یہ اینڈ ارم تم لوگ
کیوں جیلنس ہو رہی ہو آپ کو بھی سلام۔ آخر میں تمام
آنجل فرینڈز کو میری طرف سے سلام اگر کوئی مجھ سے
فرینڈ شپ کرنا چاہے تو موسٹ ویکلم۔

عابدہ جمیل عابدی..... صادق آباد

آنجل کی شہنشاہیوں کے نام

نسیور آصف اقبال ہانو ساس گل غزالہ کلیل راؤ
بشری باجورہ پروین افضل شاہن نادیہ فاطمہ رضوی نادیہ
چہانگیر طیبہ نذیر جمیل نازش نوشین اقبال نوشی نکمت غفار
نرہت جمیل ضیاء شمیم فضل خالق شمیم ناز صدیقی شمیم

مالٹوں کے باغ میں گئے تھی اتنی ٹھنڈ میں مانگے کھائے
 اُف یار جب وہ وقت یاد آتا ہے تو ٹھنڈ لگنے لگتی ہے ہا ہا ہا۔
 میں تمہیں اور اس وقت کو کبھی نہیں بھول سکتی آئی لو یو ڈیئر
 کزن۔ حمنہ کیسی ہو تم؟ تمہاری بے رخی بھی، بھی بہت
 تکلیف دیتی ہے اگر کوئی آپ کو بہت زیادہ اہمیت دے تو
 اسے اس طرح آپہیں نظر انداز نہیں کرتے خیر تمہاری مرضی
 خوش رہو۔ فرحت اشرف ڈیئر کیسی ہو؟ شاہ زندگی جی
 آپ کا نام بڑا سونہا ہے دوستی کرو گی مجھ سے سویٹ گرل؟
 پروین افضل شاہین آپ میں آپ کا ہر لپٹا اپنی ماما کو پڑھ کر
 سناتی ہوں۔ ماما آپ کے لیے دعا کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ
 آپ کو اولاد عطا فرمائے آمین۔ سب کڑیاں اپنا خیال
 رکھنا تے مینوں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیوں۔

سعدیہ رمضان سعدیہ..... 186 بی

گلاب کے پھولوں کے نام

السلام علیکم! فرینڈ ز کیا حال ہے ارے یہ میں ہوں
 رشک حنا یعنی ماہ رخ سیال میرا نیا نام کیسا لگا؟ ڈیئر شیخ
 ذرا نومبر اور دسمبر کے شمارے غور سے پڑھنا اور بتانا کون
 آپ کو بھول گیا ہے! صدف مختار آپ مجھے تھوڑی سی
 مغرور مگی ہیں۔ امشاج جنت واؤ بیوٹی فلم نیم سویٹ
 شاہ زندگی اب یہ مت کہنا کہ حنا مجھے بھول گئی ہو۔ پریٹی
 ڈول حور عین فاطمہ کیا بہت ناراض ہو سویٹ ہارٹ
 امبر سکندر تانیہ مغل! انصی کنزہ حور عین مایاب بیوٹی فل
 لیڈی نورین شفیق! فوزیہ پارس شاہ نوریب بہت اچھی
 دوست روگین حیدر چندا زندگی کی آس زیست اینڈ
 برش مکرم زو پاش سیرا تعبیر گڈ گرل عروشہ تعبیر سونی علی
 مشعال! اسلام عشانوز بے وفانا دیہ کامران مسکان قصور
 آپ سب بہت کیوٹ ہو اور حنا کی جان وہ کاجل دی
 اب کوئی نظم لکھ ہی ڈالو ہائے بلومون اینڈ درنجف
 سیال۔ سدا شادا ہا در ہو پرنسز ایمن وقا نیلیسا نازش اینڈ
 جاناں سدا خوش رہو اور اپنی شکل دکھاؤ۔ ڈیئر ریٹا طاہر
 عزیز شائستہ افتخار کو برتھ ڈے وش کروڈ شائلہ کنول
 بہت کجوس ہو۔ نورین شاہدہ پروین! جباحنا تصور شاہ ناز

سکینہ صدف کاجل شاہ فرح طاہر تم کو بہت بہت سلام
 اور دعا اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہیں خوش و خرم رکھے آمین۔

فریدہ جاوید فری..... لاہور

اپنی پیاریوں کے نام

فریدہ جاوید فری! آپ سے لاہور میں میرے میاں
 جانی پرنس افضل شاہین نے ایک ریڈ پلسرز کانفرنس میں
 ملاقات کی اور آپ کی تعریف آپ کے بھیمانے اتنی کی کہ
 میرا دل چاہا کہ ابھی لاہور جاؤں اور آپ سے ملاقات
 کروں۔ تسلیم شہزادی بشری باجہ شہزادہ بلوچ میں بالکل
 فٹ فاش ہوں آپ سب کیسی ہیں؟ مائرہ کنول مائی مائرہ
 تارز انم چوہدری میرے سوالات پسند فرمانے کا بہت
 شکر ہے۔ ماما! اسلم میرے ابو کی وفات پر میرا غم بانٹنے کا
 بہت شکر ہے! اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کو جنت الفردوس میں
 اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

پروین افضل شاہین..... بہاؤنگر

پیاری آنٹی نسرتین کے نام

السلام علیکم! ڈیئر آنٹی کیا حال چال ہے آپ کا؟
 امید کرتی ہوں اللہ کے فضل و کرم سے بالکل خیریت سے
 ہوں گی۔ آپ کو میری طرف سے نیا سال بہت مبارک
 ہو میری دعا ہے کہ یہ سال آپ کی زندگی کو خوشیوں سے
 بھر دے۔ اللہ ہر لمحہ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور
 آپ کی ہر دعا لبوں پر آنے سے پہلے ہی قبول ہو آمین۔
 ڈیئر آنٹی! مجھے پتا ہے آپ آج کل بہت شوق سے پڑھتی
 ہیں ہمیشہ آپ دوسروں کے پیغام پڑھ کر خوش ہوتی ہیں
 بتائیے گا آپ کو اس بار اپنے بارے میں پڑھ کر کیسا
 لگا۔ ہم سب گھر والے آپ کو بہت یاد کرتے ہیں آپ
 جہاں رہیں خوش رہیں۔ اللہ آپ کی عمر دہرا کرے اور اپنا
 بہت خیال رکھیے گا اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

طیبہ حنیف بٹ..... سمندری

عمارہ چندا کے نام

السلام علیکم! عمارہ جانی کیسی ہو؟ اوئے یار میں تمہیں
 بہت یاد کرتی ہوں ہائے وہ وقت نہیں بھولتا جب ہم سب

صحت مند لمبی زندگی عطا کرنے ہمیشہ خوش رہو آمین۔
مصباح اور تیسہ تم دونوں کیسی ہو؟ شازم کو بہت سارا پیار
بوجی کو سلام۔

عروسہ پرویز..... کالس

سسڑ صبا اور آنجل فرینڈز کے نام
السلام علیکم! کیسی ہیں سب؟ ڈیر صبا بہت بہت
شکریہ مجھے اور بابا کو برتھ ڈے وش کرنے کا اور باقی تمام
فرینڈز فریحہ شبیر طیبہ نذیر ساریہ چوہدری ایس بتول شاہ
علیہ بی بی حافظہ زائمنہ رحمانہ کوشا عاتشہ خان شاہ زندگی
ایس انمول نائلہ نورین نورین لطیف سونیا اماوس سمینہ
عمران کیسی ہیں آپ سب؟ ارے بے وقاؤں کبھی
بھولے سے بھی یاد کر لیا کرو سب اپنا بہت خیال رکھیے گا
اللہ حافظ۔

سنیاں زرگر اقصیٰ زرگر..... جوڑہ

ان اپنوں کے نام جو پرانے ہو گئے
دنیا میں میرے صرف تین ہی بہن بھائی تھے لیکن
انہوں نے بھی مجھے اپنا نہ سمجھا۔ ہمیشہ مجھے ہی کوشش کرنی
پڑی کہ ہم مل جل کر رہیں لیکن شاید قسمت کو منظور نہ تھا
اے کاش کہ مجھے بھی کوئی سمجھتا۔ بڑی بہن ماں برابر ہوتی
ہے لیکن اس نے بھی اتنا بڑا دھوکہ دیا کہ اب بات تک
کرنے کو دل نہیں کرتا۔ کیا ایسے ہوتے ہیں بہن بھائی یا
شاید مجھ میں ہی کوئی کھوت تھا کہ کوئی اپنا بن نہ سکا۔ چلو
جہاں رہو خوش رہو کیونکہ میرے ساتھ چاہا چھا کرو یا پورا
میں تو بس دعا میں ہی دے سکتی ہوں۔

رانی اسلام..... گوجرانوالہ

پیاری دوست جیا کے نام
السلام علیکم! 11 فروری کو تمہاری سالگرہ ہے پورے
ساتس گروپ کی جانب سے دل کی گہرائیوں سے سالگرہ
مبارک۔ دعا ہے ہمیشہ خوش رہو تمہاری ہر خواہش پوری
ہو کبھی کوئی غم تمہیں چھو کے نہ گزرے۔

عمارہ ارتج اینڈ گروپ..... گوجرخان



کیسی ہو کوئی لکھ نہیں۔ سرگودھا والوں ایک زبردست
سیلوٹ حنا کی جانب سے اوکے فی امان اللہ۔

ماہ رخ رشک حنا..... سرگودھا

کچھ مہربان لوگوں کے نام
سنو زندگی میں کبھی کسی کو اتنا درد نہیں دیتے کہ وہ جینے
کی آرزو ہی چھوڑ دے بس اتنا ہی کہوں گی آج کے بعد
تمہارے نام یا تمہیں کچھ نہیں کہوں گی اب یہ حساب
کتاب روز محشر ہی ہو گا جن کو لکھا ہے وہ سمجھ گئے ہوں
گے۔ اب آتی ہوں آنجل فرینڈز کی طرف امید کرنی
ہوں سب ٹھیک ہوں گی لویو فہمیل یونس اینڈ ایم سوسوری
میں برتھ ڈے بھول گئی۔ پپی برتھ ڈے ڈیر خوش رہو
امید چوہدری سدرہ اسلم بشری ملک فرزانہ ملک پلیز
آپ کے بغیر آنجل ادھورا ہے زور دار انٹری مارو۔ کھلتے
انزہ ایمان (آپ تو غائب ہی ہو جاتی ہو)۔ عائشہ آپ
کے میج بہت اچھے ہوتے ہیں جبہ حسنہ ایمان فرود حمیرا
کیسی ہو سب؟ بشری باجوہ آئی مس یو۔ کرن وفا کیسی ہو
ڈیر! آئی ایم سوری میری بہت عزیز لڑکی نے تم سے
بذاق کیا وہ ایسی ہی ہے پلیز مائنڈ مت کرنا۔ مسکان قصور
کیسی ہو؟ ندا مس یو نوشین اقبال آپ کی شاعری بہت
اچھی ہوتی ہے۔ عمر کدھر ہوتی ہیں آپ آج کل؟ سمیرا
شریف طوآپ تو ہو ہی گریٹ جاتے سال نے تو بہت
بڑا غم دیا (سانجھ پشاور) امید کرنی ہوں کہ نیا سال ہم
سب کے غم کچھ تو کم کرے آمین۔

صنم ناز..... گوجرانوالہ

پیارے بھائی قاسم اور بھانجے شاہد ویز کے نام
السلام علیکم! قاسم کیا حال ہے امید رکھتی ہوں کہ تم
خیریت سے ہو گے۔ 14 فروری کو تمہاری 23 ویں
سالگرہ ہے پپی برتھ ڈے ٹو یو قاسم! میری دعا ہے کہ تمہیں
دنیا جہاں کی خوشیاں ملیں آمین۔ تمہارا گفٹ مجھ پر ادھار
رہا شاہد ویز کیسے ہو تم؟ 15 فروری کو تمہاری سالگرہ ہے
مبارک ہو۔ میری دعا ہے اللہ کی ذات پاک سے کہ وہ
میرے پیارے سے بھانجے کو اپنی پناہ میں رکھے اور

✽ موت کا عمل تو زندگی کے عمل کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے بچپن تو بچپن میں ہی مر جاتا ہے جوانی ختم ہو جاتی ہے بیٹائی کے چراغ مدہم ہو جاتے ہیں انسان کی آنکھوں کے سامنے مانوس چہرے رخصت ہونا شروع ہو جاتے ہیں تاریخیں بدل جاتی ہیں آرزوئیں حسرتیں بن جاتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ موت صرف سانس یا آنکھ بند ہو جانے کا نام ہے۔

حرار مضان..... آخر آباد

16 دسمبر

یا خدا! رحم میری دھرتی پر
دہشت گردی ہے پھر پاپا ہوئی
”سقوط ڈھاکہ“ کا ہی زخم تازہ تھا
اک قیامت کی اور ابتدا ہوئی
سب اس گل..... رحیم یار خان
فیض ہو تو ایسا

○ قد بغیر ہیل کے بھی نظر آ سکتا ہے اگر شخصیت
میں بلندی ہو۔

○ چہرے کا رنگ بغیر میک اپ کے بھی صاف
دکھائی دے سکتا ہے اگر دل کا رنگ صاف ہو۔

○ ہونٹ بغیر لب اسٹک کے بھی خوب صورت نظر
آ سکتے ہیں اگر وقت پر کھولے جائیں۔

○ آنکھوں میں چمک بغیر کاجل کے بھی آ سکتی
ہے گران میں حیا ہو۔

عطیہ ملک..... ضلع بہاولنگر

تجھے کیا دیا

ایک دن ایک فقیر کسی پھل والی دکان پر گیا اور مالک
سے کہنے لگا کہ خدا کے واسطے مجھے کچھ دے اس دکاندار
نے گلاسز اور گندہ سا پھل اٹھا کر اسے دے دیا۔ فقیر نے
خاموش سے رکھ لیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آیا اور کہا کہ
مجھے بیس روپے کماؤں دے دو۔ اب کی بار دکاندار نے
نہایت اچھے اور بہترین دو آدم نکالے شاپر میں ڈال کر

یادگار لکھی

جو پر یہ سالک

نعت رسول مقبول ﷺ

باغ جنت میں نرائی چمن آرائی ہے
کیا مدینہ یہ فدا ہو کے بہار آئی ہے
ان کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے
ان کے ابرو نہیں دو قلوب کی یکجائی ہے
جس ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں حسن و جمال
اے حسین تیری ادا اس کو پسند آئی ہے
تیرے جلوؤں میں یہ عالم ہے کہ چشم عالم
تاب دیدار نہیں پھر بھی تماشائی ہے
درود کس کو سناؤں میں تمہارے ہوتے
بے کسوں کی اسی سرکار میں سنوائی ہے
اے حسن جہاں تاب کے صدقے جاؤں
ڈرتے ڈرتے سے عیاں جلوہ زیبائی ہے

آنسہ شبیر..... ڈوگر، گجرات

یادگار لکھی

حضرت حسان بن ثابت جو شاعر رسول کہلاتے ہیں
کہتے ہیں کہ ”چودھویں رات کا روشن اور بے عیب چاند
چمک رہا تھا اور میرے سامنے آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک
تھا۔ میں بھی چاند کو دیکھتا اور بھی آپ کے چہرے کو مجھے
آپ ﷺ کا چہرہ چاند سے زیادہ روشن لگا۔“ اس وقت
انہوں نے یہ نعتیہ اشعار کہے جو آنحضرت ﷺ کو بے حد
پسند آئے اور آپ نے ان (حضرت حسان) کی تعریف
کی اور دعاوی اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

”کسی آنکھ نے تجھ سا خوب صورت شخص نہیں دیکھا
اور تجھ سے زیادہ صاحب جمال شخص کسی عورت نے نہیں
جنا، تو ہر عیب سے اس طرح پاک اور صاف ہے جیسے تو
اپنی مرضی اور پسند سے پیدا ہوا ہے۔“

ہما ایوب..... عارف والا

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 300

۷ کا الامام پھر بھی آنکھ کھلے لیٹ
 ۱۰ یاروں سے شغل اور اینڈس بولنا لیٹ
 ۱۰ فری پریڈ کی آس اور چھوٹی سی بریک
 ۱۰ پیپر کی ٹینشن پھر بھی کرنا ٹائم ویسٹ
 جان اپنی دوستوں میں اور باہر کرنا ان کا ویسٹ
 ۱۰ نئے کا صحیح جواب اور فرینڈز سے کہنا
I Know I'M Great
 ۱۰ بڑھے بغیر ٹیسٹ اور نمبر 10 میں سے ایٹ
 ۱۰ چھٹی کے وقت مستی اور بیگ کا تھوڑا سا ویسٹ
 اسی لیے کہتے ہیں
Student Life Is Great

سبط الرحمن..... ماجھیوال گاؤں
 اقتباس

”مغرب اپنی چالوں سے کبھی تھک کر نہیں بیٹھا ہر لمحہ
 اور ہر آن ایک نئے انداز سے امت مسلمہ پر اس کی اقدار
 پر اور اس کے مسلمہ نظام زندگی پر ضرب لگانے کی کوشش
 کرتا ہے اور اس دفعہ فتنے کی شدت یوں ہے کہ یہ ہتھیار
 عورت کے ہاتھ میں تھما دیا گیا ہے۔ پہلے مرد مفکرین یہ
 ذمہ داریاں نبھاتے تھے اب اس امہ کی نام نہاد مسلمان
 خواتین مفکرات کو چنا گیا ہے۔“

(اور یا مقبول جان)

دلکش مریم، معظم شاہ..... چنیوٹ

تاریخ کے جھروکے

☆ 3,400 قبل مسیح مصر میں جانوروں کی شکل کے
 برتن بنائے گئے۔

☆ 3,400 قبل مسیح مشرق وسطیٰ میں اسی کا پودا،
 کپڑوں کی بنائی میں استعمال ہونے لگا مصری اون
 استعمال نہیں کرتے تھے۔

☆ 3,300 قبل مسیح مصریوں نے تحریر کا فن دریافت
 کیا۔ یہ تصویری رسم الخط تھا جو اشیاء و اوزوں اور خیالات پر
 مبنی تھا۔

☆ 3,000 قبل مسیح سومیریوں نے دنیا کی پہلی

اسے پکڑا دیے۔
 یہ دیکھ کر فقیر کہنے لگا یا اللہ گواہ رہنا کہ تجھے تیرے
 بندے نے کیا دیا اور مجھے کیا دیا۔
 شاملہ فتنے..... سمندری

بے لاک تبصرہ

دل کے بدلے دل تو ساری دنیا دیتی ہے۔

پر بل کوئی کم بنت نہیں دیتا۔

بے وفا یوں تیرا سکرنا بھول جانے کے قابل نہیں۔

نہیں نہیں اب وہ صبح و شام دانت صاف کرتا ہے۔

میں رنگ شرتوں کا تو بیٹھے گھاٹ کا پانی۔

اگر لیموں پانی بھی ہوتے تو بھی کام بنتا۔

عائشہ پرویز..... کراچی

میں یہی سوچتی ہوں

دسمبر کی کہر میں لیٹے راستوں میں، میں یہی سوچتی
 ہوں کہ آخر انسان مرتا کیسے ہے جبکہ جذبے بھی نہیں
 مرتے مگر میری اس سوچ کو کوئی راہ نہیں ملتی مگر جب میری
 نظر کشمیر کی مظلوم قوم کی طرف جاتی ہے تو میرے ہاتھ
 رک جاتے ہیں جب میں فلسطین کو اسرائیل کے قبضے
 میں دیکھتی ہوں تو میری آنکھیں کسی سیلاب کا منظر پیش
 کرتی ہیں جب میں اور انڈس کو عیسائیوں کی آماجگاہ
 دیکھتی ہوں تو میری نظر طارق بن زیاد کی طرف اٹھتی ہے
 جو حسرت و یاس سے انڈس کی گلیوں کو دیکھتے ہیں جن
 میں لاکھوں مسلمانوں کا خون شامل ہے پھر دسمبر کی کہر
 سے لپٹی رات میں مجھ پہ واہوتا ہے کہ جب ضمیر مرجائے
 اور ہوس جاگ اٹھے اور جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں تو
 انسان مرجاتا ہے اور واقعی مظلوم لوگوں کی آہ و پکار میں
 وقت کا حکمران مر گیا ہے جنہیں مظلوموں کی آہ و پکار نہیں
 بلکہ اپنی طاقت کی حقیقت یاد آتی ہے مگر افسوس یہ ظالم
 انسان مر گیا ہے زندہ صرف یہ مظلوم ہیں جو مرنا بھی عزت
 سے چاہتے ہیں۔ مگر شاید..... ڈرا سوچئے۔

عزیزہ پونس..... چدھڑ، حافظ آباد

اسٹوڈنٹ لائف

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 301

”یا امیرالمومنین! آسمان و زمین کے درمیان کیا ہے؟“

”آپ نے جواب میں فرمایا۔ ”قبول ہونے والی دعا“ پھر پوچھا گیا ”مشرق اور مغرب کے درمیان کیا کچھ ہے؟“

آپ نے فرمایا۔ ”سورج کی ایک دن اور رات چلنے کی مسافت“

پھر پوچھا گیا ”پانی کا ذائقہ کیا ہے؟“

آپ نے بڑا خوب صورت جواب فرمایا۔

”جو زندگی کا ذائقہ ہے۔“

سامعہ ملک پرویز..... بھیرہ، خانپور

بانی پاکستان

25 دسمبر کی تاریخ قائد اعظم کی قربانیوں کو تازہ کرتی

ہے۔ ایک دفعہ ایک مجسٹریٹ نے ان کی ذہانت آزمانے کے لیے کہا کہ آپ کسی تھریڈ کلاس مجسٹریٹ سے مخاطب

نہیں۔ ”قائد اعظم نے بے ساختہ جواب دیا کہ ”مائی لارڈ

آپ بھی کسی تھریڈ کلاس وکیل سے مخاطب نہیں۔“ کوئی یہ

سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر اتنا بڑا کارنامہ سرانجام

دے سکتا ہے۔ 25 دسمبر 1876 سے لے کر 11 ستمبر

1948ء تک انہوں نے جو کام کیے آتی تسلیں یاد رکھیں

گی، ان شاء اللہ۔

صفیہ حکیم محمد بشیر..... لاہور کی

خالی پن

فدایا!

بجوم باراں

تو تھی، ٹھکھلاہٹیں، روشنیاں

سب کچھ تو ہے

پھر بھی

میرے اندر کا خالی پن کیوں نہیں جاتا

صدف مختار..... یوسال مصور

اچھی باتیں

• جب تم نماز نہیں پڑھتے تو یہ مت سوچو کہ وقت

لابھری قائم کی جس کے لیے مٹی کی تختیوں پر لکھی ”کتاہیں“ استعمال کی گئیں۔

(اقتباس: تاریخ کا سفر)

مشاعلی مسکان..... قمر مشانی، میانوالی

منزل بہ منزل

سینے میں ال ہے۔ دل میں درد ہے، درد میں نشہ ہے،

نشہ میں مٹھاس ہے، مٹھاس میں لنگڑی ہے، لنگڑی میں آرزو

ہے، آرزو میں مسرت ہے، مسرت میں امید ہے، امید

میں یقین ہے، یقین میں خیال ہے، خیال میں تصور ہے،

تصور میں تصویر ہے، تصویر میں تو ہے، تجھ میں ادا ہے، ادا

میں حیا ہے، حیا میں نزاکت ہے، نزاکت میں شوخی ہے،

شوخی میں بناوٹ ہے، بناوٹ میں اپنائیت ہے، اپنائیت

میں چاہت ہے، چاہت میں خلوص ہے، خلوص میں پیار

ہے، پیار میں عبادت ہے اور عبادت میں خدا ہے۔

ارم کمال..... فیصل آباد

امول موتی

• اگر خوشی کا ایک در بند ہو جائے تو اللہ پاک ایک

اور در کھول دیتا ہے مگر ہم وہ کھلا در دیکھ نہیں پاتے کیونکہ ہم

بند دروازے کے پیچھے در ہے ہوتے ہیں۔

• وہ رشتہ، کبھی نہیں ٹوٹے جن کی بنیاد میں سچائی

خلوص اور پیار ہوتا ہے۔

• جو شخص ہمیشہ تمہاری خوش چاہے یاد رکھو اس کا

اداس ہونا تمہارے لیے فکر کی بات ہے۔

• انسان خود قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اس کا کردار

اور اس کی سچائی اسے قابل اعتبار بناتی ہے۔

رشتک حنا..... سرگودھا

مجبوری

یہ نہ ہو کہ شہر میں تمہاری کے مجرم ٹھہرو

دل ملے نہ ملے، ہاتھ ملاتے رہنا

حمیراوشین..... منڈی بہاؤالدین

ذخیرہ معلومات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا گیا۔

سے فرمایا کہ اسے انھاؤ اور پیٹ لو، حضرت ابو ہریرہؓ نے جس دن سے یہ چادر لہنی ان کی یادداشت تیز ہو گئی بلکہ سابقہ بھولی ہوئی باتیں بھی یاد آ گئیں۔
سناں زرگر، اقصیٰ زرگر..... جوڑہ

پشاور کے پھولوں کے نام
ہر تمنا حسرتوں میں ڈھل گئی
سبھی ارمان دلوں میں گھٹ گئے
کیا کہیں تہذیب اور کس سے کہیں
ہم سر راہ تمنا لٹ گئے
راؤ تہذیب حسین تہذیب..... رحیم یار خان
خوب صورت باتیں

✿ منافق کی بات خوب صورت اور عمل وردناک ہے۔
✿ اپنے نفس کو لذت سے روکنے والا اس کا مالک
اور اسے بے لگام چھوڑنے والا ہلاکت میں ہے۔
✿ جو شخص تمہارا غصہ برداشت کرے اور ثابت
قدم رہے تو وہ تمہارا سچا دوست ہے۔
✿ ہر شے کے لیے دلیل ہے اور عقل مندی کی
دیس غور و فکر اور غور و فکر کی دلیل خاموشی ہے۔
✿ حق سے بڑھ کر تعریف کرنا چالپوسی ہے اور حق
سے کم تعریف کرنا حسد۔

سونیا اماوس..... اوکاڑہ

مہکتی کلیاں
بہ خوش ہو کر سوچیں اور کام کریں اپنے آپ کو خوش
محسوس کریں گے۔
بہ یاد رکھیں زندگی اتنی مختصر ہے کہ حقیر نہیں ہو سکتی۔
بہ مصروف رہیں تاکہ مایوسی آپ پر حاوی نہ ہو۔
بہ ایک چھوٹی سی نیکی ایک بڑے ارادے سے بہتر
ہوتی ہے۔

فیاض اسحاق مہمانہ..... سلا نوالی
چانا دی
چانا دیوں کو چانا دیوں سے دشمنی ہوتی ہے۔
خراج گزار کو بادشاہ سے

نہیں ملا بلکہ یہ سوچو کہ تم سے ایسی کون سی خطا ہوئی کہ اللہ
نے تمہیں اپنے سامنے کھڑا کرنا بھی پسند نہیں کیا۔
✿ انسان بھی عجیب ہے دعا کے وقت سمجھتا ہے کہ
اللہ بہت قریب ہے اور گناہ کے وقت سمجھتا ہے کہ اللہ
بہت ہی دور ہے۔

✿ جب کبھی تمہیں اپنے رزق میں کمی نظر آنے لگے
تو کچھ مال اللہ کی راہ میں دے کر اللہ کے ساتھ تجارت
کر لیا کرو۔

✿ زندگی کے تین سنہری اصول ہمیشہ یاد رکھو۔
اس سے ضرور معافی مانگو جسے تم چاہتے ہو۔
اسے مت چھوڑو جو تمہیں چاہتا ہو۔

اس سے کچھ نہ چھپاؤ جو تم پر اعتبار کرتا ہو۔
نجم انجم اعوان..... کورنگی، کراچی
خوب صورت موٹی
تمہاری ہر غلطی آخری غلطی ہو سکتی ہے بشرطیکہ تم اس
سے سبق سیکھو۔

منشا یوسف..... 1157 این بی

آن پڑھ
سنو ہدم
بہت سی ڈگریاں لے کر
ہنر پر دسترس پا کر
نصاب چاہت دل کا چمکتے لفظ آکھوں سے
اگر پڑھنے سے قاصر ہو تو
آن پڑھ ہو

شکلفہ خان..... محلوال

یادداشت
ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول ﷺ میں آپ سے جو
کچھ سنتا ہوں بھول جاتا ہوں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا
اپنی چادر بچھا دو حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی چادر بچھا دی۔
آپ ﷺ نے ایک بار یا تین بار ہوا میں دست مبارک
لہرایا اور کوئی چیز پکڑ کر چادر میں رکھ دی پھر حضرت ابو ہریرہؓ

چور کو چوکیدار سے
خلاف، شرع آدمی کو چغل خور سے
فاحشہ ثورت کو مختب سے

مستقل نہیں ہوتا، ان کے بھی پاؤں ہوتے ہیں ہمارا
سلوک اور رویہ دیکھ کر کبھی یہ بھاگ کر قریب آ جاتے ہیں
اور کبھی آہستہ آہستہ دور چلے جاتے ہیں۔
روبی علی..... سید والا

(شیخ سعدی)

حراقریشی..... بلال کالونی، ملتان

بے وہیانی

میں ٹھنڈے توے کی روٹی ہوں
مجھے بے وہیانی میں ڈالا گیا
مجھے بے دروی سے پلٹا گیا
میرے کتنے ٹکڑے اکڑ گئے
میں ٹھیک سے سینگلی جا نہ سکی
میں کسی چنگیر میں آ نہ سکی
میرا پستا، گندھنا اور پکنا
بے نثار گیا میں بار گئی
اک بے وہیانی مجھے مار گئی
دعا ہاشمی..... فیصل آباد

نیا سال
آؤ نئے سال میں کچھ وعدے کرتے ہیں
جن میں کوئی کھوٹ نہ ہو
جھوٹ نہ ہو
وفا کے وعدے
بھلا کے وعدے
اپنے رب سے دعا یہ مانگیں
امر ہو جائے پیارا پنا
اس نئے سال میں
اے خدا یہ دعا ہم کرتے ہیں
مسکان جاوید اینڈ ایمان نور..... کوٹ سماہ
دھوکے باز

زمانہ وفا دار نہیں

تو کیا ہوا؟

دھوکے باز بھی تو

اپنے ہی ہوا کرتے ہیں

صنم ناز..... گوجرانوالہ

سوچنے کی باتیں

☆ وہ زندگی ہی کیا جو دوسروں کے کام نہ آ سکے۔

☆ وہ موت ہی کیا جس پر لوگ اشک بار نہ ہوں۔

☆ وہ آکھ ہی کیا جس میں شرم حیا نہ ہو۔

☆ وہ کمائی ہی کیا جس میں رزق حلال نہ ہو۔

☆ وہ بہادری ہی کیا جس میں صبر نہ ہو۔

☆ وہ معرو فیات ہی کیا جس میں اسلامی باتیں

ساترہ حبیب اوڈ..... عبدالکیم نہ ہوں۔

سنبھری بات

اشفاق احمد امینی کتاب میں لکھتے ہیں

”زندگی میں کوئی خوشی، کوئی رشتہ اور کوئی جذبہ بھی

یا سر ملک مسکان..... انک



آئینہ شہزاد اعجاز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے رب ذوالجلال کے بابرکت نام سے جو وحدہ لا شریک ہے۔ نئے سال کے پہلے شمارے کو سراہتے اسے پسند کرنے اور اپنی آراء و تجاویز سے نوازنے کا بے حد شکر ہے۔ آپ کے یہ چند مختصر کلمات آنچل کو سجانے ستارے میں بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ شمارہ بھی آپ کے ادنی ذوق کے عین مطابق ہوگا۔ آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب جو جادوئی آئینہ میں رخ روشن لیے جھلسا رہے ہیں۔

فریحہ شبیر..... شاہ نکدر۔ ڈیئر فرینڈ زریڈرز اینڈ رائٹرز آنچل اسٹاف اور ہر دلچیز شہلا آئی السلام علیکم! امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ 26 اکتوبر کو میری جان سے پیاری ثانی اماں ہمیں چھوڑ گئیں کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔ اس کے بعد تو زندگی ہی نہ رہی ہو۔ ہر وقت اداسی اور بے بسی دل میں ڈیرے جمائے بیٹھی رہتی۔ ابھی اس صدمے سے نکلے ہی نہیں تھے کہ دادو (سندھ) میں میرے کزن (پھوپھو کے بیٹے) کو اس کے اپنے ہی دوستوں نے بے دردی سے شہید کر دیا۔ ابھی تو وہ صرف 19 سال کا تھا پانچ بہنوں کا لالہ بھائی اور ابو کا سہارا امی کی آنکھوں میں کتنے ہی خواب تھے ہوں گے۔ جنوری اس سال کا پہلا شمارہ ٹائٹل بہت پسند آیا۔ خوب صورت مہندی ہلکا میک اپ، جیولری اور ماڈل ہر چیز پر فیکٹ بہت عرصے بعد ٹائٹل پسند آیا۔ فہرست پر ایک نظر ڈال کر سرگوشیاں سنیں اور حمد و نعت سے مستفید ہوئی اور جواب آں میں کچھ نئے اور پرانے ساتھیوں کو دیکھ کر اچھا لگا۔ دلش کدہ تو ہمیشہ بیسٹ ہوتا ہے، تعریف کرنا سب سے بڑا اور سچا ہے۔ ہمارا آنچل میں چاروں دوستوں سے مل کر اچھا لگا نصرت جیہیں بہت خوب پھر اپنا ناول کب پڑھا رہی ہیں۔ جلدی بھیجے گا ہم انتظار میں کھڑے ہیں۔ ماریہ جو بدری پیچرز میں ہم نے بھی بہت ناول پڑھے ہیں پروا خان ڈیئر اپنی نام کی طرح بہت کیوٹ اور سویٹ لگی۔ نرہہ افتخار یار تھوڑا اور لکھ دیتی نا۔ خیر چاروں دوستوں کو دوستی کی آفر وہ بھی فری۔ سروے میں سب ہی جواب اچھے لگے مگر دعا ہاشمی (یہ جان کر کہ آپ اتنا احب کی بہن ہیں بہت خوش ہوئی مگر آپ کی امی کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین کی۔ جنت حوا اور سامعہ نے بھی اچھے جواب دیئے۔ "گروں سجدہ ایک خدا کو" مکمل ناول تبصرہ محفوظ ہے آخری قسط پڑھ کر تفصیلی لکھنوں کی مگر یہ بتادوں۔ سیدہ غزل بہت اچھا دلوں کو گرمادینے والی اور ایمان کو جلا بخشنے والی تحریر ہے۔ "سال نو مبارک" عالیہ حرانے کافی عرصے بعد لکھا اور اچھا لکھا، ایک چیز بہت پسند آئی مونا کابچوں سے عشق نیچے مجھے بہت پسند ہیں۔ "میں شرمندہ ہوں" نازیہ نے ایک خوب صورت تحریر لکھی فریحہ برغصہ بھی بہت آیا (میری ہم نام ہو کر اتنی الٹی کر گئیں) ناولٹ "کانچ کا پیکر" سیدہ ضوہار نے بہت حساس تحریر لکھی حقیقت سے تھوڑی دور لگی آج کل کے مادہ پرست دور میں کون ایسا سوچتا ہے مگر پھر بھی اچھا لگا ویل ڈن۔ ام مریم آبی بہت خوب صورتی سے ہر کردار کو لے کر آگے بڑھ رہی ہیں ویل ڈن آبی۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ بات کروں سلسلے دار ناول کی تو "ٹوٹا ہوا تارا" ٹاپ پر جا رہا ہے بہت زبردست اسٹوری لائن اور ولید کی جوڑی سمیرا آبی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ "موم کی محبت" آف یہ سو کا لڈ محبت حد ہے اتنے پاکیزہ رشتے کو جرم سا بنا دیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ محبت نہ ملی تو گئے جان سے مگر یہ سب بس ایک لمبے کی بات ہے دوسرے ہی لمحے کوئی اور مل جاتا ہے۔ انسانے سارے ہی پسند آئے مگر آ زادی یا انقلاب کی تو کیا ہی بات تھی! ام ٹاما ایک دفعہ پھر بازی لے گئی۔ اس کے علاوہ "صبح نو" نادیہ آبی کی ہلکی پھلکی مزاح سے بھر پور کہانی مزہ دے گئی بہت خوب ڈیئر! بہت سی دعائیں آپ کے لیے دوسرا عہدہ صدف آبی بہت اچھا لکھا اتنا زبردست لکھنے پر مبارک باد۔ اب جلدی سے مکمل ناول لے کر حاضر ہو جائیں میں انتظار میں ہوں۔ میری پیاری جان دلاری نازک اور

دلربا ہی دوست حیا بخاری (محبوبوں سے بھرپور) تم کچھ لکھو اور میں نہ پڑھوں ایسے تو حالات نہیں تمہارا افسانہ "اب کے برس" نئے سال کی خوشیاں لایا اور روی اور احمر کا ساتھ پسند آیا۔ بہت اچھا لگا پڑھ کر زور قلم اور زیادہ اور اب جلدی سے مکمل ناول کے درشن کرواؤ۔ خبردار اگر نال مثول سے کام لیا تو سمجھائی۔ بیاض دل میں سب کا انتخاب اچھا تھا نیرنگ خیال میں گھبت آپی سمیرا غزل (مائی فورٹ) حرا قریشی، مویرا اور عبدالحق نے بہت زبردست لکھا۔ دوست کا پیغام آئے میں زیادہ تر نئے ساگی نظر آئے۔ یادگار لمحے میں اپنا اور آپی مدیحہ کے علاوہ شازہ ہاشم کا انتخاب پسند آیا۔ حنا عروج، نصرت عارف، شبینہ منگل کا بھی اچھا انتخاب تھا اور زویا عائشہ اور جویریہ کی مسکراہٹیں بھی مزہ دے گئیں۔ اس کے بعد آئینہ دیکھنے کو دل کیا آپی شہلا اور سب ساتھیوں سے مل کر مزہ آیا۔ کچھ نئی اور پرانی دوستیں نظر آئیں، جانان نورین شاہد دعا بھی سامعہ اور نادیہ نے جامع اور اچھا تبصرہ کیا۔ ہاتھوں نے بھی اچھا تبصرہ کیا، کچھ پرانی دوستوں کے جامعہ اور زبردست قسم کے تبصروں کی کمی محسوس ہوئی خیر۔ "ہم سے پوچھئے" میں شامل آپی کے جولہات وہ بھی چٹ پنے مزہ دے گئے اس سال کا پہلا شمارہ تقریباً پورا ہی لا جواب تھا۔ دعائیں میں یاد رکھنا واستلام۔

☆ ڈیڑھ فریج! ہم آپ کو بھول گئے یا آپ کی بھول ہے بہر حال آپ کا شکفتہ انداز یہاں سمعہ تبصرہ اچھا لگا۔

ماریہ کنول ماہی..... چٹ و رکاں۔ کی سوٹ شہلا آپی استلام علیکم! کسی ہیں آپ؟ ہمیشہ خوش رہا کریں وہ بھی اپنے خرچے پر (ہاہاہاہا)۔ اب آتے ہیں آچل کی جانب تو آچل ہاتھ میں آتے ہی چھلانگ لگائی "موم کی محبت" پر لیکن ٹانگ ٹوٹ گئی یہ بڑھ کر کہ عارض صاحب کا دل بدگمان سا ہو گیا ہے پیاری شرمین کی طرف سے ویسے شرمین میری ایک رائے ہے اگر مانو تو..... تم عارض کو گولی مارنا آرام سے بونی سے شادی کر لو۔ عارض تو ہے ہی ایک نمبر کا فلرٹ اور بونی بے چارہ ابھی بچہ ضرور ہے مگر اس نے پہلی محبت تم سے ہی کی ہے اور وہ بھی انتہا درجے کی۔ پھر نیچے "ٹوٹا ہوا تارا" میڈم کا حصہ تم کس دنیا میں رہتی ہو یا محبت بھیک مانگنے سے نہیں ملتی سوائے سکے کے اور تم ہاتھ میں کھنول لیے ولید سے محبت کی بھیک مانگ رہی ہو۔ محترمہ اپنے دماغ کا ذرا علاج کراؤ۔ "مجھے ہے حکم اڈاں" ویری فنفا سٹب بہت اچھی جا رہی ہے اپنے اختتامی مراحل کی طرف سکندر بھائی ٹھیک ہو گئے عباس اب ٹھیک ہوا ہے تو قاطبہ اسے نظر انداز کیوں کر رہی ہے۔ ویسے کرنا بھی چاہیے ہاہاہا..... اپنا اسٹائل ہے۔ "کروں سجدہ ایک خدا کو" سیدہ غزل زیدی ویری ٹائس اسٹوری لکھی ہے جب پہلی قسط پڑھی تو میرا دل کیا کتا آپ کا منہ چوم لوں۔ ہمارا آچل میں چاروں بہنوں کے تعارف اچھے گئے، ہمیشہ نہیں یاد تو میری آٹھیاں ہیں ماریہ جو بدری مجھ سے دوستی کرو گی۔ دوست کا پیغام آئے سبھی کے پیغام اچھے تھے مگر انسوس میرے نام کوئی بھی نہیں آئی ارم کنال کم از کم آپ تو مجھے یاد رکھا کریں۔ یادگار لمحے سبھی اچھے تھے اور ہم سے پوچھئے پڑھ کر پیٹ میں درد شروع ہو گیا یا راس ہنس کے سمجھا کریں۔ تبصرے سبھی اچھے تھے اس دعا کے ساتھ اجازت دیں کہ اللہ پاک آپ سب کو خوش رکھے آمین اینڈ اللہ حافظ۔

عائشہ خان..... فنڈو محمد خان، سندھ۔ تمام پڑھنے والوں کو استلام علیکم! میں خیریت سے ہوں آپ سب کی خیریت نیک مطلوب جاہتی ہوں۔ ٹائٹل اس بار اچھا تھا، ٹائٹل پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے کوشش کریں کہ ہمیشہ ہی اچھا دیں کیونکہ ٹائٹل سے پورے ڈائجسٹ پر فرق پڑتا ہے۔ سب سے پہلے در جواب پڑھا، ہمیشہ کی طرح آپی جی کے جوابات اچھے گئے سرگوشیاں میں بھی آپی کی دی ہوئی معلومات کا فائدہ اٹھایا۔ صدف آصف کا دوسرا عہد نے تو میرے خیالات کو جنم جوڑ کر رکھ دیا، کئی بار آٹھوں سے آسو جا رہے ہوئے۔ صاف کیے پھر پڑھا، نزہت خالد کا کردار بیٹھ رہا۔ صدف سے پوچھتا ہے کہ نزہت خالد کا کردار حقیقی ہے یا خیالی اتنا اچھا سبق آموز لکھنے پر پیاری صدف کو مبارک باد۔ حیا بخاری "اب کے برس" اب کے برس بھی حیا رشتوں میں گندمی تحریر لے کر حاضر ہوئیں۔ احمر آندی کا کردار بظاہر اچھا لگا، معنفہ نے رشتوں کی اہمیت اجاگر کی ہے بے شک زندگی میں کام کام اور صرف کام ہی نہیں ہوتا۔ رشتوں کو بھی وقت دینا پڑتا ہے اتنی اچھی بات سمجھانے پر پیاری حیا بخاری کو بہت مبارک باد۔ سروے "بیمبا دسمبر گھر اسال" میں تمام بہنوں نے بہت اچھا لکھا، مجھے ارم کمال سے خاص انیسیت ہے اس لیے سب

سے پہلے ان کی تعریف و بیل ڈن ارم۔ باقی بہنوں نے بھی اچھا لکھا، نیرنگ خیال میں سب اچھی لگیں مگر سب سے اچھی دعا! پڑ، پیاری سویرا فلک کی لٹی۔ آؤ دعا کریں ویل ڈن سویرا فلک۔ دوست کا پیغام آئے میں تمام کے ہی اچھے لگے مگر ام شمامہ کے پیغام نے رلا دیا اللہ تعالیٰ ام شمامہ کو ان کے بھتیجوں سے من کروادے یہ میری دعا ہے آمین۔ آئینہ میں تمام بہنوں کے خطوط اچھے لگے خاص طور پر پہلی بار خط لکھنے والی پیاری بہن حافضہ خضاعا فرین کو خوش آمدید۔ ہم سے پوچھنے میں پروین کے حسب روایت سوال نہ پا کر مایوسی ہوئی، خیر ویسے تمام اچھے لگے۔ اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

ہمڈوئیر عائشہ! ٹائٹل سے متعلق آپ کی رائے سے، ہمیں بھی سو فیصد اتفاق ہے امید ہے کہ ٹائٹل آئندہ آپ کے حسن نظر کے مطابق ہوگا۔

مریم بیٹ، تمہیلہ بیٹ..... گجرات۔ السلام علیکم! شہلا آبی! آنجل اسٹاف اینڈ قارئین کیسے مزاج ہیں؟ جنوری کا آنجل خلاف معمول 24 دسمبر کو ہی مل گیا جس کی بد پر ہمارا دل گارڈن گارڈن ہو گیا۔ ٹائٹل گرل نے کچھ خاص متاثر نہ کیا، سب سے پہلے ”ٹوٹا ہوا تارا“ اسٹوری پڑھی، اچانک تابندہ بوا کے غائب ہو جانے سے شہوار کا رد عمل بہت شدید تھا اور رد عمل شدید کیوں نہ ہوتا آخروہ اپنی والدہ محترمہ سے محبت کرتی ہے ان حالات میں شہوار کو مصطفیٰ کے ساتھ کی ضرورت ہے پلیز سیرا آبی مصطفیٰ کا دل تھوڑا سا نرم کر دیں پلیز پلیز..... آبی ولید اور انا کے درمیان سے یہ کافقہ اسٹوڈنٹ کو نہیں کم کر دیں اور انا کے ساتھ کچھ نرم امت کیجیے گا۔ ”مجھے ہے حکم اڈاں“ اسٹوری پڑھی شکر اے جی سکندر صاحب کا بھی موڈ بحال ہوا۔ عباس اور فاطمہ کو بھی جلدی سے سیٹ کر دیں۔ آبی تھینک اس اسٹوری کا اب اینڈ ہونے ہی والا ہے آخر میں سب سے گزارش ہے کہ اپنے ملک پاکستان کے لیے دعا کریں کہ اللہ ہمارے پیارے پاکستان کو دہشت گردوں کے شر سے محفوظ رکھے اور سانحہ پشاور میں شہید ہونے والوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین اللہ حافظ۔

فاطمہ مصطفیٰ..... سو گودھا۔ السلام علیکم شہلا آبی! ابتدا ہے پروردگار کے بابرکت نام سے جو خالق ارض و سماں ہے۔ نئے سال کا پہلا شمارہ 22 دسمبر کو مل گیا تھا، ٹائٹل بہتر تھا۔ ماڈل کی مہندی پیاری تھی، حمد و نعت پہلے تو کبھی نہیں پڑھی مگر اس دفعہ دونوں ہی بہت پسند آئیں۔ زویہ شامی رباب ثالث، شمیم، شمیم، حضرت سلطان قرۃ العین، شامکہ کوثر، نیلام راؤ، پروا خان ماریہ اور نصرت جبین سے ملاقات اچھی رہی۔ نمرہ افتخار حیرت ہے آپ کو بے شمار دوستیں پسند نہیں جبکہ Arise تو ہجوم میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ صوفیہ نذیر 15 جنوری تمہاری سالگرہ تھی بہت مبارک ہو۔ اب آتے ہیں ”ٹوٹا ہوا تارا“ کی طرف، بہتر انداز میں آگے بڑھ رہا ہے، شہوار کو مصطفیٰ کے رویے سے پر اہم نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ کافقہ بی بی بھی اتاؤنی ہو رہی ہیں اوقات دکھانے کے لیے ویل ڈن! لالہ رخ کی فائل بھی کھول دیں اور ہادیہ کی بھی ابو بکر سے ملاقات کروادیں پلیز۔ ام مریم کی اسٹوری میں بھی سب سیٹ ہو گیا ہے آخری قسط کا انتظار ہے اب۔ عالیہ حرا کی اسٹوری زبردست تھی، ہیرو کا نام بہت خوب صورت تھا۔ ”تم کالج کا پیکر ہو“ ویرانس صوبہ ہادیہ جی! رانیہ کا فیصلہ مجھے بہت پسند آیا۔ ”میں بہت شرمندہ ہوں“ بہت خوب، جن کو سمجھانے سے سمجھ نہ آئے وہ پھر ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتے ہیں۔ نادیہ فاطمہ رضوی! بھوت بچکے والی کہانی پڑھ کر بہت مزہ آیا، کبھی سسلے ورنال لے کے آئیں تاں پلیز۔ ”دوسرا عہد“ خالہ زہمت کا کردار بہت خوب صورت تھا صدف جی۔ ”اب کے برس آزادی یا انقلاب“ اور ”نیادون“ افسانے بہترین تھے۔ ماشاء اللہ پورا شمارہ بہت اچھا لگا۔ ”ہم سے پوچھئے“ نوشین مشتاق، بیہ رائے اور جاڈہ ضیافت کے سوالات مزے سے تھے۔ یادگار لمحے میں اعم چوہدری، بخاور آسنہ، حسینہ مغل، ام حسی، نصرت عارف، جاڈہ ضیافت اور مدیحہ شہیر نے اچھا لکھا۔ تہرے سب کے ٹھک تھے سروے بھی جاندار تھا۔ نازیہ کنول کہاں ہیں آپ نئے ناول کے انتظار میں ہم بڑھے ہو جائیں گے پلیز رحیم کریں ہمارے حال پر۔

مریم مغل..... حیدر آباد، سندھ۔ آنجل اسٹاف ریڈرز اینڈ رائٹرز کو میرا بڑا خلوص سلام۔ امید ہے

آپ سب تحریریت سے ہوں گے اس ماہ ڈائجسٹ 25 دسمبر کو ہی مل گیا تھا ٹائٹل گرل بہت پیاری لگی۔ مہندی تو آف اللہ کیا خوب، مٹی لیکن یہ کیا آجکل ٹائٹل وہ بھی آجکل کے بغیر وبری سید۔ قیصر آ پا کی سرگوشیاں پڑھنے کے بعد حمد و نعت سے فیض یار ہوئے اس کے بعد در جواب آں پر چھلانگ لگائی اور اپنا نام دیکھ کر خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ مدیرہ آنٹی کا حوصلہ افزا جواب مزید لکھنے کی توانائی فراہم کر گیا۔ بھیگا دسمبر پڑھا سب نے بہت اچھے جوابات دیئے ویل ڈن قسط وار اسٹوریز بہت خوب صورتی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں باقی ڈائجسٹ ابھی پڑھا نہیں۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر ضرور ہوں گی جب تک کے لیے فی امان اللہ۔

☆ ڈیر مریم! خوش آمدید۔

مہک خلیل..... کلور کوٹ۔ السلام علیکم اسب سے پہلے آجکل کی پوری ٹیم کو میری طرف سے محبت بھرا سلام قبول ہو آئی کچھ نہیں آ رہا کتا آجکل کی تعریف کیاں سے شروع کروں یہ میرا پسندیدہ بلکہ ہارٹ فیورٹ رسالہ ہے۔ جنوری کا شمارہ ٹاپ پر رہا سب کہانیاں بہت اچھی تھیں قسط وار سلسلے بھی اچھے تھے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ میں پلیز مصطفیٰ اور شہواری کی لائف کو سیٹ کر دیں اور ”مجھے سے حکم اذان“ کا اب اینڈ کر دیں۔ زیادہ طوالت کہانی میں اب ٹھیک نہیں اور تازہ کنول نازی کا کوئی سلسلہ وار ناول شروع کریں اللہ حافظ۔

طاہرہ اینڈ گروپ..... گوجو خان۔ نترم آجکل اشاف اور معزز قارئین السلام علیکم! امید ہے آپ سب بھلے چٹکے ہوں گے ہم بھی بڑی پیاری ہیں جی (نظر لگانا منع ہے) پہلی دفعہ آپ کی محفل کو آٹھ چاند لگانے کو تشریف لائے ہیں اگر موصوع نہ دیا تو آپ کی محفل تاریک ہو جائے گی ویسے بھی لوڈ شیڈنگ عروج پر ہے اب آتے ہیں آجکل کی طرف آجکل ایک معیاری ماہنامہ ہے۔ تمام سلسلے زبردست ہیں ہمیں سیرا آ پی کے ناول میں اتنا اور ولید کا کردار بہت پسند ہے۔ سیرا آ پی سے التجا ہے کہ انہیں جدامت کیجئے گا ورنہ ہمارا معصوم دل یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ امہم ایم جی کا ناول ”مجھے سے حکم اذان“ تو ٹاپ پر ہے۔ فراز کی چٹ پٹی باتیں دل کو بہت بھاتی ہیں۔

ہرویٰ افضل شاہین..... بھاو لنگر۔ پیاری باجی شہلا عامر صاحبہ السلام علیکم! اس ہا رسالہ 2015ء کا پہلا آجکل خوب صورت ماڈل صائمہ انصاری سرور کے ساتھ میرے ہاتھوں میں ہے۔ سلسلے وار ناول اور محفل ناؤں بھی خوب جارہے ہیں۔ سروے ”بھیگا دسمبر گھر اسال“ بہت ہی اچھے تبصرے پڑھنے کو ملے۔ ہم سے پوچھئے میں عائشہ پرویز سجدہ پناز آرم کمال کے سوالات اور دعا باجی شگفتہ نورین کے اشعار مسرت محبت غفار نصیحہ آصف خان راشد ترین ریسل آرزو کی غز میں پسند آئیں۔ اس بار تو بہت جلد ہی آجکل مل گیا ہمیں انتظار جیسی کوفت سے چھٹکارا مل گیا۔ بہت بہت شکر یہ دعا ہے آجکل اور عروج حاصل کرے آمین۔

عائشہ نور عاشا..... گجرات۔ السلام علیکم! کیا حال چال ہیں جی؟ جنوری کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے ٹائٹل بہت خوب صورت خاص طور پر ماڈل کی مہندی جو کہ مجھے بہت پسند آئی سب سے پہلے نیرنگ خیال کھول کر دیکھا اس میں اپنی لکھ دیکھ کر بہت بہت خوشی ہوئی اس کے بعد باری باری تمام مستقل سلسلے پڑھے بہت خوب لگے اور معلوم ہوا کچھ نئے لوگ بھی محفل میں شریک ہو رہے ہیں جو کہ بہت خوشی کی بات ہے پھر جلدی سے سلسلہ وار کی طرف دوڑ لگائی۔ سیرا آ پی بہت اچھا لگتی ہو۔ اتنا اور ولید کو دیکھنا چاہتی ہوں باقی رسالہ ابھی نہیں پڑھا۔ دسمبر واقعی ہی بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں پشاور میں ہونے والے سانحے نے جو زخم دلوں پر لگائے ہیں وہ کبھی بھر نہیں سکتے۔ ان ننھے معصوم بچوں پر جتنا بھی افسوس کریں کم ہے اب اجازت چاہتی ہوں اللہ تمہاں۔

عائشہ پرویز..... کراچی۔ تمام آجکل اشاف اور قارئین کو پیار بھرا سلام! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ اب آئی ہوں تبصرے کی طرف جنوری کا شمارہ بولتی آنکھوں والی ماڈل بہت اچھی لگی۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد فہرست پر اک نظر ڈالی سلسلے وار ناولز دیکھ کر سکھ کا سانس لیا اور سیدھی پہنچی ”دوست کا پیغام آئے“ میں سب کے پیغام پسند آئے۔ زویا خان بخش میں بہت معصوم اور سویت ہوں پچی اس بات پر آپ کی بہنا

کو میری طرف سے جادو کی جھٹی آئینہ میں نا دیہ بنت یسین زندہ پارا مجھے کٹھے بیٹھے ٹوکے استعمال کرنے نہیں آتے تسی سمجھ توئی ہوگی اور جن جن کو میری شاعری اچھی لگی ان سب کا بہت شکریہ۔ بقایا تمام سلسلہ وار ناولز اچھے جا رہے ہیں اور تمام افسانے ناول اچھی پڑھے نہیں۔ ہاض دل ایک سے بڑھ کر ایک تھے ڈش مقابلہ سب ہی مزے دار گئے۔ مزہ آ گیا پڑھ کر بیوی کا بیڑ کی مجھے ضرورت نہیں کیونکہ میں آل ریڈی بیوی فل ہوں (ہی ہی ہی) نیرنگ خیال پڑھ کر تو میں خیالوں کی دنیا میں کھوجالی ہوں۔ یادگار لمحے واقعی یادگار رہا کیونکہ میں جو نہیں مگی۔ ہم سے پوچھنے میں سب کے چٹ پٹے سوالات اور شگفتگی کے جوابات مزہ دو بالاہ کر دیتے ہیں۔ اچھا اب چلتی ہوں پلٹی سانسوں نے بے وفائی نہ کی اور زندگی نے ساتھ دیا تو پھر چکر لگاؤں گی فی امان اللہ۔

مدیحہ زورین مہک..... بی فانی۔ السلام علیکم! بی ایقینا سب پڑھنے والے ٹھیک ہوں گے اور آٹھ نجل ہر سلسلے میں چار چاند لگا تا جا رہا ہے ہر سلسلہ ایک سے بڑھ کر ایک ہے تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ شاعری تو دل کو ہی چھو جاتی ہے ہر نثر پر عمدہ بے مثال لا جواب ہوتی ہے۔ سانچہ پڑھنے کے حوالے سے کہنا چاہتی ہوں کہ دعا کریں سب کے ہمیں اللہ تعالیٰ ان سب آزمائشوں سے بچائے جن کی وجہ سے ہماری درس گاہیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ اللہ غرق کرے ان لوگوں کو جو ہمارے چمن کو اجازت دے ہیں نفرت و انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ سب پڑھنے والوں کو سلام دعاؤں میں یاد رکھیے گا سب طیبہ نوشی ساری شاہ زندگی صوبیہ کوڑ سب کو سلام رب رکھا۔

ذرقا حوالی..... گجرات۔ السلام علیکم! کیوٹن شہلا آبی اس دفعہ آٹھ نجل 25 کو ہی مل گیا ہاتھ میں لیتے ہی رضائی میں گھس گئی اور سب سے پہلے میرا جی کا ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ شروع کیا یہ میرا موٹ فوٹ ناول ہے۔ میرا آبی پلیز شہوار کے کھ ختم کر دیں اب پھر راحت و قاف کے ناول ”موم کی محبت“ کی باری آئی صفر زیا کے ساتھ غلط کر رہا ہے بو بی برے تھانہ غصا یا۔ عارض کو بھی اب دورہ بڑ گیا وہ پاکستان نہیں آنا چاہتا۔ عالیہ نے ”سال نو“ اچھا لکھا اس کے علاوہ باقی تمام سلسلے بھی بہت زبردست ہیں تفصیلی تبصرہ اگلے ماہ ان شاء اللہ۔ اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک ہمیشہ سب کو خوش رکھے۔

رابعہ صندور..... بہاولپور۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تو میں آپ کو ڈائجسٹ کی کامیاب اشاعت پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ مبارکباد کی حق ہے آپ کی پوری ٹیم اور پروہ شخص جو اتنے اعلیٰ معیار کے ڈائجسٹ کو ہم تک پہنچانے میں آپ کا معاون ہے۔ دعا ہے کہ آٹھ نجل اسی طرح اپنی ترقی کی منازل طے کرتا رہے اور ہمیشہ اپنی سنہری کرنیں ہمیں بتاتا رہے۔ جنوری کے آٹھ نجل کا سرورق اتنا دلکش تھا کہ کالی دیر تک اسی میں کھوئی رہی اور دلچسپ کہانیوں کے لیے ڈائجسٹ کا آغاز کیا۔ ویسے تو سبھی سلسلے وار کہانیاں پسند آئیں مگر ”ٹوٹا ہوا تارا“ میں کچھ الگ بات تھی بے حد اچھی لگی۔ ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ میں اندازہ تحریر بہت عمدہ ہے۔ اس کے علاوہ ام مریم صاحبہ کا ناول ”مجھے ہے علم اذان“ کی اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہوتا ہے۔ آٹھ نجل ڈائجسٹ کی یہ خاصیت ہے کہ تقریباً سبھی اچھا لکھنے والیاں یہاں موجود ہیں آپ سے گزارش ہے کہ جو ناول سلسلہ وار شروع کیا جائے وہ بہت لمبا نہیں ہونا چاہیے چند اقساط میں ہی ختم ہو جائے تو زیادہ مزا آتا ہے۔ آٹھ نجل خواتین کی ذہنی اور روحانی تربیت کے لیے بہترین ڈائجسٹ ہے یہی وجہ ہے کہ جب نئے مہینے کے آغاز میں ڈائجسٹ آتا ہے تو ایک ہی دن میں سارا پڑھ لیتی ہوں اور سب ہمیں پڑھنے کو بے تاب ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ پاکستان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

☆ ڈیرا ربوہ! خوش آمدید آپ آئندہ بھی بڑا نجل میں شرکت کر سکتی ہیں۔

شمع مسکان..... جام پور۔ سویت شہلا آبی پیاری پیاری آٹھ نجل قارئین ورائٹرز کو شمع مسکان کا پر خلوص سلام قبول ہو۔ بہت ساری خوشیاں و دکھ سہنے ڈیمبر گزارا اور جنوری کی آمد سے پہلے ہی جنوری کے آٹھ نجل نے اپنی جھلک دکھا کر نیا سیر کا مزہ دو بالا کر دیا۔ کہہ میں لپٹی ٹھنڈی 28 ڈیمبر کی شام میں آٹھ نجل نے جلوہ افروز ہو کر میرے گھر سے اعصاب کو گرما دیا۔ رضائی اوڑھے بستر میں دیکھی اور ساتھ آٹھ نجل مطالعہ آٹھ نجل کا ساتھ واہ..... کیا بات ہے۔ سورتوں کو

جاگ کر پڑھنے کی عادت اور ایک ہی رات میں آجکل ختم مگر ہائے رے سردی دھند..... یہی رکاوٹ نہیں جلد نہ لکھنے کی کوئی پوسٹ کرنے کے لیے تیار نہیں اب 30 دسمبر کو لکھ رہی ہوں دھوپ میں بیٹھ کر۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے مستفید ہوئے، جھلکیاں پر نظر ثانی کرتے ہوئے سروے پر پہنچے ارے یہ کیا بھی میرا نام بندارڈ پھر جلدی جلدی تمام مستقل سلسلے کھنگال ڈالے۔ آئینہ کے علاوہ ہر جگہ میرا نام غائب میرے ساتھ اسکا نا انصافی۔ ناولٹ میں سب سے پہلے ام مریم کا ”مجھے سے حکم اذال“ پڑھا سکندر کے پھرے جذبات و رویہ اعتدال میں آیا تو سی اور یہ اب فاطمہ کو کیا ہوا گیا شوہر کی افرمانی یا دل آزادی سے رب کی ناراضگی اپنے نصیب کی چادر پر نہیں لے رہی۔ فراز بیٹ کر ”تم کالج کا پیکر ہو“ ضو بار یہ نے اپنے قلم کا بھر پور انداز میں چادو چکایا۔ مکمل ناول ”سال نو مبارک“ پڑھا اور جو ادا کا مونا کے لیے فیصلہ بالٹل درست تھا صرف یادوں کے ساتھ زندگی نہیں گزرتی اور افراسیاب دادا بن کر بھی اتنا ڈیسنٹ اور یگ تھا کہ اس کے لیے 24 سالہ مونا بیٹ کپل بھی مجھے بہت شک لگا یہ پڑھ کر کہ ایان افراسیاب کا پوتا ہے۔ ”میں بہت شرمندہ ہوں“ نازیہ جمال کی گھر بیوی تحریر بھی بزرگوں کی اہمیت بچیوں کو بے جا آزادی دینے کا نتیجہ سب کچھ اپنے لفظوں کے جادو سے صفحہ قرطاس پر بکھیرا۔ اچھی تحریر بھی ہمارا آجکل میں چاروں قارئین کے متعلق جان کر اچھا لگا اور پروا بہت خوشی ہوئی اپنا نام آپ کی فرینڈز کی لسٹ میں دیکھ کر۔ بیاض دل میں عافیہ ظفر فاترہ علی، نینم شرافت، سعید یہ رمضان سعدی اور نورین لطیف کے انتخاب بیٹ تھے۔ نظمیں غزلیں میں میرا غزل صدیقی اور سویرا فلک کی شاعری پسند آئی اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

☆ شمع ڈیر! آپ کی ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کی سبب شامل اشاعت ہونے سے محروم رہ جاتی ہے۔
حفصہ عمران..... جھنگ صدر۔ اسلام علیکم! سال نو کا شمارہ ہاتھ آیا دیکھ کر بہت اچھا لگا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سال 2015ء کو ہمارے وطن اور اس کی سرزمین پر بسنے والوں کے لیے مبارک کرے اور ہماری اس سرزمین کو ہر نئی آفت سے بچا کر خوشیوں کے پھولوں سے مہکا دے۔ آجکل کی ہر کہانی میں مجھے بہت خلوص اور محبت نظر آتی ہے خاص کر اس کی پیاری پیاری رائٹرز نے تو اس کی آغوش کو اور مہکا دیا ہے میری پیاری پیاری رائٹرز انمول نازیہ کنول نازی نے تو اس کا ٹھکانہ چاند لگائے ہیں۔

انیلہ اکرام..... لودھراں۔ اسلام علیکم شہلا میری طرف سے آجکل قارئین اسٹاف کو سلام۔ میرا ”ٹوٹا ہوا تارا“ کا اینڈ پلیز اچھا کیجیے گا۔ عشاء کو آ آپ پلیز جلدی سے آجکل میں اتنی دیں آپ کے ناول مجھے بہت اچھے لگتے ہیں جب شیآپ کے ناول پڑھ رہی ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے میں کسی اور دنیا میں ہوں۔ عفت محرطا ہر پلیز آپ بھی جلدی سے کوئی اچھا سا ناول لکھیں اللہ حافظ۔

ملالہ اسلم..... خانپوال۔ اسلام علیکم! شہلا آبی رائٹرز تمام معصوم سے قارئین کو معصوم سی ملالہ کا محبت سے لبریز سلام قبول ہو۔ امید ہے سب حریت سے ہوں گے آجکل 25 دسمبر کو ہی مل گیا تھا نائل بس سو سو حمد و نعت کے بعد سب سے پہلے آئینہ میں دوڑ لگائی اپنا خط دیکھ کر خوشی ہوئی۔ سروے سب کا اچھا تھا پروا خان اور ماریہ چوہدری سے مل کر اچھا لگا۔ ”مردوں سجدہ ایک خدا کو“ بلاشبہ زبردست تحریر ہے ”عیرہ کی باتوں نے سیدھا دل پر اثر کیا۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ عورت کبھی بھی کمزور نہیں ہوتی“ آپ نے ایک اچھے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ”موم کی محبت“ نہایت خوش اسلوبی سے لکھے ہوئے ہیں۔ ”صح نو کا ستارا“ دل ڈن، نادیہ فاطمہ رضوی آپ نے خوب لکھا پڑھ کر مزہ آیا، کھتی رہا کرو۔ ”سال نو مبارک“ عالیہ حرا آپ نے بالکل ٹھیک نتیجے پر قلم اٹھایا، جھلمل کرتی آنکھوں سے ناول پڑھا اینڈ پڑھ کر لب خود بخود مسکرائے بہت بہت مبارک ہو۔ ”تم کالج کا پیکر ہو“ نام دوا شوری لاجواب تھی۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ انا اور ولید کے درمیان سے اس حساس حینہ کو نکال دیجئے ولید جیسا بندہ انا ہی ڈیزرور کرتی ہے۔ ”میں بہت شرمندہ ہوں“ ایک اصلاحی تحریر بھی نازیہ جمال نے بہت اچھا پیغام دیا۔ صدف آصف نے بھی اچھا لکھا محبت اور اپنائیت کا لوکا رنگ دیکھنے کو ملا۔ ”مجھے ہے حکم اذال“

سب لوگ پی پی نظر آ رہے ہیں پڑھ کر حرا آیا۔ ”آزادی یا انقلاب“ انداز تحریر متاثر کن تھا۔ حیا بخاری اور ام ایمن نے اپنی تحریروں کے ذریعے اچھا ساغ دیا۔ بیاض دل سب نے ہی اچھا لکھا کسی ایک کی تعریف کرنا میرے لیے تو مشکل ہے۔ ڈش مقابلہ گاجر کا طوہ اور نمائندہ پلاؤز پر دست تھے۔ بیوی گائیڈ روہین احمد خوب گائیڈ کر رہی ہیں۔ نیرنگ خیال مسز گھٹت فغفار اور عبدالحق اٹریکٹ فل مجھے لگے اس کے علاوہ چند اچھ ہدیری اور حرا قریشی کا انجام تو میں نے فوراً ڈائری پر نوٹ کر لیا۔ ربیل آرزو رو کی طرح یہاں بھی تحریر لکھوں۔ ”دوست کا پیغام آئے“ سب کے پیغام اچھے تھے۔ یادگار لمحے میں آنسہ شبیر حمیراوشین عائشہ جائزہ شازبہ ہاشم فریحہ شبیر مدیحہ شبیر نے اچھا لکھا۔ دعا ہاشمی آپ کی ماساکن کر بہت افسوس ہوا اللہ آپ کو مبر دے آمین آئینہ میں سب کے تبصرے اچھے تھے اینڈ ٹھیکس جاناں آپ نے مجھے یاد رکھا۔ ہم سے پوچھے عائشہ پرویز آمنہ غلام نبی بیہ رائے کے علاوہ انیلہ تبسم کے سوالات اچھے لگے کیونکہ وہ میرے ہی شہر کی تھیں اللہ حافظ۔

☆ ڈیڑھ سالہ ارب تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی سہلی کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

شاہ زندگی راولپنڈی۔ السلام علیکم! آپی سب پڑھنے والوں کو بھی سلام اور نیا سال مبارک ہو اللہ کرے کہ یہ سال بہترین گزرے آج کل نے اب تھوڑے نخرے شروع کر دیئے ہیں دیر سے ملتا ہے نا۔ آج کل فرینڈز نے یاد کیا بہت شہریہ۔ 2014ء میں مجھے بہت زیادہ خوشیاں ملیں لیکن خوشیوں کے ساتھ غم بھی ملے جتنی بڑی بڑی خوشیاں تھیں ان سب سے بڑا غم آ گیا۔ میری دعا ہے کہ 2014ء میں جتنے بھی لوگ فوت ہوئے اللہ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام دے آمین آج کل جیسے ہی ہاتھ میں آتا ہے سب سے پہلے سلسلے وار ناول دیکھتی ہوں۔ میرا شریف طوراً آپ کے ناول کی کیا تعاببات ہے بیٹ جا رہا ہے لیکن پلیز اب شہوار کے بارے میں کہانی کو کھولیں ولید اور انا کیا شاندار کہل ہے بس ولید کو زیادہ خوب صورت بنا دیا ہے۔ ولید تھوڑا سا کھول لو یا راتابہ مدت ہو خود میں کہانا نکل جائے آپ کے ہاتھوں سے۔ ”مجھے ہے علم ازاں“ ام مریم اب ختم کرو اس ناول کو سکندر تم سے یہ امید بالکل نہیں تھی اور عباس حیدر تمہارا تو یہی مال ہونا تھا۔ مغرور انسان تم مردوں میں پتا ہے سب سے بڑی خرابی کیا ہے محبت۔ عرشہ کو بھول گئے افسوس..... بیاض دل میں طیبہ سعدیہ کوثر خالد امشاج اور مونا شاہ قریشی کے شعر دل کو بھٹائے۔ یادگار لمحے میں عابدہ محمود طیبہ سعدیہ فخر اشدہ نصرت چمنی شبینہ زانیہ نے بہت اچھا لکھا سب کو سلام اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

حافظہ خنساء آفرین جام پور۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تو نیا سال بہت مبارک اللہ پاک سے یہی دعا ہے کہ آنے والے ہر سال خیر و عافیت اور خوشیوں بھرے ہوں کیوں کہ پچھلے سال نے جاتے ہوئے ہر آنکھ کو نم کیا ہے ہمارے وطن کے پھولوں کو ہم سے جدا کیا ہے۔ اللہ پاک ان ماؤں کو صبر عطا فرمائے آمین۔ اب آتے ہیں سیدہ غزل زیدہ کے کھل ناول کی طرف ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ یہ بھی بہت اچھا جا رہا ہے اس میں عبیرہ کے بابا کا کزن دانیال ہی ہے جو زندہ ہے اور کمرے میں بند ہے۔ بانی اس کی تعریف آگے کریں گے ”ٹوٹا ہوا تارا“ میں مجھے لگتا ہے کہ کافہ اور اس کے دونوں بہن بھائی دوسروں کو تکلیف اور دکھ دینا ہی آتا ہے پلیز میرا جی ان کو کچھ عقل دیں۔ ”سال ٹو مبارک“ عالیہ حرا کی تحریر بھی اچھی تھی ”مجھے ہے علم ازاں“ لگتا ہے اختتام تک آ پہنچا ہے۔ ”ہم سے پوچھے“ یہ سلسلہ پڑھنے میں بہت مزہ آتا ہے ٹھیک آتی اتنے مزے مزے کے جواب دیتی ہیں کہ طبیعت فریش ہو جاتی ہے خیر میں بس یہی دعا ہے اللہ رب العزت سب کی حفاظت فرمائے اور ایمان کی دولت سے مالا مال کرے آمین۔

انعم جوہدیری جتوئی۔ السلام علیکم! تمام ریڈرز اینڈ رائٹرز کو اللہ بھرا سلام تو جناب ہم آگئے ہیں آج کل کے (پیش محل) آئینہ میں آج کل کا جمل ہی کا عکس دکھانے۔ حمد و نعت پڑھ کر خیال آیا کہ سرگوشیاں تو سنی ہی نہیں سرگوشیاں پڑھیں لیکن وہاں اگر ایک سطر بھی سانحہ پشاور کے بچوں اور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ہوئی تو ہمیں اور خوشی ہوئی۔ تعارف سب کے اچھے تھے پھر جلدی سے چھلانگ لگائی ام مریم پر اوہ سووری بھئی ان کے ناولٹ پر شکر ہے سکندر جلد سنبھل گیا اور عباس بھی اب قاطرہ کو بھی عباس کو اپنا مجازی خدامان ہی لینا چاہیے۔ مریم جی یہ

صالحہ کا یا تو تادم تبدیل کر دیں یا اس کا کردار اور بیانات طویل سے طویل تر ہونا جا رہا ہے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ میرا شریف کی آب رواں بھیسی تحریر پڑھ کر بہت مزا آیا۔ ”گروں جگہ ایک خدا کو“ بھی ہم اس کی تین اقساط اکٹھی پڑھیں گے۔ اشعار میں طیبہ عطار یہ کاشعر پسند آیا اللہ حافظ۔

ہلکا ڈیرا تم! سرگوشیاں میں سانحہ پشاور کا ذکر اس لیے نہیں تھا کہ تب یہ خوفناک حادثہ رونما نہیں ہوا تھا ہمارا پرچہ پہلے سے تکمیلی مراحل میں تھا۔

انعم زریں، سارہ زریں..... چکوال۔ اسلام علیکم! ڈیر شہلا آپی امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی ہمیشہ کی طرح ”مجھے ہے حکم اذان“ پڑھا۔ اس دفعہ کی قسط پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ یہ ناول اپنے اختتامی مراحل پر ہے سکندر راضی ہو گیا آخر کار۔ اب بات کی جائے ”موم کی محبت“ کی تو راحت جی آخر شرمین کو اس کے حصے کی خوشیاں کب ملیں گی؟ ان مشکل حالات میں وہ کیسے جی رہی ہے لیکن وہ ایک بہادر لڑکی ہے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ میرا جی کی کہانی تو بہت اچھی ہے لیکن ٹوٹا ہوا تارا کون سے کیا شہوار؟ ”نروں جگہ ایک خدا کو“ اس دفعہ کی قسط اچھی لگی۔ سلسلے وار ناول پڑھنے کے بعد سردے میں جھانکا تو آجکل کی تیلیوں کو پڑھنا شروع کر دیا۔ بہت سی بہنوں نے یہ تجویز دی کہ آجکل جیسا ہے ہمیں ویسا ہی چاہیے تو ہم ان سے اتفاق کرتے ہیں کہ آجکل تمام ڈائجسٹ میں سے ٹاپ پر ہے۔ بیوٹی گائیڈ میں کریموں کی تراکیب پڑھ کر محسوس ہوا کہ قدرتی چیزوں کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا آجکل جیسے ہی ہاتھ میں آتا ہے دل چاہتا ہے کہ ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالیں اور فوراً تبصرہ لکھ بیجیں۔ میری دعا ہے کہ پروردگار آجکل کو ہمیشہ ان ہی بند یوں پر قائم رکھے آمین اگلی بار تکمیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گے اللہ حافظ۔

بینش خان..... بہاولنگو۔ اسلام علیکم! سب سے پہلے سرگوشیاں پڑھیں اس کے بعد حمد و نعت پڑھی پھر دانش کدہ پڑھا اس کے بعد ”ٹوٹا ہوا تارا“ پڑھی اس دفعہ کچھ خاص اچھی نہیں لگی ”میرا آپی! آپ سے گزارش ہے کہ پلیز زیادہ لکھا کریں اور تانبہ دہلی کا ماضی اب بتادیں اس کے عداوہ آجکل کے تمام سلسلے بہت اچھے تھے شکر یہ تازہ۔

سیدہ فوزانہ حبیب فوزین..... کواچی۔ جاں سے عزیز قیصر آئی اور شہلا جی محبت بھرا پر خلوص سلام میں آجکل کی تقریباً 8 سال سے خاموش قاری ہوں۔ ہوں سنبھالنے کے بعد جب امی نے ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت دی تو سب سے پہلے آجکل نے ہی شعور آگئی کی باتیں سنھائیں اور آج تک میرا اور آجکل کا چونی دامن کا ساتھ ہے۔ مشتاق انکل کی ”دانش کدہ“ سے تا صرف میں بلکہ میرے والد بھی مستفید ہوتے ہیں قرآن مجید کی مختلف آیات اور سورہ پڑھ کر جو زیر حاصل گفتگو شامل کرتے ہیں وہ ہمارے لیے روشنی ہے (جزاک اللہ) میری فورٹ رائٹرز سب ہی ہیں مگر نازیہ کنول نازی، میرا شریف طور اور عشنا کوثر سردار ٹاپ آف دی لسٹ ہیں۔ عشنا جی کے ناول کی شدت سے کمی محسوس ہو رہی ہے۔ میرا جی کا ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ بہت ہی خوب صورت چیرائے برافقہ نام کی طرف پڑھ رہا ہے۔ ”مجھے ہے حکم اذان“ ام مریم آپ نے ایک سچے مسلمان اور ظلم کار ہونے کا حق ادا کر دیا آخر میں صرف اتنا کہنا چاہوں گی آجکل میں سرگوشیاں سے لے کر آئینہ تک سب ہی سلسلے قابل تعریف اور مفید ہیں۔ دعا ہے آجکل ادب کی دنیا میں اسی طرح جھلکے تارے اور اس کے سامنے میں ہم اسی طرح اپنے علم و دانش میں اضافہ کرتے رہیں آمین۔

ہلکا اب اس دنیا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ ب تعالیٰ ہم سب کو اپنے سایہ عافیت میں رکھے اور ہمارے وطن اور اہل وطن پر خصوصی رحم فرمائے آمین۔ اور تمام بہنوں کو جزاک اللہ آپ سب کی دعاؤں کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔



تم سے بات چیت

شمانلہ کاشف

س: پیار کی ٹریفک میں سرخ بتی جل جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: جب تک ہری بتی نہیں جلتی تب تک ایک ٹانگ پر یا سر کے بل کھڑے رہنا چاہیے چلو شاپاں جلدی سے عمل شروع کرو۔

س: آپ نئے سال پر مجھے کون سا تحفہ دے رہی ہیں جلدی سے بتائیں؟

ج: تمہارے فضول سے سوال کا جواب دے رہی ہوں کیا یہ کافی نہیں ہے۔

س: زندگی پیار کا گیت ہے اسے ہر دل کو گانا پڑے گا کوئی زیری دیتی ہے کیا؟

ج: ہمارے لیے تو نہیں تمہارے لیے ہوگی۔

س: آپ سے تم اور تم سے ٹوٹک کا سفر کیسے طے ہوتا ہے؟

ج: ویسے ہی جیسے تمہاری جیب ڈھلی ہونے پر تم.....

س: نئے سال کی ایلہلی اور اچھوتی کرن کیا کہہ رہی ہے کان میں بتادیں؟

ج: اپنے کان صاف کرو پھر بتاؤں گی۔

س: خاموشیاں کب گنگنا نے لگتی ہیں؟

ج: جب تم خاموش ہوتی ہو۔

س: بالی عمریا کے سنے اس سال بھی پورے ہوں گے یا.....؟

ج: بالی عمر کس کی؟ اب اپنی اس بڑھتی ہوئی عمر میں جھوٹ مت بولو۔

س: دل دھڑکے میں تم سے یہ کیسے کہوں کیا.....؟

ج: بس اب اور اوجھار نہیں دوں گی پہلے والے بھی واپس نہیں کیے۔

عائشہ رانا..... فیصل آباد

س: استسلام علیکم! آپنی جی میں دوبارہ آگئی زیری دیتی اپنا حق لینے کیونکہ آپ نے کون سا پریشن دیٹی تھی؟

ج: بہت ڈھیٹ ہو۔

س: آپنی آپ کو یاد کر کر کے پورا ماہ میں تھک جاتی ہوں لیکن کیا کریں آپ ہمیں یاد ہی نہیں کرتیں؟

سیمل ایمل..... کھڈیاں قصور
س: آپنی لوگ 2، 2 جمع چار کیوں کہتے ہیں؟
ج: تم پانچ کھڈو لوگوں نے کون سا یقین کرنا ہے۔
س: آپنی ہمارے یہاں تو دسمبر برستا ہے آپ کے کماچی میں کیا ہوتا ہے دسمبر میں؟

ج: ہمارے یہاں دسمبر میں شادیاں ہوتی ہیں بچہ.....

س: آپنی بھینس کتا گے بین بجانا سے کیا مراد ہے؟
ج: جو میں تمہارے گے بجا رہی ہوں اب کچھ جاؤ۔

عائشہ نور عاشا..... گجرات

س: آپنی پلیز بتائیے میں کسے یاد کر رہی ہوں؟
ج: گرمی کے موسم کو تاکہ تم کھاؤ ہے نا۔

س: مجھے آپ بہت اچھی لگتی ہو۔

ج: اب زیادہ کھن نا لگاؤ اور صرف تمہیں ہی نہیں میں سب کو اچھی لگتی ہوں۔

مدیحہ نورین مہٹ..... پونالی

س: نیوا نیر کو ان سے کیا گفت ملا؟
ج: بہت خوب سموت تمہیں نہیں بتاؤں گی جل جاؤ گی۔

س: اداس چچی ہمیشہ آنگن کے باڑ پر کیوں آ کر بیٹھتے ہیں؟

ج: تاکہ تمہارے گھونسلے جیسے بالوں میں اٹھا دے سکیں۔

س: کوئے کو خط دے کر کیوں نہیں بھیجا جاتا؟
ج: بھیجا جاتا ہے پر ملتا کسی اور کو ہے جب ہی تو محبت کسی سے اور شادی کسی سے ہوتی ہے۔

س: ٹھنڈی ٹھنڈی صبح میں آپ کی یاد آف؟
ج: اور اس پر اماں کی مارڈ مل آف..... آف۔

ارم کمال..... فیصل آباد

ج: کتنا جھوٹ بولتی ہو مجھے نہ پتہ آتی ہے نہ تمہاری طرف سے کوئی تحفہ۔

فاخرہ ایمان لاہور
س: بولا آئی! کیسی ہیں آپ؟

ج: کیا بتاؤں اپنی تعریف میں اتنی خوب صورت ہوں کہ الفاظ کم لگتے ہیں۔

س: اتنے ماہ غیر حاضر رہا آپ نے یاد نہیں کیا؟
ج: آپ کی قسم بالکل بھی نہیں۔

س: آپلی مہینہ بچ بتائیے اوکے آخری بار جھوٹ سب بولا تھا؟

ج: جھوٹ پ بولتی ہوں گی، ہم تو بولتے ہیں خدا کی بات چاہے برا لگے۔

س: ابھی سی دعا دیجیے اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔
ج: سدا خوش رہو۔

صائمہ سکندر سومرو حیدر آباد
س: بیٹا مہنگا کدہ ہر چہا؟

ج: دونوں تین مہنگا ہے کیونکہ دونوں چیز کے لیے پیسے چاہئیں جو تمہارے پاس نہیں۔

س: میرے مہیاں جی ہر ماہ بولتے ہیں یہ آخری آنچل لایا ہوں اب نہیں دوسرے ماہ پھر لاتے ہیں؟

ج: آنچل کی بات ہی ایسی ہے۔
س: کچھ روز پہلے میں نے آپ کو بازار میں دیکھا آپ ہال کالے کرنے کا کٹر لے رہی تھیں؟

ج: تمہارے لیے بھول گئیں تمہیں ہی تو دیا تھا۔

نجم انجم اعوان کورنگی، کوہاٹی
س: کافی عرصے کے بعد آپ کی محفل میں آئی ہوں جگدیں گی یا واپس کر دیں گی؟

ج: دیکھ لو جگدیل جائے تو بیٹھ جاؤ ورنہ واپس چلی جاؤ ارے تم تو زمان گئیں چلو کرسی کے نیچے بیٹھ جاؤ۔

س: آپ کے دل میں کرائے کا گھر لیتا ہے بتائیے کرایا کتنا لیں گی؟

ج: بہت زیادہ مہنگے تحفہ اور بہت سی دعائیں نقد

رقم الگ۔

س: آپلی جان میں بہت زیادہ بیمار تھی آپ پوچھنے نہیں آئیں اور نہ ہی آنچل کی دوستوں نے یاد کیا؟ کیا ہماری کوئی قدر نہیں؟

ج: بیماری کا بتا میں تو..... ہمیں الحام تو نہیں ہوتا تھا۔
س: شعر کا جواب شعر میں دیں۔

کسی اور کو آنے نہ دوں تم کو کہیں جانے نہ دوں
کاش مل جائے تیرے گھر کی حکمرانی مجھے

ج: حکمرانی تو نہیں مل سکتی ہے مجھے ماسی کی اشد ضرورت ہے بتاؤ کرو گی یہ کام وہ بھی بغیر معاوضہ کے۔

سائرہ حبیب اڈو عبد الحکیم
س: آداب شی ایسا! مجھے ایک بیماری لگ گئی ہے میں جب بھی نہا کرتی ہوں تو گیلی ہو جاتی ہوں آپ بتائیں

میں کیا کروں؟
ج: دھوپ میں کھڑی ہو جایا کر ڈسو کہ جاؤ گی۔

س: شی ایسا!

تہ ہے بہت سنے ہیں سر محفل تیری دقاؤں کے
بس دن ہونے چلی ہوں بتاؤ ساتھ چلو گی

ج: سچ بتاؤ دن ہونے یا دف ع ہونے۔
س: شی آئی! میں مزاج سنجیدہ سار کھتی ہوں کچھ حد تک

آپ سے ملنے کے شوق نے جس مزاج عطا کر دی کیا لگا؟
ج: کھرا جھوٹ، حلق تک کڑوا ہو گیا۔

گلشن شہزادی نیا لاہور
س: ایسا جالی اگر بھی مجھ پر غصہ آ جائے تو کیا کریں گی؟

ج: تمہیں کان پکڑ کر مرگی بننے کی سزا دوں گی اب جلدی سے بن کر دکھاؤ اور ٹرک دامآ زار بھی نکالو.....

س: سوان کے برسنے پر وہ کیوں گریا فاتا ہے؟
ج: چنوری جو ٹھہری۔

س: بندر کو اور ک کے سواد کا پتا کیوں نہیں چلتا؟
ج: یہ سوال تو آپ کو خود سے پوچھنا چاہیے اور جواب سب کو بتانا۔

صبا شہزادی فنکانہ صاحب

س: بیوی بھی تو شادی کے بعد مجھ کو نہیں رہتی۔
 س: محبت سزا ہے کہ جزا اے سبھی کچھ تو ہی بتا؟
 س: بتاتا کر تھک گئی ہوں، نا سمجھ لڑکی۔
سونیا اماوس اوکاڑہ
 س: شامل آئی! کیسی ہیں آپ بچپانا؟
 س: پہچان لیا یہ وہی سوٹ ہے جو تم نے مجھ سے لے کر پہنا ہے۔
 س: حیران ہونے کی ضرورت نہیں! میں وہی ہوں جس کا آپ نے ادھار.....؟
 س: چکایا تھا اب تو تم میری مقروض ہو بتاؤ کب واپس کرو گی۔
 س: آئی جی نیا سال مبارک ان کے ساتھ.....
 س: ان کے کن کے.....؟
 س: آپ کو سمجھا ہے جب سے زندگی زندگی اب.....؟
 س: گلزار لگنے لگی ہے سچ مجھے ایسا کچھ نہیں لگتا۔
 س: چنگا جی فیڑا لگے گے بے سانسوں نے دفا کہتی۔
 س: رب راکھا۔
فاطمہ خالق فاتی فیصل آباد
 س: شامل آئی! میں پہلی بار آئی ہوں اتنی سردی میں پیمیز جلدی سے دو جگ کافی بنلا میں۔
 س: بن بلائے مہمان کے لیے ہم کچھ نہیں بناتے سوائے ہاتوں کے۔
 س: آپ نے بولا ہے "ہم سے پوچھئے" پہنچا آپ یہ بتائیں آپ سے کس طرح کے سوال کروں؟
 س: کم از کم یوں اوٹ پٹا تک سوال مت کرو۔
 س: میری دوست دعا کی برتھ ڈے ہے آپ ہی بتائیں کیا تحفہ بھیجوں؟
 س: اپنی کنبھوس ایک ڈبہ میں ڈال کر دو۔
 س: سب لوگ یہ کیوں کہتے ہیں فاطمہ تم لوگوں سے بہت منفرد ہو؟
 س: وائس جی کہتے ہیں تمہارے سر پر سنگ جو ہیں۔

س: پیاری آبی جان! پہلی دفعہ آئے ہیں کیسا لگا؟
 س: اظہار بھی مشکل ہے چپ رہ بھی نہیں سکتے آف اللہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔
 س: آپ ہی ہم زندگی میں کچھ بنا چاہتے ہیں؟
 س: انسان بن جاؤ سب سے پہلے۔
 س: ہمارے ملک میں اتنی بجلی کیوں جاتی ہے؟
 س: تو تم کتنی احتس و بجلی کہیں نہیں جانتی لوڈ شیڈنگ ہوتی ہے۔
 س: ناچ نہ جانے مقررہ مکمل کریں۔
 س: تمہارے میاں جی۔
 س: دوہارہ آئے تو: راض تو نہیں ہوں گی؟
 س: بالکل بھی نہیں بس سوچ سمجھ کر آنا۔
پروین افضل شاہین بہاولنگر
 س: میں سونے کے دانت لگوانا چاہتی ہوں مگر میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین پیشل کے دانت لگوانے پر کیوں بھند ہیں؟
 س: آپ ہانگی کے دانت لگوائیں، کھانے کے اور دکھانے کے اور۔
 س: میرے میاں جانی دوسری شادی کسی پری سے کرنے پر بھند ہیں بتائیے کیا کروں؟
 س: کرنے دیں، پہلی باری میں کون سی پری مل گئی تھی جو اب ملے گی۔
 س: وہ شادی سے پہلے اتنے کنبھوس نہیں تھے اب انہیں کیا ہو گیا ہے؟
 س: یقیناً ہوش گیا ہوگا۔
سیدہ جیبا نیباس قلعہ گنگ
 س: آداب عرض کافی دنوں بعد آئے ہیں جی کوئی چائے پانی.....؟
 س: ساتھ لائی ہو اچھی بات ہے سب کو پلاؤ شا باش۔
 س: شادی کے بعد اکثر مرد بیوی کے لیے بے حس ہو جاتے ہیں؟

ج: ہمیشہ خوش رہو وہ بھی اپنے خرچے پر۔
راشدہ جمیل راشی صادق آباد
 س: شمال آئی انٹی پکڑ کر رارسہ تیاؤشس انجان ہوں؟
 ج: انجان نہیں دیکھ ہوش یا رہو تم پوری کی پوری۔
 س: آئی جی خوش رہیں مجھے دعا سے لوازیئے اب
 اجازت چاہوں گی دوبارہ آنے کے لیے (ہاہاہا)۔
 ج: سدا خوش رہو پر دانت بند کر کے۔

لائبہ میو اٹک
 س: آئی! آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت کر رہی
 ہوں ارسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیوں دیکھ رہی ہیں چشمہ
 رکھنا تھا پاس۔

ج: چشمہ تو ہے لیکن تمہارا وجود کہاں ہے۔
 س: سنا ہے آج سے پینتیس چالیس سال پہلے لوگ
 کالج سے کپڑوں کی کٹنگ کرتے تھے آپ کی چارپائی
 کے نیچے جو بکس پڑا ہے دیکھ لیں اس میں سوٹ اپنا۔

ج: ہاں تم نے ہی سی کر دیا تھا میری مانی اماں کو۔
 س: شمالہ جی بچپن یاد آ گیا جو پرات میں بیٹھ کر
 اسے کھینے کی کوشش کر رہی ہیں آپ نہیں چلا سکتیں پرات
 اب زیادہ زور نہ لگا میں کہیں.....؟

ج: کہیں تم منہ کے بل ناں گر جاؤ اب ہٹو میری
 پرات بھی خراب کر دی۔
 س: جی جی بالکل ضرور آؤں گی۔ بھی اب تو ردنا بند
 کریں پلیز؟

ج: بے وقوف یہ تو تمہارے جانے پر خوشی کے آنسو
 خود بخود نکل پڑے ہیں۔

نورین مسکان سرور سیالکوٹ ڈسکہ
 س: دل کا فیصلہ الگ ہوتا ہے اور دماغ کا فیصلہ الگ
 ہوتا ہے بتائیں کس کا فیصلہ ماننا چاہیے؟
 ج: والدین کا۔



س: آئینہ ہمیشہ کہتا ہے فاطمہ تم بہت.....
 ج: جھولی ہو ایمان سے بچ کہتا ہے۔
عائشہ پرویز کواچی
 س: آئی نیا سال نئی دعاؤں کے ساتھ مبارک ہو؟
 ج: خیر مبارک۔

س: آئی جی بھیگا بھیگا سا یہ جنوری سے اور.....؟
 ج: کافی کا ایک گگ تمہیں نہیں دوں گی۔
 س: سردی کی ابتدا ہو گئی ہے خود کو گرم رکھنے اور غصے کو
 سرد کرنے کا کون سا نسخہ تو بتائیں؟

ج: خود کو ٹھنڈے پانی سے دور رکھیں غصے تو
 ٹھنڈے پانی سے نہائیں۔

س: سردیوں کی خشک سردشائیں ہوں یا گرمیوں کی
 چاندنی بکیرنی شب میں جتنا اس سے دور بھاگوں وہ اتنا
 ہی قریب آئیں بھلا کون؟
 ج: گھر کے کام اور کون تم تو بہت کام چور ہو بھئی۔

س: سردیاں جنوری میں ہی کیوں آتی ہیں آئی اور کیا
 آپ کے دانت بھی سردیوں میں بچتے ہیں یا وہ ٹیبل پر
 ہی..... ہی ہی.....؟
 ج: ہماری چھوڑو اپنی ہتھیلی کا خیال کر دیکھیں کوئی بچہ
 لے کرنا بھاگ جائے۔

س: سردیوں کی اتنی باتیں کافی ہیں سردی لگ رہی
 ہے جی اللہ حافظ۔
 ج: تم بھی سردی کو لگ جاؤ بے چاری پناہ مانگے گی۔

عائشہ صدیقہ چکوال
 س: شمال آئی پاکستانی قومی دعا تو بتائیے؟
 ج: وزارت کی کرسی اور عوام کے لیے ہردن چھٹی۔

س: آئی یہ پیغام رسائی کے لیے آپ نے کووں کی
 خدمات یعنی شروع کر دی آج کوے نے مجھے آپ کا
 سلام دیا تھا۔

ج: تمہیں بھجوا گیا تھا آپ کی برادری کا جو ٹھہرا۔
 س: ارسے اپنی برداشت کرنے کا شکر یہ اچھی سی دعا
 دے دیں؟

ہے اور میں بہت زیادتی کے ساتھ یہ فعل انجام دیتا رہتا ہوں۔

محترم آپ (Q) USTILAGO کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

سارہ ہتول سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر کوئی مناسب علاج بتائیں۔

محترمہ آپ JABORANDI-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ظفر حسین رانا ملتان آپ کا ایک لغافہ موصول ہوا ہے جس سے پرچی نکل رہی ہے اس پرچی پر لکھا ہوا ہے ایفرو ڈائٹ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اگر آپ نے اس لغافے میں رقم رکھ کر بھیجی ہے تو آپ کی غلطی ہے ہمیں رقم نہیں ملی۔ ایفرو ڈائٹ منگوانے کے لیے صحیح طریقے پر 900 روپے کا منی آرڈر ارسال کریں ان شاء اللہ ایک ہفتے میں دوا آپ کو گھر پہنچ جائے گی۔

مشعال قاطمہ لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر جھانپیاں ہیں برائے مہربانی کوئی علاج بتادیں تاکہ تھوڑی کالی ہوگئی ہے۔

محترمہ آپ BARBARIS AQUI-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

نجمہ سیف لاٹھی سے لکھتی ہیں کہ میرا ایک مسئلہ ہے جس کا بہت علاج کیا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ خراش دار سیلان کی شکایت ہے جس سے بیرونی اعضا پر دانے نکل آتے ہیں اس کے علاوہ میرے سر کے بال تیزی سے گر رہے ہیں۔

محترمہ آپ KREOSOT-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں اور مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں

H A I R GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے بال گرنا بند ہوں گے اور گرے ہوئے



بومبئی اکنیشیا شہ مرزا

خواجہ صاحب امریکہ سے لکھتے ہیں کہ ازدواجی تعلق قائم کرنے میں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے میں بہت پریشان ہوں کسی کوئی دوا بتائیں جو یہاں مل جائے۔

محترم آپ PHOSPHORIC ACID-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ یہ دوا کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

محمد علی چشتیاں سے لکھتے ہیں کہ رات سوتے میں کپڑے خراب ہو جاتے ہیں مینے میں۔ دوسرا مسئلہ چہرے پر دانوں کا ہے دانے بہت زیادہ نکل رہے ہیں۔ تیسرا مسئلہ سر کے بالوں کا ہے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں۔ اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترم آپ SAL NIGRA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں اور GRAPHITES-200 کے 5

قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک مرتبہ پیا کریں سر کے بالوں کے لیے مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں مہرگرو دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے بال گرنا بند ہوں گے اور گرے ہوئے بالوں کی جگہ نئے اوم مغبوط بال پیدا ہوں گے۔

حنانہ نوروپورہ سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر کوئی مناسب دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ ACID PHOS- 200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ایک وقت روزانہ پیا کریں اور اس کے ساتھ H A I R

GROWER کا استعمال جاری رکھیں۔

نوید انجم لکھتے ہیں کہ مجھے جنسی خواہش شدید رہتی

آنچل فروری ۲۰۱۵ء 317

بتائیں کہ نسوانی حسن کی نشوونما کس عمر تک ہوتی ہے کیا
دوا منگوانے کے لیے رقم TCS کر سکتے ہیں۔

محترم آپ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر ڈاکخانے
کے ذریعے میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال
فرمائیں کوئی رقم ٹی سی ایس کے لفافے یا سادہ ڈاک
کے لفافے میں رکھ کر ارسال نہ کریں۔ منی آرڈر
کرنے کا طریقہ اپنے قریبی ڈاکخانے سے معلوم
کریں آپ کی رقم ملنے پر ہم آپ کو ایفرو ڈائٹ روانہ
کر دیں گے۔ ان شاء اللہ APHRODITE
کے استعمال سے آپ کے فالٹو بال ہمیشہ کے لیے ختم
ہو جائیں گے۔ نسوانی حسن کی نشوونما 22،20 سال کی
عمر تک مکمل ہے۔

اقصی امانت فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے
چہرے پر فالٹو بال ہیں جس کی وجہ سے میں بہت
پریشان ہوں بالوں کو مستقل ختم کرنے کے لیے کوئی
طریقہ بتائیں اور میرے چہرے پر دانے بھی نکلتے ہیں
اس کا بھی علاج بتائیں۔

محترم آپ GRAPHITE 30 کے 5
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا
کریں اور 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے
نام پتے پر ارسال کریں۔ APHRODAITE
آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس پر لکھی ہوئی ترکیب کے
مطابق استعمال کرنے سے فالٹو بال ان شاء اللہ ہمیشہ
کے لیے ختم ہو جائیں گے اگر ٹھیک کرنے سے
الرجی ہوتی ہے تو دیکھ سکتے ہیں۔

عائشہ بتول ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میں بڑی
امید کے ساتھ آپ کو اپنا مسئلہ لکھ رہی ہوں میرا نظام
ہاضمہ خراب رہتا ہے قبض اور گیس کی شکایت رہتی ہے
اور حسن نسواں کی کمی ہے اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترم آپ SABAL SERULATA
(Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین
وقت روزانہ پیا کریں اور 200 NUXVOM-
کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں
دن ایک مرتبہ پیا کریں اس کے علاوہ 550 روپے کا

بالوں کی جگہ نئے مضبوط بال پیدا ہوں گے۔
عمر بٹ حافظ آباد سے لکھتی ہیں کہ میری زبان
میں لکنت ہے اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ کوشش کے ذریعے لکنت دور کریں اس
کی کوئی دوا نہیں ہے۔
فائقہ جزالوالہ سے لکھتی ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے اور
حافظہ بہت کمزور ہے میرے سارے جسم کے
پٹھوں میں درد رہتا ہے۔

محترم آپ CALCIUM PHOS 6X
اور KALI کی 4،4 گولی تین وقت روزانہ کھایا
کریں 6 ماہ تک اور RHUS TOX 200 کے 5
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن
ایک مرتبہ پیا کریں۔

عذرا رمضان خانوالہ سے لکھتی ہیں کہ بچوں کی
پیدائش کے بعد میرا پیٹ اور وزن بہت بڑھ گیا ہے
میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں
میرے منٹلوں کا کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ PHYTOLACCA
BARRY (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی
میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں مبلغ 700
روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر
ارسال کریں۔ HAIR GROWER آپ
کے گھر پہنچ جائے گا۔

فاطمہ رضا ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میں بہت دہلی
پتلی ہوں کمزور ہوں مجھ سے کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔ اسی
طرح میرا بھائی بھی بہت دہلا پتلا ہے مگر وہ ہر چیز کھاتا
ہے خوراک جسم کو نہیں لگتی۔ ہم دونوں کے لیے کوئی
مناسب دوا بتادیں۔

محترم آپ AL FAL FA (Q) دونوں
کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں
وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

بیہ رائے فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ خالہ کے
ہونٹوں پر موچھوں کی طرح روالا ہے کوئی ایسی دوا
بتائیں کہ یہ روالا مستقل طور پر ختم ہو جائے اور یہ

منی آرڈر میرے کلیٹک کے نام پتے پر ارسال کر دیں
BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے حسن نسواں کی خوب صورتی بحال ہو جائے گی۔ ایف ایس فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے کوئی اولاد نہیں اور مجھے بوا سیر کی شکایت ہے۔

علاج بتادیں۔
مترمہ آپ چہرے کے تل ختم کرنے کے لیے THUJA (Q) کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور اسی دوا گولوں پر لگا میں اور آپ کی بہن کا دہلا پن دور کرنے کے لیے ALFALFA (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت ناشتے کھانے سے پہلے پیا کریں۔

مترمہ آپ COLLONSUNIA- 3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ بچے کی پیدائش کے سلسلے میں مشورے کے لیے میاں بیوی کی رپورٹ ارسال کریں۔

ممتاز بیگم فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میں خاص طور پر آپ کی صحت پڑھنے کے لیے آچل لیتی ہوں اپنے کچھ مسائل لکھ رہی ہوں برائے مہربانی ان کا کوئی ص بتائیں۔

ماریہ کنول ماہی چک درکاں سے لکھتی ہیں کہ میرا ماہانہ نظام کا مسئلہ ہے اور دوسرا مسئلہ میرا کرفیئر ہو جائے تیسرا مسئلہ میرے دانت بہت پیلے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

مترمہ آپ 30- SEPIA کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بچے کی آنکھوں کا معاملہ آنکھوں کے ڈاکٹر کو دکھائیں۔

مترمہ آپ 30- SEFCIO کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ اس کے علاوہ JODUM-1000 کے 5 قطرے ہر 15 دن میں ایک بار پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

عناہہ اقرا چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں کہ چہرے پر بال ہیں اس کا علاج بتادیں اور میری بہن کو ماہانہ نظام کی خرابی ہے۔

شائل بٹ راوی سے لکھتی ہیں کہ مجھے ماہانہ نظام کی خرابی ہے جس کی تفصیل لکھ رہی ہوں اس کا علاج بتادیں۔

مترمہ آپ بہن کو PULSATELLA- 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور آپ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلیٹک کے نام پتے پر ارسال کر دیں APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس پر لکھی ہوئی ترکیب کے مطابق استعمال کرنے سے قالتوں بال ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ مابین ناز فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

مترمہ آپ 30- SENECCIO کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مترمہ آپ 30- CHIMA FILLA کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مہ جبیں گل چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال بہت کمزور ہیں کیا میں بھی ہو جاؤں۔ مترمہ آپ بھی ہوئے بغیر ہیزر گروور لگا سکتی ہیں ان شاء اللہ بال گرنا بند ہوں گے اور نئے اور مضبوط بال پیدا ہوں گے باں لے گئے اور خوب صورت ہو جائیں گے۔

عقیدہ ناز فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بلیک ہیڈز اور سرخ دانے بھی نکلتے ہیں۔ اس کے علاوہ میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں

ن۔ ک راو پنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت تل ہیں اور میری بہن بہت کمزور ہے اس کا

ہوئے ہیں اور میرے چہرے پر تل ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ ALFALFA (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔ ٹکوں کو ختم کرنے والی دوا اور پر لکھ دی ہے اسے استعمال کریں۔
افر اصداقت گرمی حبیب اللہ سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر میرے مسئلے کا حل بتائیں۔

محترم آپ SABAL SERULATTA (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں
BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

امتیاز علی گوجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایک خاص مسئلہ لکھ رہا ہوں اور اس کے علاوہ میرے سر کے بال بہت کمزور ہیں اس کا علاج بتادیں آپ کی عین نوازش ہوگی۔

محترم آپ AGNUS CAST-30 کے 5 قطرے 3 وقت روزانہ پیا کریں۔ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں ہمیں گروو آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔
ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتہ۔

صبح 10 تا 6 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
دکان نمبر 5-C کے ڈی اے قلیس فیئر 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر 14B، تھہ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتہ
آپ کی صحت ماہنامہ آن لائن پوسٹ بکس 75 کراچی۔



اور چہرے پر بھی فالٹو ہال ہیں میرے سب مسائل کا کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ GRAPHITES-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں
HAIR GROWER اور APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے بالوں کے دونوں مسئلے حل ہو جائیں گے۔

آمنہ سعید لاہور سے لکھتی ہیں کہ میں آپ کا ہنر گرور استعمال کر رہی ہوں مگر ہال ابھی تک گر رہے ہیں میں بہت پریشان ہوں میرا مسئلہ حل کریں۔

محترم آپ ACID FLOUR-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ آپ کے بالوں کی جڑیں بہت زیادہ کمزور ہو گئی ہیں ہنر گرور کا استعمال بھی جاری رکھیں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

عبدالباسط راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ میرے معدے اور پیٹ کے نچلے حصے میں درد ہوتا ہے درو شدت میں اضافہ زیادہ بھاری یا مرغن غذاؤں سے ہوتا ہے۔ عموماً قبض رہتی ہے یا موٹن لگ جاتے ہیں۔

محترم آپ NUX VOM-30 اور CHELIDONIUM-30 کے 5.5 قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ایک خاتون لکھتی ہیں کہ میری 4 بیٹیاں ہیں آخری بیٹی کی پیدائش کے وقت میں نے برتھ کنٹرول کا آپریشن کرایا تھا اب میں بہت پریشان ہوں کہ میں نے ایسا کیوں کیا آپ سے بڑی امید کے ساتھ رجوع کر رہی ہوں کیا میرے مسئلے کا بھی کوئی حل ہے۔

محترم آپ بیٹیوں کو اللہ کی رحمت سمجھ کر پالیں اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے گا ان شاء اللہ کوئی بھی داماد بیٹے کی کمی پوری ہوگی۔

صبح الرخمن شورکوٹ سے لکھتے ہیں کہ میں ہمسائی طور سے بہت کمزور ہوں ہڈیاں نکل رہی ہیں کال پیچکے

آنچل فروری 2015ء 320

گلی باتیں

حنا احمد

جکڑن نمونیا اور کان کی تکالیف بھی لاحق ہو سکتی ہیں۔
موسم میں تبدیلی دے کا باعث بھی بن سکتی ہے
ابتدائی قدم کے طور پر ضروری ہے کہ موسم سرما کی بیماریوں
کے خلاف شروع ہی میں حفاظتی تدابیر اختیار کر لی جائیں
تا کہ ان کے حملے سے بچا جاسکے۔

عام طور پر شدید تنگی بیماریاں وائرس سے پیدا ہوتی
ہیں اور چند ہی دنوں میں ان کا زور کم ہو جاتا ہے تاہم
گنور افراد میں جراثیمی بیماریاں مختلف پیچیدگیوں کا
باعث بنتی ہیں جس بیماری کو ہم عام طور پر سادہ فلو کہتے
ہیں وہ بخار، کھانسی، ناک کا بہنا اور ناک کی بندش جیسی
تکالیف کا مرکب ہے۔ یہ شکایات تین چار روز تک رہتی
ہیں جس کے بعد ان میں کمی آ جاتی ہے۔ ایسی صورت
میں علامات کے مطابق علاج موثر ثابت ہوتا ہے عموماً
سادہ بخار، سانس کی نالیوں میں سوزش و رکاوٹ کو دور
کرنے والی دوا میں مرض کی علامات میں افاقہ لانے
میں مددگار ثابت ہوتی ہیں تاہم اگر کسی جراثیمی بیماری کا
حملہ شدید ہو تو مریض کو تیز بخار ہو جاتا ہے۔ کھانسی آتی
ہے سینے میں بلغم بننے لگتا ہے اور حلق متورم ہو جاتا ہے اس
کی کیفیت کو گلے کی سوزش کہتے ہیں۔

انفلیکشن، کان کے وسطی پردے اور گلے کی درمیانی
نالیوں کو متاثر کر سکتا ہے ان نالیوں کا تعلق گلے اور کان
سے ہوتا ہے اس لیے گلا دکھنے کے ساتھ ساتھ کان میں
درد کی شکایت بھی لاحق ہو سکتی ہے۔ کان کے انفلیکشن
میں عام طور پر اینٹی بائیوٹک ادویات سے علاج کی
ضرورت ہوتی ہے اگر بروقت مناسب علاج نہ کیا
جائے تو جلد ہی کان سے پیپ بننے لگتی ہے اور کان کے
پردے کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ان پیچیدگیوں سے بچنے
کے لیے بالخصوص اگر مریض بچہ ہو اور اسے کان کی
تکلیف بھی شروع ہو جائے تو فوراً معالج سے مشورہ کرنا
ضروری ہے۔ بچوں اور بوڑھوں میں انفلیکشن
پیچیدگیوں تک پھیل کر انہیں نمونیا میں مبتلا کر سکتا ہے
اس صورت میں مریض کو تیز بخار، شدید کھانسی، بلغم اور

موسم سرما میں بچوں کی حفاظت
موسم سرما والدین کے لیے خصوصاً نومولود بچوں کی
ماؤں کے لیے بہت پریشان کن ہوتا ہے۔ اس موسم میں
اکثر بچوں کو نزلہ و زکام کے علاوہ سینے کی تکالیف لاحق
ہو جاتی ہیں جن پر اگر فوری توجہ نہ دی جائے تو یہ بچے کی
زندگی کے لیے بڑا خطرہ ثابت ہوتی ہیں لہذا بہتر ہے کہ
سر دیوں میں بچے کو موتی اثرات سے جتنا زیادہ ہو سکے
بچایا جاسکے تاکہ اس کی صحت اور زندگی خطرات سے بچ
سکے۔

موسم سرما کے اوائل سے ہی عموماً نزلہ و زکام، کھانسی اور
سینے کی بیماریاں بچوں پر حملہ آور ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔
یہ بیماریاں وائرس کے باعث پھیلتی ہیں اگر حملہ زیادہ
شدید ہو تو بیماریاں درمہ زخروہ (گلے کی سوزش) اور نمونیا کی
شکل اختیار کر سکتی ہیں۔ موسم سرما ہر قسم کے وائرس خصوصاً
تنفس کی بیماریوں، انفلونزا اور کئی دوسری بیماریوں کے
وائرس کے لیے نہایت موزوں ہوتا ہے۔ یہ وائرس
مریض کے منہ اور ناک کی رطوبت میں موجود ہوتے ہیں
جب مریض کھانسی یا پھینکتا ہے تو وائرس والی رطوبت
کے ننھے ننھے قطرات سانس کے راستے دوسرے لوگوں
کے جسم میں پہنچ کر انہیں بھی بیمار کر دیتے ہیں۔ فلو واصل
شدید نوعیت کی تنگی بیماری سے جو سینے اور گلے کو متاثر
کر رہی ہے۔ فلو ہر عمر کے لوگوں کو لاحق ہو سکتا ہے لیکن
چھوٹی عمر کے بچے اور بوڑھے افراد اس کی زد میں آ کر
سانس کی بیماریوں میں زیادہ مبتلا ہو سکتے ہیں۔

وائرس والی بیماریاں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی
ہیں۔ سادہ نزلہ و زکام میں ناک اور آنکھوں سے پانی
بننے لگتا ہے جس کے بعد خشک یا بلغمی کھانسی ہو سکتی ہے۔
مرض میں شدت ہو تو سانس کی نالیوں کی سوزش، سینے کی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

طریقہ علاج فیزیوتھراپی بہت سود ثابت ہوتا ہے۔ اس طریقہ علاج میں مریض کی مالش کرنا اور اسے ورزش کرانا شامل ہے۔

دسے کے مریضوں کو عموماً سردیوں میں اس مرض کے دورے پڑتے ہیں ان کے لیے مناسب ہوتا ہے کہ وہ موسم سرما کے دوران حفاظتی تدابیر پر باقاعدہ عمل کریں۔ ان تدابیر میں حفاظتی ادویات کا باقاعدہ استعمال بھی شامل ہے اسپرے اور بذریعہ سانس اندر کھینچنے والی دوا میں ہمارے جسمانی نظام میں داخل نہیں ہوتی ہیں اس لیے ان کا استعمال کھانے والی دواؤں سے بہتر ہے جب کوئی ماں محسوس کرے کہ اس کے بچے کو دسے کا دورہ پڑنے والا ہے تو اسے بلا تاخیر بذریعہ سانس اندر لے جانے والے ادویاتی اسپرے کا استعمال کر دینا چاہیے تاکہ مرض کے حملے کا سدباب ہو سکے تاہم ضروری ہے کہ یہ ادویات معالجین کی تجویز کردہ ہوں اور ان کا استعمال معالجین کی ہدایت کے مطابق ہی کیا جائے۔

مریض بچے کی ماں کو چاہیے کہ اسے باقاعدہ سے بھاپ میں سانس دلائے اور اسے پالتو جانوروں سے دور رکھے۔ بچے کے کمرے میں قالین نہیں ہونے چاہئیں دسے کا مرض گرد و غبار سے یا موسم کی تبدیلی خصوصاً برسات شروع ہونے پر شدت اختیار کر لیتا ہے اس کے لیے بچے کو گرد و غبار اور بارشوں سے بچانا چاہیے۔ موسم تبدیلی ہونے پر ماں کو فوراً چوس ہو جانا چاہیے اور حفاظتی تدابیر پر عمل شروع کر دینا چاہیے اگر ماں محسوس کرے کہ بچے پر مرض کا حملہ ہونے والا ہے تو مزید پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے فوراً معالجین سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔

غیرہ احمد..... خانوال



سانس تپ میں دشواری کی شکایت لاحق ہو سکتی ہے۔ سانس کی آمد و رفت تیزی اس بات کی علامت ہے کہ مریض سینے کے شدید انفیکشن میں مبتلا ہے۔

اگر سانس میں شدت ہو اور پسلیاں چلتی ہوئی محسوس ہوں تو یہ نمونیا کے حملہ آور ہو جانے کی نشانی ہے۔ نمونے کی صورت میں فوری طور پر معالج سے مشورہ کرنا ضروری ہے نمونے کے مریض کو اینٹی بائیوٹک ادویات کے ساتھ ساتھ خصوصی نگہداشت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر مرض شدت اختیار کر لے تو مریض کو ہسپتال میں داخل کرنا ضروری ہو سکتا ہے اگر دونوں پھیپھڑے کی ہوائی نالیاں متاثر ہوں تو اسے ورم نخرہ (سانس کی نالیوں کی سوزش) کا نام دیا جاتا ہے عام طور پر بچے اس انفیکشن کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔

سینے کے ہر قسم کے انفیکشن میں مریض کو ادویاتی علاج کے ساتھ ساتھ خصوصی نگہداشت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ خصوصی نگہداشت میں مریض کو بھاپ دینا بھی شامل ہے۔ سینے کے امراض میں بھاپ دینے سے مریض کو سہارا مل جاتا ہے۔ یہ طریقہ علاج مرض کے خلاف ایک اہم حفاظتی تدبیر بھی ہے واضح رہے کہ سردیوں میں خشک کھاسی کی روک تھام اور اس کے انسداد کے لیے سینے کی ہوائی نالیوں کو مرطوب رکھنا ضروری ہے۔

سانس کی نالیوں کی سوزش میں سینے کے بلغم کو کھانسی کر باہر نکالنا ضروری ہے۔ بھاپ میں گہرے سانس لینے سے جما ہوا بلغم پتلا ہو جاتا ہے اور اسے کھانسی کر آسانی سے خارج کیا جاسکتا ہے۔ پانی میں اگر نمک بھی شامل کر لیا جائے تو اس کے بخارات سینے اور گلے کی جھی ہوئی معزز صحت رطوبتوں کے جلد اور باآسانی اخراج میں مدد دیتے ہیں۔

گہرے سانس لینا اور کھانسی لینے کی بہترین ورزش ہے کھانسنے سے سینے کی رطوبتیں باآسانی خارج ہو جاتی ہیں۔ امراض سینہ میں مبتلا مریضوں کے لیے طبی